تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

تسہیل وتخریج وعنوانات

مولانا ابو عبیداللہ صاحب

حواشی

مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ ۰ چوک اردو بازار ۰ لاہور
Ph:7223506-7230718

تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیرؒ

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھیؒ

جلد چہارم

تسہیل و تخریج و عنوانات
مولانا ابو عبید اللہ صاحب

حواشی
مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامی کتب خانہ
Islami Kutab Khana

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب : تفسیر ابن کثیر

مترجم : مولانا ابو محمد جونا گڑھی

حواشی : مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری خلف الرشید علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل : مولانا ایوب صاحب' لاہور

متن قرآن : مولانا رحیم بخش صاحب ملتان' مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کراچی

تخریج : مولانا ابو عبید اللہ صاحب' حفظہ اللہ

طابع : اسلامی کتب خانہ' فضل الٰہی مارکیٹ' چوک اُردو بازار لاہور ۷۲۳۰۷۱۸ ۷۲۲۳۵۰۶

اِس تفسیر میں قرآنِ کریم کے متن کا اُردو ترجمہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا درج کیا گیا ہے

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے' انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ الشُّعَرَآء

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ تفسیر میں اس کا نام سورہ جامعہ ہے۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

کُل رکوع: ۱۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۲۲۷

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ ع

طٰسٓمّٓ۔ یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔ شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔ اگر ہم (ان کو مؤمن کرنا) چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں۔ پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جائیں اور (ان کی حالت یہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی تازہ فہمائش۔ (حضرت) رحمٰن کی طرف ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں۔ سو (اس بے رخی کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ) انہوں نے (دین حق) کو جھوٹا بتلا دیا۔ سو عنقریب ان کی اس بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں۔ اس میں (توحید) کی ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے رحیم ہے۔

ایمان واسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے آپ کی کوششیں:

حروف مقطعہ کی بحث سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ یہ آیتیں قرآن میں کی ہیں۔ جو بہت واضح بالکل صاف اور حق و باطل کی بھلائی و برائی کے درمیان فیصلہ اور فرق کرنے والا ہے ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے آپ رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ (سورۂ فاطر:۸) تو ان کے ایمان کے نہ لانے پر حسرت افسوس نہ کر اور آیت میں ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ (سورۂ کہف:۶) کہیں ایسا تو نہیں کہ تو ان کے پیچھے اپنی جان کھودے۔ چونکہ ہماری خواہش ہی نہیں کہ لوگوں کی ایمان پر زبردستی کریں۔ اگر ہم چاہتے تو کوئی چیز آسمان سے اتارتے کہ یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ مگر ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں اور آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ (سورۂ یونس:۹۹) اگر تیرا رب چاہے تو روئے زمین کے تمام لوگ مؤمن ہو جائیں۔ کیا تو لوگوں پر جبر کرے گا۔ جب تک کہ وہ لوگ مؤمن نہ ہو جائیں اور آیت میں ہے اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ یہ اختلاف دین و مذہب بھی اس کا مقرر کیا ہوا ہے اور اس کی حکمت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اس نے رسول بھیج دیئے۔ کتابیں اتاریں۔ اپنی دلیل و حجت قائم کردی۔ انسان کو ایمان لانے نہ لانے میں مختار کر دیا۔ اب جس راہ وہ چاہے لگ جائے۔ جب کبھی آسمانی کتاب نازل ہوئی بہت سے لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ باوجود تیری پوری آرزو کے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔ سورہ یٰسین میں فرمایا: بندوں پر افسوس ہے ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا اور آیت میں ہے: ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے۔ لیکن جس امت کے پاس ان کا رسول آیا اس نے اپنے رسول کو جھٹلانے میں کمی نہ کی۔ یہاں بھی اس کے بعد فرمایا: اس نبی آخر الزماں کی قوم نے بھی اسے جھٹلایا ہے۔ انہیں بھی عنقریب اس کا بدلہ مل جائے گا۔ ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے کہ یہ کس راہ ڈالے گئے ہیں۔ پھر اپنی شان شوکت قدرت وعظمت عزت ورفعت بیان فرماتا ہے۔ جس کلام کو اور جس کے قاصد کو تم جھوٹا کہہ رہے ہو وہ اتنا بڑا قادر وقیوم ہے کہ اسی ایک نے ساری زمین بنائی ہے اور اس میں جاندار اور بے جان چیزیں پیدا کی ہیں۔ کھیت باغ و بہار سب اسی کا رچایا ہوا ہے۔ شعبی فرماتے ہیں: لوگ زمین کی پیداوار ہیں۔ ان میں جو جنتی ہیں وہ کریم ہیں اور جو دوزخی ہیں وہ لئیم ہیں۔ اس میں قدرت خالق کی بہت سے نشانیاں ہیں کہ اس نے پھیلی ہوئی زمین کو اور اونچے آسمان کو پیدا کر دیا باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا اس کے نبیوں کو دروغ گو کہتے ہیں۔ اس کی کتابوں کو نہیں مانتے۔ اس کے حکموں کا خلاف کرتے ہیں۔ اس کے منع کردہ کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بے شک تیرا رب ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سامنے مخلوق عاجز ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ نافرمانیوں کے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ تاخیر اور ڈھیل دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آ جائیں۔ لیکن پھر بھی جب وہ راست پر نہیں آتے تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور ان سے پورا انتقام لیتا ہے۔ ہاں جو توبہ کرے اور اس کی طرف جھکے اور اس کا فرمانبردار ہو جائے وہ اس پر اس کے ماں باپ سے زیادہ رحم و کرم کرتا ہے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ

إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۲﴾

اور (ان لوگوں سے اس وقت قصہ ذکر کیجئے) جب آپ نے موسیٰ کو پکارا اور حکم دیا کہ ان ظالم لوگوں کے یعنی فرعون کے پاس جاؤ (اور اے موسیٰ دیکھو) کیا یہ لوگ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے۔انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلانے لگیں اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی۔اس لئے ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دیجئے اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر ڈالیں۔ارشاد ہوا کیا مجال ہے سو (اب) تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم نصرت (امداد سے) تمہارے ساتھ میں سنتے ہیں سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور (اس سے) کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے (دونوں حضرات گئے اور فرعون سے سب مضامین کہہ دیئے) فرعون کہنے لگا کہ تم ہو کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی اس عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو۔موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔پھر جب مجھے ڈر ہوا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا۔پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا اور (رہا احسان جتلانا پرورش کا سو) وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت میں ڈال رکھا ہے۔○

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کو راہ راست پر لانے کی سعی بلیغ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم دیا تھا اسے بیان فرما رہا ہے کہ طور کے دائیں طرف سے آپ کو آواز دی۔آپ سے سرگوشیاں کیں۔آپ کو اپنا رسول اور برگزیدہ بنایا اور آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔جو ظلم پر کمربستہ تھے اور اللہ کا ڈر اور پرہیزگاری نام کو بھی ان میں نہیں رہی تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چند کمزوریاں جناب باری کے سامنے بیان کیں۔جو عنایت خداوندی سے دور کر دی گئیں۔جیسے سورہ طٰہٰ میں آپ کے سوالات کے اظہار کے بعد ہے۔﴿قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ﴾ یعنی اے موسیٰ تیرے سب سوالات پورے کر دیئے گئے۔یہاں آپ کے یہ عذر بیان ہوئے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔میرا سینہ تنگ ہے۔میری زبان لکنت والی ہے تو ہارونؑ کو بھی میرے ساتھ نبی بنا دیا جائے اور میں نے انہی میں سے ایک قبطی کو بلاقصور مار ڈالا تھا۔جس وجہ سے میں نے مصر چھوڑا۔اب جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے بدلہ نہ لے لیں۔جناب باری نے جواب دیا کہ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھ۔ہم تیرے بھائی کو تیرا ساتھی بنا دیتے ہیں اور تمہیں روشن دلیل دیتے ہیں اور وہ لوگ تمہیں

کوئی ایذا نہ پہنچا سکیں گے ۔ میرا وعدہ ہے کہ تم کو غالب کروں گا۔ تم میری آیتیں لے کر جاؤ تو سہی' میری مدد تمہارے ساتھ رہے گی۔ میں تمہاری ان سب کی باتیں سنتا رہوں گا۔ جیسے فرمان ہے: میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا دیکھتا رہوں گا۔ میری حفاظت میری مدد میری نصرت تائید تمہارے ساتھ ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ اس سے کہو کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اللہ کا فرستادہ ہے۔ فرعون سے کہا تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ وہ اللہ کے مومن بندے ہیں۔ تو نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے اور ان کی زبوں حالی کر رکھی ہے۔ ذلت کے ساتھ ان سے اپنا کام لیتا ہے اور انہیں طرح طرح کے عذاب میں جکڑ رکھا ہے۔ اب انہیں آزاد کر دے۔ حضرت موسیٰ کے اس پیغام کو فرعون نے نہایت حقارت سے سنا اور آپ کو ڈانٹ کر کہنے لگا کہ کیا تو وہی نہیں کہ ہم نے تجھے اپنے ہاں پالا۔ مدتوں تک تیری خبر گیری کرتے رہے۔ اس احسان کا بدلہ تو نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مار ڈالا اور ہماری ناشکری کی ۔ جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ علیہ صلوۃ اللہ نے فرمایا: یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں ۔ جبکہ میں بے خبر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں بجائے ﴿مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ کے مِنَ الْجَاهِلِيْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی فرمایا کہ پھر وہ پہلا حال جاتا رہا۔ دوسرا دور آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تیری طرف بھیجا۔ اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا۔ اس خطاء کے بعد جبکہ میں تم میں سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فضل مجھ پر ہوا۔ اب پرانے قصے یاد نہ کر۔ میری آواز پر لبیک کہہ۔ سن اگر ایک مجھ پر تو نے احسان کیا ہے تو میری قوم پر تو نے ظلم و تعدی کی ہے۔ ان کو بری طرح غلام بنا رکھا ہے۔ کیا میرے ساتھ کا سلوک اور ان کے ساتھ کی یہ سنگدلی اور بدسلوکی کی برابر ہو جائے گی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

فرعون (اس بات میں لاجواب ہوا اور سخن کا پہلو بدل کر اس نے) کہا کہ رب العالمین کی ماہیت (اور حقیقت کیا ہے) موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ (مخلوقات) ان کے درمیان میں ہے۔ اس کا اگر تم کو یقین کرنا ہو تو (یہ پتہ بہت ہے) فرعون نے اپنے اردگرد (بیٹھنے والوں سے کہا کہ تم لوگ کچھ سنتے ہو کہ سوال کچھ جواب کچھ) موسیٰ نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے اور تمہارے پہلے بزرگوں کا فرعون نہ سمجھا اور کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (بزعم خود) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے' مجنوں معلوم ہوتا ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ پروردگار ہے مشرق مغرب کا اور جو کچھ انکے درمیان میں ہے۔ اس کا بھی اگر تم کو عقل ہو (تو اس کو مان لو) ○

فرعون کی فرعونیت:

چونکہ فرعون نے اپنی رعیت کو بہکا رکھا تھا اور انہیں یقین دلا دیا تھا کہ معبود اور رب صرف میں ہی ہوں۔ میرے سوا کوئی نہیں۔ اس لئے ان سب کا عقیدہ یہی تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں تو اس نے کہا کہ رب العالمین

ہے کیا چیز؟ مقصد یہی تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں۔ تو جو کہہ رہا ہے محض غلط ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اس نے پوچھا: ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۴۹) موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں کلیم اللہ نے فرمایا: جس نے ہر ایک کی پیدائش کی ہے اور جو سب کا ہادی ہے۔ یہاں پر یہ یاد رہے کہ بعض منطقیوں نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کہا کہ فرعون کا سوال اللہ کی ماہیت سے تھا۔ یہ محض غلط ہے۔ اس لئے کہ ماہیت کو تو جب پوچھتا جبکہ پہلے وجود کا قائل ہوتا۔ وہ تو سرے سے اللہ کے وجود کا منکر تھا۔ اپنے اس عقیدہ کو ظاہر کرتا تھا اور ایک ایک کو یہی عقیدہ گھونٹ گھونٹ کر پلا رہا تھا گو اس کے خلاف دلائل و براہین اس کے سامنے کھل گئے تھے۔

پس اس کے اس پر رب العالمین کون ہے؟ حضرت کلیم اللہ نے جواب دیا کہ وہ سب کا خالق ہے سب کا مالک ہے۔ سب پر قادر ہے۔ سب کا معبود ہے یکتا ہے اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عالم علوی آسمان اور اس کی مخلوق عالم سفلی زمین اور اس کی کائنات سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ ان کے درمیان کی چیزیں ہوا پرند وغیرہ سب اس کے سامنے پست اور عبادت گزار ہیں۔ اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے۔ اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون سے چونکہ کوئی جواب نہ بن سکا اس لئے بات کو مذاق میں ٹالنے کے لئے لوگوں کو اپنے سکھائے بنائے ہوئے عقیدے پر جمانے کے لئے ان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا لو اور سنو! یہ میرے سوا کسی اور کو ہی اللہ مانتا ہے تعجب کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ اس کی بے التفاتی سے گھبرائے نہیں اور وجود اللہ کے دلائل بیان کرنے شروع کر دیئے کہ وہ تم سب کا اور پہلوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ آج اگر تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا سے سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا خدا کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان وزمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی میرا رب ہے وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اسی کا بھیجا ہوا میں ہوں۔ فرعون دلائل کی قوت کی تاب نہ لا سکا۔ کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا کہنے لگا: اسے چھوڑو۔ یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے سوا دوسرے کو رب کیوں مانتا۔ کلیم اللہ نے پھر بھی اپنی تقریر کو جاری رکھا۔ اس کے لغو کلام سے یکسو ہو کر فرمانے لگے کہ سنو! مشرق ومغرب کا جو مالک ہے وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج چاند ستارے مشرق سے چڑھاتا ہے مغرب کی طرف اتارتا ہے۔ اگر فرعون اپنے خدائی دعوے میں سچا ہے تو ذرا ایک دن اس کے خلاف کر کے کھا دے کہ مغرب سے نکالے اور مشرق کو لے جائے۔ یہی بات ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے بوقت مناظرہ کہی تھی۔ پہلے تو اللہ کا وصف بیان کیا کہ وہ جلاتا مارتا ہے۔ لیکن اس بیوقوف نے جبکہ اس وصف کے خدا کے ساتھ مختص ہونے کا انکار کیا اور کہنے لگا: یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں تو آپ نے باوجود اسی دلیل میں بہت سی گنجائش ہونے کے اس سے بھی واضح دلیل اس کے سامنے رکھی کہ اچھا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال۔ اب تو حواس گم ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تابڑتوڑ ایسی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے ہوش حواس گم ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر ایک میں نے نہ مانا تو کیا؟ یہ واضح دلیلیں ان سب پر تو اثر کر جائیں گی اس لئے اب اپنی قوت کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا اور حضرت موسیٰ کو ڈرانے دھمکانے لگا جیسے آگے آ رہا ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا

هِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ہِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلۡمَلَاِ حَوۡلَہٗۤ

اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۴﴾

فرعون (آخر جھلا کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا موسیٰ نے فرمایا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کر دوں تب بھی (نہ مانے گا)۔ فرعون نے کہا اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعۃً ایک نمایاں اژدہا بن گیا اور (دوسرا معجزہ دکھانے کے لئے) اپنا ہاتھ (گریبان میں دے کر) باہر نکالا تو دفعۃً سب دیکھنے والوں کے رو برو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔ فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اس کا (اصل) مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے (زور) تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو درباریوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو (چندے) مہلت دیجئے اور شہروں میں چپڑاسیوں کو (حکم نامہ دے کر) بھیج دیجئے کہ وہ (سب) شہروں سے سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کریں ○

دھمکیاں:

جب مباحثے میں فرعون بار ہا دلیل و بیان میں غالب نہ آ سکا تو قوت و طاقت کا مظاہرہ کرنے لگا اور سطوت و شوکت سے حق کو دبانے کا ارادہ کیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو جیل میں سڑا سڑا کر تیری جان لوں گا حضرت موسیٰ بھی چونکہ وعظ و نصیحت تو کر ہی چکے تھے۔ آپ نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی اسے اور اس کی قوم کو دوسری طرح قائل کروں تو فرمانے لگے: اگر اپنی سچائی پر کسی ایسے معجزے کا اظہار کروں کہ تمہیں بھی قائل ہونا پڑے' تب؟ فرعون سوائے اس کے کیا کر سکتا تھا کہ کہا: اچھا اگر سچا ہے تو پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی اپنی لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی ہی' اسے زمین پر ڈال دیا۔ بس اس کے زمین پر پڑنا تھا کہ وہ ایک اژدہے کی شکل بن گئی اور اژدہا بھی بہت بڑا تیز کچلیوں والا۔ ہیبت ناک ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا منہ پھاڑے ہوئے پھن پھناتے ہوئے۔ ساتھ ہی اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی قسمت چونکہ ایمان سے خالی تھی۔ ایسے تین معجزے دیکھ کر بھی اپنی بدبختی پر اڑا رہا اور تو کچھ بن نہ پڑی۔ اپنے ساتھیوں اور درباریوں سے کہنے لگا۔ بھئی یہ تو بڑا جادوگر نکلا۔ پس اس سے اس نے روکنا چاہا کہ کہیں وہ اسے معجزہ نہ سمجھ لیں۔ ان سے کہنے لگا۔ بھئی یہ تو جادو کے کرشمے ہیں۔ بے شک اتنا تو میں بھی مان گیا کہ ہے یہ اپنے فن جادوگری کا استاد کامل۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے گا اور جب لوگ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کرے گا۔ پھر تمہیں مغلوب کر کے اس ملک میں اپنا قبضہ کر لے گا اور جب لوگ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو اس کے استیصال کی کوشش ابھی سے کرنی چاہئے۔ بتلاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟ قدرت اللہ دیکھو کہ فرعونیوں سے اللہ تعالیٰ نے وہ بات کہلوائی' جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقعہ ملے اور لوگوں پر حق واضح ہو جائے۔ یعنی جادوگروں کو مقابلہ کے لئے بلوانا۔

یُّرِیۡدُ اَنۡ یُّخۡرِجَکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِکُمۡ بِسِحۡرِہٖ ٭ۖ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِہۡ وَ اَخَاہُ وَ ابۡعَثۡ

فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۳۶﴾ یَاۡتُوۡکَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیۡمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیۡقَاتِ

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کے گئے اور (فرعون کی طرف سے بطور اعلان عام کے) لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم جمع ہوئے (یعنی جمع ہو جاؤ) تا کہ اگر جادوگر غالب آ جاویں تو ہم ان ہی کی راہ پر رہیں پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی پیشی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ (اور انعام) ملے گا۔ فرعون نے کہا کہ ہاں اور مزید برآں تم اس صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو (میدان میں) ڈالو۔ سو انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم بے شکر ہم ہی غالب آویں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو ڈالنے کے ساتھ ہی (اژدہا بن کر) ان کے تمام تر بنے بنائے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا۔ سو (یہ دیکھ کر) جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب سجدے میں گر پڑے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون۔ علیہما السلام) کا بھی رب ہے ○

حق و باطل کا مظاہرہ، باطل کی شکست اور حق کی فتح:

مناظرہ زبانی ہو چکا۔ اب عملی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس مناظرہ کا ذکر سورۂ اعراف سورۂ طٰہٰ اور اس سورت میں ہے۔ قبطیوں کا ارادہ اللہ کے نور کے بجھانے کا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی نورانیت کا پھیلانے کا تھا۔ پس اللہ کا ارادہ غالب رہا۔ ایمان و کفر کا مقابلہ جب کبھی ہوا، ایمان کفر پر غالب ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے۔ باطل کا سر پھٹ جاتا ہے اور لوگوں کے باطل ارادے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ حق آ جاتا ہے، باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ ہر ہر شہر میں سپاہی بھیجے گئے، ہر طرف سے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کیے گئے۔ جو اپنے فن میں کامل اور استاد زمانہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد بارہ یا پندرہ یا سترہ یا انیس یا کچھ اوپر تیس یا اسی ہزار کی یا اس سے کم و بیش تھی۔ صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ان تمام کے استاد اور سردار چار شخص تھے۔ سابور، عاذور، حطحط اور مصفی۔ چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ رعیت اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے۔ سب کی زبان سے یہی وقت مقرر سے پہلے نکلتا تھا کہ جادوگروں کے غلبہ کے بعد تو ہم ان کی راہ لگ جائیں گے۔ یہ کسی زبان سے نہ نکلا کہ جس طرف حق ہوگا ہم اسی طرف ہو جائیں گے۔ اب موقعہ پر فرعون اپنے جاہ و حشم کے ساتھ نکلا۔ تمام امراء و وزرا ساتھ تھے۔ لشکر، فوج، پلٹن ہمراہ تھی۔ جادوگروں کو اپنے دربار میں اپنے سامنے بلوایا۔ جادوگروں

نے بادشاہ سے عہد لینا چاہا' اس لئے کہ جب ہم غالب آ جائیں تو بادشاہ ہمیں اپنے انعامات سے تو نہیں بھول جائیں گے۔ فرعون نے جواب دیا' واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ صرف انعام بلکہ میں تو تمہیں اپنے رؤسا میں شامل کرلوں گا اور تم ہمیشہ میرے پاس اور میرے ساتھ ہی رہا کرو گے۔ تم میرے مقرب بن جاؤ گے۔ میری تمام تر توجہ تمہاری طرف ہی رہے گی۔ وہ خوشی خوشی میدان کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کر موسیٰ سے کہنے لگے: بولو تم پہلے اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: نہیں تم ہی ابتدا کرو۔ تاکہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے۔ یہ جواب پاتے ہیں انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت سے غلبہ ہمارا ہی رہے گا۔

جیسے عوام جاہل کسی کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ فلاں کے ثواب سے۔ سورہ اعراف میں ہے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ انہیں ہیبت میں ڈال دیا اور بڑا بھاری جادو ظاہر کیا۔ سورہ طٰہٰ میں ہے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو سے ہلتی اور چلتی معلوم ہونے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ نے اپنے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا۔ جس نے سارے میدان میں ان کی جو کچھ نظر بندیوں کی چیزیں تھیں' سب کو ہضم کر دیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور باطل دب گیا اور ان کی کرائی سب غارت ہو گئی۔ یہ کوئی ہلکی سی بات اور تھوڑی سی دلیل نہ تھی۔ جادوگر تو اسے دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے کہ جو شخص اتنے استاد ان فن کے مقابلہ میں آتا ہے۔ اس کا حال جادوگروں کا سا نہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ یقیناً ہمارا جادو جادو ہے اور اس کے پاس خدائی معجزہ ہے۔ وہ تو اسی وقت وہیں کے وہیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اسی مجمع میں سب کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لا چکے پھر اپنا قول اور واضح کرنے کے لئے یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ رب العالمین سے مراد ہمارا وہ رب ہے' جسے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اپنا رب کہتے ہیں۔ اتنا بڑا معجزہ اس قدر انقلاب فرعون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ملعون کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور دشمن جان ہو گیا اور لگا اپنی طاقت سے حق کو کچلنے اور کہنے لگا کہ ہاں میں جان گیا۔ موسیٰ تم سب کا استاد تھا۔ اسے تم نے پہلے سے بھیج دیا۔ پھر تم بظاہر مقابلے کرنے کے لئے آئے اور موسیٰ مشورے کے مطابق میدان میں ہار گئے اور اس کی بات مان گئے۔ پس تمہارا یہ مکر کھل گیا۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

فرعون کہنے لگا کہ ہیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ (جادو میں) تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھا دیا ہے سو اب تم کا حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا (تاکہ اوروں کو عبرت ہو) انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم

اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے (اور) ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے اس وجہ سے کہ ہم (اس موقعہ پر حاضرین میں سے) سب سے پہلے ایمان لائے ہیں ○

فرعون کا مومنین سے پُرعتاب خطاب:

سبحان اللہ کیسے کامل الایمان لوگ تھے۔ حالانکہ ابھی ایمان میں آئے ہی تھے۔ لیکن ان کے صبر و ثبات کا کیا کہنا ہے۔ فرعون جیسا ظالم و جابر حاکم پاس کھڑے ہو کر ڈرا دھمکا رہا ہے اور وہ نڈر اور بے خوف ہو کر اس کی منشا کے خلاف جواب دے رہے ہیں۔ حجاب کفر دل سے دور ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے سینہ ٹھونک کر مقابلے پر آ گئے ہیں اور مادی طاقتوں سے بالکل مرعوب نہیں ہوئے۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ موسیٰ کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے یہ جادو نہیں۔ اسی وقت حق کو قبول کیا۔ فرعون اس اقدام پر فوراً آگ بھبوکا ہو گیا کہنے لگا کہ تم نے تو مجھے کوئی چیز ہی نہ سمجھا۔ مجھ سے باغی ہو گئے۔ مجھ سے پوچھا بھی نہیں اور موسیٰ کی مان لی؟ یہ کہہ کر پھر اس خیال سے کہ کہیں حاضرین مجلس پر ان کے ہار جانے بلکہ پھر مسلمان ہو جانے کا اثر نہ پڑے۔ اس نے انہیں سمجھانے کی ایک بات بنائی اور کہنے لگا کہ ہاں تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے، تم سب چھوٹے ہو اور یہ تمارا بڑا ہے۔ تم سب کو اسی نے جادو سکھایا ہے۔ اس مکابرہ کو دیکھو یہ صرف فرعون کی بے ایمانی اور دغابازی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے نہ جادوگروں نے حضرت کلیم اللہ کو دیکھا تھا نہ اللہ تعالیٰ کے رسول ان کی صورت سے آشنا تھے۔ پیغمبر اللہ تو جادو جانتے ہی نہ تھے۔ کسی کو کیا سکھاتے؟ یہ بات کہہ کر پھر دھمکانا شروع کیا اور اپنی ظالمانہ روش پر اتر آیا۔ کہنے لگا: میں تمہارے سب کے ہاتھ پاؤں الٹے جانب سے کاٹ دوں گا اور تمہیں پھر سولی دوں گا اور ایک کو بھی اس سے سزا سے نہ چھوڑوں گا۔ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ اے بادشاہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تجھ سے جو ہو سکے کر گزر ہمیں پروا نہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ہمیں اسی سے صلہ لینا ہے۔ جتنی تکلیف تو ہمیں دے گا اتنا اجر و ثواب ہمارا رب ہمیں عطا فرمائے گا۔ حق پر مصیبت سہنا بالکل معمولی بات ہے جس کا ہمیں مطلق خوف نہیں۔ ہماری تو اب یہی ایک آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمیں ہمارے اگلے گناہوں پر پکڑ نہ کرے۔ جو مقابلہ تو نے ہم سے کرایا اس کے وبال ہم پر سے ہٹ جائے اور اس کے لئے ہمارے پاس اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ ہم سب سے پہلے اللہ والے بن جائیں۔ ایمان میں سبقت کریں۔ اس جواب پر وہ اور بھی بگڑا اور ان سب کو اس نے قتل کرا دیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے ان بندوں کو شبا شب (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا (فرعون نے تعاقب کی تدبیر کے لئے آس پاس کے) شہروں میں چپڑاسی دوڑا دیئے اور یہ کہلا بھیجا کہ یہ لوگ (یعنی بنی

اسرائیل) ہماری نسبت تھوڑی سی جماعت ہے اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب ایک مسلم جماعت (اور باقاعدہ قوت) ہیں۔ غرض ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔ ہم نے ان کے ساتھ تو یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا○

بنی اسرائیل کی نجات:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا بہت سارا زمانہ ان میں گزرا۔ اللہ کی آیتیں دلیلیں ان پر واضح کر دیں۔ لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا۔ ان کا تکبر نہ ٹوٹا۔ ان کی بد دماغی میں کوئی فرق نہ آیا تو اب سوا اس کے کوئی چیز باقی نہ رہی کہ ان پر عذاب اللہ آ جائے اور یہ غارت ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کو وحی اللہ آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر میرے حکم کے مطابق چل دو۔ بنو اسرائیل نے اس موقعہ پر قبطیوں سے بہت سے زوار بطور عاریت کے لئے اور چاند چڑھنے کے وقت چپ چاپ چل دیئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں: اس رات چاند گہن تھا۔ حضرت موسیٰ نے راستہ میں دریافت فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا نے قبر بتلا دی۔ آپ نے تابوت یوسف اپنے ساتھ اٹھالیا۔ کہا جاتا ہے کہ خود آپ ہی نے اسے اٹھایا تھا۔ حضرت یوسفؑ کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل جب یہاں سے جانے لگے تو آپ کا تابوت اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے۔ اس نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی۔ واپسی میں آپ نے فرمایا: کبھی ہم سے مدینے میں بھی مل لینا۔ کچھ دنوں بعد اعرابی آپ کے پاس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ چاہئے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو۔ آپ نے فرمایا: افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ واقعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حضرت کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گئے۔ ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملتی۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا: یہ کیا اندھیرا ہے؟ تو علماء بنی اسرائیل نے کہا: بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے آخری وقت میں ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ کے تابوت کو بھی یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تربت کہاں ہے؟ سب نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جانتے بلکہ سوائے ایک بڑھیا کے اور کوئی بھی آپ کی قبر سے واقف نہیں۔ آپ نے اس بڑھیا کے پاس آدمی بھیج کر اس سے کہلوایا کہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دکھلا۔ بڑھیا نے کہا: ہاں دکھلاؤں گی۔ لیکن پہلے اپنا حق لے لوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا: تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ مجھے میسر ہو۔ آپ پر اس کا یہ سوال بہت بھاری پڑا۔ اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو اس کی شرط قبول کر لو۔ اب وہ آپ کو ایک جھیل کے پاس لے گئی۔ جس کے پانی کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا۔ کہا کہ اس کا پانی نکالو۔ جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا: اب یہاں کھودو۔ کھودنا شروع ہوا تو قبر بظاہر ہو گئی۔ اسے ساتھ لے لیا۔ اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ لگ گئے۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ درست یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ لوگ تو اپنے راستے لگ گئے۔ ادھر فرعون اور فرعونیوں کی صبح کے وقت جو آنکھ کھلتی ہے تو چوکیدار غلام وغیرہ کوئی نہیں۔ سخت پیچ و تاب کھانے لگے اور مارے غصے کے سرخ ہو گئے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل تو رات کو سب کے سب فرار ہو گئے ہیں تو اور بھی سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر جمع کرنے لگا۔ سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔

محض ذلیل کمین اور قلیل لوگ ہیں ہر وقت میں ان سے کوفت ہوتی رہتی ہے۔ تکلیف پہنچتی رہتی ہے اور پھر ہر وقت ہمیں ان کی

طرف سے دغدغہ لگا رہتا ہے۔ یہ معنی حَاذِرُوْنَ کی قراءت پر ہیں۔ سلف کی ایک جماعت نے اسے حَذِرُوْنَ بھی پڑھا ہے۔ یعنی ہم ہتھیاز بند ہیں۔ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دوں۔ ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دوں۔ شان اللہ یہی بات اسی پر لوٹ پڑی اور معہ اپنی قوم اور لاؤ لشکر کے بہ یک وقت ہلاک ہوا۔ لعنة الله عليه وعلى من تبعة۔ جنابِ باری کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی طاقت اور کثرت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات سے چشموں اور نہروں سے خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور جہنم واصل کیا۔ وہ اپنے بلند و بالا شوکت و شان والے محلات ہرے بھرے باغات جاری نہریں خزانے سلطنت ملک تخت و تاج جاہ و مال سب چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پیچھے مصر سے نکلے اور ہم نے ان کی یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کو دلوا دیں جو آج تک پست حال تھے۔ ذلیل و نادار تھے۔ چونکہ ہمارا ارادہ ہو چکا تھا کہ ہم ان کمزوروں کو ابھاریں اور ان کے گرے پڑے لوگوں کو برسرِ ترقی لائیں اور انہیں پیشوا اور وارث بنا دیں وہ ارادہ ہم نے پورا کیا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

یہ جملہ معترضہ تھا (آگے قصہ ہے۔ غرض ایک روز) سورج نکلنے کے وقت ان کو پیچھے سے جا لیا۔ پھر دونوں جماعتیں آپس میں ایسی قریب ہوئیں کہ ایک دوسری کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی گھبرا کر کہنے لگے۔ بس (اے موسیٰ) کہ ہم تو ہاتھ آ گئے موسیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے۔ وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) بھی رستہ بتلا دے گا اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے وہ دریا) پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسا بڑا پہاڑ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا اور انجام قصہ یہ ہوا کہ ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا (اور) اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہے (اور) بڑا مہربان ہے ○

دُنیا کا سب سے بڑا سرکش ہلاکت خیز موجوں کی نذر:

فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر کو تمام رعایا کو مصر اور بیرونِ مصر کے لوگوں کو اور اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر بڑے طمطراق سے اور ٹھاٹھ سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادہ سے چلا۔ بعض کہتے ہیں: ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی تھی۔ ان میں سے ایک لاکھ تو

صرف سیاہ رنگ گھوڑوں پر سوار تھے۔لیکن یہ خبر اہل کتاب کی ہے' جو تامل طلب ہے۔کعب سے تو منقول ہے کہ آٹھ لاکھ ایسے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہمارا تو خیال ہے کہ یہ سب بنی اسرائیل کی مبالغہ آمیز روایتیں ہیں۔اتنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ فرعون اپنی کل جماعت کو لے کر چلا' مگر قرآن نے ان کی تعداد بیان نہیں فرمائی نہ اس کا علم ہمیں کچھ نفع دینے والا ہے۔طلوع آفتاب کے وقت اہل کے پاس یہ پہنچ گیا۔کافروں نے مؤمنوں کو اور مؤمنوں نے کافروں کو دیکھ لیا۔حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ موسیٰ اب بتلاؤ کیا کریں۔پکڑ لیے گئے' آگے بحر قلزم ہے پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر ہے۔نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ظاہر ہے کہ نبی غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوسکتا۔حضرت موسیٰ نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں' تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا۔بلکہ احکم الحاکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔وہ وعدہ خلاف نہیں۔ان کے اگلے حصہ پر ہارون علیہ السلام تھے۔انہی کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا آل فرعون کا مومن دشمن تھا اور حضرت موسیٰ لشکر کے آخری حصہ میں تھے۔مارے گھبراہٹ کے اور راہ نہ پانے کے سارے بنو اسرائیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہؑ سے دریافت کرنے لگے کہ اسی راہ پر چلنے کا اللہ کا حکم تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں' اتنی دیر میں تو فرعونی سر پر آ پہنچے۔اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے نبی اس دریا پر اپنی لکڑی مارو اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو۔آپ نے لکڑی ماری۔جس کے لگتے ہی بحکم اللہ پانی پھٹ گیا۔اس پریشانی کے وقت میں حضرت موسیٰ نے یہ دعا مانگی۔ابن ابی حاتم میں ان الفاظ میں منقول ہے: ﴿یَامَنْ کَانَ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ الْمُکَوِّنُ لِکُلِّ شَیْءٍ وَالْکَائِنُ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْ لَنَا مَخْرَجًا﴾ یہ دعا حضرت موسیٰ کے منہ سے نکلی ہی تھی جو اللہ کی وحی آئی کہ دریا پر اپنی لکڑی مارو۔حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: اس رات اللہ تعالیٰ نے دریا کی طرف پہلے ہی وحی بھیج دی تھی کہ جب میرے پیغمبر حضرت موسیٰ آئیں اور تجھے لکڑی ماریں تو آپ کی سننا اور ماننا۔پس سمندر میں رات بھر تلاطم رہا۔اس کی موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی پھریں کہ نہ معلوم حضرت کعب اور کدھر سے آ جائیں اور مجھے لکڑی مار دیں۔ایسا نہ ہو کہ مجھے خبر نہ لگے اور میں ان کی حکم بجا آوری نہ کرسکوں۔جب بالکل کنارے پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی حضرت یوشع بن نونؒ نے فرمایا: اے نبی! اللہ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: یہی کہ میں سمندر میں اپنی لکڑی ماروں۔انہوں نے کہا: پھر کیا دیر ہے؟ چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا: اللہ کے حکم سے تو پھٹ اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے۔بس اسی وقت وہ پھٹ گیا۔راستے بیچ میں صاف نظر آنے لگے اور اس کے آس پاس پانی بطور پہاڑ کے ہوگیا۔اس میں بارہ راستے نکل آئے' بنو اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔پھر قدرت اللہ سے ہر دو فریق کے جو پہاڑ حائل تھا اس میں طاق سے بن گئے تاکہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے پانی مثل دیواروں کے ہوگیا اور ہوا کو حکم ہوا' اس نے درمیان میں پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دے۔پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بے کھٹکے جانے لگے۔پھر فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریا کے قریب کر دیا۔پھر موسیٰ اور بنو اسرائیل سب کو نجات مل گئی اور باقی سب کافر اسی دریا میں غرق ہوگئے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: فرعون کو جب بنو اسرائیل کے بھاگ جانے کی خبر ملی تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کہا اس کی کھال اترے' اس سے پہلے میرے اس چھ لاکھ لشکر جمع ہو جانا چاہئے۔

موسیٰ علیہ السلام بھاگا بھاگ دریا کے کنارے جب پہنچ گئے۔دریا سے فرمانے لگے: تو پھٹ جا کہیں ہٹ جا اور ہمیں جگہ دے اس نے کہا: یہ کیا تکبر کی باتیں کر رہے ہو۔کیا میں اس سے پہلے کبھی پھٹا ہوں اور ہٹ کر کسی انسان کو جگہ دی ہے' جو تجھے دوں گا۔آپ کے ساتھ جو بزرگ شخص تھے۔انہوں نے کہا: اے نبی اللہ کیا یہی راستہ اور یہی جگہ اللہ کی بتلائی ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہی' انہوں نے

کہا پھر نہ تو آپ جھوٹے ہیں نہ آپ سے غلط فرمایا گیا ہے۔ آپ نے دوبارہ یہی کہا لیکن پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ اس بزرگ شخص نے دوبارہ بھی یہی سوال کیا۔ جواب کیا؟ اسی وقت وحی اتری کہ سمندر میں اپنی لکڑی مار۔ اب آپ کو خیال آیا اور لکڑی ماری' لکڑی لگتے ہیں سمندر نے راستہ دے دیا۔ بارہ راہیں ظاہر ہوگئیں۔ ہر فرقہ اپنے راستہ کو جان گیا اور اپنی راہ لگ گیا اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بہ اطمینان تمام چل دیئے۔ حضرت موسیٰ تو بنی اسرائیل کو لے کر پار نکل گئے اور فرعونی ان کے تعاقب میں سمندر میں آ گئے کہ اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا اور سب کو ڈبو دیا۔ جب سب سے آخری بنی اسرائیلی نکلا' اور سب سے آخری قبطی سمندر میں آ گیا' اسی وقت جناب باری کے حکم سے سمندر کا پانی ایک ہو گیا اور سارے کے سارے قبطی ایک ایک کر کے ڈبو دیئے گئے۔ اس میں بڑی عبرت ناک نشانی ہے کہ کس طرح گنہگار برباد ہوتے ہیں اور نیک کردار شاد ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان جیسی دولت سے محروم ہیں بے شک تیرا رب عزیز رحیم ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم انہی (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارا کرتے ہو یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا یہ تم کو مجھ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ (انکی عبادت کرنے کی یہ وجہ تو) نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو غور سے دیکھا ہے جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ (معبودین) میرے (اور تمہارے) لئے باعث ضرر ہیں مگر ہاں رب العالمین ○

خلیل اللہ (علیہ السلام) کی تبلیغی کوششیں:

تمام موحدوں کے سردار اللہ کے بندے اور رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو یہ واقعہ سنا دیں تا کہ وہ اخلاص توکل اور خدائے واحد کی عبادت اور شرک اور مشرکین سے بیزاری میں آپ کی اقتدا کریں۔ آپ اول روز سے اللہ کی توحید پر قائم تھے اور آخر دن تک اسی توحید پر جمے رہے۔ اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے فرمایا کہ یہ بت پرستی کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پرانے وقتوں سے ان بتوں کی بندگی اور عبادت کرتے

چلے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے ان کی اس غلطی کو ان پر واضح کر کے ان کی غلط روش بے نقاب کرنے کے لئے ایک بات اور بھی بیان فرمائی کہ تم جو ان سے دعائیں کرتے ہو اور دُور نزدیک سے ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ یا جس نفع حاصل کرنے کے لئے تم انہیں پکارتے ہو وہ نفع تمہیں وہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس کا جواب جو قوم کی طرف سے ملا وہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے معبودان کاموں میں سے کسی کام کو نہیں کر سکتے۔ انہوں نے صاف کہا کہ ہم اپنے بڑوں کی تقلید کی وجہ سے بت پرستی پر جمے ہوئے ہیں۔

اِس کے جواب میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے اور ان کے معبودان باطل سے اپنی براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ صاف فرما دیا کہ تم اور تمہارے معبود جن کی تم اور تمہارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ان سب سے میں بیزار ہوں وہ سب میرے دشمن ہیں میں صرف سچے رب العالمین کا پرستار ہوں۔ میں موحد مخلص ہوں۔ جاؤ تم سے اور تمہارے معبودوں سے جو ہو سکے کرلو۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا: تم اور تمہارے سارے معبود مل کر اگر میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو تامل نہ کرو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: میں تم سے اور خدائے واحد کے سوا اور تمام معبودوں سے بیزار ہوں۔ تم سب اگر مجھے کوئی نقصان پہنچا سکتے ہوں تو پہنچا دو۔ میرا بھروسہ اپنے رب کی ذات پر ہے۔ تمام جاندار اس کے ماتحت ہیں۔ وہ سیدھی راہ والا ہے۔ اسی طرح خلیل الرحمٰن علیہ صلوات الرحمٰن نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ڈر تو تمہیں میرے رب سے رکھنا چاہئے' جو سچا اللہ ہے۔ آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ مجھ میں تم میں عداوت ہے۔ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ میں اے باپ تجھ سے اور تیری قوم اور تیرے معبودوں سے بری ہوں۔ صرف اپنے رب سے آرزو ہے کہ وہ مجھے راہ راست دکھلائے۔ اسی کو یعنی لا الٰہ الا اللہ کو انہوں نے کلمہ بنا لیا۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ کو میری مصلحتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے) تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو کچھ (وقت پر) موت دے گا۔ پھر قیامت کے روز مجھ کو زندہ کرے گا اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔ ○

یہ یقین:

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنے رب کی صفات بیان فرماتے ہیں کہ میں تو ان اوصاف والے رب کا ہی عابد ہوں۔ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ پہلا وصف یہ کہ وہ میرا خالق ہے۔ اسی نے اندازہ مقرر کیا ہے اور وہی مخلوقات کی اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ ہادی حقیقی ہے جسے چاہتا ہے اپنی راہ چلاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے اسے غلط راہ پر لگا دیتا ہے۔ تیسرا وصف میرے رب کا یہ ہے کہ وہ رزاق ہے۔ آسمان و زمین کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا اٹھانا پھیلانا ان سے بارش کا برسانا اس سے زمین کا زندہ کرنا پھر پیداوار کا اگانا اسی کا کام ہے وہی میٹھا اور پیاس بجھانے والا پانی ہمیں دیتا ہے اور اپنی مخلوق کو بھی۔ غرض کھلانے پلانے والا وہی ہے۔ ساتھ ہی بیماری تندرستی بھی اسی کے ہاتھ ہے۔ لیکن خلیل اللہ کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی

اور شفا کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ بیماری بھی اسی کی قضا اور قدر سے اور اسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یہی لطافت سورہ فاتحہ کی دعا میں بھی ہے کہ انعام وہدایت کی اسناد تو خدائے عالم کی طرف ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کر دیا ہے اور ضلالت بندے کی طرف منسوب کی دی ہے۔ سورہ جن میں جنات کا قول بھی ملاحظہ ہو۔ جہاں انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والی مخلوق کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یہاں بھلائی کی نسبت رب کی طرف کی گئی اور برائی کے ارادے میں یہ نسبت ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس اللہ کے اور کوئی قادر نہیں۔ دوا میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کے بس کی چیز ہے۔ موت وحیات پر قادر بھی وہی ہے۔ ابتدا انتہا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی نے پہلی پیدائش کی ہے، وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ دنیا اور آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ غفور ورحیم وہی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

اے میرے رب! مجھ کو حکمت عطا فرما اور (مراتب قرب میں) مجھ کو اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ کو توفیق ایمان کی دے کر اس کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے اور جس روز سب زندہ ہو کر آئیں گے اس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ اس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آوے گا اور نہ اولاد۔ مگر اس کی نجات ہوگی جو اللہ کے پاس (کفر وشرک سے) پاک دل لے کر آئے گا ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حکم سے مراد عام عقل خدائی کتاب اور نبوت ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے یہ چیزیں عطا فرما کر دینا اور آخرت میں نیک لوگوں میں شامل رکھ۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخری وقت میں دعا مانگی تھی کہ خدایا! اعلیٰ رفیقوں میں ملا دے۔ تین بار یہی دعا کی۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی منقول ہے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مُبَدَّلِيْنَ۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور مسلمانی کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں میں ملا دے۔ درآنحالیکہ نہ رسوائی ہو نہ تبدیلی۔

پھر اور دعا کرتے ہیں کہ میرے بعد میرا ذکر خیر لوگوں میں جاری رہے۔ لوگ نیک باتوں میں میری اقتدا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر پچھلی نسلوں میں باقی رکھا۔ ہر ایک آپ پر سلام بھیجتا ہے۔ اللہ کسی نیک بندے کی نیکی اکارت نہیں کرتا۔ ایک جہان ہے جن کی زبانیں آپ کی تعریف وتوصیف سے تر ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اونچائی اور بھلائی دی۔ عموماً ہر مذہب وملت کے لوگ خلیل اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر جمیل جہاں دنیا میں باقی رہے وہاں آخرت میں بھی جنتی بنایا جاؤں اور خدایا!

میرے گمراہ باپ کو بھی معاف فرما۔ لیکن اپنے کافر باپ کے لئے یہ استغفار کرنا ایک وعدے پر تھا۔ جب آپ پر اُس کا دشمن اللہ ہونا کھل گیا کہ وہ کفر پر ہی مرا تو آپ کے دل سے اس کی عزت محبت جاتی رہی اور استغفار کرنا بھی ترک کر دیا۔ ابراہیم بڑے صاف دل اور بردبار تھے۔ ہمیں بھی جہاں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرنے کا حکم ملا ہے۔ وہیں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس بات میں اس کی پیروی نہ کرنا۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ مجھے قیامت کے دن رسوائی سے بچا لینا۔ جن کہ تمام اگلی پچھلی مخلوق زندہ ہو کر ایک میدان میں کھڑی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے ملاقات ہو گی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت سے اور گرد وغبار سے آلودہ ہو رہا ہے اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ جناب باری میں عرض کریں گے کہ پروردگار! تیرا مجھ سے وعدہ ہے کہ اس دن مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ سن لے کہ جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمائیں گے کہ دیکھو میں تجھے نہیں کہہ رہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر۔ باپ جواب دیں گے کہ اچھا اب نہ کروں گا۔

آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس دن مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اب اس سے بڑھ کر اور رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ اس طرح رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیلؑ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ پھر فرمائے گا: ابراہیمؑ دیکھ تیرے پیروں تلے کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک بدصورت بجو کیچڑ پانی میں لتھڑا کھڑا ہے۔ جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حقیقتاً یہی ان کے والد ہوں گے۔ جو اس صورت میں کر دیئے گئے اور اپنی مقررہ جگہ پہنچا دیئے گئے۔ اس دن انسان اگر اپنا فدیہ مال سے ادا کرنا چاہے گو دنیا بھر کے خزانے دے دے لیکن بے سود ہے نہ اس دن اولاد فائدہ دے گی۔ اگر تمام اہل زمین کو اپنے بدلے میں دینا چاہے پھر بھی لاحاصل۔ اس دن نفع دینے والی چیز ایمان اخلاص اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری ہے۔ جس کا دل صالح ہو یعنی شرک و کفر کی میل کچیل سے صاف ہو۔ اللہ کو سچا جانتا ہو۔ قیامت کو یقینی مانتا ہو۔ حشر نشر پر ایمان رکھتا ہو۔ اللہ کی توحید کا قائل اور عامل ہو۔ نفاق وغیرہ سے دل مریض نہ ہو۔ بلکہ ایمان، اخلاص اور نیک عقیدے سے دل صحیح اور تندرست ہو۔ بدعتوں سے نفرت رکھتا ہوں اور سنت سے اطمینان اور اُلفت رکھتا ہو۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور (اس روز) خداترسوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے جنت نزدیک کردی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کردی جائے گی اور (اس روز) ان سے کہا جائے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے کیا اس وقت وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں۔ پھر (یہ کہہ کر) وہ (معبودین) اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب دوزخ میں اوندے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ وہ کفار دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔ اور ہم کو تو پس ان بڑے مجرموں نے (جو کے بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا سو (اب) کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑا لے) اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی دلسوزی ہی کر لے) سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے۔ بے شک اس واقعہ میں (بھی طالبان حق کے لئے) ایک بڑی عبرت ہے اور باوجود (اس کے) ان (مشرکین مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بے شک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے ○

بہشت بریں مومنوں کی بہترین منزل:

جن لوگوں نے نیکیاں کی تھیں، برائیوں سے بچے تھے، جنت اس دن ان کے پاس ہی ان کے سامنے وہی زیب وزینت کے ساتھ موجود ہوگی اور سرکشوں کے لئے اسی طرح جہنم ظاہر ہوگی۔ اس میں سے ایک گردن نکل کھڑی ہوگی جو گنہگاروں کی طرف غضبناک تیوروں سے نظر ڈالے گی اور اس طرح شور مچائے گی کہ دل اُڑ جائیں گے، کلیجے ہل جائیں گے اور مشرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا کہ تمہارے معبودانِ باطل جنہیں تم ماسوا اللہ پوجتے تھے، کہاں ہیں۔ کیا وہ کچھ تمہاری مدد کرتے ہیں یا خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ عابد معبود سب دوزخ میں الٹے لٹک رہے ہیں اور جل بھن رہے ہیں۔ تابع و تبوع سب اوپر تلے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

ساتھ ہی ابلیس کے کل لشکری بھی اوّل سے آخر تک۔ وہاں سفلے لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھی تمہاری مانی۔ آج تم ہمیں عذاب سے کیوں نہیں چھڑاتے۔ سچ تو یہ ہے ہم ہی بالکل گمراہ تھے۔ راہ سے دور ہو گئے تھے کہ تمہارے احکام اللہ کے احکام سمجھ بیٹھے تھے اور رب العالمین کے ساتھ تمہاری بھی عبادت کرتے رہے۔ گویا تمہیں رب کے برابر سمجھے ہوئے تھے۔ افسوس ہمیں اس خطرناک اور غلط راہ پر مجرموں نے لگائے رکھا۔ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہ رہا۔ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی ہمارا شفیع ہے؟ جو ہماری شفاعت کرے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں؟ اور وہاں جا کر اب تک کے کئے ہوئے اعمال کے خلاف عمل کریں۔ جہاں ہمارا کوئی سفارشی بھی ہمیں نظر نہیں آتا۔ وہاں کوئی قریبی سچا دوست بھی نہیں رہتا کہ وہی ہماری ہمدردی وغم خواری کرے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی صالح شخص سے ہماری دوستی ہوتی تو وہ ضرور آج ہمیں نفع دیتا اور اگر کوئی ہمارا ولی محب ہوتا تو ضرور ہماری شفاعت کے لئے آگے بڑھتا اور اگر ہمیں پھر سے دنیا میں جانا ملتا تو ہم اپنے آپ ان بداعمال کا تدارک کر لیتے۔ اپنے رب کی ہی مانتے اور اسی کی عبادتیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ بدبخت ازلی اگر دوبارہ بھی دنیا میں لائے جائیں تو وہی بد

اعمالیاں پھر سے شروع کر دیں۔ سورہ صٓ میں ان جہنمیوں کے جھگڑے کا بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کا یہ جھگڑا یقیناً ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی اس میں یقیناً اللہ کی خدائی پر اور اس کی یکتائی پر صاف برہان موجود ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے رکے ہوئے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تیرا پالنہار پروردگار پورے غلبے اور قوت والا ساتھ ہی بخشش و رحم والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰۵ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸ وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۹ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۱۰

قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو اس کا مقتضا یہ ہے کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور نیز میں تم سے کوئی دنیوی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ سو میری اس بے غرضی کا مقتضا بھی یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ○

قوم نوح کی نافرمانی:

زمین پر سب سے پہلے جب بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ شیطانی راہوں پر لگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسولوں کے سلسلے کو حضرت نوح علیہ السلام نے شروع کیا۔ جنہوں نے آ کر لوگوں کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اس کی سزاؤں سے انہیں آگاہ کیا۔ لیکن وہ اپنے ناپاک کرتوتوں سے باز نہ آئے غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا۔ ان کے دشمن بن گئے اور ایذارسانی کے درپے ہو گئے۔ حضرت نوحؑ کا جھٹلانا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا۔ اس لئے آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نوح نے نبیوں کو جھٹلایا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے تو انہیں اللہ کا خوف رکھنے کی نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو تو عذاب اللہ کا تمہیں ڈر نہیں۔ جس طرح توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا: میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس کا پیغام ہو بہو وہی ہے جو تمہیں سنا رہا ہوں۔ پس تمہیں اپنے دلوں کو خوف اللہ سے پُر رکھنا چاہئے اور میری تمام باتوں کو بلا چون و چرا مان لینا چاہئے اور سنو! میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا مقصد اس سے صرف یہی ہے کہ میرا رب مجھے اس کا بدلہ اور ثواب عطا فرمائے گا۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ میری سچائی میری خیر خواہی تم پر خوب روشن ہے۔ ساتھ ہی میری دیانت داری اور امانت داری بھی تم پر واضح ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝۱۱۱ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۲ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۳ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۴ اِنْ اَنَا اِلَّا

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہوئے ہیں۔نوح (علیہ السلام) فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے تو مجھ کو کیا بحث ان سے حساب کتاب لینا بس اللہ کا کام ہے کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور میں ایمانداروں کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں ○

کتنی حماقت کی بات:

قوم نوح نے پیغمبر کا جواب دیا کہ چند سفلے اور چھوٹے لوگوں نے تیری بات مانی ہے۔ہم سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ ان رذیلوں کا ساتھ دیں اور تیری مان لیں۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جواب دیا۔یہ میرا فرض نہیں کہ کوئی حق قبول کرنے کو آئے تو میں اس سے اس کی قوم اور پیشہ دریافت کرتا پھروں۔اندرونی حالات پر اطلاع رکھنا حساب لینا اللہ کا کام ہے۔افسوس تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔تمہاری اس غلط خواہش کو پوری کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔کہ میں ان مسکینوں سے اپنی محفل خالی کرالوں۔میں تو اللہ کی طرف سے ایک آگاہ کر دینے والا ہوں۔جو بھی مانے وہ میرا اور جو نہ مانے وہ اپنی جانے۔شریف ہو یا رذیل ہو امیر ہو یا غریب ہو جو میری مانے میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

ع ۱

وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر تم اس کہنے سننے سے) اے نوح باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری قوم مجھ کو برابر جھٹلا رہی ہے۔سو آپ میرے اور اس کے درمیان میں ایک عملی فیصلہ کر دیجئے اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں ان کو (اس ہلاکت سے نجات دیجئے۔تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور) ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے۔ان کو نجات دی پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔بے شک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے ○

حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکیاں:

لمبی مدت تک جناب نوح علیہ السلام ان میں رہے۔دن رات انہیں راہ اللہ کی دعوت دیتے رہے۔لیکن جوں جوں آپ اپنی نیکی میں بڑھتے گئے وہ اپنی بدی میں زیادہ ہوتے گئے۔بالآخر زور باندھتے باندھتے صاف کہہ دیا کہ اگر اب ہمیں اپنے دین کی دعوت دی تو

ہم تجھ پر پتھراؤ کر کے تیری جان لے لیں گے۔ آپ کے ہاتھ بھی جناب باری میں اٹھ گئے۔ قوم کی تکذیب کی شکایت آسمان پر چڑھی اور آپ نے فتح کی دعا کی۔ فرمایا: خدایا! میں مغلوب اور عاجز ہوں میری مدد کر۔ میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی بچا لے۔ پس جناب باری عز و جل نے آپ کی دعا قبول کی۔ انسانوں، جانوروں اور بسامان اسباب سے کھچا کھچ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد آسمان و زمین سے طوفان اُمنڈا آیا اور روئے زمین کے کفار کا قلع قمع کر دیا گیا۔ یقیناً یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے۔ لیکن تاہم اکثر لوگ بے یقین ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب غلبے والا ہے۔ لیکن وہ مہربان بھی بہت ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ٌالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان (کی برادری) کے بھائی ہود علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم میں سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ پس میرا صلہ رب العلمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار (کے طور پر عمارت) بناتے ہو جس کو محض فضول (بلاضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بلکہ ارد گرد کرتے ہوں۔ سو تم (کو چاہئے کہ) اللہ سے ڈرو اور (چونکہ میں رسول ہوں اس لئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہ (یعنی) مواشی اور بیٹیوں اور باغوں اور چشموں سے تمہاری اولاد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ○

قوم عاد:

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے عادیوں کو جو احقاف کے رہنے والے تھے اللہ کی طرف بلایا۔ احقاف ملک یمن میں حضر موت کے پاس ریتلے پہاڑیوں کے قریب ہے۔ ان کا زمانہ نوحؑ کے بعد کا ہے۔ سورہ اعراف میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ انہیں قوم نوح کا جانشین بنایا گیا اور انہیں بہت کچھ کشادگی اور وسعت دی گئی۔ ڈیل ڈول کے بڑے، قوت طاقت کے پورے، مال اولاد والے، کھیت اور پھل باغات اور اناج وزر، نہریں اور چشمے۔ الغرض ہر طرح کی آسائش اور آسانی مہیا تھی۔ لیکن رب کی تمام نعمتوں کی ناقدری کرنے والے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے تھے، اپنے نبی علیہ السلام کو جھٹلایا۔ یہ انہیں میں سے تھے۔ انہیں سمجھایا

بجھایا۔ خوف اور ڈر دکھایا۔

اپنا رسول ہونا ظاہر فرمایا' اپنی اطاعت اور اللہ کی عبادت' وحدانیت کی دعوت دی۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ اپنا بے لاگ ہونا طالب دنیا نہ ہونا بیان فرمایا اپنے خلوص کا بھی ذکر کیا۔ یہ جو فخر و ریا کے طور پر اپنے مال برباد کرتے تھے اور اونچے اونچے مشہور ٹیلوں پر بلند و بالا علامتیں اپنی قوت کے اور مال کے اظہار کے لئے بناتے تھے۔ اس بے کار کام سے انہیں ان کے نبی حضرت ہود نے روکا۔ کیونکہ اس میں بے کار دولت کا کھونا' وقت کا برباد کرنا اور مشقت اٹھانا ہے۔ جس سے دین دنیا کا کوئی فائدہ نہ مقصود ہوتا ہے نہ متصور۔ بڑے بڑے پختہ اور بلند برج اور مینار بناتے تھے۔ جس کے بارے میں ان کے نبی علیہ السلام نے نصیحت کی کہ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ یہیں ہمیشہ رہو گے۔ محبت دنیا نے تمہیں آخرت بھلا دی ہے۔ لیکن یاد رکھو تمہاری یہ چاہت بے سود ہے۔ دنیا زائل ہونے والی ہے۔ تم خود فنا ہونے والے ہو۔ ایک قراءت میں کَاَنَّکُمْ خٰلِدُوْنَ ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب مسلمانوں نے غوطہ میں محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانے پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی۔ تو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دمشق کے رہنے والو! سنو! لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا ہے جسے تم کھا نہیں سکتے۔ تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے۔ تم نے وہ دور دراز کی آرزوئیں کرنی شروع کر دیں ہیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلوں نے دولت سنبھال کر رکھی تھی۔ بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے۔ بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکہ میں رہ گئے۔ ان کی پونجی برباد ہو گئی۔ ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے۔ لیکن آج وہ کہاں ہیں؟ ہے ایسا کوئی بیوقوف کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے خرید ے۔

ان کے مال و مکانات کا بیان فرما کر انکی قوت و طاقت کا بیان فرمایا کہ بڑے سرکش متکبر اور سخت لوگ تھے۔ نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا کہ عبادت رب کی کرو اور اطاعت اسکے رسول کی کرو۔ پھر وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اللہ نے ان پر انعام کی تھیں۔ جنہیں وہ خود جانتے تھے۔ مثلاً چوپائے جانور اور اولاد باغات اور دریا۔ پھر اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم نے میری تکذیب کی اور میری مخالفت پر جمے رہے تو تم پر عذاب اللہ برس پڑیں گے۔ اچھے اور برے دونوں پہلو دکھائے لیکن بے سود رہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَکَذَّبُوْهُ فَاَهْلَکْنٰهُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَ مَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع

وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ ہو۔ یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک معمولی عادت اور رسم ہے اور تم جو ہم کو عذاب سے ڈراتے ہو ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ غرض ان لوگوں نے نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو آندھی کے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ بے شک اس واقعہ میں بھی عبرت ہے اور باوجود اس کے اُن میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب زبردست اور مہربان ہے ○

قوم کی بدنصیبی دعوت سے اعراض اور قہار کی گرفت اور مؤاخذہ:

حضرت ہود علیہ السلام کے مؤثر بیانات نے اور آپ کے رغبت اور ڈر بھرے خطبوں نے قوم پر کوئی اثر نہیں کیا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں وعظ سنائیں، نصیحت کریں یا نہ کریں ہم تو اپنی روش کو چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم آپ کی بات مان کر اپنے خداؤں سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ یقیناً محال ہے۔ ہمارے ایمان سے آپ مایوس ہو جائیں۔ ہم آپ کی نہیں ماننے کے۔ فی الواقع کافروں کا یہی حال ہے۔ انہیں سمجھانا بے سود رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماں سے بھی فرمایا کہ ان ازلی کفار پر آپ کی نصیحت مطلق اثر نہیں کرنے کی۔ نصیحت کر دینے اور ہوشیار کر دینے کے بعد بھی ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے تھے۔ یہ تو قدرتی طور پر ایمان سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ جن پر تیرے رب کی بات صادق آنے والی ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ کی دوسری قراءت خَلْقُ الْاَوَّلِیْنَ بھی ہے۔ یعنی جو بات تو ہمیں کہتا ہے یہ تو اگلوں کی کہی ہوئی ہیں۔ جیسے قریشیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یہ تو اگلوں کی کہانیاں ہیں جو صبح وشام تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ یہ ایک بہتان ہے جسے تو نے گھڑ لیا ہے اور کچھ لوگ اپنے طرفدار کر لئے ہیں وغیرہ۔ مشہور قراءت کی بنا پر معنی یہ ہوئے کہ جس پر ہم ہیں وہی ہمارے آباؤ اجداد کا مذہب ہے۔ ہم تو انہیں کی راہ چلیں گے اور اسی روش پر رہیں گے، جئیں گے پھر مر جائیں گے۔ جیسے وہ مر گئے۔ یہ محض لاف زنی ہے کہ پھر ہم اللہ کے ہاں زندہ کئے جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ہمیں عذاب کیا جائے گا۔ آخر اس تکذیب اور مخالفت کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ سخت تیز وتند آندھی ان پر بھیجی گئی اور یہ برباد کر دیئے گئے۔ یہی عاد اولیٰ تھے۔ جنہیں اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کہا گیا ہے۔ یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے تھے۔ عمد میں یہ رہتے تھے۔

سوال ارم حضرت نوحؑ کے پوتے کا نام ہے کہ کسی شہر کا؟

جواب گو بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے لیکن اس کے قائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان سے سن سنا کر اوروں نے بھی یہی کہہ دیا ہے۔ حقیقت میں اس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ اسی لئے قرآن نے ارم کا ذکر کر کے ہی فرمایا ہے: ﴿لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ (سورۂ فجر: ۸) ان جیسا اور کوئی شہر میں پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر اس سے مراد شہر ارم ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ اس جیسا اور کوئی شہر بنایا نہیں گیا۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: ﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ (سورۂ حم سجدہ: ۱۵) عادیوں نے زمین پر تکبر کیا اور دعویٰ کیا کہ ہم سے بڑھ کر قوت والا کون ہے۔ کیا وہ اسے بھی بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے زیادہ قوی ہے۔ دراصل انہیں ہماری آیتوں سے انکار تھا۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان پر صرف بیل کے نتھنے کے برابر ہوا چھوڑی گئی تھی۔ جس نے ان کا ان کے شہروں کا ان کے مکانات کا نام ونشان مٹا دیا۔ جہاں سے گزر گئی صفایا کر دیا۔ شائیں شائیں کرتی تمام چیزوں کا ستیاناس کرتی چلی گئی تھی۔ تمام قوم کے سر الگ ہو گئے تھے اور دھڑ الگ۔ عذاب اللہ آتا دیکھ کر قلعوں میں محلات میں محفوظ مکانات میں گھس گئے تھے۔ زمین میں گڑھے کھود کھود کر آدھے آدھے جسم میں ان میں ڈال کر محفوظ ہوئے تھے۔ لیکن بھلا عذاب اللہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ وہ ایک منٹ کے لئے بھی کسی کو مہلت اور دم لینے دیتا ہے۔ سب ختم کر دیئے گئے اور اس واقعہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک نشان عبرت بنا دیا گیا۔ ان میں اکثر لوگ بے ایمان ہی رہے۔ اللہ کا غلبہ اور رحم دونوں مسلّم تھے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

قوم ثمود (نے بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے ○

قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ اپنی قوم ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ عرب تھے۔ حجر نامی شہر میں رہتے تھے۔ جو وادی القریٰ اور ملک شام کے درمیان ہے۔ یہ عادیوں کے بعد اور ابراہیمیوں سے پہلے تھے۔ شام کی طرف جاتے ہوئے آپ اس جگہ سے گزرنے کا بیان سورہ اعراف کی تفسیر میں پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں ان کے نبیؐ نے اللہ کی طرف بلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانیں اور حضرت صالحؑ کی توحید کا اقرار کریں۔ لیکن انہوں نے بھی انکار کیا اور اپنے کفر پر جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؑ کو جھوٹا کہا۔ باوجود اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت سننے کے پرہیزگاری اختیار نہ کی۔ باوجود رسول امین کی موجودگی کے راہ ہدایت اختیار نہ کی۔ حالانکہ نبیؐ کا صاف اعلان تھا کہ میں اپنا کوئی بوجھ تم پر ڈال نہیں رہا۔ میں تو اس رسالت کی تبلیغ کے اَجر کا خواہاں صرف اللہ تعالیٰ سے ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انہیں یاد دلائیں۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

کیا تمہیں ان ہی چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جائے گا۔ جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں۔ یعنی باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب باندھے ہوئے ہیں اور کیا (اسی عظمت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے اور فخر کرتے ہوئے مکان بناتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور ان حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو' جو سرزمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور کبھی اصلاح (کی بات) نہیں کرتے ○

بڑی کارآمد نصیحتیں:

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم میں وعظ فرما رہے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور اس کے عذاب سے متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ جو تمہیں یہ کشادہ روزیاں دے رہا ہے۔ جس نے تمہارے لئے باغات اور چشمے کھیتیاں اور پھل پھول مہیا فرما دیئے ہیں۔ امن چین سے جو تمہاری زندگی کے ایام پورے کر رہا ہے۔ تم اس کی نافرمانیاں کر کے انہی نعمتوں میں اور اسی امن امان میں نہیں چھوڑے جاسکتے۔ ان باغات اور ان دریاؤں میں' ان کھیتوں اور ان باغات کھجور میں جن کے خوشے کھجوروں کی زیادتی کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں اور جھکے پڑتے ہیں۔ جن میں تہ بہ تہ کھجوریں بھرپور لگ رہی ہیں۔ جو نرم خوشنما میٹھی اور خوش ذائقہ کھجوروں سے لدے ہوئے

ہیں۔تم اللہ کی نافرمانیاں کر کے ان کو با آرام بچا نہیں سکتے۔ اللہ نے تمہیں اس وقت جن مضبوط پرتکلف بلند اور عمدہ گھروں میں رکھ چھوڑا ہے اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کے انکار کے بعد یہ بھی قائم نہیں رہ سکتے۔افسوس تم اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کرتے۔اپنا وقت اور اپنا روپیہ بے جا برباد کر کے یہ نقش نگار والے مکان پہاڑوں میں یہ تصنع و تکلف صرف بڑائی اور ریاکاری کے لئے اپنی عظمت اور قوت کے مظاہرے کے لئے تراش رہے ہو جس میں کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا وبال تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔پس تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور میری اتباع کرنی چاہئے۔اپنے خالق رازق منعم محسن کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اور اس کی توحید کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا چاہئے جس کا نفع تمہیں دنیا اور آخرت میں ملے۔تمہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔اس کی تسبیح و تہلیل کرنی چاہئے۔صبح و شام اس کی عبادت کرنی چاہئے۔تمہیں اپنے ان موجودہ سرداروں کی ہرگز نہ ماننی چاہئے۔یہ تو حدود اللہ سے تجاوز کر گئے ہیں۔توحید کے اتباع کو بھلا بیٹھے ہیں۔زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔نافرمانی گناہ فسق و فجور پر خود لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس طرف بلا رہے ہیں۔حق کی موافقت اور اتباع کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ع ۸ ۱۹ ۱۲

ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔تم پس ہماری طرح کے (ایک معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی ہوتا نہیں) سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعویٰ نبوت میں) سچے ہو۔صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مواشی کی اور ایک یہ ہے) اس کو برائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے گا۔سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر جب آثار عذاب نمودار ہوئے تو اپنی حرکت پر پشیمان ہوئے۔پھر آخر عذاب نے آن پکڑا۔بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے ○

وہی سفیہانہ جواب:

ثمودیوں نے اپنے نبی کو جواب دیا کہ تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے گو ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تو مخلوق میں سے ہے اور اس کی دلیل میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔لیکن زیادہ ٹھیک معنی پہلے ہی ہیں۔اسی کے ساتھ انہوں نے کہا تو ہم جیسا ایک انسان ہے ناممکن ہے کہ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہ آئے اور تجھ پر آ جائے۔کچھ نہیں یہ صرف بناوٹ ہے محض جھوٹ۔اچھا ہم کہتے ہیں اگر تو واقعی

سچا نبی ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔ اس وقت ان کے سب چھوٹے بڑے جمع تھے اور یک زبان ہو کر سب نے معجزہ طلب کیا تھا۔

آپ نے پوچھا: تم کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ سامنے کی بڑی چٹان ہے۔ یہ ہمارے دیکھتے ہوئے پھٹے اور اس میں سے ایک گھابن اونٹنی اس رنگ کی ایسی نکلے۔ آپ نے فرمایا: اچھا اگر میں رب سے دعا کروں اور وہ یہ معجزہ میرے ہاتھوں تمہیں دکھا دے۔ پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا؟ سب نے پختہ وعدہ کیا کہ ہاں ہم سب ایمان لائیں گے اور آپ کی نبوت مان لیں گے۔ آپ یہ معجزہ دکھائیے۔ آپ نے اسی وقت نماز شروع کر دی۔ پھر اللہ عزوجل سے دعا کی' اسی وقت وہ پتھر پھٹا اور فرمائشی اونٹنی ان کے دیکھتے ہوئے اس میں سے نکلی۔ کچھ لوگ تو حسب اقرار مؤمن ہو گئے لیکن اکثر لوگ پھر بھی کافر کے کافر ہی رہے۔

آپ نے فرمایا: سنو! ایک دن یہ پانی پئے گی اور ایک دن پانی کی باری تمہاری مقرر رہے گی۔ اب تم سے کوئی اسے برائی نہ پہنچائے۔ ورنہ بدترین عذاب تم پر اتر پڑے گا۔ ایک عرصہ تک تو وہ رکے رہے۔ اونٹنی ان میں رہی چارہ چگتی اور اپنی باری والے دن پانی پیتی۔ اس دن یہ لوگ اس کے دودھ سے سیر ہو جاتے۔ لیکن ایک مدت کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آ گھیرا۔ ان میں کے ایک بڑے ملعون نے اونٹنی کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور کل اہل شہر اس کے موافق ہو گئے۔ چنانچہ اس کی کونچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا۔ جس کے نتیجے میں انہیں سخت ندامت پشیمانی اٹھانی پڑی۔ عذاب اللہ نے انہیں دفعتاً آ دبوچا۔ ان کی زمینیں ہلا دی گئیں اور ایک چیخ سے سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ دل اڑ گئے کلیجے پاش پاش ہو گئے اور وہم و گمان بھی جس چیز کا نہ تھا' وہ ہو گئی۔ سب غارت ہو گئے اور دنیا جہان کے لئے یہ خوفناک واقعہ عبرت افزا ہو گیا۔ اتنی بڑی نشانی اپنی آنکھوں دیکھ کر بھی ان میں سے اکثر لوگوں کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور وہ رحیم بھی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان میں سے انکے بھائی (لوط علیہ السلام) نے کہا: کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ رب العالمین کے ذمہ ہے ○

قوم لوط:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرما رہا ہے۔ ان کا نام لوط بن ہاران بن آذر تھا۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے پاس بستے تھے۔ بالآخر یہ بھی اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل ایک سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی باقی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول اللہ کی تکذیب کی۔ آپ نے انہیں اللہ کی معصیت چھوڑنے اور اپنی تابعداری کرنے کی ہدایت کی۔ اپنا رسول ہو کر ظاہر کیا۔ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ اللہ کی باتیں مان لینے کو فرمایا۔ اعلان کر دیا کہ میں تم سے کچھ مانگتا نہیں۔ میں صرف اللہ واسطے

تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ تم اپنے خبیث فعل سے باز آؤ۔ یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے حاجت روائی کرنے سے رک جاؤ۔ لیکن انہوں نے اللہ کے رسول کی ایک نہ مانی بلکہ ایذائیں پہنچائیں۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ ۱۶ ۱۴

کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو نئی نئی ترکیبیں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کئے رہتے ہو بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حد (انسانیت) سے گزر جانے والے ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم ہمارے کہنے سے باز نہیں آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے۔ لوطؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ لوطؑ نے دعا کی اے میرے رب مجھ کو اور میرے (خاص) متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال) سے نجات دے سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا سو کیسا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو (عذاب الٰہی) سے ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور باوجود اس کے ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

یہ سر مستیاں:

لوط نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی خاص بدکاری سے روکا کہ تم لڑکوں سے بدفعلی نہ کرو۔ اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرو۔ جنہیں اللہ نے تمہارے لئے جوڑا بنا دیا ہے۔ ربّ کی مقررہ حدوں کی ادب احترام کرو۔ اس کا جواب ان کے پاس یہی تھا کہ اے لوط اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے جلاوطن کر دیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان پاک باز لوگوں کو الگ کر دو۔ یہ دیکھ کر آپ نے ان سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان کر دیا اور فرمایا کہ تمہارے اس برے کام سے میں ناراض ہوں۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ میں اللہ کے سامنے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بد دعا کی اور اپنی اور اپنے گھرانے کی نجات طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو نجات دی۔ مگر ان کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہیں کے ساتھ تباہ ہوئی۔ جیسے کہ سورہ اعراف سورہ ہود اور سورہ حجر میں بالتفصیل بیان گزر چکا ہے۔ آپ

مومنین کو لے کر اللہ کے فرمان کے مطابق اس بستی سے چل کھڑے ہوئے۔
حکم تھا کہ آپ کے نکلتے ہی ان پر عذاب آئے گا۔ اس وقت پلٹ کر ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔ پھر ان سب پر عذاب برسا اور سب برباد کردیئے گئے۔ ان پر آسمان سے سنگ باری ہوئی اور ان کا انجام بد ہوا۔ یہ بھی عبرتناک واقعہ ہے ان میں سے بھی اکثر بے ایمان تھے۔ ربّ کے غلبے میں اس کے رحم میں کوئی شک نہیں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

اصحاب الایکہ نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے ○

شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم:

یہ لوگ مدین کے رہنے والے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی انہیں میں سے تھے۔ آپ کو ان کا بھائی صرف اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی نسبت ایکہ کی طرف کی ہے۔ جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ ایکہ ایک درخت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے اور نبیوں کو ان کی امتوں کا بھائی قرار دیا گیا ہے انہیں ان کا بھائی نہیں کہا گیا۔ ورنہ یہ لوگ بھی انہی کی قوم میں سے تھے۔ لوگ جن کی رسائی اس نکتے تک نہیں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی قوم میں نہ تھے۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں فرمایا گیا یہ اور ہی قوم تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اور ان لوگوں کی طرف بھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک تیسری امت کی طرف بھی آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ سے نقل ہے کہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نہیں بھیجا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے کہ ایک مرتبہ انہیں مدین والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ ایک چنگھاڑ کے ساتھ ہلاک کردیا اور دوبارہ انہیں ایکہ والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر بھی عذاب آیا اور وہ برباد ہوئے لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے راویوں میں اسحٰق بن شیر کاہلی ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اصحاب رس اور اصحاب ایکہ قوم شعیب ہے اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم

ابن عساکر میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو قومیں ہیں اور ان دونوں امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں کلام ہے۔ بہت ممکن ہے کہ موقوف ہی ہو۔ صحیح امر یہی ہے کہ دونوں ایک ہی امت ہے دونوں جگہ ان کے وصف الگ الگ بیان ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایک ہی ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ دونوں قصوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک ہی ہے دونوں میں ناپ تول صحیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالۡجِبِلَّۃَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾

تم لوگ پورا ناپا کرو اور (صاحب حق کا) نقصان مت کیا کرو اور اسی طرح تولنے کی چیزوں میں سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین میں فساد مت مچایا کرو اور (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا ○

کچھ نصائح:

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پیمانہ بھر کر دو۔ اس کے حق سے کم نہ کرو۔

اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا لو اور دینے کے وقت کم دو؟ دین لین دونوں صاف رکھو۔ ترازو اچھی رکھو۔ جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو۔ تول میں عدل کرو ڈنڈی نہ مارو کم نہ تولو کسی کو اس کی چیز کم نہ دو۔ کسی کی راہ نہ مارو چوری چکاری لوٹ مار غارت گری سے رہزنی سے بچو۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کر کے ان سے مال نہ لوٹو۔ اس اللہ کے عذابوں کا خوف رکھو۔ جس نے تمہیں اور سب اگلوں کو پیدا کیا ہے جو تمہارا اور تمہارے بڑوں کا رب ہے۔ یہی لفظ آیت: ﴿وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا﴾ (سورۂ یٰسین: ۶۲) میں ہے۔

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَخَذَہُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّۃِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۹۱﴾

وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے اور تم تو محض ہماری طرح (کے) معمولی آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تم نبیوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو شعیبؑ بولے کہ تمہارے اعمال کو میرا رب ہی جانتا ہے پھر وہ لوگ برابر ان کو جھٹلایا کیے۔ پھر ان کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا اور اس

واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے (اور باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑی قوت والا اور بڑی رحمت والا ہے ○

لیکن بد بخت قوم:

ثمودیوں نے جو جواب اپنے نبی کو دیا تھا' وہی جواب ان لوگوں نے بھی اپنے رسول کو دیا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ بلکہ ہمیں تو یقین ہے کہ تو جھوٹا آدمی ہے۔ اللہ نے تجھے نہیں بھیجا۔ اچھا اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے۔ آسمانی عذاب ہم پر لے آ۔ جیسے قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم تو تجھ پر ایمان لانے کے نہیں۔ جب تک کہ عرب کی ریتلی زمین میں دریا نہ بہا دے۔ یہاں تک کہا کہ یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے جیسے کہ تیرا خیال ہے یا تو اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کو لے آئے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا: خدایا اگر یہ تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو تو آسمان سے پتھر برسا دے اسی طرح ان جاہل کافروں نے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں۔ جس لائق تم ہو وہ خود کر دے گا۔ اگر تم اس کے نزدیک آسمانی عذاب کے قابل ہو تو بلا تاخیر تم پر عذاب آسمانی آ جائے گا۔ اللہ ظالم نہیں کہ بے گناہوں کو سزا دے۔

بالآخر جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے۔ اسی قسم کا عذاب ان پر آ پڑا۔ انہیں سخت گرمی محسوس ہوئی۔ سات دن تک گویا زمین اُبلتی رہی۔ کسی جگہ کسی سائے میں ٹھنڈک یا راحت میسر نہ ہوئی۔ تڑپ اٹھے' بے قرار ہو گئے۔ سات دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک بادل ان کی طرف آ رہا ہے۔ وہ آ کر ان کے سروں پر چھا گیا۔ یہ سب گرمی اور حرارت سے پریشان ہو گئے تھے۔ اس کے نیچے جا بیٹھے۔ جب سارے کے سارے اس کے سائے میں پہنچ گئے۔ وہیں بادل سے آگ برسنے لگی۔ ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکنے لینے لگی اور اس زور سے ایک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔ جان نکل گئی اور سارے کے سارے بیک آن تباہ' ویران ہو گئے۔ اس دن کے سائے والے سخت عذاب نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا۔ سورہ اعراف میں تو فرمایا گیا ہے کہ ایک زلزلے کے ساتھ ہی یہ سب ہلاک ہو گئے۔ سورہ ہود میں بیان ہوا ہے کہ ان کی تباہی کا باعث ایک خطرناک دلگداز چیخ تھی اور یہاں بیان ہوا کہ انہیں سائبان کے دن کے عذاب نے تھام لیا۔ تو تینوں مقامات پر تینوں عذابوں کا ایک ایک کر کے ذکر ہر مقام کی عبارت کی مناسبت کی وجہ سے ہوا ہے۔ سورہ اعراف میں ان کی خباثت کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکایا تھا کہ اگر تم ہمارے دین میں نہ آئے تو ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو شہر بدر کر دیں گے۔ چونکہ وہاں نبی کے دل کو ہلا دینے کا ذکر تھا۔ اس لئے عذاب بھی ان کے جسموں کو مع دلوں کے ہلا دینے والے یعنی زلزلے اور جھٹکے کا ذکر ہوا۔ سورہ ہود میں ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کو بطور مذاق کہا تھا کہ آپ تو بڑے بردبار اور بھلے آدمی ہیں۔ مطلب نعوذ باللہ اس کے بالکل الٹ تھا۔ یہ تو وہاں عذاب میں چیخ اور چنگھاڑ کا بیان ہوا۔ یہاں چونکہ ان کی آرزو آسمان کے ٹکڑے گرنے کی تھی۔ تو عذاب کا ذکر بھی سائبان نما ابر کے ٹکڑے ہوا۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ سات دن تک وہ گرمی پڑی کہ الامان والحفیظ۔ کہیں ٹھنڈک کا نام نہیں۔ تلملا اٹھے۔ اس کے بعد ایک ابر آیا اور چڑھا۔ اس کے سائے میں ایک شخص پہنچا اور وہاں راحت اور ٹھنڈک پا کر اس نے دوسروں کو بلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو ابر پھٹا اور اس میں سے آگ برسی۔ یہ بھی منقول ہے کہ ابر جو بطور سائبان کے تھا' ان کے جمع ہوتے ہی ہٹ گیا اور سورج سے ان پر آگ برسی۔ جس سے وہ سب ختم ہو گئے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں: اہل مدین پر تین عذاب آئے۔ شہروں میں زلزلہ آیا۔ جس سے خائف

ہو کر حدود شہر سے باہر آ گئے۔ باہر جمع ہوتے ہی گھبراہٹ پریشانی اور بے کلی شروع ہوگئی تو وہاں سے بھاگ پڑے۔ لیکن شہر میں جانے سے ڈرے۔ وہیں دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ایک جگہ ہے۔ ایک اس کے نیچے گیا اور اس کی ٹھنڈک محسوس کر کے سب کو آواز دی کہ یہاں آ جاؤ۔ یہاں جیسی ٹھنڈک اور تسکین تو کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سنتے ہیں سب اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ کہ اچانک چیخ کی آواز آئی جس سے کلیجے پھٹ گئے اور سب کے سب مر گئے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ سخت گرج اور کڑک اور گرمی شروع ہوئی جس سے سانس گھٹنے لگے اور بے چینی حد کو پہنچ گئی۔ گھبرا کر شہر چھوڑ کر میدان میں جمع ہو گئے۔ یہاں بادل آیا۔ جس کے نیچے ٹھنڈک اور راحت حاصل کرنے کے لئے سب جمع ہو گئے۔ وہیں آگ برسی اور سب جل بھن گئے۔ یہ تھا سائبان والے بڑے بھاری دن کا عذاب۔ جس نے ان کا نام ونشان تک نہ چھوڑا۔ یقیناً یہ واقعہ سراسر عبرت اور قدرت اللہ کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ان میں اکثر بے ایمان تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بد بندوں سے انتقام لینے میں غالب ہے۔ کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے نیک بندوں پر مہربان ہے۔ انہیں بچا لیا کرتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ (بھی) منجملہ ڈرنے والوں کے ہوں ○

اور یہ قرآن:

سورہ کی ابتدا میں قرآن کریم کا ذکر آیا تھا۔ وہی ذکر پھر تفصیلاً بیان ہو رہا ہے کہ یہ کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ روح الامین سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ جن کے واسطے سے وحی سرور رسل علیہ السلام پر اتری۔ جیسے فرمان ہے: قل من کان عدو الجبریل یعنی اس قرآن کو بحکم اللہ حضرت جبریلؑ نے تیرے دل پر نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن پچھلی تمام کتابوں کو سچا بتانے والا ہے۔ یہ فرشتہ ہمارے ہاں ایسا مکرم ہے کہ اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: جس سے روح الامین بولے اسے زمین نہیں کھاتی[1]۔ اس بزرگ بامرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے۔ تیرے دل پر اس بہتر اور پاک کلام اللہ کو نازل فرمایا ہے۔ جو ہر طرح کے میل کچیل سے، کمی زیادتی سے نقصان اور کجی سے پاک ہے۔ تا کہ تو اللہ کے مخالفین کو گنہگاروں کو خداوندی سزا سے محفوظ رہنے کی رہبری کر سکے اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی مغفرت ورضوان کی خوشخبری پہنچا سکے۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے تا کہ ہر شخص سمجھ سکے پڑھ سکے۔ کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے نہایت وضاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے۔ جسے سن کر صحابہ یہ کہہ اٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کمال درجے کی فصیح وبلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی' قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: وحی عربی زبان میں اتری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ قیامت کے روز سریانی زبان ہوگی۔ ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ (ابن ابی حاتم)

[1] ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی کا ذریعہ جبریل ہی ہیں اور حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ زمین دفن کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے جسد کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ان کے معزز ومکرم اور محترم ہونے کی وجہ سے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ

اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں (بھی) ہے۔ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیش گوئی) کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں اور اگر (بالفرض) اس قرآن کو کسی عجمی یا (غیر عربی) پر نازل کر دیتے پھر وہ عجمی ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا۔ یہ لوگ بوجہ غایت عناد کے تب بھی اس کو نہ مانتے۔ ○

فرماتا ہے کہ اگلی اللہ کی کتابوں میں بھی اس پاک اور آخری کلام کی پیش گوئی اور اس کی تصدیق وصفت موجودہ ہے۔ اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی ہے۔ یہاں تک ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور علیہ السلام تک اور کوئی نبی نہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں' اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں' جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے کے ساتھ ہی آنے والے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تمہیں سناتا ہوں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے۔ یہاں زبر کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ (سورۂ قمر: ۵۲) جو کچھ کر رہے ہیں' جن میں حضور کی بعثت اور قرآن کا ذکر اور آپ کی حقانیت کی خبر ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت سلمان فارسیؓ اور ان جیسے حق گو حضرات نے دُنیا کے سامنے تورات وانجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور کی شان والاشان کو ظاہر کرنے والی تھیں۔ اس کے بعد آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح و بلیغ جامع مانع حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے پھر تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے۔ مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لئے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ جاتے تب بھی یہی کہتے کہ ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے اور آیت میں ہے کہ اگر ان کے پاس فرشتے آ جاتے اور مردے بول اٹھتے۔ تب بھی انہیں نصیب نہ ہوتا۔ ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا ہدایت کی راہ بند ہوگئی۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَا

بِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

ہم نے اسی طرح (شدت واصرار کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس (قرآن) پر

ایمان نہ لاویں گے۔ جب تک سخت عذاب کو (مرنے کے وقت برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہوگی پھر اس وقت جان کر کہیں گے کہ کیا (کسی طور پر) ہم کو (کچھ) مہلت مل سکتی ہے۔ کیا ہمارے (وعیدوں کو سن کر) یہ لوگ ہمارے عذاب چاہتے ہیں۔ اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا عیش کس کام آ سکتا ہے اور جتنی بستیاں (منکرین کی ہم نے عذاب سے) غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے پیغمبر آئے جب نہ مانا تو عذاب نازل ہوا اور ہم (صورۃً) بھی ظالم نہیں ہیں۔ ○

مجرمین کے ساتھ:

تکذیب وکفر انکار عدم تسلیم کو ان مجرموں کے دل میں بٹھا دیا ہے۔ یہ جب تک عذاب اپنی آنکھوں نہ دیکھ لیں۔ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت اگر ایمان لائے بھی تو محض بے سود ہوگا۔ لعنت پڑ چکی ہوگی۔ برائی مل چکی ہوگی۔ پچھتانا کام آئے نہ معذرت نفع دے۔ عذاب اللہ آئیں گے اور دفعۃً ان کی بے خبری میں ہی آ جائیں گے۔ ان کی یہ تمنائیں کہ اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک بن جائیں' بے سود ہوگی۔ ایک انہی پر کیا موقوف ہے ہر ظالم فاجر کا خریدکار عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے۔ توبہ تلا کرتا ہے' مگر سب لا حاصل۔

فرعون ہی کو دیکھئے' حضرت موسیٰ نے اس کے لئے بددعا کی' جو قبول ہوئی۔ عذاب کو دیکھتے ہی ڈوبتے ہوئے کہنے لگا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بے سود ہے۔ اسی طرح ان آیتوں میں ہے کہ ہمارے عذاب کو دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا الخ۔ پھر ان کی ایک اور بدبختی بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو عذاب اللہ لاؤ اور اگر ہم انہیں مہلت دیں اور کچھ دنوں تک پچھ مدت تک انہیں عذابوں سے بچائے رکھیں۔ پھر ان کے پاس ہمارے مقرر کردہ عذاب آ جائیں تو ان کا مال ان کی نعمتیں' ان کی جاہ وچشم کوئی چیز انہیں ذرا بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوگا کہ شاید ایک صبح یا ایک شام ہی دنیا میں رہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ﴾ (سورۂ بقرہ:۹۶) ان میں سے ایک ایک کی تمنا ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جئے۔ لیکن اتنی عمر بھی اللہ کے عذاب سے ہٹا نہیں سکتی۔ یہی یہاں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کے اسباب انہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس کے اوندھے کرنے کے وقت اس کی تمام طاقتیں اور اسباب یونہی رہ جائیں گے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ پھر آگ میں ایک غوطہ دلوا کر پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی راحت بھی اٹھائی۔ تو کہے گا: اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی راحت نہیں اٹھائی اور ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے پوری عمر واقعی کوئی راحت چکھی ہی نہ ہو۔ اسے جنت کی ہوا کھلا کر لایا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تو نے عمر بھر میں کبھی کوئی برائی دیکھی ہے۔ کہے گا خدایا تیری ذات پاک کی قسم میں نے کبھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب تو اپنی مراد کو پہنچ گیا تو تو نے کبھی کسی تکلیف کا نام بھی نہیں سنا۔

اللہ عزوجل اس کے بعد اپنے عدل کی خبر دیتا ہے کہ کبھی اس نے ختم حجت سے پہلے کسی امت کو ختم نہیں کیا رسولوں کو بھیجتا ہے۔ کتابیں اتارتا ہے۔ خبریں دیتا ہے۔ ہوشیار کرتا ہے۔ پھر نہ ماننے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پس فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاء کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم نے کسی امت پر عذاب بھیج دیئے ہوں۔ ڈرانے والے بھیج نصیحت کر کے عذر ہٹا کر پھر نہ ماننے پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: تیرا رب کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان بستیوں کی صدر بستی میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے اور یہ ان کی (حالت) کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیطان (وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔ ○

حرماں نصیب:

یہ کتاب عزیز جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا جو حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتری ہے جسے روح الامین جو قوت و طاقت والے ہیں' لے کر آئے ہیں۔ اسے شیاطین نہیں لائے۔ پھر ان کے نہ لانے پر تین وجہیں بیان کی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس کے لائق ہی نہیں' ان کا کام مخلوق کو بہکانا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جو اس کتاب کی شان ہے' ان کے سراسر خلاف ہے۔ یہ نور ہے یہ ہدایت ہے یہ برہان ہے اور شیاطین ان تینوں چیزوں سے چڑتے ہیں' وہ ظلمت کے دلدادہ ہیں وہ ضلالت کے پیرو وہ جہالت کے شیدا ہیں پس اس کتاب میں اور ان میں تو تباین اور اختلاف ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ' دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں اس کے اہل نہیں' ان میں اس کے اٹھانے اور لانے کی طاقت بھی نہیں۔ یہ تو وہ ذی عزت اور مرتبے والا کلام ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی اترے تو اسے چکنا چور کر دے۔

پھر تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تو اس کے نزول کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے۔ انہیں تو سننا بھی نہیں ملا۔ تمام آسمان پر سخت پہرہ چوکی تھی۔ یہ سننے کے لئے چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھی۔ ان کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا۔ تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقہ پر اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے۔ جیسے سورہ جن میں خود جنات کا مقولہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرہ چوکی سے بھرپور پایا اور جگہ جگہ شعلے متعین پائے۔ پہلے تو ہم بیٹھ کر اکادکا بات اڑا لایا کرتے تھے۔ لیکن اب تو کان لگاتے ہی شعلہ لپکتا ہے اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے الخ۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

سو (اے پیغمبر) تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے اور (اس مضمون سے) آپ سب سے پہلے اپنے نزدیک کے کنبہ کو خود اپنے اور ان لوگوں کے ساتھ تو (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے۔ جو مسلمانوں میں داخل ہو کے آپ کی راہ

پر چلیں اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر و رحیم پر توکل رکھیئے۔ جو آپ کو جس وقت کہ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز نماز شروع کرنے کے بعد نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

آپ کو کچھ ہدایات:

خود اپنے نبی سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کر میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ جو بھی نہ کرے وہ ضرور مستحق سزا ہے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار کر دے کہ بجز ایمان کے کوئی چیز نجات دہندہ نہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ موحد و متبع سنت لوگوں سے فروتنی کے ساتھ ملتا جلتا رہ اور جو بھی میری نہ مانے' خواہ کوئی ہو' تو اس سے بے تعلق ہو جا اور اپنی بیزاری کا اظہار کر دے۔ یہ خاص تنبیہ عام لوگوں کی تنبیہ کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کا جز ہے اور جگہ ارشاد ہے: تو اس قوم کو ڈرا دے' جن کے بڑے بھی ڈرائے نہیں گئے اور جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور آیت میں ہے: ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (سورۂ انعام: ۹۲) تاکہ تو مکے والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو سب کو ڈرا دے اور آیت میں ہے تو اس سے ہوشیار کر دے جو اپنے رب کے پاس جمع ہونے سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ دیگر آیت میں ارشاد فرمایا کہ تو اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا دے اور سرکشوں کو ڈرا دے اور آیت میں فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (سورۂ انعام: ۱۹) تاکہ میں اس قرآن کے ساتھ تمہیں اور جسے بھی یہ پہنچے' ڈرا دوں اور فرمان ہے: اس کے ساتھ ان تمام فرقوں میں سے جس کے کام میں میری شہادت پڑ جائے خواہ یہودی ہو یا نصرانی' پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سی حدیثیں ہیں' انہیں سن لیجئے۔

① مسند احمد میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یا صباحاہ کر کے آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے' جو نہیں آ سکتے تھے انہوں نے بھی اپنے آدمی بھیج دیئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اولاد عبدالمطلب! اے اولاد فہر! بتلاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر تمہارے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے گھات میں ہے۔ موقعہ پاتے ہی تم سب کو قتل کر ڈالے گا۔ تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم آپ کو سچا ہی سمجھیں گے۔ اب آپ نے فرمایا: سن لو میں تمہیں آنے والے سخت عذابوں سے ڈرانے والا ہوں۔ اس پر ابولہب ملعون نے کہا: تو ہلاک ہو جائے' یہی سنانے کے لئے تو نے ہمیں بلایا تھا۔ اس کے جواب میں سورہ تَبَّتْ يَدَاۤ اُتری۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

② مسند احمد میں ہے۔ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اے صفیہ بنت عبدالمطلب سنو! میں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ہاں میرے پاس جو مال ہو جتنا تم چاہو' میں (دُنیا میں) دینے کے لئے تیار ہوں۔ (مسلم)۔

③ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: اس آیت کے اترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا: اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچا لو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچا لو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! خود کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی جان کو دوزخ سے بچا لے۔ قسم ہے اللہ کے ہاں میں کسی چیز کا مالک نہیں۔ بے شک تمہاری قرابت داری ہے' جس کے دینوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ) بخاری مسلم میں بھی قدرے الفاظ کی تبدیلی سے یہ

حدیث منقول ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے یہ فرمایا کہ میرے مال میں سے جو چاہو طلب کرو۔ابو یعلی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے قصی کی، اے ہاشم کی، اے عبد مناف کی اولاد! یاد رکھو میں ڈرانے والا ہوں اور موت بدل دینے والی ہے۔اس کا چھاپہ آ رہا ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے۔

④ مسند احمد میں ہے۔جب حضورؐ پر یہ آیت اتری تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔جس کی چوٹی پر پتھر تھے۔وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا: اے نبی! عبد مناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں۔میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے متعلقین کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں۔دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبر دار ہو جائیں۔(مسلم نسائی وغیرہ)

⑤ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا۔یہ تیس اشخاص تھے۔جب کھا پی چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے۔وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا۔تو ایک شخص نے کہا: آپ تو ایک سمندر ہیں' آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپ نے فرمایا: لیکن کوئی تیار نہ ہوا۔تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کے لئے تیار ہوں (مسند احمد)۔ایک سند سے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے بنو عبد المطلب کو جمع کیا کہ ایک جماعت کی جماعت تھی اور بڑے کھاؤ تھے۔ایک ایک شخص ایک ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا۔ایک بڑا بنا دودھ کا پی جاتا تھا۔آپ نے ان سب کے لئے صرف تین پاؤ کھانا پکوایا۔لیکن اللہ نے اسی میں برکت دی کہ سب پیٹ بھر کر کھا چکے اور آسودہ ہو کر پی چکے۔لیکن نہ تو کھانے میں کمی نظر آتی تھی نہ پینے کی چیز کم ہوئی معلوم ہوتی تھی۔پھر آپ نے فرمایا: اے اولاد عبد المطلب! میں تمہاری طرف خاصۃً اور تمام لوگوں کی طرف عامۃً نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اس وقت تم ایک معجزہ بھی میرا دیکھ چکے ہو۔اب تم میں کون تیار ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہوگا۔لیکن ایک شخص بھی مجمع سے کھڑا نہ ہوا سوائے میرے اور میں اس وقت عمر کے لحاظ سے ان سب سے چھوٹا تھا۔آپ نے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے کوئی کھڑا نہ ہوا۔تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے میری بیعت لی۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے قوم کے سامنے فوراً ہی اسے پیش کروں گا تو وہ نہ مانیں گے اور ایسا جواب دیں گے جو مجھ پر گراں گزرے۔بس آپ خاموش ہو گئے۔اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے: حضرت اگر آپ نے تعمیل ارشاد میں تاخیر کی تو ڈر ہے کہ آپ کو سزا ہوگی اسی وقت آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں۔میں نے یہ خیال کر کے کہ اگر پہلے ہی سے ان سے کہا گیا تو یہ مجھے ایسا جواب دیں گے۔جس سے مجھے ایذا پہنچے' میں خاموش رہا' لیکن حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تجھے عذاب ہوگا۔تو اب اے علیؓ! تم ایک بکری ذبح کر کے گوشت پکالو اور کوئی تین سیر اناج بھی تیار کرا لو اور ایک برتن دودھ کا بھی بھر لو اور اولاد عبد المطلب کو بھی جمع کر لو۔میں نے ایسا ہی کیا اور سب کو دعوت دی۔چالیس آدمی جمع ہوئے یا ایک آدھ کم یا ایک آدھ زیادہ۔ان میں آپ کے چچا بھی تھے۔ابو طالب حمزہ عباس اور ابولہب کافر خبیث بھی۔میں نے سالن پیش کیا تو آپ نے اس میں سے ایک بوٹی لے کر کچھ کھایا۔پھر اسے ہنڈیا میں ڈال دیا اور فرمایا لو اللہ کا نام لو اور کھانا شروع کرو۔سب نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ پیٹ بھر

گئے۔ لیکن اللہ کی قسم گوشت اتنا ہی تھا جتنا رکھتے وقت رکھا گیا تھا۔ صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تو تھے۔ مگر گوشت کچھ بھی نہ گھٹا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا گوشت تو کھا لیتا تھا۔ پھر مجھ سے فرمایا: اے علی! انہیں پلاؤ' میں وہ دودھ کا برتن لایا۔ سب نے باری باری شکم سیر ہو کر پیا اور خوب آسودہ ہو گئے۔ لیکن دودھ بالکل کم نہ ہوا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا دودھ پی لیا کرتا تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمانا چاہا۔ لیکن ابولہب جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: صاحب اب معلوم ہوا کہ یہ تمام جادوگری محض اس لئے تھی۔ چنانچہ مجمع اسی وقت کھڑا ہو گیا اور ہر ایک نے اپنی راہ الگ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کا موقع نہ ملا۔ دوسرے روز حضرت علیؓ سے آپ نے فرمایا: آج پھر اسی طرح ان سب کی دعوت کرو۔ کیونکہ کل اس نے کہنے کا وقت ہی نہیں دیا۔ میں نے پھر اسی طرح کا انتظام کیا سب کو دعوت دی۔ آئے' کھایا پیا' پھر کل کی طرح آج بھی ابولہب نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی اور اسی طرح تتر بتر ہو گئے۔ تیسرے دن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے یہی فرمایا۔ آج جب کھا پی چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی سے اپنی گفتگو شروع کر دی اور فرمایا اے بنو عبدالمطلب! واللہ کوئی نوجوان شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر بھلائی نہیں لایا' جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی میں لایا ہوں اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: اب بتلاؤ تم میں سے کون میری موافقت کرتا ہے اور کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ پہلے میں تمہیں اس کی راہ کی دعوت دوں۔ جو آج میری مان لے گا وہ میرا بھائی ہوگا اور سے یہ درجے ملیں گے۔ لوگ سب خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرت علی جو اس وقت اس مجمع میں سب سے کم عمر تھے اور دکھتی آنکھوں والے اور موٹے پیٹ والے اور بھری پنڈلیوں والے تھے' بول اٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس امر میں آپ کی وزارت میں قبول کرتا ہوں۔ آپ نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ایسی ایسی فضیلتوں والا ہے۔ تم اس کی سنو اور مانو۔ یہ سن کر وہ سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے۔ لے اب تو اپنے بچے کی سن اور مان۔ لیکن اس کا راوی عبدالغفار بن قاسم بن ابی مریم متروک ہے کذاب ہے اور ہے بھی شیعہ۔ ابن مدینی وغیرہ فرماتے ہیں: یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ دیگر ائمہ نے بھی اسے ضعیف لکھا ہے اور روایت میں ہے کہ اس دعوت میں صرف بکری کے ایک پاؤں کا گوشت پکا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے لگے تو انہوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ آج جیسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ اس میں آپ کا خطبہ یہ ہے کہ کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے اور میرے اہل میں میرا خلیفہ بنے' اس پر سب خاموش رہے اور عباس بھی چپ رہے۔ صرف اپنے مال کی بخل کی وجہ سے میں عباس کو خاموش دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ آپ نے دوبارہ یہی فرمایا' دوبارہ بھی سب خاموش رہے۔ اب تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بول پڑا۔ میں اس وقت ان سب سے گری پڑی حالت والا دکھتی آنکھوں والا بڑے پیٹ والا اور بوجھل پنڈلیوں والا تھا۔ ان روایتوں میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کون میرا قرض اپنے ذمے لیتا ہے اور میرے بعد حفاظت اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اس سے مطلب آپ کا یہ تھا کہ جب میں اس تبلیغ دین کو پھیلاؤں گا اور لوگوں کو توحید کی طرف بلاؤں گا تو سب کے سب میرے دشمن ہو جائیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے۔ یہی کھٹکا آپ کو لگا رہا' یہاں تک کہ یہ آیت اتری: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سورہ مائدہ: ۶۷) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کی ایذا رسانی سے بچا لے گا۔ اس وقت آپ بے خطر ہو گئے۔ اس سے پہلے آپ اپنی حفاظت کراتے تھے۔ لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد وہ بھی ختم کر دی۔ اس وقت فی الواقع تمام بنو ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ایمان والا اور تصدیق و یقین والا کوئی نہ تھا۔

اسی لئے آپ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر عام دعوت دی

اور لوگوں کو توحید کی خالص کی طرف بلایا اور اپنی نبوت کا علان کیا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے۔ فتوے دے رہے تھے۔ مجلس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں اور شوق سے سن رہے تھے لیکن آپ کے لڑکے اور گھر کے آدمی آپس میں نہایت بے پروائی سے اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ کسی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توجہ دلائی کہ اور سب لوگ تو دل سے آپ کی علمی باتوں میں دلچسپی لے رہے ہیں اور آپ کے اہل بیت اس سے بالکل بے پروا ہیں۔ وہ اپنی باتوں میں نہایت بے پروائی سے مشغول ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' دنیا میں بالکل کنارہ کشی کرنے والے انبیا علیہم السلام ہوتے ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ان کے قرابت دار ہوتے ہیں۔ اسی بارے میں آیت وَاَنْذِرْ سے تَعْمَلُوْنَ ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اپنے تمام امور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھو۔ وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے۔ وہی تمہاری تائید کرنے والا اور تمہارے کلمے کو بلند کرنے والا ہے۔ اس کی نگاہیں ہر وقت تم پر ہی ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (سورۂ طور: ۴۸) اپنے رب کے حکموں پر صبر کر' تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ ہم تمہارے رکوع و سجود دیکھتے ہیں۔ کھڑے ہو یا بیٹھے یا کسی حالت میں ہو' ہماری نظروں میں ہو۔ یعنی تنہائی میں تو نماز پڑھے تو ہم دیکھتے ہیں اور جماعت سے پڑھے تو ہماری نگاہ کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حالت نماز میں آپ کو جس طرح آپ کے سامنے کی چیزیں دکھاتا تھا۔ آپ کے پیچھے کے مقتدی آپ کو نگاہ میں رہتے تھے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ صفیں درست کر لیا کرو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے بھی دیکھتا رہتا ہوں[1]۔ ابن عباس یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ نبی کی پیٹھ سے دوسرے نبی کی پیٹھ کی طرف منتقل ہونا ہم برابر دیکھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ بحیثیت نبی دنیا میں آئے۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی باتیں خوب سنتا ہے انکی حرکات و سکنات کو خوب جانتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ﴾ (سورۂ یونس: ۶۱) تو جس حالت میں ہو تو جو قرآن پڑھے تم جو عمل کرو اس پر ہم شاہد ہیں الخ۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ

[1] کبھی دیکھا ہوگا ایسے نحیف اور نازک طبیعت آدمی کو کہ تمام مجلس کچھ محسوس نہ کر رہی ہو لیکن اس کی منہ اور سونگھنے کی قوت برابر کہہ رہی ہے کہ قریب ہی کہیں بدبو ہے۔ ملاقات ہوئی ہوگی ایسے حساس آدمی سے کہ تم کچھ بھی کرتے ہوگے اور اس کی حساس طبع سب کچھ محسوس کرتی ہو۔ پھر ان دیندار لوگوں سے بھی شاید سابقہ پڑا ہو کہ وہ خلاف شریعت چیزوں کے ارتکاب کو موت سے زیادہ ناگوار جانتے ہوں اور عام آدمی ان سب ممنوعات کو کرتے ہوئے کچھ بھی فکر نہ کرتے ہوں۔ پس اگر یہ مشاہدہ ہے تو کیا مضائقہ ہے اس بات میں کہ نبی گناہوں کی گندگی صفوں کی کجی' ناقص وضو کے ادبار کو ظاہری آنکھوں سے دیکھے بغیر محسوس کرے اور ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کا معجزہ ہو۔ لیکن بہر حال آپ ان تمام باتوں کے باوجود انسان تھے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرح عالم الغیب جاننا یا حاظر و ناظر جاننا غلط ہے اور اسلام کے خلاف۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ ۱۹

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں۔ (سنو) ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں (پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور شیاطین کی خبریں سننے کے لئے کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہوں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں (حیران) پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں اگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ ○

شیطان کے یار دوست:

مشرکین کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا یہ قرآن برحق نہیں۔ اس نے خود گھڑ لیا ہے۔ یا اس کے پاس جن کا سردار آتا ہے جو اسے یہ سکھا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس اعتراض سے پاک کیا ہے اور ثابت کیا کہ آپ جس کتاب کو لائے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے اسی کا اتارا ہوا ہے۔ بزرگ امین طاقتور اسے لایا ہے۔ یہ کسی شیطان یا جن کی طرف کی نہیں۔ شیاطین تو تعلیم قرآن سے چڑتے ہیں۔ اس کی تعلیم تو ان کے یکسر خلاف ہے۔ انہیں کیا پڑی کہ ایسا پاکیزہ اور راہ راست والا قرآن لائیں اور لوگوں کو نیک راہ بتلائیں۔ وہ تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں۔ جو خوب جھوٹ بولتے ہیں۔ بدکردار اور گنہگار ہوں۔ ایسے کاہنوں اور بدکاروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات اور شیاطین پہنچتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اور بداعمال ہیں اچٹتی ہوئی کوئی ایک آدھ بات سنی سنائی پہنچاتے ہیں اور وہ ایک بات جو آسمان سے چھپے چھپائے سن لی تھی کاہنوں کے کان میں ڈال دی۔ انہوں نے اپنی طرف سے پھر بہت سے حاشیئے چڑھا کر لوگوں میں پھیلا دی۔ بس اب ایک سچی نکلی، لیکن لوگوں نے ان کی اور سو جھوٹی باتیں بھی سچی مان لیں اور تباہ ہوئے[1]۔ بخاری شریف میں ہے کہ لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ کوئی چیز نہیں ہیں لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کبھی کبھی تو ان کی بات کھری بھی نکل آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اُڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ جاتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے باادب اپنے سر جھکا دیتے ہیں۔ ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بجائی جاتی ہے۔ جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ رب کا کیا حکم صادر ہوا۔ دوسرے جواب دیتے ہیں[2] کہ حق فرمایا اور وہ عالی شان اور بہت بڑی کبریائی والا ہے۔ کبھی کبھی امر خداوندی چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھی پڑ جاتا ہے جو اس طرح ایک پر ایک ہو کر وہاں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں

---

[1] ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا زہر میں میت ہلاک کر دینے والے اجزا کے ساتھ کچھ مفید اجزاء بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں اور ضرور ہیں تو پھر ان چند لفظوں کی خاطر کبھی استعمال کرتے ہو؟ ہرگز نہیں تو پھر کیا اس ایک آدمی سچی بات کے لئے سینکڑوں جھوٹ کے پلندے پر یقین کرنا عقل مندی کی بات ہوگی۔

[2] گویا کہ بہت سوں پر تو ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ کچھ بھی نہ سن سکے اور کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم سن لیا اور ان سے پھر وہ حکم دوسروں تک منتقل ہو گیا۔ اس لئے یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ جب ہیبت طاری تھی تو پھر کسی کو بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا ہو گا۔

کر اس طرح رکھ کر انہیں ہلا کر بتلایا کہ اس طرح اب اوپر والا نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتلا دیتا ہے یہاں تک کہ جادوگر اور کاہن کو وہ بتلا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پہنچائیں اس سے پہلے ہی وہ پہنچا دیتے ہیں۔ اس میں کاہن جادوگر اپنے سو جھوٹ ملا کر مشہور کرتا ہے۔ چونکہ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے لوگ سب کو ہی سچ سمجھتے ہیں۔ ان تمام حدیثوں کا بیان آیت: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (سورۂ سبا: ۲۳) کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرشتے آسمانی امر کی بات بادلوں پر کرتے ہیں جسے شیطان سن کر کاہنوں کی پہنچا دیتے ہیں اور وہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے: کافر شاعروں کی تابعداری گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ عرب کے شاعروں کا دستور تھا کسی کی مذمت اور ہجو میں کہہ ڈالتے تھے۔ لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عرج میں جا رہے تھے۔ جو ایک شاعر شعر خوانی کرتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا: اس شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا روک لو۔ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا پیٹ بھرلے[1]۔ انہیں جنگل کی ٹھوکریں کس نے نہیں کھاتے دیکھا۔ ہر لغو میں یہ گھس جاتے ہیں۔ کلام کے ہر فن میں یہ بولتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ کبھی کسی کی مذمت میں آسمان سر پر اٹھاتے ہیں۔ جھوٹی تعریفیں خوشامدانہ باتیں جھوٹی برائیاں گھڑی ہوئی بدیاں ان کے حصے میں آتی ہیں۔ یہ زبان کے بھانڈ ہوتے ہیں۔ لیکن کام کے کاہل۔ ایک انصاری اور ایک دوسری قوم کے شخص نے مقابلتاً ہجو کی جس میں دونوں کی قوم کے بڑے بڑے لوگ بھی ان کے ساتھی ہو گئے۔ پس آیت میں یہ ہے کہ ان کا ساتھ دینے والے گمراہ لوگ وہ وہ باتیں بکا کرتے ہیں، جو کبھی نہ کی ہوں۔ اسی لئے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کسی شاعر نے اپنے کسی شعر میں کسی ایسے گناہ کا اقرار ہے جس پر حد شرعی واجب ہوتی ہو۔ تو آیا وہ حد اس پر جاری کی جائے گی یا نہیں؟ دونوں طرف علما گئے ہیں[2]۔ واقعۃً وہ فخر و غرور کے ساتھ ایسی باتیں بک دیتے ہیں کہ میں نے یہ کیا اور یہ کیا، حالانکہ کچھ نہ کیا ہو اور نہ کر سکتے ہوں۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت نعمان بن عدی بن فضلہ کو بصرے کے شہر نیسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ شاعر تھے۔ ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب نیساں میں ہے۔ جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں۔ ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس سے بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن اس سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اللہ کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے۔ ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچے۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ کے بعد حٰمٓ کی تین آیتیں اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے۔ مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی کہ امیر المومنین! واللہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ گانا بجانا دیکھا سنا۔ یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپ نے فرمایا: یہی میرا خیال ہے لیکن ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں[3]۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شعر میں کسی جرم کے اعلان پر گو وہ قابل

---

[1] یہ اشعار مضامین ان کے غلط ہوں گے۔ ورنہ اچھے اور سچے مضامین والے اشعار کو آپ نے خود پسند فرمایا ہے۔

[2] یعنی بعض علما کہتے ہیں کہ حد جاری ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ جاری نہ ہوگی۔

[3] یہ تھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور اسی احتیاط کی بنا پر اسلام کی پوری تاریخ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حد ہو مارا نہ جائے۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر دینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو شاعر ہیں نہ ساحر ہیں نہ کاہن ہیں نہ مفتری ہیں۔ آپ کا ظاہری حال ہی آپ کی ان عیوب سے براءت کا بہت بڑا عادل گواہ ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ نہ تو ہم نے انہیں شعر گوئی سکھائی ہے۔ نہ یہ شعر گوئی آپ کے لائق ہے۔ یہ تو صرف نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے اور آیت میں ہے یہ رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا نہیں' تم میں ایمان کی کمی ہے۔ یہ کسی کاہن کا قول نہیں' تم میں نصیحت ماننے کا مادہ کم ہے۔ یہ تو رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس سورت میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ رب العالمین کی طرف سے اتری ہے۔ روح الامین نے آپ کے دل میں نازل فرمائی ہے' عربی زبان میں ہے' اس لئے کہ آپ لوگوں کو ہوشیار کر دیں۔ اسے شیاطین لے کر نہیں آئے نہ یہ ان کے لائق ہے نہ ان کے بس کی بات ہے۔ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ کر دیئے گئے ہیں۔ جو چھوٹے مفتری اور بدکردار ہوتے ہیں ان کے پاس شیاطین آتے ہیں جو اچٹتی ہوئی باتیں سن سنا کر ان کے کانوں میں گڑ گڑا جاتے ہیں' محض جھوٹ بولنے والے وہ خود ہوتے ہیں شاعروں کی پشت پناہی اوباشوں کا کام ہے' وہ تو بربادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ زبانی باتیں بتاتے ہیں۔ عمل سے کورے رہتے ہیں۔

اس کے بعد جو فرمان ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت جس میں شاعروں کی مذمت ہے جب اتری تو دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء حضرت حسان بن ثابت' عبداللہ بن رواحہ' کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعروں کی تو گت بنی اور ہم بھی شاعر ہیں' اسی وقت آپ نے یہ دوسری آیت تلاوت فرمائی کہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے تم ہو' ذکر اللہ بکثرت کرنے والے تم ہو' مظلوم ہو کر بدلہ لینے والے تم ہو۔ پس تم ان سے مستثنیٰ ہو۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک روایت میں کعب کا نام نہیں۔ ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ کی اس شکایت پر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر تو میں بھی ہوں' اس دوسری آیت کا نازل ہونا مروی ہے۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ یہ سورت مکیہ ہے۔ شعراء انصار مکہ میں نہ تھے۔ وہ سب مدینے میں تھے۔ پھر ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا محل غور ہوگا اور جو حدیثیں بیان ہوئیں وہ مرسل ہیں۔ اس وجہ سے اعتماد نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت بے شک استثنا کے بارے میں ہے اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں۔ بلکہ کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائیں' توبہ کر لیں اور اس کے مقابلے میں ذکر اللہ بکثرت کریں وہ بے شک اس برائی سے الگ ہیں۔ حسنات سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔ جبکہ اس نے مسلمانوں کو اور دین اسلام کو برا کہا تھا۔ وہ خود برا تھا۔ لیکن جب اس نے مدح کی وہ برائی اچھائی میں بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی تھی۔ لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کر دیا کہ اس وقت شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی طرح ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب باوجود آپ کے چچازاد بھائی ہونے کے آپ کے جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپ کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت سی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابو سفیان صخر بن حرب جب مسلمان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: مجھے تین چیزیں عطا فرمائیے۔ ایک تو یہ کہ میرے بیٹے معاویہ کو اپنا کاتب بنائیے۔ دوسرے مجھے کافروں سے جہاد کے لئے بھیجئے اور میرے ساتھ

کوئی لشکر کر دیجئے۔ تا کہ جس طرح میں کفر میں مسلمانوں سے لڑا کرتا تھا۔ اب اسلام میں کافروں کی خبر لوں۔ آپ نے دونوں باتیں قبول فرمالیں۔ ایک تیسری درخواست بھی کی جو قبول کی گئی۔ پس ایسے لوگ اس آیت کے حکم سے اس دوسری آیت سے الگ کر لئے گئے۔ ذکر اللہ خواہ وہ اپنے شعروں میں بکثرت کریں، خواہ اور طرح اپنے کلام میں یقیناً وہ اگلے گناہوں کا بدلہ اور کفارہ ہیں۔ اپنی مظلومی کا بدلہ لیتے ہیں یعنی کافروں کی ہجو کا جواب دیتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا تھا: ان کفار کی ہجو کرو، جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت کعب بن مالک شاعر نے جب شعراء کی برائی قرآن میں سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا: تم ان میں سے نہیں ہو۔ مومن تو جس طرح اپنی جان سے جہاد کرتا ہے اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔ واللہ تم لوگوں کے اشعار تو انہیں مجاہدین کے تیروں کی طرح چھید ڈالتے ہیں۔ پھر فرمایا: ظالموں کو اپنا انجام ابھی معلوم ہو جائے گا۔ انہیں عذر معذرت بھی کچھ کام نہ آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ظلم سے بچو۔ اس سے میدان قیامت میں اندھیروں میں رہ جاؤ گے۔ آیت عام ہے خواہ شاعر ہو خواہ غیر شاعر سب کو شامل ہے۔ حضرت حسنؒ نے ایک نصرانی کے جنازے کو جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ آپ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ روم میں جب حضرت فضالہ بن عبید تشریف لے گئے اس وقت ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا: اس آیت سے مراد بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ مراد مشرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت عام ہے، سب کو شامل ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت اپنی وصیت صرف دو سطروں میں لکھی، جو یہ تھی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ ہے وصیت ابوبکر بن ابی قحافہ کی۔ اس وقت کی جبکہ وہ دنیا چھوڑ رہے تھے۔ جس وقت کافر بھی مسلمان ہو جاتا ہے اور فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے اور کاذب کو بھی سچا سمجھا جاتا ہے۔ میں تم پر اپنا خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا کر جا رہا ہوں۔ اگر وہ عدل کریں تو بہت اچھا اور میرا اپنا گمان بھی اس کے ساتھ یہی ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور کوئی تبدیلی کر دیں تو میں غیب نہیں جانتا۔ ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس لوٹنے کی جگہ وہ لوٹتے ہیں۔

سُورَةُ النَّمل

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۷ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۹۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶

طٰسٓ ۔ یہ آیتیں (جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) قرآن کی (ہیں) اور ایک واضح کتاب کی یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے (موجب) یہ ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں ۔ جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے اور) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال (بد) ان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں سو وہ (اپنے) جہل مرکب حق سے دور بھٹکتے پھرتے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے (مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب ہے اور وہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہیں (کہ کبھی نجات نہ ہوگی) اور آپ کو بالیقین ایک بڑے حکمت والے علم والے کی جانب سے قرآن دیا جا رہا ہے ○

یہ اللہ کا کلام:

حروفِ مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان پر پوری طرح بحث سورہ بقرہ کے شروع میں ہم کر چکے ہیں ۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ قرآن کریم کھلی ہوئی واضح روشن اور ظاہر کتاب ہے ۔ یہ اس کی آیتیں ہیں ۔ جو مومنوں کے لئے ہدایت و بشارت ہیں ۔ کیونکہ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی اتباع کرتے ہیں' اسے سچا جانتے ہیں ۔ اس میں جو حکم احکام ہیں' ان میں عمل کرتے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نماز صحیح طور پر پڑھتے ہیں' فرضوں میں کمی نہیں کرتے ۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی نہیں روکتے ۔ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ۔ موت کے بعد زندگی اور جزا اور سزا کو بھی مانتے ہیں ۔ جنت دوزخ کو حق مانتے ہیں ۔ چنانچہ اور آیت میں بھی ہے کہ

ایمانداروں کے لئے تو یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان تو بہرے ہیں ان میں روئی دیئے ہوئے ہیں۔

اس سے خوشخبری پرہیزگاروں کو ہے اور بدکاروں کو اس میں وعید ہے۔ یہاں یہ بھی فرماتا ہے کہ جو اسے جھٹلائیں قیامت کے آنے کو نہ مانتے۔ ہم بھی انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ انکی برائیاں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں۔ اسی میں وہ بڑھتے ہیں پھلتے پھولتے رہتے ہیں اور اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انکی نگاہیں اور دل الٹ جاتے ہیں۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بدترین سزائیں ہونگی اور قیامت کے دن تمام اہل محشر میں سب سے زیادہ خسارے میں یہی رہینگے۔ بے شک آپ اے ہمارے نبی ہم سے ہی قرآن لے رہے ہیں ہم حکیم ہیں۔ امرنہی کی حکمت کو بخوبی جانتے ہیں۔ علیم ہیں چھوٹے بڑے تمام کاموں سے بخوبی خبردار ہیں پس قرآن کی تمام خبریں بالکل صدق وصداقت والی ہیں اور اسکے حکم احکام سب کے سب سراسر عدل وانصاف والے ہیں جیسے فرمان ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام:۱۱۵)

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

(ترجمہ: آپ کے انکار سے غمگین نہ ہوں جیسے اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں ابھی (جاکر) تمہارے پاس (وہاں) سے آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینکو۔ سو جب اس (آگ)

کے پاس پہنچے تو ان کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر رہیں (یعنی فرشتے اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس کے پاس سے (یعنی موسیٰ) اس پر بھی برکت ہو (یہ دعا بطور تحیہ وسلام کے ہے) اور رب العالمین پاک ہے۔ اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں (جو بے کیف کلام کر رہا ہوں) اللہ ہے زبردست حکمت والا اور موسیٰ تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو۔ سو جب انہوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا۔ جیسے سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) موسیٰ ڈرو نہیں اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں مگر جس سے کوئی قصور (یعنی لغزش سرزد) ہو جائے پھر برائی ہو جانے کے بعد بجائے اس کے نیک کام کر لے (یعنی توبہ کر لے) تو میں بڑا مغفرت والا رحمت والا ہوں اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا تو معجزوں میں سے ہیں (جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے کیونکہ وہ بڑے حد سے گزر جانے والا لوگ ہیں۔ غرض ان لوگوں کے پاس جب ہمارے (دیئے ہوئے) معجزے پہنچے جو نہایت واضح (تھے) تو وہ لوگ ان سب کو دیکھ کر بھی بولے یہ صریح جادو ہے اور (غضب تو یہ تھا) کہ ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) سے (بالکل) منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ سو دیکھئے کیسا (برا انجام ہوا ان مفسدوں کا) ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہے ہیں کہ اللہ نے انہیں اس طرح بزرگ بنایا اور ان سے کلام کیا اور انہیں زبردست معجزے عطا فرمائے اور فرعون اور فرعونیوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ لیکن کفار نے آپ کا انکار کیا اپنے کفر تکبر سے نہ ہٹے۔ آپ کی اتباع اور پیروی نہ کی۔ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر چلے اور راستہ بھول گئے۔ رات آ گئی اور وہ بھی سخت اندھیرے کی، تو آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے آگ کا شعلہ سا دکھائی دیتا ہے۔ اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم تو یہی ٹھہرو۔ میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں جو ہو اس سے راستہ معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ لے آؤں کہ تم اس سے ذرا سینک لو۔ ایسا ہی ہوا بھی کہ آپ وہاں سے ایک بڑی خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا۔ فرماتے ہیں کہ جب وہاں پہنچے اور منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک سرسبز درخت ہے۔ اس پر آگ لپٹ رہی ہے۔ شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے۔ نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ فی الواقع وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا اور نور بھی رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کا۔ حضرت موسیٰ متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یکایک آواز آئی ہے کہ اس نور میں جو ہے وہ پاکی والا اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں، وہ مقدس ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے۔ وہ ترازو کو پست کرتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ رات کے کام اس کی طرف دن سے پہلے اور دن کے کام رات سے پہلے چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا دیں، جس پر اس کی نگاہ پہنچ رہی ہے۔ یعنی کل کائنات کو۔

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ راوی حدیث نے یہ حدیث بیان فرما کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ الفاظ ابن ابی حاتم کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں۔ اس کی مصنوعات میں سے کوئی چیز کسی کے احاطے میں، وہ بلند و بالا ہے۔ ساری مخلوق سے الگ ہے۔ زمین و آسمان اسے گھیر نہیں سکتے وہ احد وصمد ہے۔ وہ مخلوق کے مشابہ ہونے سے پاک ہے۔ پھر خبر دی کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہے۔ وہی اس وقت سرگوشیاں کر رہا ہے۔ جو سب پر غالب ہے۔ اس کے ماتحت اور زیر حکم ہیں۔ وہ اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے۔ اس کے بعد

جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی کو اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دو تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو کہ خدائے تعالیٰ فاعل ومختار ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ موسیٰؑ نے ارشاد سنتے ہیں لکڑی کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک پھن پھنا تا سانپ بن گئی اور بہت بڑے جسم کا سانپ' بڑی ڈراؤنی صورت کا اور باوجود یکہ بڑے جسم والا ہے۔ لیکن پھر بھی تیز تیز چلنے لگا۔ اسے جیتا جاگتا چلتا پھرتا زبردست اژدہا دیکھ کر حضرت موسیٰؑ خوفزدہ ہو گئے۔ جَآنّ کا لفظ قرآن کریم میں ہے۔ یہ ایک قسم کے سانپ ہیں جو بہت تیزی سے حرکت کرنے والے اور کنڈلی لگانے والے ہوتے ہیں ایک حدیث میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے[1]۔ الغرض جناب موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر ڈرے اور وہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ ڈرو نہیں' میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں' اس کے بعد استثنا منقطع ہے۔ اس آیت میں انسان کیلئے بہت بڑی بشارت ہے کہ جس نے بھی کوئی برائی کا کام کیا ہو' پھر وہ اس پر نادم ہو جائے اس کام کو چھوڑ دے۔ توبہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۸۲) جو بھی توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہ راست پر چلے' میں اس کے گناہوں کا بخشنے والا ہوں اور فرمان ہے: ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ﴾ (سورۂ نساء: ۱۱۰) جو صاحب کسی برائی کا مرتکب ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو غفور ورحیم پائے گا۔

اِس مضمون کی آیتیں کلام الٰہی میں اور بھی بہت ساری ہیں۔ لکڑی کے سانپ ہو جانے کے معجزے کے ساتھ ہی کلیم اللہ کو اور معجزہ دیا جاتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دو معجزے اُن نو معجزوں میں سے ہیں' جن سے میں تیری وقتاً فوقتاً تائید کرتا رہوں گا۔ تاکہ فاسق فرعون اور اس کی فاسق قوم کے دلوں میں تیری نبوت کا ثبوت جگہ پکڑ جائے۔ یہ تو معجزے وہ تھے جن کا ذکر آیت ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ﴾ (سورۂ اسرائیل: ۱۰۱) میں ہے۔ جس کی پوری تفسیر بھی اسی آیت کے تحت گزر چکی ہے۔ جب یہ واضح ظاہر صاف اور کھلے معجزے فرعونیوں کو دکھائے گئے تو اپنی ضد میں آ کر کہنے لگے یہ تو جادو ہے۔ لو ہم اپنے جادوگروں کو بلا لیتے ہیں مقابلہ کر لو۔ اس مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کیا اور یہ سب لوگ زیر ہو گئے۔ مگر پھر بھی نہ مانے' گو دلوں میں اس کی حقانیت جم چکی تھی۔ لیکن ظاہری مقابلے سے نہ ہٹے۔ صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر حق کو جھٹلاتے رہے۔ اب تو دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کس قدر حیرت ناک اور کیسا کچھ عبرت ناک ہوا۔ ایک ہی مرتبہ ایک ہی ساتھ سارے کے سارے دریا برد کر دیئے گئے۔ پس اے اس نبی آخر الزماں کے جھٹلانے والو! تم اس نبی کو جھٹلا کر مطمئن نہ بیٹھو۔ کیونکہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل واشرف ہے۔ ان کی دلیلیں اور معجزے بھی ان دلیلوں اور معجزوں سے بڑے ہیں۔ خود آپ کا وجود آپ کے عادات واخلاق اور اگلی کتابوں اور اگلے نبیوں کی آپ کی نسبت بشارتیں اور ان کے اللہ کا عہد وپیمان' یہ سب چیزیں آپ میں ہیں۔ پس تمہیں نہ مان کر نڈر اور بےخوف نہ رہنا چاہئے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ

[1] کیونکہ وہ اکثر جن وغیرہ ہوتے یا پھر بےضرر لیکن میرا جہاں تک خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قوت کے ساتھ سانپ اور موذی جانوروں کو مار دینے کا حکم فرمایا۔ اس کے مقابلے میں "نہ مارنے" کا حکم آپ سے بہت کم منقول ہے اور ظاہر ہے کہ عام انسان سانپ اور جن بصورت سانپ وغیرہ کی تمیز نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس قسم کے احکام کا عام انسانوں کے سامنے رکھنے سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں۔

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو (شریعت اور ملک داری) کا علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے (ادائے شکر کے لئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور (داؤد کی وفات کے بعد ان کے) قائم مقام سلیمان ہوئے اور انہوں نے (اظہار شکر کے لئے) کہا کہ اے لوگو: ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو (سامان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں۔ واقعی یہ (اللہ تعالیٰ) کا صاف فضل ہے اور سلیمان کے لئے (جو) ان کا لشکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے) اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے مسخر نہیں ہوتے) اور (پھر تے بھی اس کثرت سے تھے) ان کو (چلنے کے وقت روکا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے) کہ کہ اے چیونٹیوں اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں تم کو سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمان اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب رب مجھ کو اس پر مداومت دے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دیجئے کہ میں نیک کام کیا کروں) جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں داخل رکھیے ☆

کائنات کا ایک عظیم الشان بادشاہ حقیر چیونٹی کا مکالمہ:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہ السلام پر انعام فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال کر دیا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریے کی بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹا ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور اس پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے۔ دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی۔ اس سے افضل اور نعمت کیا

ہے۔ حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے' اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک ونبوت کی وراثت ہے۔ اگر مال میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمانؑ کا ہی نام نہ آتا۔ کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ چنانچہ سید الانبیاء علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارے ورثے نہیں بٹا کرتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں' صدقہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی نعمتیں یاد کرتے ہیں' فرماتے ہیں: یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان جن پرند سب تابع فرمان ہیں۔ پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل وکرم ہے جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرندے بھی انسانی بولی بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے عملی ہے۔ بھلا سمجھو تو سہی' اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمانؑ کی خصوصیت ہی کیا تھی؟ جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی۔ پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمان کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے۔ پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ایسے ہی رہے ہیں۔ ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص فضل اللہ تھا۔ کہ حضرت سلیمان ہر چرند پرند کی زبان سمجھ لیتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے۔ جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر کے جاتے۔ پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا۔ آپس میں سب کہنے لگیں: یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ داخل کیسے ہوئے۔ اللہ کی قسم حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ہماری سخت رسوائی ہوگی۔ اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آ گئے۔ آپ نے بھی انہیں کھڑا دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ نہ روک سکے۔ وہ کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پروانہ کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے: مرحبا ہو مرحبا ہو' آپ ملک الموت ہیں۔ اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں۔ انہوں نے اپنے پر کھول ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پرندوں نے پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے فرمایا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح۔ اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے[1]۔ حضرت سلیمانؑ کا لشکر جمع ہوا۔ جس میں انسان جن پرند سب تھے۔ آپ کے قریب انسان تھے' پھر جن تھے۔ پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے۔ گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی' وہیں وہ رہتا۔

جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے۔ ایک جنگل پر گزر ہوا۔ جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا۔ سلیمانؑ کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹی سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمانؑ چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم نہ ہو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: اس چیونٹی کا نام حرس تھا۔ یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی۔ تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیے کے[2]۔ اسے خوف ہوا کہ یہ سب روندن میں آ جائیں گی اور پس جائیں گی۔ یہ سن کر حضرت سلیمانؑ کی تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے اپنی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں۔ مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ۔ نیز

---

[1] اس حدیث کی بابت محدثین نے فرمایا کہ اس میں ایک راوی منقطع ہے اس لئے صحیح نہیں۔ (حاشیہ)

[2] حضرت حسنؒ کی طرف اس قول کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ بھلا سمجھ میں آنے والی ہے یہ بات کہ حسن جیسا عالم قرآن اور ایسی بیکار (بیہودہ) باتیں کرے۔

جونعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مؤمن ہوئے وغیرہ اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دی۔ جن سے تو خوش ہو اور میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفیقوں میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں۔ مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی۔ بعض اور جگہ بتلاتے ہیں۔ یہ چیونٹی مثل مکھیوں کے پردار تھی اور بھی اقوال ہیں۔ نوف بکالی کہتے ہیں: یہ بھیڑیے کے برابر تھی۔ ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی سے وہ ذئاب لکھ دیا گیا ہو۔ یعنی بھیڑیا۔ حضرت سلیمانؑ چونکہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے اس بات کو بھی سمجھتے تھے اور بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ بن داؤد علیہ السلام (نمازِ) استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا' ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ خدایا ہم بھی تیری مخلوق ہیں۔ پانی برسنے کی محتاجی ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ یہ دعا چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا کہ لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے جاؤ گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: نبیوںؑ میں کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا' انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چیونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہمارا تسبیح خواں تھا ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾

اور (ایک بار یہ قصہ ہوا کہ) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو ہدہد کو نہ دیکھا فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ ہدہد نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے میں اس کو (غیر حاضری) پر سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ یا وہ کوئی صاف حجت (اور عذر غیر حاضری کا) میرے سامنے پیش کرے ○

ہدہد اور سلیمان علیہ السلام:

ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا' وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح دکھائی دیتا تھا۔ جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کی نظر آتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہا ہے۔ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچا ہے اتنا ہے وغیرہ[1]۔ حضرت سلیمانؑ اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا۔ ایک دن اسی طرح میں تھے۔ پرندوں کی تفتیش کی تا کہ پانی کا تلاش کا حکم دیں۔ اتفاق سے وہ موجود نہ تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا: آج ہدہد نظر نہیں پڑتا کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا۔ یا واقع میں وہ حاضر ہی نہیں؟

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا۔ یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہ کی باتوں پر بے جا اعتراض کیا کرتا تھا۔ کہنے لگا: پس آج تو تم ہار گئے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: یہ کیوں۔ اس نے کہا: آپ جو یہ فرماتے ہیں

[1] جیسا کہ آج کل زمین سے تیل اور مختلف چیزیں نکالنے والی کمپنیاں اور ان کے تربیت یافتہ اور تجربہ کار کارندے ہی زمین کو دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ یہاں تیل ہے یا نہیں ہے۔ اگر ہے تو کہاں ملے گا اور کتنی گہرائی میں ملے گا۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کسی جانور کو اتنی عقل عطا فرما دے تو اس میں کیا حرج ہے۔ جانوروں کو اپنے گھر بنانے کی تمیز دی۔ رزق حاصل کرنے کا شعور عطا فرمایا۔ بچوں کی حفاظت کا سلیقہ دیا وغیرہ وغیرہ۔ تو اگر اسی طرح پانی دریافت کرنے کا شعور بھی دے تو یہ اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں۔

کہ ہدہد زمین تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا' یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کا شکار کر سکتا ہے۔ اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتا ہے تو زمین کے اوپر کا جال اسے کیوں نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباسؓ لاجواب ہو گیا۔ تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی۔ سن جس وقت قضا آ جاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لاجواب ہو گیا اور کہنے لگا' واللہ اب آپ پر اعتراض نہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ برزی ایک ولی اللہ شخص تھے۔ پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی۔ ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا۔ تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے۔ مہینوں گزر گئے۔ نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ آ کر فرمایا: لوسن لو۔ دو خراسانی میرے پاس برزہ میں جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے سے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کیے۔ یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی۔ لیکن بے پروائی سے بیٹھے رہے۔ کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے ہماری سال بھی کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی۔ میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے منت سماجت کی۔ بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری داھنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی۔ اب جو میں دیکھتا ہوں۔ تو زمین مجھے ایک شیشے کی مانند معلوم ہونے لگی۔ جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں۔ ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: اچھا اب آپ ہماری ساتھ ہی کچھ دور چلئے میں نے منظور کر لیا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور سے پھینک دیا اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں ٹپک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا۔ قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا۔ یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا۔ (ابن عساکر)

حضرت سلیمانؑ کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا۔ آپ فرماتے ہیں: اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو اسے سخت سزا دوں گا۔ اس کے پر نچوا دوں گا اور اسے پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں۔ یا میں اسے حلال کر دوں گا یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے۔ اتنے میں ہدہد آ گیا۔ جانوروں نے سے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں۔ بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ اس نے کہا: یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا پھر تو میں بچ جاؤں گا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾

إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

ل اس مسلسل روایت میں چیزیں ناظرین کو اجنبی لگیں گی۔ مثلاً اس ہدہد کا نام اور مجاہد کا قول کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ اس لئے سلیمان علیہ السلام کی گرفت سے بچ گیا اشکالات ذہنی ضرور ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ یہ باتیں ان بڑے مفسرین کر دی گئیں اقوال ان کے یہ نہیں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدۃ

سوتھوڑی ہی دیر میں وہ آ گیا اور (سلیمانؑ سے) کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور اجمالی بیان اس کا یہ ہے کہ میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (سلطنت کے لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا اور قیمتی تخت ہے۔ میں نے اس کو اور اس (عورت) کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ (کی عبادت) کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے (ان) اعمال (کفریہ) کو ان کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور ان کو راہ (حق) سے روک رکھا ہے۔ سو وہ راہ حق پر نہیں چلتے اور اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قادر ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں بارش اور نباتات بھی ہے) باہر لاتا ہے اور (ایسا عالم ہے کہ) تم لوگ جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو (کچھ زبان وغیرہ سے) ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے (پس) اللہ تعالیٰ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ○

ہدہد کا جواب:

ہدہد کی غیر حاضری کو تھوڑی دیر گزری تھی جو وہ آ گیا۔ اس نے کہا: اے نبی اللہ! جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں میں اس کی ایک نئی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ قبیلہ سبا حمیر تھے اور یمن کے بادشاہ تھے۔ ایک عورت ان کی بادشاہی کر رہی ہے۔ اس کا نام بلقیس بنت شرحبیل تھا۔ یہ سب کی ملکہ تھی۔ قتادہ کہتے ہیں: اس کی ماں جنیہ عورت تھی۔ اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے جیسا کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے' اس کی ماں کا نام رفاعہ ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں' اس کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔ لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا ہے۔ اس کے وزیر مشیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام ماءرب ہے۔ یہ صنعا سے تین میل کے فاصلے پر ہے یہی قول قرین قیاس ہے۔ اس کا اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے واللہ اعلم۔

دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے۔ یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں۔ اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھا' بہت بڑا محل تھا۔ بلند و بالا' کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف۔ جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں' اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کرتے۔ راجہ پرجا سب آفتاب پرست تھے۔ اللہ کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان کو گمراہ کر رکھا تھا وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ جو راہ راست یہ ہے کہ

صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو سجدہ کے لائق مانا جائے نہ کہ سورج چاند اور ستاروں کو جیسے فرمان قرآن ہے کہ رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج کو چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے۔ سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے۔ اَلَّا یَسْجُدُوْا کی ایک قراءت اَلَا یَااسْجُدُوْا بھی ہے۔ یا کے بعد کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے میری قوم! خبردار سجدہ اللہ ہی کے لئے کرنا جو آسمان کی زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خَبْءَ کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہدہد کی جس میں یہی صفت تھی یہی مراد ہو اور تمہارے ہر مخفی اور ظاہرہ کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے وہی تنہا معبود برحق ہے۔ وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہدہد خیر کی طرف بلانے والا اللہ ایک کی عبادت کا حکم دینے والا۔ اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا۔ اسی لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ مسند احمد ابو داؤد ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں جانوروں کا قتل منع فرمایا ہے۔ چیونٹی شہد کی مکھی ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

ع ۲

سلیمانؑ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہیں۔ (اچھا) میرا خط لے جا اور اس کو اس کے پاس ڈال دینا پھر (ذرا وہاں سے) ہٹ جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال جواب کرتے ہیں۔ بلقیس نے (پڑھ کر اپنے سرداروں سے مشورہ کیلئے) کہا تمہارے پاس ایک خط (جس کا مضمون) نہایت باوقعت (ہے) ڈالا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ (مضمون) ہے (اول) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سب اعیان سلطنت جن کے ساتھ عوام وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ○

سلیمان علیہ السلام کا ارادہ:

ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمانؑ نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی ہے اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے۔ اس سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے دے آ۔ اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندا ہوا ہدہد اڑا۔ وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا۔ وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔ اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اسے سخت تعجب ہوا حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف اور دہشت بھی ہوئی۔ خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا۔ اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء وزراء سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے۔ اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔ سامنے باادب رکھ کر یکسو ہو جاتا ہے تو میں جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر خط کا مضمون پڑھ کر سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا

ہے اوراس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان ہونے کی دعوت ہے۔اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں پھر خط کی بلاغت' اختصار اور وضاحت نے سب کو حیران کر دیا ہے کہ یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں پر حاوی ہے۔گویا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی۔

ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری۔میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتا دوں گا ۔اب آپ نکلنے لگے۔ایک قدم مسجد سے باہر رکھ بھی دیا۔میرے جی میں آیا کہ شاید آپ بھول گئے۔اتنے میں آپ نے یہی آیت پڑھی اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم باسمك اللّٰهم تحریر فرمایا کرتے تھے۔جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا۔مضمون خط صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو مجھے مجبور نہ کرو میری بات مان لو۔تکبر سے کام نہ لو۔موحد مخلص، مطیع بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو اس معاملہ میں رائے دو (کہ مجھ کو سلیمانؑ کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور) میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور (آئندہ) اختیار تم کو ہے سو تم (مصلحت) دیکھ لو جو کچھ (تجویز کر کے حکم دینا ہو بلقیس کہنے لگی کہ والیان ملک کا قاعدہ ہے کہ) جب بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں۔تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو (ان کا زور گھٹانے کے لئے) ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ وہ فرستادے (وہاں سے) کیا جواب لے کر آتے ہیں ○

بلقیس کا مشورہ:

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا تم جانتے ہو جب تک تم سے میں مشورہ نہ کر

لوں تم موجود نہ ہو تو میں چونکہ کسی اُمر کا فیصلہ تنہا نہیں کر لیتی۔اس بارے میں بھی تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں۔ بتلاؤ کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت میں بہت کچھ ہے اور ہماری طاقت مسلم ہے۔اس طرف سے تو اطمینان ہے آگے جو آپ کا حکم ہے۔ہم تابعداری کے لئے موجود ہیں۔اس میں ایک حد تک سرداران لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت دی تھی۔لیکن بلقیس چونکہ سمجھدار عاقبت اندیش تھی اور ہدہد کے ہاتھوں خط کے ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھی۔ یہ معلوم کر لیا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی طاقت کے مقابلہ میں میرا لاؤ لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔اگر لڑائی کی نوبت آئی تو علاوہ ملک کی بربادی کے میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی۔اس لئے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں۔وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔سرداران لشکر شاہ شہر خصوصیت سے ان کی نگاہوں میں چڑھ جاتے ہیں۔جناب باری نے بھی اس کی تصدیق کی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اس کے بعد اس نے جو ترکیب نکالی تھی کہ ایک چال چلے اور حضرت سلیمان سے موافقت کر کے صلح کرے وہ اس نے ان کے سامنے پیش کی۔کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں اور اس کے بعد دیکھتی ہوں کہ میرے قاصدوں سے وہ کیا فرماتے ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی انہیں یہ رقم بطور جزیہ کے بھیجتے رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ رہے۔اسلام کی قبولیت میں اسی طرح اس ہدیے کی بھیجنے میں اس نے نہایت دانائی سے کام لیا۔وہ جانتی تھی کہ روپیہ پیسہ وہ چیز ہے کہ فولاد کو بھی نرم کر دیتا ہے۔نیز اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں وہ ہمارے اس مال کو قبول بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول کر لیا تو سمجھ لیں کہ وہ ایک بادشاہ ہیں۔پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو نبوت میں شک نہیں پھر مقابلہ سراسر بے سود بلکہ مضر ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

سو جب وہ فرستادہ سلیمانؑ کے پاس (اور تحفے پیش کئے تو سلیمان نے) فرمایا کہ تم لوگ (یعنی بلقیس وغیرہ) مال سے میری امداد کرتے ہو سو (سمجھ رکھو کہ اللہ نے جو کچھ مجھ کو دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے ہاں تم ہی اپنے اس ہدیہ پر اتراتے ہو گے (سو یہ تحفے ہم نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ہمیشہ کے لئے) ماتحت ہو جائیں گے ○

یہ حربہ بے کار:

بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔سونا' موتی جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں۔سونے کے برتن وغیرہ۔بعض کہتے ہیں کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں بچوں کے لباس میں بھیجی اور کہا اگر انہیں وہ پہچان لیں تو اسے نبی مان لینا چاہئے۔جب یہ حضرت سلیمان کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا۔لڑکیوں نے تو برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔اس سے آپ نے دونوں علیحدہ علیحدہ پہچان کر الگ الگ کر

دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس طرح پہچان لیا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے ظاہری حصہ کو دھویا۔ یہ بھی منقول ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے تو کہنی تک ہاتھ دھونا شروع کیا اور انگلیوں تک دھویا اور ایک جماعت اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں کسی میں منافات نہیں[1]۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہ اسے ایسے پانی سے پر کر دو' جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا ہو تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھی بھر دیا۔ اس نے کچھ خرمہرے اور ایک لڑی بھیجی تھی۔ آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔ یہ سب عموماً بنی اسرائیل کی روایتوں سے لئے جاتے ہیں۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں کونسا ہوا یا کچھ بھی نہیں ہوا؟۔ البتہ بظاہر تو الفاظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ملک کے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رکھنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے۔ مجھے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ملک' مال لاؤ لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے ہر طرح بہتر حالت میں ہوں۔ فالحمدللہ۔ تم ہی اپنے ہدیے سے خوش رہو۔ یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو اور تحفہ تمہیں جھکا دے۔ یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دو یا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے قاصد پہنچیں' اس سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے ایک ہزار محل تیار کرا دیئے۔ جس وقت قاصد پایۂ تخت میں پہنچے۔ ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ غیر ملکی لوگوں کے لئے کچھ تکلفات کرے اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیئے انہیں کو واپس کرو اور ان سے کہہ دو کہ مقابلے کی تیاری کر لیں۔ یاد رکھو میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے۔ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ ہم انہیں ان کی سلطنت سے بیک بینی و دو گوش ذلت اور حقارت کے ساتھ نکال دیں گے۔ ان کے تخت و تاج کو برباد کر دیں گے۔ جب قاصد اس تحفے کو واپس لے کر پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا۔ بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئی اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ جب آپ نے اس کا یہ قصد معلوم کیا بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ

[1] لیکن تحفہ تحائف کے سلسلہ میں یہ بات کہ بلقیس نے لڑکے اور لڑکیاں بھیجی تھیں اور سلیمان علیہ السلام نے ان کو اس طرح جدا جدا کیا۔ محققین کے یہاں سب اقوال واہی غلط اور بے بنیاد ہیں۔

ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰

سلیمان (کو وحی سے یا کسی طیرہ وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا چلنا معلوم ہوا تو انہوں نے) فرمایا کہ اے دربارتم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں حاضر کر دے۔ ایک قوی ہیکل جن نے جواب عرض کیا کہ وہ اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (گو وہ بہت بھاری ہے) مگر میں اس کے لانے پر طاقت رکھتا ہوں (اور وہ گو بڑا قیمتی مرصع جواہرات سے ہے) مگر امانتدار بھی ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا (غرض) اس (علم والے) نے اس جن سے کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کھڑا کر سکتا ہوں۔ جب سلیمانؑ نے اس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا۔ تو خوش ہو کر شکر کے طور پر کہنے لگے کہ یہ میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر گزار ہوں یا (خدانخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور (ظاہر ہے کہ) جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے (اللہ کا کوئی نفع نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے میرا رب غنی ہے کریم ہے ○

سلیمان علیہ السلام کی ایک اور تدبیر:

جب قاصد واپس پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں اور پیغمبری کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تاکہ خود آپ سے مل کر معلوماتِ دینی حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کر لوں۔ یہ کہلوا کر یہاں ایک کو اپنا نائب بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کئے۔ اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا' سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے قائم مقام کو اس کی حفاظت کی خاص تاکید کی اور بارہ ہزار سردار جن میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں ہزاروں آدمی تھے' اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمانؑ کی طرف چل دی۔ جنات قدم قدم اور دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے۔ تو آپ نے اپنے ایک دربار میں' جس میں جن وانس سب موجود تھے' فرمایا کہ کوئی ہے جو اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے یہاں پہنچا دے؟ کیونکہ جب وہ یہاں آ جائے گی اور اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اس کا مال ہم پر حرام ہو جائے گا۔ (یہ قول قتادہ کا ہے بہت ممکن ہے اس کی اصل بھی کوئی بنی اسرائیل روایت ہو)۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھا' بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ دربار برخواست کریں' اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے' جھگڑے چکانے اور انصاف دینے کو صبح سے دوپہر تک دربارِ عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا: میں اس کے تخت کو اٹھا لانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانتدار۔ اس میں سے کوئی چیز چراؤں گا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اس تخت کے منگوانے کی غرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور زبردست طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ میں اس کا تخت جسے اس بلقیس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا۔ وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے (وہ غرض نہ تھی جو اوپر براویت قتادہ بیان ہوئی) حضرت سلیمانؑ کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے کتابی علم تھا وہ بولا۔

ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آصف تھے۔ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے[1]۔ ان کے باپ کا نام برخیا تھا۔ یہ ولی اللہ تھے۔ اسم اعظم جانتے تھے۔ پکے مسلمان تھے۔ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں ان کا نام اسطوم تھا۔ بلخ بھی مروی ہے۔ ان کا لقب ذالنور تھا۔ عبداللہ بن طیعہ کا قول ہے کہ یہ خضر تھے۔ لیکن بہت ہی یہ قول غریب ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑائیے' جہاں تک پہنچے نظر کیجئے۔ ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمانؑ نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا' نظر کی۔ ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا: یَاذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام یا فرمایا: یَا اِلٰھَنَا وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اِئْتِنِیْ بِعَرْشِھَا[2] اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا۔ اتنی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس وہ تخت پہنچا دیا گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے اسے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا: تو یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی۔ اس کی عظمت کسی کا محتاج نہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ (سورۂ فصلت: ۴۶) جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جگہ ہے جو نیکی کرتے ہیں وہ اپنے لئے ہی اچھائی جمع کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی اگر اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کچھ نہیں بگاڑو گے۔ وہ غنی ہے اور حمید ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے انسان جنات بہتر سے بہتر اور نیک بخت سے نیک بخت ہو جائیں تو میرا ملک بڑھ نہیں جائے گا اور اگر سب کے سب بد بخت اور برے بن جائیں تو میرا ملک گھٹ نہیں جائے گا۔ یہ تو صرف تمہارے اعمال ہیں جو جمع ہوں گے اور تم کو ہی ملیں گے۔ جو بھلائی دیکھے تو اللہ کا شکر کرے اور جو برائی دیکھے تو صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ

[1] بعض محققین کا خیال ہے کہ تخت بلقیس کو خود کسی واسطے کے بغیر حضرت سلیمانؑ نے اپنی خاص نبوت کی طاقت اور معجزہ کے طور پر حاضر کیا تھا اور دربار کے حاضرین سے پہلے یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس کو کون لائے گا؟ اور ایک جن کے جواب پر آنکھ جھپکتے ہی خود حاضر کر دینا اس لئے تھا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی کے معجزے عام انسانوں کی ہر قسم کی طاقت سے بہر حال بلند و بالا ہوتے ہیں۔

[2] روایت ہے کہ یہ اجزا کہ یہ دعا پڑھی تھی کہ صحیح قول سے ثابت نہیں۔ ایک دور تھا' اس طرح کی باتیں پسندیدہ تھیں اور اب ان دور از کار باتوں کی نہ اہمیت رہی نہ ان کو پسند کیا جاتا ہے۔

اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اس کے بعد سلیمانؑ (بلقیس کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں اسکو اس کا پتہ لگتا ہے یا اس کا انہی میں شمار ہوتا ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا۔ (سلیمانؑ نے یہ سب سامان کر رکھا تھا پھر بلقیس پہنچی) سو جب بلقیس آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے' وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ایسا ہی اور (یہ بھی کہا) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم اسی وقت سے دل سے مطیع ہو چکے ہیں (اور اس کا ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے (جس کی اس کو عادت تھی) روک رکھا تھا (اور وہ عادت) اس لئے پڑ گئی تھی کہ وہ کافر قوم میں کی تھی۔ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو (وہ چلی راہ میں حوض آیا) تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی سے (بھرا ہوا سمجھا) اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (اس وقت) سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے (اس وقت) بلقیس کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا کہ شرک میں مبتلا تھی اور میں اب سلیمان کے ساتھ یعنی ان کے طریقہ پر ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی ○

بلقیس کی حیرانی:

اس تخت کے آ جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو۔ پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے۔ رنگ روغن میں تبدیلی کر دی گئی۔ نیچے اوپر سے کچھ بدل دیا گیا کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تا کہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں پہچان سکتی؟ جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت یہی ہے؟ س نے جواب دیا کہ ہو بہو اسی جیسا ہے۔ اس جواب سے اس کی دور بینی' عقل مندی' زیرکی' دانائی ظاہر ہوتی ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے۔ دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے اور بظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو ایسی احتیاط کی بات کہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا کہ ہم مسلمان تھے۔ بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے توحید اللہ سے روک دیا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا اس سے پہلے کافروں میں سے تھی۔ لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے۔ جیسے عنقریب بیان ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا۔ جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا۔ شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا۔ آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے[1]۔ لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اسکے ٹخنے چوپاؤں کے کھر جیسے ہیں۔ اسکی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا تھا۔ جب وہ یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے غلط ہے۔ اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے تھے۔ کوئی نئی بات یا بدصورتی نہیں۔ ہاں چونکہ بے نکاحی تھی۔ پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے۔ آپ نے استرے سے منڈوا

[1] اور یہ بھی قطعاً غلط ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین اس کا خیال نہیں کرتے کہ انبیا علیہم اس طرح کی روایات سے بدنام ہوتے ہیں بھلا سلیمان علیہ السلام بھی کیا کوئی دنیا کے ایک جابر و قاہر بادشاہ تھے کہ بلقیس کو ذرا دھمکا کر اپنے ملک میں بلائیں اور پھر ایک ہولناک بادشاہ کی طرح اس سے شادی رچائیں۔ معاذ اللہ! وہ اللہ کا مقدس نبی اس سے بری تھا۔ ان کا بلقیس کو بلانا اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا' سب اللہ کے لئے تھا اور نفس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

ڈالنے کا مشورہ دیا۔ لیکن اس نے کہا اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی آپ نے جنوں سے کہا کوئی اور چیز بناؤ جن سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے ہڑتال پیش کی یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی۔ محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے اپنے دربار سے اپنی رونق سے اپنے ساز و سامان سے اپنے لطف و عیش سے اور اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور جاہ و حشم نظروں سے گر جائے جس کے ساتھ ہی تکبر و تجبر کا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ جب یہ اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے موجیں مارتا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھا لئے۔ اسی وقت کہا گیا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی یہ تو شیشہ ہے۔ آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کئے آ سکتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں سلیمان علیہ السلام نے صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی۔ اس محل کو دیکھتے ہی اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی کہ میرا ملک تو اس کے پاسنگ بھی نہیں نیچے پانی ہے اوپر شیشہ ہے۔ بیچ میں تخت سلیمانی ہے اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے جن وانس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان ہیں جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بے دینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا۔ جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی۔ اسے سنتے ہی سلیمان علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی۔ اب تو وہ بہت ہی نادم ہوئی۔ ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا: مجھ سے غلطی ہوئی اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی: خدایا میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہو گئی۔

ابن ابی شیبہ میں یہاں پر ایک غریب اثر ابن عباسؓ کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: حضرت سلیمانؑ جب تخت پر متمکن ہوتے تو آپ کے پاس کی کرسیوں پر انسان بیٹھتے۔ پھر ان کے پاس والی کرسیوں پر جن بیٹھتے۔ پھر ان کے بعد شیطان بیٹھتے۔ پھر ہوا اس درخت کو لے کر اڑتی اور معلق تھما دیتی۔ پھر پرندآ کر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے۔ پھر آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ پرواز کر کے صبح صبح مہینے بھر کے فاصلے پر پہنچا دیتی۔ اس طرح شام کو مہینے بھر کی دوری طے ہوتی۔ ایک مرتبہ اسی طرح آپ جا رہے تھے پرندوں کی دیکھ بھال جو کی تو ہد ہد کو غائب پایا۔ بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا: کیا وہ جمگھٹے میں مجھے نظر نہیں پڑتا یا غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا اسے ذبح کر دوں گا۔ یا یہ کہ وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے۔ ایسے موقعہ پر پرندوں کے پر نچوا کر آپ زمین پر میں دلوا دیتے تھے۔ کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر میں خود حاضر ہوتا ہے اپنا سبا جانا اور وہاں سے خبر لانا بیان کرتا ہے۔ حضرت سلیمان اس کی صداقت کی آزمائش کے لئے ملکہ سبا کے نام ایک چٹھی دے کر دوبارہ بھیجتے ہیں۔ جس میں ملکہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ میری نافرمانی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آؤ۔ اس خط کو دیکھتے ہی ملکہ کے دل میں اس خط کی اور اس کے لکھنے والے کی عزت سما جاتی ہے۔ وہ اپنے درباریوں سے مشورہ کرتی ہے۔ وہ اپنی قوت طاقت فوج وغیرہ بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیار ہیں صرف اشارے کی دیر ہے لیکن یہ برے وقت کو اور اپنی شکست کے انجام کو خیال کر کے اس ارادے سے باز رہتی ہے اور دوستی کا سلسلہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ تحفے اور ہدیے حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجتی ہے۔ جسے سلیمان علیہ السلام واپس کر دیتے ہیں اور چڑھائی کی دھمکی دیتے ہیں۔ اب یہ اپنے ہاں سے چلتی ہے۔ جب قریب پہنچ جاتی ہے اور اس کے لشکر کی گرد سلیمانؑ دیکھ لیتے ہیں۔ تب فرماتے ہیں کہ اس کا تخت اٹھوا لاؤ۔ ایک جن کہتا ہے کہ بہتر ہے میں ابھی لاتا ہوں۔ آپ یہاں سے اٹھیں اس سے پہلے ہی پہلے اسے دیکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا: اس سے جلد ممکن ہے؟ اس پر یہ تو خاموش ہو گیا۔ لیکن اللہ کے علم والے نے کہا: ابھی ایک آنکھ جھپکتے ہی۔ اتنے میں دیکھا کہ جس کرسی پر پاؤں

رکھ کر حضرت سلیمانؑ تخت شاہی پر چڑھے تھے اسی کے نیچے سے بلقیس کا تخت نمایاں ہوا۔ آپ نے شکر اللہ ادا کیا۔ لوگوں کو نصیحت کی اور اس میں کچھ ردوبدل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے آتے ہی اس سے اس تخت کی بابت پوچھا تو اس نے کہا گویا وہی ہے۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو چیزیں طلب کیں۔ ایک تو ایسا پانی جو نہ زمین سے نکلا ہو نہ آسمان سے برسا ہو۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑتی اوّل انسانوں سے دریافت فرماتے: پھر جنوں سے پھر شیطان سے' اس سوال کے جواب میں شیطانوں نے کہا: یہ کوئی مشکل چیز نہیں' گھوڑے دوڑایئے اور ان کے پسینے سے ایک پیالہ بھر دیجئے۔ اس سوال کے پورا ہونے کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ کیا ہے؟ اسے سن کر آپ اچھل پڑے اور اسی وقت آپ سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس نے ایسا سوال کیا کہ میں تو تجھ سے دریافت بھی نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بے فکر ہو جاؤ کہ میں نے کفایت کر دی۔ آپ سجدے سے اٹھے اور فرمایا: تو نے کیا پوچھا تھا۔ اس نے پانی کے بارے میں میرا سوال تھا جو آپ نے پورا کیا اور تو میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ یہ خود اور اس کے سارے لشکری دوسرے سوال ہی کو بھول گئے۔ آپ نے لشکریوں سے بھی پوچھا کہ اس نے دوسرا سوال کیا کیا تھا؟ تو سب نے یہ جواب دیا کہ پانی کے اس نے اور کوئی دوسرا سوال نہیں کیا۔ شیطانوں کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلیمان علیہ السلام نے اسے پسند کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور اولاد بھی ہوگئی تو یہ ہم سے ہمیشہ کے لئے گئے۔ اس لئے انہوں نے حوض بنایا پانی سے پر کیا اور اوپر سے بلور کا فرش بنا دیا۔ اس صفت سے کہ دیکھنے والے کو وہ معلوم ہی نہ دے۔ وہ تو پانی ہی سمجھے۔ جب بلقیس دربار میں آئی اور وہاں سے گزرنا چاہا تو پانی جان کر اپنے پائنچے اٹھا لئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پنڈلیوں کے بال دیکھ کر ناپسند فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اسے زائل کرنے کی کوشش کرو تو کہا گیا کہ استرے سے مونڈ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کا نشان مجھے ناپسند ہے اور کوئی ترکیب بتاؤ۔ پس شیاطین نے طلا بنا دیا۔ جس کے لگاتے ہی بال اڑ گئے۔ پس اوّل اوّل بال صفا (طلا) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تیار ہوا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس قصہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ کتنا اچھا قصہ ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں بالکل منکر اور سخت غریب ہے۔ یہ عطا بن سائب کا وہم ہے جو اس نے ابن عباسؓ کے نام سے بیان کر دیا ہے اور زیادہ قرین قیاس امر یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے دفاتر سے لیا گیا ہے۔ جو مسلمانوں میں کعب اور وہب نے رائج کر دیا تھا' اللہ ان سے درگزر فرمائے۔ پس ان قصوں کا کوئی اعتماد نہیں۔ بنو اسرائیل تو جدت طراز تھے۔ بدل لینا گھڑ لینا۔ کمی زیادتی کر لینا ان کی عادت میں داخل تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اس نے ان کا محتاج نہیں رکھا۔ ہمیں وہ کتاب دی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وہ باتیں پہنچائیں جو نفع میں وضاحت میں بیان میں ان کی باتوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ ساتھ ہی بہت مفید اور نہایت احتیاط والی' فالحمدللہ۔

صرح کہتے ہیں محل کو اور ہر بلند اونچی عمارت کو۔ چنانچہ فرعون ملعون نے بھی اپنے وزیر ہامان سے یہی کہا تھا: ﴿یٰھَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا﴾ یمن کے ایک خاص ممتاز اور بلند محل کا نام بھی صرح تھا اس سے مراد ہر وہ بنا ہے جو محکم مضبوط استوار اور قوی ہو۔ یہ بنا بلور اور شفاف شیشے سے بنائی گئی تھی۔ صندل میں ایک قلعہ ہے اس کا نام بھی مارو ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب اس ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی یہ رفعت عظمت یہ شوکت یہ سلطنت دیکھی اور اس میں غور فکر کے ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ کی سیرت ان کی نیکی اور ان کی دعوت سنی تو یقین آ گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی وقت مسلمان ہوگئی اپنے اگلے شرک وکفر سے توبہ کر لی اور دین سلیمان کی مطیع بن گئی۔ اللہ کی عبادت کرنے لگی۔ جو خالق' مالک متصرف اور مختار کل ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس ان کے (برادری کے) بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا یہ (پیغام دے کر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا کہ اے بھائیو تم نیک کام (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کو کیوں جلدی مانگتے ہو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح علیہ السلام نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے۔ بلکہ تم لوگ ہو کہ اس کفر کی بدولت عذاب میں مبتلا ہو گے ○

قوم ثمود اور صالح علیہ السلام:

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں توحید کی دعوت دی تو ان میں دو فریق بن گئے۔ ایک جماعت مؤمنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے۔ جیسے اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح علیہ السلام کو رسول خدا مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلا ایمان لا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا: بس تو ہم ایسے ہی کٹر کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بجائے رحمت طلب کرنے کے اور عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تا کہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے یہ ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں ان کے لائق تو ہم ہیں ہی۔ لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں۔

آیت میں ہے: ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ﴾ (سورۂ نساء: ۷۸) یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے تو کہہ دے یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر سے ہے۔ سورہ یٰسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے ﴿قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾ (سورۂ یٰسین ۱۸) ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں اور اگر تم باز نہ رہے تو ہم تو تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت سزائیں دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے۔ یعنی وہ ہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو۔ تمہیں آزمایا جا رہا ہے۔ طاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے۔ اس

کے بعد پکڑ ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور (کفر کے سرغنہ) اس بستی میں نو شخص تھے۔ جو سرزمین میں (یعنی بستی سے باہر تک بھی) فساد کیا کرتے تھے اور ذرا اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح اور ان کے متعلقین (یعنی ایمان والوں کو) جا دیں گے پھر بروقت تحقیق ہم ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے (اور خود ان کے) مارے جانے میں بھی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور (یہ مشورہ کر کے) انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی (اس تدبیر کی) ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے ان کی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو (بطریق مذکور) اور (پھر) ان کی قوم کو سب کو (آسمانی عذاب سے) غارت کر دیا۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں۔ ان کے کفر کے سبب سے بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانشمندوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو نجات دی ○

معاند لوگوں کی جماعت' اُن کی شرارت اور خدائے قہار کا عبرتناک عذاب:

ثمودیوں کے شہر میں نو فسادی اشخاص تھے۔ جن کے طبیعت میں خیر تھی ہی نہیں۔ یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے۔ انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا گیا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: رعی' رعم' ہرم' ہریم' داب' صواب' مسطع' قدار بن سالف۔ یہی آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں تھیں۔ جس کا بیان آیت: ﴿ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ ﴾ (سورۂ قمر ۲۹) اور آیت: ﴿ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ﴾ (سورۂ شمس ۱۲) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے۔ جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔ اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو۔ اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچیں' اس سے پہلے ہی عذاب اللہ ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے تھے۔ خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو قتل کر دو اور اس کے ولی وارثوں اور قوم

سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو پھر وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں' ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو۔ اس ارادے سے چلے راہ میں ہی تھے' جو فرشتے نے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ ان کے مشوروں میں جو جماعت شریک تھی' انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں' بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی تھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے۔ لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی: دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا۔ اب تین دن گزر جانے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کے کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اڑا لو۔ پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے۔ یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آ ؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں۔ جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی۔ اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی' جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو لے آئے اسی وقت راہ ہی میں اس کا کام تمام کر دو' جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے۔ چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح بھڑ گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور خود اللہ کے عذاب میں جانیں کھو دیں۔ انہوں نے مکر کیا' ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس کا پہلے مطلق علم نہ ہو سکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ان کی بستیاں جو اجاڑ پڑی ہیں' ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے۔ ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے۔ ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا تھا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سمجھ دار ہو۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو اور عورتوں کو چھوڑ کر (اور اس کی برائی میں نہیں) بلکہ (اسی بات میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو۔ سو (اس

تقریر کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا ان کی بیوی کے کہ اس کو (بوجہ ایمان نہ لانے کے) ہم نے انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو ان لوگوں کا کیا برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے تھے ○

شناعت کار قوم:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنی امت یعنی اپنی قوم کو اس کے اس نالائق فعل پر جس کا فاعل ان سے پہلے کوئی نہ ہوا تھا۔ یعنی اغلام بازی پر ڈرایا۔ تمام قوم کی یہ حالت تھی کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں[1] سے شہوت رانی کر لیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اتنے بے حیا ہو گئے تھے کہ اس ملعون فعل کو پوشیدہ کرنا بھی کچھ اتنا ضروری نہیں جانتے تھے۔ اپنے مجمعوں میں وہی فعل کرتے تھے۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آؤ۔ تم تو ایسے گئے گزرے اور اتنے نادان ہو گئے کہ شرعی پاکیزگی کے ساتھ ہی تم سے طبعی طہارت بھی جاتی رہی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے: ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۶۵) کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور عورتوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے بنائے ہیں' چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لگ ہو۔ قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا' جب لوط اور لوط والے تمہاری اس فعل سے بیزار ہیں اور وہ نہ تمہاری مانتے ہیں نہ تم ان کی۔ تو پھر ہمیشہ کے اس جھگڑے کو ختم کیوں نہیں کر دیتے۔ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو دیس نکالا دے کر ان کے روزمرہ کے کچوکوں سے نجات حاصل کر لیں۔

جب کافروں نے پختہ ارادہ کر لیا اور اس پر جم گئے اور اس پر اتفاق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کو ہلاک کر دیا اور اپنے پاک بندے حضرت لوط اور ان کے اہل کو ان سے اور جو عذاب ان پر آئے۔ ان سے بچالیا۔ ہاں آپ کی بیوی جو قوم کے ساتھ ہی تھی' وہ پہلے سے ہی ان ہلاک ہونے والوں میں لکھی جا چکی تھی۔ وہ یہاں باقی رہ گئی اور عذاب کے ساتھ ہوئی۔ کیونکہ یہ انہیں ان کے دین اور ان کے طریقوں میں مدد دیتی تھی۔ ان کی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔ اس نے حضرت علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر قوم کو دی تھی۔ لیکن یہ خیال رہے کہ خدانخواستہ ان کی اس فحش کاری میں شریک نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کے بزرگی کے خلاف ہے کہ ان کی بیوی بدکار ہو۔ اس قوم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ جن پر ان کا نام کندہ تھا۔ ہر ایک پر اسی کے نام کا پتھر آیا اور ایک بھی ان میں سے نہ بچ سکا۔ ظالموں سے اللہ کی سزا دور نہیں۔ ان پر حجت خداوندی قائم ہو چکی تھی۔ انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا۔ تبلیغ رسالت کافی طور پر ہو چکی تھی۔ لیکن انہوں نے مخالفت میں' جھٹلانے میں اور اپنی بے ایمانی پر اڑنے میں کمی نہیں کی۔ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو تکلیفیں پہنچائیں۔ بلکہ انہیں نکال دینے کا ارادہ کیا۔ اسی وقت اس بری بارش نے' اس سنگ باری میں انہیں فنا کر دیا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

[1] ظاہر ہے کہ جب مردوں نے عورتوں کی طرف التفات چھوڑ دیا تو عورتیں بھی اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے غیر فطری طریقے اختیار کرنے لگیں۔ آج بھی جو مرد اپنی بیویوں کے صحیح طور پر جنسی جذبات پورے نہیں کرتے اور بیویوں کو چھوڑ کر دوسروں سے زنا اور لواطت کرتے پھرتے ہیں۔ ان کی بیویاں بھی اس طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور اگر مرد قوی ہوتا ہے نیز شہوت پرست کہ اپنی بیوی سے بھی کرے اور دوسروں سے بھی تو مرد کی بے حیائی اور بدباطنی سے اس کی عورت متاثر ہو کر پھر بھی گمراہ ہو جاتی ہے۔ بہر حال مردکی بری زندگی عورت کو ضرور برا کر کے چھوڑتی ہے۔ والعیاذ باللہ

آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ) کے کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل ہو)
جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے کیا اللہ بہتر ہے کیا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

ان سرکش قوموں کی ہلاکت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کہ ساری تعریفوں کے لائق فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو اپنی بے شمار نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ اس کی صفتیں عالی ہیں۔ اس کے نام بلند اور پاک ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجیں۔ جیسے انبیاء اور رسول حمد وصلوٰۃ ساتھ ہی ذکر آیت: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ﴾ (سورۂ صافات: ۱۸۰) میں بھی ہے۔ برگزیدہ بندوں سے مراد اصحاب رسول ہیں اور خود انبیاء علیہم السلام بطور اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ان کے تابعداروں کے بچا لینے اور مخالفین کے غارت کر دینے کی نعمت بیان فرما کر اپنی تعریفیں کرنے اور اپنے نیک بندوں پر سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بطور سوال کے مشرکوں کے اس فعل پر انکار کیا کہ وہ عزوجل کے ساتھ اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ جن سے وہ پاک اور بری ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس (پانی) کے ذریعے سے ہم نے رونق دار باغ اُگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اُگا سکو (یہ سن کہ بتلاؤ کہ) کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں شریک ہونے کے لائق) کوئی معبود ہے۔ مگر مشرکین پھر بھی (نہیں مانتے۔ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ دوسروں) کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں ○

اِس دُنیا کا پالنہار:

بیان ہو رہا ہے کہ کل کائنات کا خالق سب کا پیدا کرنے والا سب کو روزیاں دینے والا‘ سب کی پرورش کرنے والا تمام جہانوں کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ان بلند آسمانوں کو ان کے چمکتے ستاروں کو اسی نے پیدا کیا۔ اس بھاری بوجھل زمین کو‘ ان بلند چوٹیوں والے پہاڑوں کو‘ ان کے پھیلے ہوئے میدانوں کو اسی نے پیدا کیا۔ کھیتیاں باغات پھل پھول‘ دریا‘ سمندر (حیوانات‘ جنات‘ انسان خشکی اور تری) کی تمام جاندار اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ آسمانوں سے پانی اتارنے والا وہی ہے اسے اپنی مخلوق کی روزی کا ذریعہ اسی نے بنایا ہے۔ باغات کھیت وہی اُگاتا ہے۔ جو علاوہ خوش منظر ہونے کے بے حد مفید ہوتے ہیں۔ خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ تم میں سے یا تمہارے معبودانِ باطل میں سے کوئی بھی نہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے نہ کسی درخت کے اُگانے کی۔ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے۔ جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ﴾ (سورۂ زخرف: ۸۷) یعنی تو اگر ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کیا؟ تو بھی ان کا یہ جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے۔ لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقل مند کر سکتا ہے کہ لائق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رزاق ہے۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ مخلوق کی روزی رسانی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک‘ خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے ایک دوسری آیت میں بھی فرمایا: ﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ﴾ (سورۂ نحل: ۱۷) خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں۔ پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو؟ یہ یاد رہے کہ ان آیتوں میں اَمَّنْ یہاں جہاں بھی ہے وہاں یہی معنی ہیں کہ ایک تو وہ جو ان تمام کاموں کو کر سکے اور ان پر قادر ہو۔ دوسرا وہ جس نے ان میں سے نہ تو کسی کام کو کیا اور نہ کر سکتا ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ گو دوسری جانب کو لفظوں میں بیان نہیں کیا۔ لیکن طرزِ کلام سے صاف مفہوم ہے اور آیت میں صاف صاف یہ

بھی ہے کہ ﴿ءَاللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ (سورۂ نمل: ۵۹) کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک کرتے ہیں؟ آیت کے خاتمہ پر فرمایا: بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ آیت: ﴿اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ﴾ (سورۂ زمر: ۹) بھی ایسی ہی آیت ہے۔ یعنی ایک وہ شخص جو اپنے دِل میں آخرت کا ڈر رکھ کر اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو کر راتوں کو نماز میں گزارتا ہے[1] یعنی وہ اس جیسا نہیں ہوسکتا جس کے اعمال ایسے نہ ہوں اور جگہ ہے کہ عالم اور بے علم برابر نہیں۔ عقلمند ہی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کُھلا ہوا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور لئے ہوئے ہو وہ اس جیسا نہیں جس کے دل میں اسلام کی طرف سے تنفر ہو اور سخت دِل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی نسبت فرمایا: ﴿اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ﴾ (سورۂ رعد: ۳۳) یعنی وہ جو مخلوق کی ہر ہر حرکات سکنات سے واقف ہو۔ تمام غیب کی باتوں کو جانتا ہو، مثل اس کے ہے جو کچھ بھی نہ جانتا ہو؟ بلکہ جس کی آنکھیں اور کان ہی نہ ہوں۔ جیسے تمہارے یہ بت ہیں۔ فرمان ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ﴾ (سورۂ رعد: ۳۳) اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ ان سے کہہ ذرا ان کے نام تو مجھے بتلا دو۔ پس ان سب آیتوں کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اپنی صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر وہ صفتیں کسی میں بھی نہ ہونے کی خبر دی ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱

وہ ذات جس نے زمین کو مخلوق کی قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے ٹھہرانے کے لئے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے (مگر مشرکین نہیں مانتے) مگر ان میں زیادہ تو اچھی طرح سمجھتے بھی نہیں ○

اور یہ دلائل و آیات:

زمین کو اللہ تعالیٰ نے ساکن بنایا تاکہ دنیا میں بآرام اپنی زندگی بسر کر سکے اور اس پھیلے ہوئے فرش پر راحت پا سکے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ (سورۂ مؤمن: ۶۴) اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی ساکن چیز بنائی اور آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے زمین پر پانی کے دریا بہا دیئے جو اِدھر اُدھر بہتے رہتے ہیں اور ملک ملک میں پہنچ پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت باغ وغیرہ اُگیں۔ اس نے زمین کی مضبوطی کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ تمہیں ہلا جلا نہ سکے ٹھہری رہے۔

اس کی قدرت دیکھو کہ ایک کھاری سمندر ہے ایک میٹھا ہے دونوں بہہ رہے ہیں۔ بیچ میں کوئی آڑ نہیں۔ لیکن قدرت نے ایک کو دوسرے سے الگ کر رکھا ہے۔ نہ کڑوا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کڑوے میں۔ کھاری اپنے فوائد پہنچاتا۔ میٹھا اپنے فائدے دیتا رہے۔ اس

[1] تہجد کی نماز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور مطلوب ہے لیکن اس نماز کے دو بنیادی عنصر ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا خوف کہ اگر وہ عذاب دنیا، عذاب برزخ یا عذاب آخرت میں مبتلا کر دیں۔ تو پھر کون سے نجات دلانے والا ہے وہ قادر ہے عزیز و جبار ہے اور ساتھ ہی ان کی رحمت پر بھی کامل بھروسہ ہو کہ وہ (ارحم الراحمین) جن کی رحمتیں ان کے غضب پر غالب ہیں۔ ہمارے ساتھ رحمت کا لطف کا معاملہ کریں گے۔ تو نہ صرف خوف ہی ہو کہ رحمت سے مایوس ہو جائے نہ فقط رحمت پر ہی اعتماد ہو کہ عمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

کا میٹھا خوش ذائقہ پانی لوگ پئیں اپنے جانوروں کو پلائیں۔ کھیتیاں باڑیاں باغات میں یہ پانی پہنچائیں۔ نہائیں دھوئیں وغیرہ کھاری پانی اپنے فوائد سے لوگوں کو سودمند کرے۔ یہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ تاکہ ہوا خراب نہ ہو اور آیت میں بھی اس کا بیان موجود ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ﴾ (سورۂ فرقان: ۵۳) یعنی ان دونوں سمندروں کا جاری کرنے والا اللہ ہی ہے اور اسی نے ان دونوں کے درمیان حد فاصل رکھ دی ہے۔ یہاں یہ قدرتیں اپنی جتا کر پھر سوال کرتا ہے کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کئے ہوں یا کر سکتا ہو؟ تاکہ وہ بھی لائق عبادت سمجھا جائے۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عبادتوں کے لائق صرف وہی ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے۔ جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے (یہ بن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے (مگر) تم لوگ ہی کم یاد رکھتے ہو ○

پریشان حال اور اس پر ہمارا التفات:

سختیوں اور مصیبتوں کے وقت پکارے جانے کے قابل اُسی کی ذات ہے۔ بے کس بے بس لوگوں کا سہارا وہی ہے۔ مصیبت زدہ اسی کو پکارتے ہیں اسی کی طرف لو لگاتے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ تمہیں جب سمندر کے طوفان زندگی سے مایوس کر دیتے ہیں تو تم اسی کو پکارتے ہو۔ اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہو اور سب کو بھول جاتے ہو اسی کی ذات ایسی ہے کہ ہر ایک بے قرار وہاں پناہ لے سکتا ہے۔ مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت اس کے سوا کوئی بھی دُور نہیں کر سکتا۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف، جو اکیلا ہے۔ جس کا شریک نہیں جو اس وقت تجھے کام آتا ہے جب تو کسی کے عیوب کو چھپانے میں پھنسا ہوا ہو وہی ہے کہ جب تو جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارے تو وہ تیری رہنمائی کر دے۔ تیرا کوئی کھو گیا ہو اور تو اس سے التجا کرے تو وہ اسے تجھ سے ملا دے۔ قحط سالی ہوگئی ہو اور تو اس سے دعائیں کرے۔ تو وہ موسلا دھار بارش تجھ پر برسا دے۔ اس شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کو برا نہ کہہ۔ نیکی کے کام کو ہلکا اور بے وقعت نہ سمجھ گو اپنے مسلمان بھائی سے بہ کشادہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔ گو اپنے ڈول سے کسی پیاسے کو ایک گھونٹ پانی کا دے دینا ہی ہو اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلی تک رکھ۔ نہ مان تو زیادہ سے زیادہ ٹخنے تک۔ اس سے نیچے لٹکانے سے بچتا رہ۔ اس لئے کہ یہ فخر غرور ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ان کا نام جابر بن سلیم ہے۔ اس میں ہے کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اسے چادر سے گوٹ لگائے بیٹھے تھے۔ جس کے پھندے آپ کے قدموں میں گر رہے تھے۔ میں نے آکر پوچھا کہ تم میں اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ آپ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ ادب تمیز کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ احکام اسلام کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے فرمایا: کسی چھوٹی سے نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھ۔ گو اپنے

مسلمان بھائی سے خوش خلقی کے ساتھ ملاقات ہی ہو اور گو اپنے ڈول میں سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ذرا سا پانی ڈال دینا ہی ہو۔ اگر کوئی تیری کسی ایسی بات کو جانتا ہو اور وہ تجھے عار دلائے تو تو اسے ایسی اس کا بات پر عار نہ دلا۔ تاکہ اجر[1] ملے اور وہ گنہگار بن جائے۔ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے سے پرہیز کر کیونکہ یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں اور کسی کو ہرگز گالی نہ دینا۔ فرماتے ہیں یہ سننے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کبھی کسی انسان کو بلکہ کسی جانور کو بھی گالی نہیں دی۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کو گئے۔ بیمار نے کہا: میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم خود اپنے لئے دعا کرو بے قرار کی دعا کو اللہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں: میں نے آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم، جو شخص مجھ پر اعتماد کرے اور مجھے تھام لے تو میں اُسے اس کے مخالفین سے بچالوں گا اور ضرور بچالوں گا گو آسمان و زمین اور تمام مخلوق اس کی مخالفت پر اور ایذا دہی پر تل جائے اور جو مجھ پر اعتماد نہ کرے۔ میری پناہ میں نہ آئے تو میں اسے امن و امان سے چلتا پھرتا ہی اگر چاہوں گا تو زمین میں دھنسا دوں گا اور اس میں کوئی مدد نہ کروں۔ ایک بہت ہی عجیب واقعہ ہے حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زیدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے خچر کرایہ پر لیا۔ میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا۔ ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا: اس راہ چلو۔ میں نے کہا: میں اس سے واقف نہیں ہوں، سیدھی راہ یہ ہے۔ اس نے کہا: نہیں میں پوری طرح واقف ہوں۔ یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ میں اس کے کہنے پر اُسی راہ پر چلا تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق و دق بیابان میں ہم آ گئے ہیں۔ جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ نہایت خطرناک جنگل ہے ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا: ذرا لگام تھام لو، مجھے یہاں اترنا ہے۔ وہ اترا اور اپنا تہ بند اونچا کر کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں وہاں سے سرپٹ بھاگا۔ لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے یہ خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا: اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے اس نے کہا: یہ تو میرا ہو ہی چکا ہے۔ لیکن میں تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں میں نے اُسے اللہ کا خوف دلایا۔ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا۔ لیکن اس نے اس پر بھی کوئی اثر نہ لیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے یہ منت التجا کی کہ آپ مجھے (دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے اس نے کہا: اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن اللہ کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا۔ یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا۔ اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ یعنی اللہ ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بسی بے کسی کو سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا۔ جو میں

[1] یہ حدیث نہایت جامع ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ مسائل کی پوری حیثیت سامنے رکھ کر جواب مرحمت فرماتے۔ گاؤں والوں کو چونکہ ملنے ملانے کی تمیز نہیں شہریت اور اس کے تقاضوں سے بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں۔ نیز یہ تصور بوجہ بے علمی کے قطعاً ہی نہیں ہوتا کہ ملاقات میں خوشدلی و خندہ پیشانی بھی ایک عبادت ہے۔ اس لئے آپ نے ان صحابی کو اس اَمر کی جانب خاص توجہ دلائی اور پھر دیہات والوں کو جب عبادت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اہم امور ہی ان کے لئے ان کو کارآمد معلوم ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عبادات ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے جناب نے یہ نکتہ بھی خاص طور پر سمجھایا کہ عبادت خواہ کتنی ہی چھوٹی اور حقیر نظر آئیں۔ لیکن ان کو بھی قابل ترک نہ سمجھنا اور یہ جو فرمایا کہ اگر تمہارا بھائی تم کو عار دلائے مطلب اس کا یہ ہے کہ دشمنی کے وقت میں عموماً آدمی اپنے مقابل کو زیر اور مغلوب کرنے کے لئے اس کے عیوب اچھالتا ہے فطرتِ انسانی ہے کہ جواب میں دوسرا بھی اس طرح کی کوشش کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کیونکہ عیوب کو چھپانا اور ان کی اشاعت نہ کرنا شریعت میں مستقل اور اہم کام ہے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑ سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ گھونپ دیا جو اس کے جگر کے پار ہو گیا وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور یہ الحاح کہنے لگا: اللہ کے لئے یہ تو بتلاؤ تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں' بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا۔ رحمہ اللہ۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست اٹھائی اور واپس لوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی' لیکن جانور نے قدم ہی نہ اٹھایا آخر عاجز آ کر اس نے کہا: کیا بات ہے جو تو اَڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو اللہ نے زبان دی۔ اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے۔ وہ اس میں چرا لیتا تھا۔ مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ اللہ کے اس نیک بندے نے کہا: اب تو چل میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے خود ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو خود ہی کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے ان کے پاس دور دور سے آنے لگے۔ شاہ روم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بلا لے۔ بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں۔

آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچائے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا۔ یہاں آ کر ان سے ملا۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا۔ یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو۔ میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا۔ یہاں سے انہیں جل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعتہً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا۔ ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا۔ اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص نے تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے' مجھے ان دونوں سے بچا لے۔ وہیں جنگل سے دو درندے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندۂ اللہ بہ امن و امان وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آئے رحمۃ اللہ۔ اپنی اس شانِ رحمت کو بیان کر کے پھر جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آ رہا ہے اور مسلسل چلا جا رہا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ﴾ (سورۂ انعام: ۱۳۳) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور کسی اور ہی کو تمہارا جانشین کر دے۔ جیسے کہ خود تمہیں دوسروں کا خلیفہ بنایا ہے اور آیت میں ہے: ﴿وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ (سورۂ انعام: ۱۶۵) اس اللہ نے تمہیں زمینوں کا جانشیں بنایا ہے اور تم سے ایک کو ایک پر درجوں میں بڑھا دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو بھی جو خلیفہ کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کی جانشین ہو گی۔ جیسے کہ آیت: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۳۰) کی تفسیر میں تفصیل

کے ساتھ بیان گزر چکا ہے۔اس آیت کے اس جملے سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک کے بعد ایک۔ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ۔ایک قوم کے بعد دوسری قوم۔پس یہ اللہ کی قدرت ہے اور اس میں مخلوق کی مصلحت ہے۔ورنہ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی وقت ایک ساتھ فنا کر دیتا۔لیکن اب اس نے یہ رکھا کہ ایک مرے ایک پیدا ہو۔

حضرت آدم کو پیدا کیا۔ان سے ان کی نسل پھیلائی اور دنیا میں ایک ایسا طریقہ رکھا کہ دنیا والوں کو روزیاں اور ان کی زندگیاں تنگ نہ ہوں۔ورنہ سارے انسان ایک ساتھ شاید زمین میں بہت تنگی سے گزارا کرتے اور ایک سے ایک کو نقصانات پہنچتے۔پس موجودہ طرز اللہ کی حکمت پر دلیل ہے۔سب کی پیدائش کا موت کا آنے کا جانے کا وقت اس کے نزدیک مقرر ہے۔ایک ایک اس کے علم میں ہے۔اس کی نگاہ سے کوئی اوجھل نہیں وہ ایک دن ایسا بھی لانے والا ہے کہ سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے اور ان کے فیصلے کرے۔نیکی کا بدلہ دے۔ان اپنی قدرتوں کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو ان کاموں کو کر سکتا ہو؟ اور جب نہیں کر سکتا تو عبادت کے لائق بھی وہ نہیں ہو سکتا۔ایسی صاف دلیلیں بہت کم سوچی جاتی ہیں اور ان سے بھی نصیحت بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

اچھا پھر اور کمالات سن کر بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں رستہ سجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے۔جو (بارش کی اُمید دلا کر دلوں کو) خوش کر دیتا ہے۔یہ سن کر بتلاؤ کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے○

اور یہ کام:

آسمان وزمین میں خدائے تعالیٰ نے ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ خشکی اور تری میں جو راہ بھول جائے وہ انہیں دیکھ کر راہ راست اختیار کر لے۔جیسے فرمایا ہے کہ ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔سمندروں اور خشکی میں انہیں دیکھ کر اپنا راستہ ٹھیک کر لیتے ہیں۔بادل پانی بھرے برسیں‘ اس سے پہلے ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہوائیں وہ چلاتا ہے جس سے لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اب رحمت برسے گی۔اللہ تعالیٰ کے سوا ان کاموں کا کرنے والا کوئی نہیں نہ کوئی ان پر قادر ہے‘ تمام شریکوں سے وہ الگ ہے سب سے بلند ہے۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

یا وہ ذات جو مخلوقات کو اوّل بار پیدا کرتا ہے (جو کہ مسلم ہے) پھر اس کو دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان (سے پانی برسا کر) اور زمین سے (نباتات نکال کر) تم کو رزق دیتا ہے (یہ سن کر اب بتلاؤ کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔آپ کہئے کہ اچھا تم (ان کے استحقاق عبادت پر) اپنی دلیل پیش کرو۔اگر تم اس دعوے میں سچے ہو○

اور یہ اُمور:

فرمان ہے کہ اللہ وہ ہے جو اپنی قدرتِ کاملہ سے مخلوقات کو بے نمونے کے پیدا کر رہا ہے۔ پھر انہیں فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جب تم اسے پہلی دفعہ کے پیدا کرنے پر قادر مان رہے ہو تو دوبارہ کی پیدائش جو اس سے بہت آسان ہے اس پر قادر کیوں نہیں مانتے؟ آسمان سے بارش برسانا' زمین سے اناج اُگانا اور تمہاری روزی کا سامان آسمان زمین سے کرنا اسی کا کام ہے۔ جیسے سورہ طارق میں فرمایا: پانی والے آسمان کی اور پھوٹنے والے زمین کی قسم۔

آیت میں ہے: ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ (سورۂ سبا:۲) یعنی اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے باہر آئے اور جو آسمان سے اترے اور جو اس پر چڑھے۔ پس آسمان سے مینہ برسانے والا' اسے زمین میں اِدھر اُدھر تک پہنچانے والا اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے پھل پھول' اناج' گھاس پات اُگانے والا وہی ہے۔ جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی روزیاں ہیں۔ یقیناً یہ تمام چیزیں ایک صاحب عقل کے لئے اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اپنی ان قدرتوں کو اور اپنے ان گراں بہا احسانوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ کیا اللہ کے ساتھ ان کاموں کا کرنے والا کوئی اور بھی ہے؟ جس کی عبادت کی جائے۔ اگر تم اللہ کے سوا اور دوسروں کو معبود ماننے کے دعوے کو دلیل سے ثابت کر سکتے ہو تو وہ دلیل پیش کرو۔ لیکن وہ چونکہ محض بے دلیل ہیں' اس لئے دوسری آیت میں فرما دیا ہے اللہ کے ساتھ جو دوسرے کو پوجے' جس کی کوئی دلیل بھی اس کے پاس نہ ہو[1]۔ وہ یقیناً کافر ہے' اور نجات سے محروم ہے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم) میں موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے اور (اسی وجہ سے) ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے بلکہ آخرت کے بارے میں (خود) ان کا علم (بالوقوع ہی) منیت ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس سے شک ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں ○

علم غیب:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کو بتا دیں کہ ساری مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی' غیب کا علم کوئی نہیں جانتا' اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے کوئی اور غیب کا جاننے والا نہیں۔ یہاں استثناء منقطع ہے۔ یعنی سوائے اللہ کے کوئی انسان' جن' فرشتہ غیب دان نہیں۔

جیسے اور فرمان ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ (سورۂ انعام:۵۹) یعنی غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ جنہیں

[1] اور ظاہر ہے کہ جو دلیل بھی پیش کی جائے۔ وہ یقیناً غلط ہوگی۔ اگر آفتاب نکلا ہوا ہے اور ایک شخص دلائل سے ثابت کرنے لگے کہ آفتاب طلوع نہیں ہوا تو دعویٰ بھی غلط اور دلائل بھی یقیناً غلط اسی طرح اللہ تعالیٰ کا معبودِ برحق ہونا اور اس کا کوئی شریک نہ ہونا ایک یقینی امر ہے ایک سچائی اور صداقت ہے اب اس کے خلاف جو دعویٰ کرے' دلیل دے سب کچھ غلط ہوگا۔

اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (سورۂ لقمان:۳۴) اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش برساتا ہے وہی مادہ کے پیٹ کے بچے سے واقف ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا نہ کسی کو یہ خبر کہ وہ کہاں مرے گا؟ علیم و خبیر صرف اللہ ہی ہے اور بھی اس مضمون میں بہت سی آیتیں ہیں۔ مخلوق تو یہ بھی نہیں جانتی کہ قیامت کب آئے گی۔ آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والوں میں سے ایک بھی واقف نہیں کہ قیامت کا وقت کون سا ہے؟ جیسے فرمان ہے: ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ (سورۂ اعراف:۱۸۷) سب پر یہ علم مشکل ہے اور بوجھل ہے وہ تو اچانک آ جائے گی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے تھے۔ اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان باندھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں' آسمانوں کی زینت' بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا ہے اور تکلیف اٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو معلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے' یہ ہوگا۔ فلاں ستارے کے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے۔ فلاں ستارے کے وقت جو پیدا ہو۔ وہ ایسا ایسا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہر ستارے کے وقت کوئی نہ کوئی اٹھنگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے۔ نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرند سے غیب حاصل ہو سکے۔ نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا اوقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ حضرت قتادہ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے علم آخرت کے وقت کے جاننے سے تنگ آ گئے ہیں عاجز ہو گئے ہیں۔ ایک قراءت میں بَلِ ادّٰرَكَ ہے۔ یعنی سب کے سب علم آخرت کا صحیح وقت نہ جاننے میں برابر ہیں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میرا اور تیرا دونوں کا علم اس کے جواب سے عاجز ہے پس یہاں بھی فرمایا کہ آخرت سے ان کے علم غیب ہیں۔ چونکہ کفار اپنے ربّ سے جاہل ہیں۔ اس لئے یہ آخرت کے بھی منکر ہیں وہاں تک ان کے علم پہنچتے ہی نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں ان کو علم حاصل ہوگا لیکن بے سود جیسے اور جگہ ہے' جس دن یہ ہمارے پاس پہنچیں گے بڑے ہی سنتے دیکھتے ہو جائیں گے۔ لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہوں گے۔

پھر فرماتا ہے کہ بلکہ یہ تو شک ہی میں ہیں۔ اس سے مراد کافر ہیں: جیسے فرمان ہے: ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ (سورۂ کہف:۴۸) یعنی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے صف بستہ پیش کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہم نے جس طرح تمہیں اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اب ہم تمہیں لائے ہیں۔ لیکن تم تو یہی کہتے رہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں مراد یہ ہے کہ تم میں سے کافر یہ سمجھتے رہے۔ پس مندرجہ بالا آیت میں بھی گو ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے لیکن مراد کفار ہی ہیں۔ اسی لئے اخیر میں فرمایا کہ یہ تو اس سے اندھاپے میں ہیں' نابینا ہو رہے ہیں۔ آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝۶۷ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۶۹ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۷۰

اور یہ کافریوں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مرکر) خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر) ہم (زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ بے سند باتیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا اور اگر باوجود (ان مواعظ بلیغہ کے کے پھر بھی مخالفت پر کمر بستہ رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہوئیے۔ ۝

ایک بیہودہ خیال:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ منکرین قیامت کی سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد مٹی اور خاک ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے پیدا ہو جائیں گے؟ وہ اس پر سخت متعجب ہیں۔ کہتے ہیں کہ مدتوں سے یہ سنتے تو چلے آتے ہیں' لیکن ہم نے کسی کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ سنی سنائی باتیں ہیں۔ انہوں نے اپنے اگلوں سے انہوں نے اپنے سے پہلے والوں سے سنیں' ہم تک پہنچیں لیکن سب عقل سے دُور ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بتلاتا ہے کہ ان سے کہو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ رسولوں کو جھوٹا جاننے والوں اور قیامت کے نہ ماننے والوں کا کیسا دردناک انجام ہوا ہلاک اور برباد ہو گئے اور نبیوں اور ایمان والوں کو اللہ نے بچا لیا۔ یہ نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے پھر اپنے نبی کو تسلی دی کہ یہ تجھے اور میرے کلام کو جھٹلاتے ہیں' لیکن تو ان پر افسوس اور رنج نہ کر۔ ان کے پیچھے اپنی جان کو گھن نہ لگا۔ یہ تیرے ساتھ جو روبارہ بازیاں کر رہے ہیں اور جو چالیں چل رہے ہیں ہمیں خوب علم ہے تو بے فکر رہ تجھے اور تیرے دین کو ترقی دینے والے ہم ہیں۔ دنیا جہان پر تجھے ہم بلندی دیں گے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۷۲ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۴ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۵

اور یہ لوگ (بے باکانہ) یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب وقہر کا) کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس

عذاب کی ہم جلدی مچا رہے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آ لگا ہو اور اب تلک جو دیر ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا رب لوگوں پر اپنا بڑا فضل رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی (اس بات پر) شکر نہیں کرتے اور آپ کے رب کو سب علم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ اعلانیہ کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو ○

ایک سوال اور اس کا جواب:

مشرک چونکہ قیامت کے آنے کے قائل تھے ہی نہیں۔ جرأت سے اسے جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ کب آئے گی۔ جناب باری کی طرف سے بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جواب مل رہا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ بالکل قریب آ گئی ہو۔ جیسے اور آیت ہے: ﴿عَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۵۱) اور جگہ ہے یہ عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لكم کا لام ردف کے عجل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

جیسے کہ حضرت مجاہد سے منقول ہے پھر فرمایا کہ اللہ کا تو انسانوں پر بہت ہی فضل و کرم ہے اس کی بے شمار نعمتیں ان کے پاس ہیں تاہم اکثر ناشکرے ہیں۔ جس طرح تمام ظاہری اُمور اس پر آشکارا ہیں اسی طرح تمام باطنی اُمور بھی اس پر ظاہر ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ (سورۂ رعد: ۱۰) یہ ایک آیت میں ہے: ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۷) اور آیت میں ہے: ﴿اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ (سورۂ ہود: ۵) مطلب یہی ہے کہ ہر چھپے کھلے کا وہ عالم ہے۔

پھر بیان فرماتا ہے کہ ہر غائب حاضر کا اسے علم ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ آسمان و زمین کی تمام چیزیں خواہ تم اس کا علم ہو یا نہ ہو اللہ کے ہاں کھلی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کا عالم اللہ ہے۔ سب کچھ کتاب میں موجود ہے اللہ پر یہ سب کچھ آسان ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر باتوں کی (حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بالیقین وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (وہ عملی) فیصلہ (قیامت کے

دن) کرے گا اور وہ زبردست اور علم والا ہے سو (جب وہ ایسا ہے تو) آپ اللہ پر توکل رکھئے یقیناً آپ صریح (طریقہ) پر ہیں آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ تو صرف انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں ○

اور یہ کتابِ مقدس:

قرآن پاک کی ہدایت بیان ہو رہی ہے کہ اس میں جہاں رحمت ہے وہاں فرقان بھی ہے اور ساتھ ہی بنی اسرائیل یعنی حاملانِ تورات وانجیل کے اختلاف کا فیصلہ بھی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں نے تہمت رکھ دی تھی اور عیسائیوں نے انہیں ان کی حد سے آگے بڑھا دیا تھا قرآن نے فیصلہ اور افراط وتفریط کو چھوڑ کر حق بات بتلا دی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی والدہ نہایت پاک دامن ہیں۔

صحیح اور بے شک وشبہ یہی ہے اور یہ قرآن مؤمنوں کے دِل کی ہدایت ہے اور ان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ ان کے فیصلے کرے گا' جو بدلہ لینے میں غالب ہے اور بندہ کے اقوال وافعال کا عالم ہے۔ تجھے اس پر کامل بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ تو سراسر حق پر ہے۔ ان پر تیرے ربّ کی بات صادق آ چکی ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ گو تو تمام معجزے دکھا دے۔ تو مردوں کو نفع دینے والا کلام نہیں بنا سکتا۔

اسی طرح یہ کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہیں۔ یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے اور نہ تو بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے۔ جبکہ وہ پیٹھ موڑے منہ پھیرے جا رہے ہوں اور تو اندھوں کو ان کی گمراہی میں رہنمائی بھی نہیں کر سکتا۔ تو صرف انہیں کو سنا سکتا ہے۔ یعنی قبول صرف وہی کریں گے جو کان لگا کر سنیں اور دل لگا کر سمجھیں۔ ساتھ ہی ایمان واسلام بھی ان میں ہو۔ اللہ ورسول کو ماننے والے ہوں۔ دین اللہ کے قائل وعامل ہوں۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾ ع

اور جب وعدہ (قیامت کا) ان پر پورا ہونے کو ہو گا تو ہم ان کے لئے ایک (عجیب) جانور نکالیں گے کہ وہ ان سے باتیں کرے گا کہ کافر لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے ○

قیامت کے قریب ظاہر ہونے والا ایک خاص جانور:

جس جانور کا یہاں ذکر ہے یہ لوگوں کے بالکل بگڑ جانے اور دین اللہ کو چھوڑ بیٹھنے کے وقت آخری زمانے میں ظاہر ہو گا۔ بعض کہتے ہیں یہ مکہ شریف سے نکلے گا۔ بعض کہتے ہیں اور کسی جگہ سے۔ جس کی تفصیل ابھی آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ وہ بولے گا باتیں کرے گا اور کہے گا کہ لوگ اللہ کی آیتوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔ ابن جریر اسی کو مختار کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول قابل قبول نہیں واللہ اعلم۔ ابن عباس کا قول ہے کہ وہ انہیں زخمی کرے گا۔ ایک روایت میں ہے دونوں اثر کرے گا۔ یہ قول بہت مناسب ہے اور دونوں باتوں میں کوئی منافاۃ نہیں واللہ اعلم۔

وہ احادیث وآثار جو دابۃ الارض کے بارے میں مروی ہیں۔ان میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں واللہ المستعان۔

صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے آئے ہمیں اس ذکر میں مشغول پا کر فرمانے لگے کہ قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔سورج کا مغرب سے نکلنا' دھواں' دابۃ الارض' یاجوج ماجوج کا نکلنا اور دجال کا نکلنا اور مغرب مشرق اور جزیرہ عرب میں تین مرتبہ زمین کا دھنسنا اور ایک آگ کا عدن سے نکلنا جو لوگوں کا حشر کرے گی۔انہیں کے ساتھ رات گزارے گی اور انہی کے ساتھ دوپہر کا سونا سوئے گی۔(مسلم وغیرہ)

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ دابۃ الارض میں تین مرتبہ نکلے گا۔دور دراز جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر مکہ تک نہ پہنچے گا۔پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہوگا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا۔یہاں تک کہ مکہ میں بھی اس کی شہرت پہنچے گی۔پھر جب کہ لوگ اللہ کی سب سے زیادہ حرمت وعظمت والی مسجد مسجد حرام میں ہوں گے۔اسی وقت اچانک دفعۃً دابۃ الارض انہیں وہیں دکھائی دے گا۔رکن ومقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا۔لوگ اسے دیکھ کر ادھر ادھر ہونے لگیں گے۔یہ مومنوں کی جماعت کے پاس جائے گا اور ان کے منہ کو مثل روشن ستارے کے منور کر دے گا نہ اس سے بھاگ کر کوئی بچ سکتا ہے نہ چھپ کر۔یہاں تک کہ ایک شخص نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا۔یہ اس کے پیچھے سے آ کر کہے گا کہ اب نماز کو کھڑا ہوا ہے؟ پھر اس کی پیشانی پر نشان کر دے گا اور چلا جائے گا۔اس کے ان نشانات کے بعد کافر مومن کا صاف طور پر امتیاز ہو جائے گا۔یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر میرا حق ادا کر اور کافر مومن کہے گا کہ اے مومن سے میرا حق دے۔یہ روایت حذیفہ بن اسید سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ایک روایت میں ہے حضرت عیسیٰ بن مریم کے زمانے میں ہوگا جبکہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے۔لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دابۃ الارض کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے۔ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔صحیح مسلم شریف میں ہے۔آپ نے فرمایا: چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔سورج کا مغرب سے نکلنا اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دابۃ الارض کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ابوداؤد طیالسی میں ہے۔آپ فرماتے ہیں دابۃ الارض کے ساتھ حضرت موسیٰ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی۔کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا۔یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ایک اور حدیث میں جو مسند احمد کی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔ابن ماجہ میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس ایک جنگل میں گئے میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے اردگرد ریت ہے۔فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ابن بریدہ کہتے ہیں: اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اس کے چار پیر ہوں گے۔صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔اس قدر تیزی سے خروج کرے گا جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو۔لیکن تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ باہر آیا ہوگا۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا۔یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس زور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی۔پھر شام کی طرف جائے گا۔وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا۔یہاں بھی آواز لگا کر سہ پہر کے وقت مکہ سے چل کر صبح سے عسفان پہنچ جائے گا۔لوگوں نے پوچھا: پھر

کیا ہوا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا۔ حضرت عزیز کے ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے نکلے گا کہ اس کے کلام کو سب سنیں گے۔ حاملہ کے وقت سے پہلے حمل گر جائیں گے۔ میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے۔ حکمت جل جائے گی علم اٹھ جائے گا۔ نیچے کی زمین باتیں کرے گی۔ انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں۔ ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہو۔ اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔ ابو ہریرہ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دوسینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح کا ہوگا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابوزبیر کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے مشابہ ہوگا۔ آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی۔ کان ہاتھی جیسے ہوں گے۔ سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی۔ شتر مرغ جیسی گردن ہوگی۔ شیر جیسا سینہ ہوگا۔ چیتے جیسا رنگ ہوگا۔ بلی جیسی کمر ہوگی۔ مینڈھے جیسی دُم ہوگی۔ اونٹ جیسے پاؤں ہوں گے۔ ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہوگی۔ ہر مؤمن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کردے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگادے گا' جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ پھر تو اس طرح مؤمن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت' کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مؤمن اے کافر کہہ کر پکاریں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنائے گا یہی مطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

اور جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کو روکا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب (موقف میں) حاضر ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے بلکہ اور بھی کیا کیا کام کرتے تھے اور (اب وہ وقت ہے) کہ ان پر وعدہ کا پورا ہو گیا کہ دنیا میں انہوں نے (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور یہ آرام مشابہ موت کے ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں (اور یہ مشابہ حیات بعد الموت کے ہے پس) بلا شبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں ان (ہی) لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ○

وہ دن:

اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والوں کا اللہ کے سامنے حشر ہوگا اور وہاں انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تاکہ ان کی ذلت وحقارت ہو۔ ہر قوم میں سے ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ الگ الگ ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ (سورۂ صافات: ۲۲) ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرو اور جیسے فرمان ہے: ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ (سورۂ تکویر: ۷) جبکہ نفسوں کی جوڑیاں ملائی جائیں گی۔ یہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیں گے۔ اوّل والے آخر والوں کو رَد کردیں گے۔ پھر سب کے سب جانوروں کی طرح ہنکا کر اللہ کے سامنے لائے جائیں گے۔ ان کے حاضر ہوتے ہی وہ منتقم حقیقی نہایت غضب سے ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ (سورۂ قیامہ: ۳۱-۳۲) یعنی انہوں نے سچائی کی تھی نہ نمازیں پڑھی تھیں۔ بلکہ جھٹلایا تھا اور منہ موڑا تھا۔ پس ان پر حجت ثابت ہو جائے گی اور کوئی عذر نہ کرسکیں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾ (سورۂ مرسلات: ۳۵) یہ وہ دن ہے کہ بول نہ سکیں گے اور نہ کوئی معقول عذر پیش کرسکیں گے اور نہ غیر معقول عذر کی اجازت پائیں گے۔ پس ان کے ذمے بات ثابت ہو جائے گی۔ ہکے بکے اور حیران رہ جائیں گے اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ دنیا میں ظالم تھے۔ اب جس کے سامنے کھڑے ہوں گے وہ عالم الغیب ہے کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ پھر اپنی قدرتِ کاملہ کا بیان فرماتا ہے اور اپنی بلندیٔ شان بتلاتا ہے اور اپنی عظیم الشان سلطنت دکھاتا ہے جو کھلی دلیل ہے اس کی اطاعت کی فرضیت پر کہ اس کے حکموں کے بجا لانے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رکے رہنے کی ضرورت پر اور اس کے نبیوں کو سچا ماننے کی اصلیت پر کہ اس نے رات کو پرسکون بنایا تاکہ تم اس پر آرام حاصل کرلو اور دن بھری تھکان دور کرلو اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اپنی معاش کی تلاش کرلو۔ سفر، تجارت، کاروبار آسانی کرسکو۔ یہ تمام چیزیں ایک مؤمن کے لئے کافی سے زیادہ دلیل ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی سو جتنے آسمان اور زمین میں ہیں سب گھبرا جاویں گے۔ مگر جس کو اللہ چاہے وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا اور سب کے سب اسی کے سامنے دبے رہیں گے اور تو جن پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) ان کو خیال کر رہا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں گے۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔ یہ اللہ کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مفہوم بنا رکھا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تم کو ہمارے سب افعال کی پوری خبر ہے جو شخص نیکی یعنی ایمان لادے

گا۔سواس شخص کواس (نیکی کے اجر) سے بہتر (اجر) ملے گااور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے اور جو شخص بدی (یعنی کفر و شرک) لاوے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) تم کو ان ہی عملوں کی سزا دی جارہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے ○

جب صور پھونکا جائے گا:

اللہ تعالیٰ قیامت کی گھبراہٹ اور بے چینی کو بیان فرما رہا ہے۔صور میں حضرت اسرافیلؑ بحکم اللہ پھونک ماریں گے۔اس وقت زمین پر بدترین لوگ ہوں گے۔دیر تک پھونکتے رہیں گے جس سے سب پریشان حال ہو جائیں گے۔سوائے شہیدوں کے جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے وقت تک قیامت آجائے گی؟۔آپ نے سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے: سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔میں نے کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہو جائے گا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری امت میں چالیس دن ٹھہرے گا۔میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا۔وہ شکل وصورت میں بالکل حضرت عروہ بن مسعودؓ جیسے ہوں گے۔آپؑ دجال کو ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو۔پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مؤمن فوت ہو جائے گا ایک ذرّے کے برابر بھی جس کے دِل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی۔اب زمین پر صرف برے لوگ رہ جائیں گے۔جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے۔ان میں بھلائی اور برائی کی تمیز اُٹھ جائے گی۔ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا کہ تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔اللہ انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا۔جس کے کان میں آواز پڑی۔وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک کر رہا ہوگا۔سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا اور سب لوگ بے ہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ مثل شبنم کے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اُگنے لگیں گے۔پھر دوبارہ نفخہ پھونکا جائے گا۔جس سے سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔وہیں آواز لگے گی کہ لوگو! اپنے رب کے پاس چلو۔وہاں ٹھہرو تم سے سوال و جواب ہوگا۔پھر فرمایا جائے گا کہ کتنوں میں سے کتنے؟ تو فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔یہ ہوگا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا' یہ ہوگا وہ دن جب پنڈلی کی زیارت کرائی جائے گی۔پہلا نفخہ تو گھبراہٹ کا نفخہ ہوگا' دوسرا بے ہوشی کا اور موت کا' تیسرا دوبارہ جی کر رب العالمین کے دربار میں پیش ہونے کا۔اَتَوْہُ کی قراءت الف کے مد کے ساتھ بھی مروی ہے۔ہر ایک ذلیل وخوار ہو کر پست ولاچار ہو کر بے بس اور مجبور ہو کر ماتحت اور محکوم ہو کر اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ایک سے بھی بن نہ پڑے گی کہ اس کی حکم عدولی کرے۔جیسے فرمان ہے: ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۸۲) جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی فرمانبرداری کرو گے اور آیت میں ہے کہ پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے بلائے گا تو تم سب نکل کھڑے ہو گے۔

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اڑنے لگیں گی۔ مؤمنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں سیاہ ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرمائے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح (ہر رگ و پے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا کہ اس دن قبروں سے اس طرح جلدی نکلیں گے جس طرح اپنی عبادت کی طرف دوڑے بھاگے جاتے تھے۔ یہ بلند پہاڑ نہیں تم گڑا ہوا اور جما ہوا دیکھ رہے ہو یہ اس دن اڑتے بادلوں کی طرح ادھر ادھر پھیلے ہوئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ان کا چورا ہوگا۔ یہ چلنے پھرنے لگیں گے اور آخر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام نشان ہو جائینگے۔ زمین صاف ہتھیلی جیسے ہو جائے گی۔ یہ ہے صفت اس صناع کی جسکی ہر صنعت حکمت والی مضبوط پختہ اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ جسکی اعلیٰ تر قوت انسانی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ بندوں کے تمام اعمال خیر و شر سے وہ واقف ہے۔ ہر ہر فعل کی سزا جزا وہ ضرور دیگا۔

اس اختصار کے بعد تفصیل بیان فرمائی کہ نیکی اخلاص توحید لے کر جو آئے گا وہ ایک کے بدلے دس پائے گا اور اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اور لوگ گھبراہٹ میں عذاب میں ہوں گے۔ یہ اس وقت امن میں ثواب میں ہوگا۔ بالاخانوں میں راحت و اطمینان سے ہوگا اور جس کی برائیاں ہی برائیاں ہوں یا جس کی برائیاں بھلائیوں سے زیادہ ہوں اسے ان کا بدلہ ملے گا۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی۔ اکثر مفسرین سے مروی ہے کہ برائی سے مراد شرک ہے۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

ع ۱۱

مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں جس نے اس (شہر) کو محترم بنایا ہے اور (اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے جبکہ وہ ایسا ہے کہ) سب چیزیں اسی کی (ملک) ہیں اور مجھ کو یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھ کو (یہ) بھی حکم ملا ہے کہ میں قرآن کریم پڑھ پڑھ کر سناؤں۔ سو (میری تبلیغ کے بعد) جو شخص راہ پر آئے گا سو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راہ پر آئے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ثابت ہیں وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلا دے گا سو تم (وقوع کے وقت) ان کو پہچانو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔ ○

چند احکام:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ میں اس مکہ کے رب کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری کا مامور ہوں۔ جیسے ارشاد ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو ہوا کرے۔ میں تو جن کی تم عبادت کر رہے ہو ان کی عبادت ہرگز نہیں کرنے کا۔ میں اسی اللہ کا عابد ہوں جو تمہاری موت و زندگی کا مالک ہے یہاں مکہ شریف کی طرف

ربوبیت کی اضافت بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ﴾ (سورۂ قریش: ۴) انہیں چاہئے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں اوروں کی بھوک کے وقت آسودہ اور خوف کے وقت بے خوف کر رکھا ہے۔ یہاں فرمایا کہ اس شہر کو حرمت وعزت والا اس نے بنایا ہے۔

جیسے صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا کہ یہ شہر اسی وقت سے باحرمت ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے' یہ اللہ کی حرمت دینے سے حرمت والا ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے نہ اس کا کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کا شکار خوفزدہ کیا جائے۔ نہ اس میں گری پڑی چیز کسی کی اٹھائی جائے ہاں جو اعلان کرے اور نشانی پوچھ کر مالک کو پہنچانا چاہے' اس کے لئے جائز ہے[1]۔ اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے...... یہ حدیث بہت ہی سندوں سے بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ جیسے کہ احکام کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے وللہ الحمد۔

پھر اس خاص چیز کی ملکیت ثابت کر کے اپنی عام ملکیت کا ذکر فرماتا ہے کہ ہر چیز کا رب اور مالک وہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی مالک نہ معبود اور یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں موحد' مخلص' مطیع اور فرماں بردار ہو کر رہوں اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھ کر سناؤں۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم یہ آیتیں اور یہ حکمت والا ذکر تیرے سامنے تلاوت کرتے ہیں اور آیت میں ہے ہم تجھے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ سناتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ میں مبلغ ہوں۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں تمہیں جگا رہا ہوں۔ اگر میری مان کر راہ راست پر آؤ گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اور اگر میری نہ مانو گے تو میں اپنے فرض تبلیغ کو ادا کر کے سبکدوش ہو گیا ہوں۔ اگلے رسولوں نے بس یہی کیا تھا۔ اللہ کا کلام پہنچا کر اپنا دامن پاک کر لیا۔ جیسے فرمان ہے: تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب ہمارے ذمے ہے اور فرمایا تو صرف ڈرا دینے والا ہے اور ہر چیز پر وکیل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف ہے۔ جو بندوں کی بے خبری میں انہیں عذاب نہیں کرتا۔ بلکہ پہلے اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ اپنی حجت ختم کرتا ہے۔ بھلا برا سمجھا دیتا ہے۔ ہم تمہیں ایسی آیتیں دکھائیں گے کہ تم خود قائل ہو جاؤ۔ جیسے فرمایا: ﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ (سورۂ حم سجدہ: ۵۳) ہم انہیں خود ان کے نفسوں میں اور ان کے اردگرد ایسی نشانیوں دکھائیں گے کہ جن سے ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں بلکہ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک ذرّے سے باخبر ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ اگر وہ غافل ہوتا تو انسان کے قدموں کے نشان سے جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے غفلت کر جاتا۔ لیکن وہ ان نشانات کا بھی حافظ وعالم ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دوشعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے۔ جو یا تو آپ کے ہیں یا کسی اور کے۔

اذا ما خلكوت الدهر يومًا فلا تقل ☆ خَلوتُ وَلكن قل عَلَيَّ رقيب

ولا تحسبنَّ الله يغفل ساعةً ☆ ولا انَّ ما يخفٰى عليه يغيب

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی ہو تو خود کو تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے اللہ کو وہاں حاضر ناظر جاننا۔ وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں۔ نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

[1] اگر راہ میں کسی کی گری پڑی چیز ملی تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کو اٹھا لے اور شہر میں مسلسل اعلان کرتا رہے۔ اگر اس چیز کا مالک آ جائے اور صحیح نشانی چیز کی بتا دے تو اس کو دے دے اور اگر بار بار اعلان کے باوجود کوئی نہیں آتا تو اس چیز کو کسی فقیر کو دے دے خود استعمال نہ کرے اور فقیر کو دینے کے بعد اگر مالک آ گیا تو اب اس چیز کی قیمت اس اٹھانے والے کو دینا پڑے گی فقیر کو نہیں۔ یہ حکم تمام جگہ کیلئے ہے لیکن مکہ معظمہ میں ان احکام کی خاص رعایت رکھنا بے حد ضروری ہے۔

سُورَةُ الْقَصَص

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع:۹ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات:۸۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

مسند احمد میں حضرت معدی کربؒ سے نقل ہے کہ ہم حضرت عبداللہؓ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہمیں سورہ طٰسٓمّٓ دوسو آیتوں والی پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ یاد نہیں، تم حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر سنو۔ جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ چنانچہ ہم آپؓ کے پاس گئے اور آپؓ نے ہمیں یہ مبارک سورہ پڑھ کر سنائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

طٰسٓمّٓ یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (عام یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ حصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ فرعون سر زمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے کہ) ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔ (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور

گھٹایا جارہا تھا ہم ان پر (دینوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دین میں) پیشوا بنادیں اور (دنیا میں) ان کو (ملک کا) مالک بنائیں اور (مالک ہونے کے ساتھ) ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جس سے وہ بچاؤ کر رہے تھے ○

فرعون کی سرکشی اور بنو اسرائیل پر رحمت باری:

حروف مقطعہ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیتیں ہیں واضح جلی روشن صاف اور کھلے قرآن کی۔ تمام کاموں کی اصلیت سب گزشتہ اور آئندہ کی خبریں اس میں ہیں اور سب سچی اور کھلی۔ ہم تیرے سامنے موسیٰ اور فرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ہم تیرے سامنے بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کہ گویا تو اس کے ہونے کے وقت وہیں موجود تھا[1]۔ فرعون ایک متکبر سرکش اور بد دماغ انسان تھا۔ اس نے لوگوں پر بری طرح قبضہ جما رکھا تھا اور انہیں آپس میں لڑوا لڑوا کر ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈلوا کر انہیں کمزور کر کے خود ان پر جبر و تعدی کے ساتھ سلطنت کر رہا تھا۔ خصوصاً بنی اسرائیل کو تو اس ظالم نے نیست و نابود کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ حالانکہ مذہبی اعتبار سے اس وقت یہ سب سے اچھے تھے۔ بری طرح انہیں اس نے ذلیل کر رکھا تھا۔ تمام کمینے کام ان سے لیا کرتا تھا اور دن رات یہ بے چارے بیگار میں گھسٹتے رہتے تھے۔ اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ یہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کروا ڈالتا تھا کہ یہ قوت والے نہ ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ یہ ذلیل و خوار رہیں اور اس لئے کہ اسے ڈر تھا کہ ان میں سے ایک بچے کے ہاتھوں میری سلطنت تباہ ہونے والی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی بیوی صاحبہ حضرت سارہؓ کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا۔ جنہیں اللہ نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے ان پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا کہ تیری اولاد میں سے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درس میں بھی شامل تھی۔ جسے قبطی بھی سنتے تھے' جو فرعون کی قوم میں تھے۔ انہوں نے دربار میں مخبری کی جب سے فرعون نے یہ ظالمانہ اور سفاکانہ قانون بنا دیا کہ بنی اسرائیل کے بچے قتل کر دیئے جائیں اور ان کی بچیاں چھوڑ دی جائیں۔ لیکن رب کو جو منظور ہوتا ہے وہ اپنے وقت پر ہو کر ہی رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں اس پرانے سرکش کو ذلیل و خوار کیا' فالحمدللہ۔

چنانچہ فرمان ہے کہ ہم نے ان ضعیفوں اور کمزوروں پر رحم کرنا چاہا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادہ کا پورا ہونا یقینی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۳۷) ہم نے اس گری پڑی قوم کو ان کی تمام چیزوں کا مالک بنا دیا۔ فرعون نے اپنی تمام تر طاقت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن خدائی طاقت کا اندازہ ہی نہ تھا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا اور جس ایک بچے کی خاطر ہزاروں بے گناہ بچوں کا خون ناحق بہایا تھا۔ اس بچے کو قدرت نے اُسی کی گود میں پلوایا' پروان چڑھایا اور اسی کے ہاتھوں اس کے لشکر کا اور اس کے ملک و مال کا خاتمہ کرایا۔ تاکہ وہ جان لے کہ وہ اللہ کا ایک ذلیل' مسکین' بے دست و پا غلام تھا اور رب کے ارادہ پر کسی کا ارادہ غالب نہیں رہ

[1] یعنی واقعہ کی منظر کشی اس تفصیل سے ہوگی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جز بھی بیان سے نہ رہ جائے اس تفصیل کے بعد آپ یوں محسوس کریں گے کہ گویا واقعہ کے وقت موجود تھے اگرچہ واقعۃً موجود نہ تھے۔

سکتا۔ حضرت موسیٰ اور انکی قوم کو خدا نے مصر کی سلطنت دی اور فرعون جس سے خائف تھا وہ سامنے آ گیا اور تباہ برباد ہو گیا۔ فالحمدللہ۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۞ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞

اور جب موسیٰ پیدا ہوئے تو ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تم کو ان کی غبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے) کا اندیشہ ہو تو (بے خوف ہو کر) ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور (مفارقت پر) غم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنا دیں گے۔ تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو (یعنی معہ صندوق کے) اٹھالیا تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان ان کے تابعین (اس بارہ میں) بہت چوکے اور فرعون کی بی بی (حضرت آسیہؓ) نے (فرعون سے کہا کہ یہ بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل مت کرو عجیب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو (اپنا) بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی ○

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا گھر:

نقل ہے کہ جب بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچے قتل ہو چکے تو اندیشہ ہوا کہ اگر بنی اسرائیل ختم ہو گئے تو جتنے ذلیل کام اور بیہودہ خدمتیں حکومت ان سے لے رہی ہے کہیں ہم سے نہ لینے لگے تو دربار میں میٹنگ ہوئی اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال مار ڈالے جائیں اور دوسرے سال قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت ہارون اسی سال تولد ہوئے جس سال بچوں کو قتل نہ کیا جانا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوتے ہیں' جس سال بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہ تیغ ہو رہے تھے۔ عورتیں گشت کرتی رہتی تھیں اور حاملہ عورتوں کا خیال رکھتی تھیں ان کے نام لکھ لئے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتی تھی اگر لڑکی ہوئی ہے تو وہ واپس چلی جاتیں تھیں اور اگر لڑکا ہوا ہے تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے ہوئے اسی وقت آ جاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے ان کے بچے کے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب آپ کا حمل ٹھہرا تو عام حمل کی طرح وہ ظاہر نہ ہوا اور جو عورتیں اس تحقیق پر مامور تھیں اور جتنی دایائیں آتیں تھیں' کسی کو حمل کا پتہ ہی نہ چلا[1]۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

[1] اور یہ بات کچھ حیرت انگیز نہیں۔ بعض عورتوں کا زمانہ حمل میں نہ پیٹ بڑھتا ہے اور نہ معمول کے مطابق ان پر حمل کے آثار ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو ایک طبیب حاذق بھی حمل کو معلوم کرنے میں عاجز رہ جاتا ہے۔

تولد بھی ہو گئے۔ آپ کی والدہ کو اب سخت دہشت ہوئی اور ہر وقت خوف زدہ رہنے لگیں اور اپنے اس بچے سے محبت بھی اتنی تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے سے اتنی نہ ہوئی ہوگی ایک ماں پر ہی کیا موقوف ہے خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایسا ہی بنایا تھا کہ جس کی نظر ان پر پڑ جاتی تھی' اُس کے دِل میں اِن کی محبت بیٹھ جاتی تھی۔ جیسے جناب باری کا ارشاد ہے: ﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ میں نے اپنے پاس کی محبت تجھ پر ڈال دی تھی۔ پس جبکہ والدہ موسیٰ ہر وقت کبیدہ خاطر' خوفزدہ اور رنجیدہ رہنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل میں خیال اُتار ڈالا کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور خوف کے موقعہ پر انہیں دریائے نیل میں بہا دے۔ جس کے کنارے پر ہی آپ کا مکان تھا۔ چنانچہ یہی کیا کہ ایک صندوق بنالیا۔ اس میں حضرت موسیٰ کو رکھ دیا۔ دودھ پلا دیا کرتیں اور اس میں سلا دیا کرتیں۔ جہاں کوئی ایسا خطرناک موقعہ آیا اس صندوق کو دریا میں بہا دیتیں اور ایک ڈوری سے اسے باندھ رکھا تھا۔ خوف کے ٹل جانے کے بعد اسے کھینچ لیتیں۔

ایک مرتبہ ایک ایسا شخص گھر میں آنے لگا جس سے آپ کی والدہ صاحبہ کو بہت دہشت ہونے لگی۔ دوڑ اٹھیں اور بچے کو صندوق میں لٹا کر دریا میں بہا دیا اور جلدی اور گھبراہٹ میں ڈوری باندھنا بھول گئیں۔ صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ زور سے بہنے لگا اور بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ لونڈیوں نے اسے اٹھالیا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں۔ راستے میں انہوں نے اسے ڈر کے مارے کھولا نہ تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی تہمت ان پر لگ جائے جب فرعون کی بیوی کے پاس اسے کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا صحیح سالم بچہ لیٹا ہوا ہے جسے دیکھتے ہی اُن کا دِل مہر و محبت سے پر ہو گیا اور اس بچہ کی پیاری شکل دِل میں گھر کر گئی۔ اس میں بھی رب کی مصلحت تھی کہ فرعون کی بیوی کو راہ راست دکھائے اور فرعون کے سامنے اس کا ڈر لائے اور اسے اور اس کے غرور کو ڈھائے تو فرماتا ہے کہ آل فرعون نے اس صندوقچہ کو اٹھالیا اور انجام کار وہ ان کی دشمنی اور ان کے رنج و ملال کا باعث ہوا۔ محمد ابن اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں: لِيَكُونَ کا لام لام عاقبت ہے لام تعلیل نہیں۔ اس لئے کہ ان کا ارادہ یہ نہ تھا۔ بظاہر یہ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن معنی کو دیکھتے ہوئے لام کو لام تعلیل سمجھنے میں کوئی حرج نہیں آتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس صندوقچے کا اٹھانے والا اس لئے ہی بنایا کہ اللہ سے ان کے لئے دشمن بنا دے اور ان کے رنج و غم کا باعث بنائے۔ بلکہ اس میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ جس سے وہ بچنا چاہتے تھے وہ ہی ان پر مسلط کیا گیا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا گیا کہ فرعون اور ہامان اور ان کے ساتھی خطا کار تھے۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قدریہ کو جو لوگ کے تقدیر کے منکر ہیں' ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ اللہ کے سابق علم میں فرعون کے دشمن اور اس کیلئے باعث رنج و غم تھے۔ جیسے قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو تو موسیٰ اسکے مددگار اور دوست ہوتے۔

پھر فرماتا ہے کہ اس بچے کو دیکھتے ہی فرعون پریشان ہوا۔ ایسا نہ ہو کسی اسرائیلی عورت نے اسے پھینک دیا ہو اور کہیں یہ وہی نہ ہو' جس کے ہزاروں بچوں کو فنا کر چکا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی سفارش کی۔ فرعون کو اس ارادے سے روکا اور کہا: اسے قتل نہ کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو۔ فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک گو ہو۔ لیکن مجھے تو آنکھوں کی ٹھنڈک کی ضرورت نہیں' اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے۔ یہی ہوا کہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو اللہ نے اپنا نصیب فرمایا اور حضرت موسیٰ کی وجہ سے انہوں نے ہدایت پائی اور اس متکبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ نسائی وغیرہ کے حوالے سورہ طٰہٰ کی تفسیر میں حدیث فتون میں یہ قصہ پورا بیان ہو چکا ہے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے۔ ان کی امید اللہ تعالیٰ نے پوری کی۔ دنیا میں حضرت موسیٰ

ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور آخرت میں جنت میں جانے کا اور کہتی ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بچہ بنالیں۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی تو چاہا کہ حضرت موسیٰ کو منہ بولا بیٹا بنالیں۔ ان میں سے کسی کو شعور نہ تھا کہ قدرت کس طرح پوشیدہ پوشیدہ اپنا ارادہ پورا کر رہی ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ٘ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور (اُدھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ کی والدہ کا دِل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں۔ اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہتے کہ ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں۔ انہوں نے موسیٰ کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا۔ سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو (یہ) خبر نہ تھی (یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والوں کی بندش کر رکھی تھی۔ سو وہ اس موقع کو دیکھ کر کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتلاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ بھی اس کی خیر خواہی کریں۔ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے مطابق) واپس پہنچا دیا۔ تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ (افراق کے) غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے۔ ○

ماں کی محبت جوش میں:

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچہ میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہایا اور بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر و سکون جاتا رہا۔ دل میں حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دل جمعی نہ کر دی جاتی تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں۔ لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن اللہ نے ان کا دل ٹھہرا دیا۔ ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا۔ والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں' فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جمائے کنارے کنارے چلی جاؤ۔ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا۔ تو یہ اسے دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انداز سے کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ ان کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور یہاں سے اس کی لونڈیوں کو

اٹھائے ہوئے تو اس کی ہمشیرہ نے دیکھا۔ پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئی کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ حضرت آسیہ نے فرعون کو اس خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ تو شاید محل میں جتنی دایہ تھیں سب کو بچہ دیا گیا ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا۔ لیکن بحکم اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پیئے اسے لے کر آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا نبی اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپ کو لا کے باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا۔ لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا۔ آپ کی والدہ گو پہلے بہت پریشان تھیں۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا: یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا۔ ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہ نے فرمایا کہ اگر تم کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے۔ وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خوائی کریں۔ یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے۔ اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا: سبحان اللہ! کون یہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت نہ ہو۔ انعام و اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا۔ یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر آئیں۔ اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی گئی۔ یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئیں۔ اپنے محل میں بلوایا اور بہت انعام و اکرام دیا۔ لیکن علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچہ کی والدہ ہے۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا۔ وہ ان سے بہت خوش ہوئی۔ کچھ دنوں تک تو یوں ہی کام چلتا رہا۔ آخر کار ایک روز حضرت آسیہؓ نے فرمایا: میری خوشی ہے کہ تم محل میں ہی آ جاؤ۔ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں بال بچوں والی ہوں۔ میرے میاں بھی ہیں میں انہیں اپنے گھر دودھ پلا دیا کروں گی۔ پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کروں گی۔ یہی طے ہوا اور اسی پر فرعون کی بیوی رضامند ہو گئیں۔ ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، ذلت عزت سے بدل گئی۔ روزانہ انعام و اکرام پاتیں۔ کھانا کپڑا شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں اور ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک ہی دن رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت میں بدل دیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنا کاروبار دھندا کرے اور اس میں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے۔ اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ تمام کام ہیں۔ اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرتے۔ اپنی فرمانبرداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو ٹالتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا ہے اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔ فسبحانہ اعظم شانہ۔

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے اور وہ اللہ کے اور وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہو گئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ پیغمبر کی ہونی چاہئے۔ ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے

او جھل رہتی ہے۔ وہ اللہ کے حکموں کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے۔ ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں اور دنیا پر ریجھے رہتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے کہ جسے وہ برا سمجھ رہے ہوں وہ اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں برا ہو۔ ایک کام براجانتے ہوں، مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھے ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور جب (پرورش پاکر) اپنی بھری (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ سے) درست ہو گئے تو ہم ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی صلہ دیا کرتے ہیں (یعنی عمل صالح سے فیضان علم میں ترقی ہوتی ہے) اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ ایک تو ان کی برادری کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا۔ سو وہ جوان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی۔ بے شک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

نبوت، ایک ناگوار واقعہ اور موسیٰ علیہ السلام کا مصر کو چھوڑنا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لڑکپن کا ذکر کر کے اب ان کی جوانی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا یعنی نبوت عطا فرمائی۔ نیک کار ایسا ہی بدلہ پاتے ہیں۔ پھر اس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے مصر چھوڑنے کا باعث بنا اور جس کے بعد اللہ کی رحمت نے ان کا رخ کیا۔ یہ مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چل دیئے۔ آپ ایک مرتبہ شہر میں آتے ہیں یا تو مغرب کے بعد یا ظہر کے وقت، کہ لوگ کھانے پینے میں یا سونے میں مشغول ہیں۔ راستے زیادہ چل نہیں رہے تو دیکھتے ہیں کہ دو شخص لڑ جھگڑ رہے ہیں ایک اسرائیلی ہے دوسرا قبطی ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے قبطی کی شکایت کی اور اس کا زور ظلم بیان کیا جس پر آپ کو غصہ آ گیا اور ایک گھونسہ کھینچ مارا جس سے وہ اسی وقت مر گیا۔ موسیٰ گھبرا گئے اور کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے اور شیطان دشمن اور گمراہ ہے اور اس کا گمراہ

کرنے والا ہونا بھی ظاہر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے لگے اور استغفار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بخش دیا وہ بخشنے والا مہربان ہے ہی اب کہنے لگے: خدایا! تو نے جو جاہ و عزت بزرگی اور نعمت مجھے عطا فرمائی ہے میں اسے سامنے رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی نافرمان کی کسی امر میں موافقت اور امداد نہیں کروں گا۔

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾

پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی۔ خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک (دیکھتے کیا ہیں) وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے امداد چاہی تھی وہ پھر ان کو (امداد کے لئے) پکار رہا ہے۔ موسیٰ اس سے فرمانے لگے بے شک تو صریح بدراہ ہے سو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا (آج) مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) پس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح (اور ملاپ) کروانا نہیں چاہتے۔ ○

راز کا انکشاف:

موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے سے قبطی مر گیا۔ اس لئے آپ کی طبیعت پر گھبراہٹ تھی۔ شہر میں ڈرتے دبتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں راز کھل تو نہیں گیا؟ دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک قبطی سے لڑ رہا ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی ان سے فریاد کی اور دہائی دینے لگا۔ آپ نے فرمایا: تم بڑے شریر آدمی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ظالم قبطی کو روکنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ شخص اپنے کمینہ پن اور بزدلی سے سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔ اپنی جان بچانے کے لئے شور مچانا شروع کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کیا جیسے تو نے کل ایک شخص کا خون کیا۔ آج میری جان لینا چاہتا ہے؟

کل کا واقعہ صرف اسی کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اس لئے اب تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا۔ لیکن اس کی زبان سے اس قبطی کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ کا ہے۔ اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا کہ تو تو زمین پر سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری طبیعت میں ہی اصلاح نہیں۔ قبطی یہ سن کر بھاگا دوڑا۔ دربار فرعونی میں پہنچا اور وہاں مخبری کی۔ فرعون کی بددلی کی اب کوئی حد نہ رہی اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ کو لا کر پیش کریں۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ

بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۰

اور (اس مجمع میں) ایک شہر کے (اس کنارے سے) جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا' دوڑتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے موسیٰ اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ سو آپ (یہاں سے) چل دیجئے میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔ ○

ایک باایمان شخص کی خیر خواہی:

اس آنے والے کو رجل کہا گیا ہے۔ عربی میں رجل کہتے ہیں پیروں کو۔ اس نے جب دیکھا کہ سپاہی حضرت موسیٰ کے تعاقب میں جا رہا ہے تو یہ اپنے پیروں پر تیزی سے دوڑا اور ایک قریب کے راستے سے نکل کر جھٹ سے آپ کو اطلاع دے دی کہ یہاں کے امیر امراء آپ کے قتل کے ارادے کر چکے ہیں۔ آپ شہر چھوڑ دیجئے۔ میں آپ کا بھی خواہ ہوں۔ میری مان لیجئے۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۲۲ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ۚ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝۲۳ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝۲۴

پس (یہ سن کر) وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا دعا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے اور جب موسیٰ مدین کی طرف چلے کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا جاوے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے اور جب مدین کے پانی (یعنی کنوئیں پر) پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کر دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں (ہمارا یہ معمول ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ پس یہ سن کر موسیٰ نے ان کے لئے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلایا۔ پھر (وہاں سے) سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے رب (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں ○

مؤمن کا سفر:

فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ چونکہ اس سے پہلی زندگی میں آپ کے دن شاہزادوں کی طرح گزر رہے تھے۔ سفر بہت کڑا معلوم ہوا۔ لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ خدایا مجھے ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے۔ نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا۔ جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا۔ واللہ اعلم۔ تھوڑی دیر میں آپ جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر مدین کے راستے پر پہنچ گئے تو خوش ہوئے اور فرمانے لگے: مجھے ذات باری سے امید ہے کہ وہ راہ راست پر ہی لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ امید بھی پوری کی اور دنیا و آخرت کی سیدھی راہ نہ صرف بتلائی بلکہ اوروں کو بھی سیدھی راہ بتانے والا بنایا۔ مدین کے پاس کے کنوئیں پر آئے تو دیکھا کہ چرواہے پانی کھینچ کھینچ کر اپنے اپنے جانوروں کو پلا رہے ہیں۔ وہیں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو ان جانوروں کے ساتھ پانی پینے سے روک رہی ہیں تو آپ کو ان بکریوں پر اور ان لڑکیوں کی اس حالت پر کہ یہ بیچاریاں پانی نکال کر پلا نہیں سکتیں اور ان چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار نہیں کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے آپ کو رحم آیا۔ ان سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتیں جب یہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی پلا دیں گے، ہمارے والد صاحب ہیں لیکن بہت بوڑھے ہیں۔

اس پر آپ نے خود ہی ان جانوروں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔ حضرت عمر خطاب فرماتے ہیں کہ اس کنوئیں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا۔ جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے، آپ نے تن تنہا اس پتھر کا ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ کھانے کو کچھ پاس تھا نہیں۔ درختوں کے پتے اور گھاس پھونس کھاتے رہے تھے۔ پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی آپ اس تر سے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رات کا سفر کر کے مدین گئے اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا۔ جس کے نیچے اللہ کے کلیم نے آرام کیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا۔ پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا۔ لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم اللہ کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا اور روایت ہے کہ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے۔ جس سے متعلق اللہ نے آپ سے باتیں کی تھیں۔ جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سدی فرماتے ہیں یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں۔ عطا کا قول ہے کہ ان لڑکیوں نے بھی آپ کی دعا سنی۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ وقفة

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾

سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (اور آ کر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر ہمارے جانوروں کو پانی پلا دیا تھا۔ سو جن ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی کی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو۔ تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ (پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہے جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو۔ وہ (بزرگ موسیٰ) سے کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف احسان ہے اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا (اور) تم مجھ کو انشاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے (موسیٰ رضامند ہو گئے اور) کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو (معاملہ) کی بات چیت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے ○

شعیب علیہ السلام کی پیش کش:

ان دونوں بچیوں کی بکریوں کو جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا تو یہ اپنی بکریاں لے کر واپس اپنے گھر گئیں۔ باپ نے دیکھا کہ آج وقت سے پہلے یہ آ گئی ہیں' تو دریافت فرمایا کہ آج کیا بات ہے؟ انہوں نے سب واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ وہ حضرت موسیٰ کے پاس آئیں اور جیسا کہ پاک دامن عورتوں کا دستور ہوتا ہے۔ شرم و حیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی پردے کے ساتھ چل رہی تھیں۔ منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھیں۔ پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی باتوں کی گنجائش تھی۔ صاف کہہ دیا کہ میرے والد آپ کو آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بلا رہے ہیں' جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔ کلیم اللہ کو جو بھوکے پیاسے تھے اور تن تنہا مسافر تھے' یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا۔ یہاں آ کے انہیں ایک بزرگ خیال کر کے ان کے سوال پر اپنا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ انہوں نے دلجوئی کی اور فرمایا اب کیا خوف ہے؟ ان ظالموں کے ہاتھوں سے آپ چھوٹ آئے ہیں۔ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو مدین والوں کی طرف اللہ کے پیغمبر بن کر آئے ہوئے تھے۔ یہی مشہور قول ہے۔

امام حسن بصریؒ اور بہت سے علما یہی فرماتے ہیں۔ طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد عزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اپنی قوم کی طرف ایلچی بن کر رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ شعیبؑ کی قوم کے آدمی کو اور موسیٰ کے سسرال والے کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں یہ حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے۔ کوئی کہتا ہے قوم شعیب کے ایک مرد مؤمن تھے۔ بعض کا قول ہے کہ شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا ہے۔ ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے کہ ﴿وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ﴾ (سورۂ ہود: ۸۹) لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا ہے۔ تقریباً چار سو سال کا۔ جیسے اکثر مؤرخین کا قول ہے۔ ہاں بعض لوگوں نے اس اشکال کا یہ حل نکالا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی بڑی لمبی عمر ہوئی تھی۔ ان کا مقصد غالباً اس اعتراض سے بچنا ہے واللہ اعلم۔ ایک اور بات بھی خیال میں رہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت ہی ہوتے تو چاہئے تھا کہ قرآن میں اس موقعہ پر ان کا نام صاف لے دیا جاتا۔ ہاں البتہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ لیکن ان حدیثوں کی سندیں صحیح نہیں۔ جیسے کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام شبیرون بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعودؓ کے صاحبزادے فرماتے ہیں: شیرون حضرت شعیب کے بھتیجے تھے۔ ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ یہ شیر بی تھے۔ ابن جریر فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت ثابت ہوتی جب کہ اس بارے میں کوئی خبر صحیح ثابت ہوتی اور ایسا ہے ہی؛ اور ان کی دونوں صاحبزادیوں میں سے ایک باپ کو توجہ دلانے والی وہی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھیں، کہا کہ انہیں آپ ہماری بکریوں کی چرائی پر رکھ لیجئے۔ کیونکہ وہی کام کرنے والا اچھا ہوتا ہے جو قوی ہو اور امانت دار ہو۔ باپ نے پوچھا: بیٹی تم نے کیسے جان لیا کہ ان میں یہ دونوں وصف ہیں۔ بچی نے جواب دیا کہ دس قوی آدمی مل کر جس پتھر کو اس کنوئیں سے ہٹا سکتے تھے انہوں نے تنہا اسے ہٹا دیا' اس سے ان کی قوت کا اندازہ بہ آسانی ہوسکتا ہے۔ ان کی ایمانداری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں لے کر آپ کے پاس آنے لگی تو اس لئے کہ راستے سے ناواقف تھے' میں آگے ہو لی۔ انہوں نے کہا: سنیں تم میرے پیچھے ہی رہو اور جہاں راستہ بدلنا ہوں اس طرف کنکر پھینک دینا۔ میں سمجھ لوں گا مجھے اس راستے پر چلنا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: تین شخصوں کی سی زیرکی' معاملہ فہمی' دانائی اور دور بینی کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دانائی جب کہ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لئے جناب عمر کو منتخب کیا۔ حضرت یوسفؑ کو خرید نے والے مصری جنہوں نے بہ یک نظر حضرت یوسفؑ کو پہچان لیا اور جا کر اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ انہیں اچھی طرح رکھو اور اس بزرگ کی صاحبزادی جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی نسبت اپنے باپ کو سفارش کی کہ انہیں اپنے کام پر رکھ لیجئے۔ یہ سنتے ہی اس بچی کے باپ نے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس مہر پر ان دو بچیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال تک ہماری بکریاں چرائیں۔ ان دونوں کا نام صفورا اور اولیا تھا۔ یا سفورا اور شرفا' یا صفورا اور لیا۔ اصحاب ابی حنیفہؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اس بزرگ نے کہا: آٹھ سال تو ضروری ہیں۔ ہاں اس کے بعد دو سال کا آپ کو اختیار ہے۔ اگر آپ اپنی خوشی سے دو سال تک اور بھی میرا کام کریں تو اچھا ہے ورنہ آپ پر لازم نہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ میں برا آدمی نہیں' آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ امام اوزاعیؒ نے اس سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کہے میں فلاں چیز کو نقد دس پر اور ادھار بیس پر بیچتا ہوں تو یہ بیع صحیح ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ دس پر نقد اور بیس پر ادھار لے لے۔ وہ اس حدیث سے بھی یہی مطلب لے رہے ہیں' جس میں ہے جو شخص دو بیع ایک بیع میں کرے

اس کے لئے کمی والی بیع ہے یا سود۔ لیکن یہ مذہب غور طلب ہے جس کی تفصیل کا مقام نہیں واللہ اعلم۔ اصحاب امام احمد نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا دینا درست ہے۔ اس کی دلیل میں ابن ماجہ کی ایک حدیث بھی ہے جو اس بات میں ہے مزدوری مقرر کرنا اس مزدوری پر کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کرے۔ اس میں حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ طٰسٓمّٓ کی تلاوت کی۔ جب حضرت موسیٰؑ کے ذکر تک پہنچے تو فرمانے لگے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیٹ کے بھرنے اور اپنی شرم گاہ کو بچانے کے لئے آٹھ سال یا دس سال کے لئے خود کو ملازم کر لیا۔ اس حدیث کا ایک راوی مسلمہ بن علی خجشی ہے جو ضعیف ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ لیکن وہ بھی اعتراض سے خالی نہیں۔ کلیم اللہ نے بزرگ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور فرمایا ہم تم میں یہ طے شدہ فیصلہ ہے۔ مجھے اختیار ہوگا کہ خواہ وہ دس سال پورے کروں یا آٹھ سال کے بعد چھوڑ دوں۔ آٹھ سال کے بعد آپ کا کوئی حق مزدوری مجھ پر لازمی نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے اس معاملہ پر گواہ کرتے ہیں اسی کی کارسازی کافی ہے۔ گو دس سال پورا کرنا مباح ہے۔ لیکن وہ فاضل چیز ہے ضروری نہیں۔ ضروری آٹھ سال ہیں۔ جیسے منٰی کے آخری دو دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور جیسے کہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ بکثرت روزے رکھا کرتے تھے کہ اگر تم سفر میں روزہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے اور نہ رکھو تو تمہیں اختیار ہے باوجودیکہ دوسری دلیل ہے رکھنا افضل ہے۔

چنانچہ اس کی دلیل بھی آ چکی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال ہی پورے کئے۔ بخاری شریف میں ہے سعید بن جبیر سے یہودیوں نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰؑ نے آٹھ سال پورے کئے یا دس سال؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے خبر نہیں' پھر میں عرب کے بہت بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ان دونوں میں جو زیادہ اور پاک مدت تھی وہی آپ نے پوری کی یعنی دس سال۔ اللہ کے پیغمبر جو کہتے ہیں پورا کرتے ہیں۔ حدیث فتون میں ہے کہ سائل نصرانی تھا۔ لیکن بخاری میں جو ہے بہتر ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کونسی مدت پوری کی تھی تو جواب ملا کہ ان دونوں میں جو کامل اور مکمل مدت تھی۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا' آپ نے جبریلؑ سے پوچھا: جبریلؑ نے اور فرشتے سے' یہاں تک کہ فرشتے نے اللہ سے' اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ دونوں میں پاک اور پوری مدت یعنی دس سال۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدت کا پورا کرنا بتلا کر یہ بھی فرمایا کہ اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ کس لڑکی نے حضرت موسیٰؑ سے نکاح کیا تھا تو جواب دینا کہ دونوں میں جو چھوٹی تھی اور روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت دراز کو پورا کرنا بتلایا۔ پھر فرمایا کہ حضرت موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت لے کر جانے لگے تو اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے کچھ بکریاں لے لو' جن سے ہمارا گزارا ہو جائے۔ آپ نے اپنے والد سے سوال کیا' جس پر وعدہ کیا کہ اس سال جتنی چت کبری بکریاں ہوں گی سب تمہاری ہیں۔ حضرت موسیٰ نے بکریوں کے پیٹ پر اپنی لکڑی پھیریں تو ہر ایک کو دو دو تین تین بچے ہوئے اور سب کے سب چتکبرے۔ جب کی نسل اب تک بھی تلاش کرنے سے مل سکتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت شعیب کی سب بکریاں کالے رنگ کی خوبصورت تھیں جتنے بچے ان کے اس سال ہوئے سب کے سب بے عیب تھے اور بڑے بڑے بھرے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے۔ ان تمام روایتوں کا مدار عبداللہ بن لہیعہ پر ہے۔ جو حافظہ کے اچھے نہیں اور ڈر ہے کہ یہ روایتیں مرفوع نہ

ہوں۔ چنانچہ اور سند سے یہ انس بن مالکؓ سے موقوفاً مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ سب بکریوں کے بچے اس سال ابلق ہوئے۔
سوائے ایک بکری کے، جن سب کو آپ لے گئے[1]۔ علیہ السلام۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ
لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی
الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ
اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى
اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ
بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پوری کر چکے اور (باجازت شعیبؑ) اپنی بی بی کو لے کر (مصر کو یا شام کو) روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (روشنی بشکل) آگ دکھلائی دی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے واسطے وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاتا ہوں یا کوئی آگ کا (دھکتا ہوا انگارا لے آؤں تاکہ تم سینک لو۔ سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ کی داہنی جانب تھا) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسیٰ میں رب العالمین ہوں اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم عصا ڈال دو۔ سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم (ہر طرح) امن میں ہو تم ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف رفع کرنے کے واسطے اپنا (وہ) ہاتھ پھر اپنے گریبان اور (بغل) سے بدستور (سابق) ملا لینا سو یہ تمہاری نبوت کی دو سندیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے) کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں ○

[1] اور ظاہر ہے کہ ان باتوں اور ان تفصیلات سے کہ بکریاں کس رنگ کی تھیں اور کیسی تھیں۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کی عظمت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ قرآن مجید کے ذکر کردہ واقعات کا ان روایات پر سمجھنا موقوف پھر کا ضرورت ہے کہ ایسی روایات جن کی سندی حیثیت بھی مشتبہ ہے زیر بحث آئیں۔

نبوت اور فرعون مصر کے دربار میں اعلان حق:

پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ نے دس سال پورے کئے تھے۔ قرآن کے اس لفظ اَلْاَجَلَ سے بھی اس کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔ بلکہ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ دس سال یہ اور دس سال اور بھی گزارے۔ اس قول میں صرف یہی تنہا ہیں۔ واللہ اعلم۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا اور شوق پیدا ہوا کہ وطن جاؤں اور اپنے عزیز واقارب سے مل آؤں۔ چنانچہ آپ اپنی بیوی کو اور اپنی بکریوں کو لے کر وہاں سے چلے۔ رات کو بارش ہونے لگی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں اور سخت اندھیرا ہو گیا۔ آپ ہر چند چراغ جلاتے رہے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی۔ سخت متعجب اور حیران تھے۔ اتنے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ دور آگ روشن ہے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ ہی دریافت کر لوں گا۔ اس لئے کہ ہم راہ بھولے ہوئے ہیں۔ یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤں۔ جس سے تم تاپ لو اور جاڑے کا علاج ہو جائے۔

جب آپ وہاں پہنچے تو وادی کے دائیں جانب کے مغربی پہاڑ سے آواز سنائی دی۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ (سورۂ قصص: ۴۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ آگ کے قصد سے قبلے کی طرف چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کے دائیں طرف تھا اور ایک سرسبز ہرے بھرے درخت میں سے آگ کے شعلے دکھائی دیتے ہیں۔ جو پہاڑ کے دامن میں میدان کے متصل تھا۔ یہ وہاں جا کر اس حالت کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ ہرے اور سبز درخت میں سے آگ کے شعلے دکھائی دیتے ہیں لیکن آگ کسی چیز میں جلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس درخت کو جس میں سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی، دیکھا ہے وہ سرسبز وشاداب ہرا بھرا درخت ہے جو چمک رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ علیق کا درخت تھا۔ بعض کہتے ہیں عوسج کا درخت تھا اور آپ کی لکڑی بھی اسی درخت کی تھی کلیم اللہ نے سنا کہ آواز آ رہی ہے کہ اے موسیٰ میں ہوں رب العالمین، جو اس وقت تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں نہ میرے سوا کوئی رب ہے۔ میں اس سے پاک ہوں کہ کوئی مجھ جیسا ہو۔ مخلوق میں کوئی بھی میرا شریک نہیں۔ میں ہر طرح پاک اور نقصان سے دور ہوں۔ اسی ندا میں فرمان ہوا کہ اپنی لکڑی زمین پر گرا دو اور میری قدرت دیکھ لو اور آیت میں ہے کہ پہلے دریافت فرمایا گیا کہ اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور دوسرے بھی میرے بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں۔ اب مطلع فرما کر لکڑی کو لکڑی احساس کر پھر زمین پر انہی کے ہاتھوں پھینکوائی وہ زمین پر گرتے ہی ایک پھن پھناتا ہوا اژدہا بن کر ادھر ادھر فراٹے بھرنے لگی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ بولنے والا واقعی اللہ ہی ہے جو قادر مطلق ہے۔ وہ جس چیز کو جو فرما دے ٹل نہیں سکتا۔ سورہ طٰہٰ کی تفسیر میں اس کا بیان بھی پورا گزر چکا ہے۔

اس خوفناک سانپ کو جو باوجود بہت بڑا اور بہت موٹا ہونے کے تیر کی طرح ادھر ادھر جا آ رہا تھا۔ منہ کھولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی نگل جائے گا۔ جہاں سے گزرتا تھا، پتھر ٹوٹ ٹوٹ جاتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سہم گئے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے۔ الٹے پاؤں بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ ادھر آ ڈرو نہیں تو میرے امن میں ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل ٹھہر گیا۔ اطمینان سے بے خوف ہو کر وہیں اپنی جگہ باادب کھڑے ہو گئے۔ یہ معجزہ عطا فرما کر پھر دوسرا معجزہ یہ دیا کہ حضرت موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا اور بہت بھلا معلوم ہوتا۔ یہ نہیں کہ کوڑھ کے داغ کی

طرح سفید ہو جائے۔ یہ بھی حکم اللہ نے وہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو مثل چاند کے منور دیکھ لیا۔

پھر حکم دیا کہ تمہیں اس سانپ سے کسی گھبراہٹ ڈر خوف رعب سے دہشت معلوم ہو تو اپنے بازو اپنے بدن سے ملا لو ڈر خوف جاتا رہے گا اور یہ بھی ہے کہ جو شخص ڈر اور دہشت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر اللہ کے اس فرمان کے تحت رکھ لے تو ان شاء اللہ اس کا ڈر خوف جاتا رہے گا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ کے دل میں فرعون کا بہت خوف تھا۔ پھر آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَدْرَاُبِكَ فِي نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ اے اللہ میں تجھے اس کے مقابل کرتا ہوں اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب و خوف ہٹا لیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضاء لے کر اللہ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزے پیش کرو اور ان فاسقوں کو راہ اللہ دکھاؤ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

انہوں نے عرض کیا کہ اے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا۔ سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں اول ہی مرحلہ میں) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے، تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیجئے کہ وہ تقریر کی تائید اور تصدیق کریں گے۔ کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں' ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (اک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (اور ہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کی تم پر دست رسی نہ ہوگی۔ پس معجزے لے کر (تم دونوں چلو تم اور تمہارے پیروکار (ان لوگوں پر) غالب رہو گے ○

موسیٰ علیہ السلام کی گزارش:

یہ گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ فرعون سے خوف کھا کر اس کے شہر سے بھاگ نکلتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وہیں اسی کے پاس نبی بن کر جانے کو فرمایا۔ تو آپ کو وہ سب یاد آ گیا اور عرض کرنے لگے کہ خدایا ان کے ایک آدمی کی جان میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی تو ایسا نہ ہو کہ وہ میرے قتل کے درپے ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن کے زمانے میں' جب کہ آپ کے سامنے بطور تجربہ کے ایک آگ کا انگارہ اور ایک کھجور یا ایک موتی رکھا گیا تھا تو آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا اور منہ میں ڈال لیا تھا[1]۔ اسلئے آپ کی زبان میں کچھ لکنت ہو گئی تھی اور اسی لئے آپ نے اپنی زبان

[1] یہ قول صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر

کی بابت اللہ سے دعا مانگی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس سے میرا بازو مضبوط کرا اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ تاکہ نبوت و رسالت کا فریضہ ادا ہو اور تیرے بندوں کو تیری کبریائی کی دعوت دے سکیں۔

یہاں بھی آپ کی یہی دعا منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے بھائی ہارونؑ کو میرے ساتھ ہی اپنا رسول بنا تاکہ وہ میرا معین و وزیر ہو جائے۔ وہ میری باتوں کو بیان کرے تاکہ میرا بازو مضبوط رہے۔ دل بڑھا ہوا رہے اور یہ بھی بات ہے کہ دو آوازیں بہ نسبت ایک آواز کے زیادہ مضبوط اور بااثر ہوتی ہیں۔ میں اکیلا رہا تو ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں اور ہارونؑ ساتھ ہوا تو میری باتیں بھی لوگوں کو سمجھا دیا کرے گا جناب باری ارحم الرحمین نے جواب دیا کہ تیرا سوال منظور ہے ہم تیرے بھائی سے تجھ کو سہارا دیں گے اور اسے بھی تیرے ساتھ نبی بنا دیں گے۔

جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی﴾ (سورۂ طٰہٰ:۳۶) موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا اور آیت میں ہے ہم نے اپنی رحمت سے اسے اور اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ اسی لئے بعض سلف کا فرمان ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر ایسا احسان نہیں کیا جو موسیٰ نے ہارونؑ پر کیا اللہ سے دعا کر کے انہیں بھی نبی[1] بنوا دیا یہ موسیٰ کی بڑی بزرگی کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی دعا بھی رد نہ کرے۔ واقعتاً آپ اللہ کے بڑے ہی مرتبے والے تھے۔

پھر فرماتا ہے کہ ہم تم دونوں کو زبردست دلیلیں اور کامل حجتیں دیں گے۔ فرعونی تمہیں کوئی ایذا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ میرا پیغام میرے بندوں کے نام پہنچانے والے ہو۔ ایسوں کو میں خود دشمنوں سے۔ بچاتا ہوں۔ ان کا مددگار اور مؤید میں خود بن جاتا ہوں۔ انجام کار تم اور تمہارے ماننے والے ہی غالب آئیں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ (سورۂ مؤمن:۵۱) ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔ ابن جریر کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دیئے ہوئے غلبہ کی وجہ سے فرعونی تمہیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے اور ہماری دی ہوئی آیتوں کی وجہ سے غلبہ صرف تمہیں ہی حاصل ہو گا لیکن جو مطلب بیان ہوا اس سے بھی یہی ثابت ہے اس لئے اس کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ واللہ اعلم

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ

حاشیہ برصفحہ گزشتہ

۲ غالباً یاد ہو گا کہ ایک مرتبہ فرعون کے پاس کھیلتے ہوئے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام نے اس دشمن اللہ فرعون کی داڑھی پکڑی تھی۔ اس پر فرعون غضب آلود ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گیا تھا۔ آسیہؓ نے سمجھایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی دانستہ حرکت نہیں بلکہ وہ تو بچے ہیں انگارے اور سرخ موتی میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ فرعون نے امتحاناً موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایک انگارہ اور ایک موتی ڈلوایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ تو بڑھایا موتی کی طرف۔ لیکن بروقت اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور بجائے موتی کے منہ میں انگارہ رکھ لیا۔ لکنت اس زخم کا اثر تھا۔ واللہ اعلم۔

[1] اگر چہ تقدیری طور پر نبوت ہارون علیہ السلام کی طے ہو چکی تھی یا یقینی صورت بظاہر اس کی یہ رکھی کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے اور ہارون علیہ السلام کی نبوت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ نبوت کسی سفارش سے نہیں ملتی۔

بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۷

غرض جب ان کے پاس موسیٰ ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر) کہا کہ یہ تو (محض) ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ اللہ پر) افتراء کیا جاتا ہے اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اس کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کا انجام اس عالم سے اچھا ہونے والا ہے (اور) بالیقین ظالم لوگ کبھی فلاح نہ پاویں گے ○

دعوت الی الحق پر فرعونیوں کے بیہودہ جواب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام خلعت نبوت سے اور کلام اللہ سے ممتاز ہو کر بحکم اللہ مصر میں پہنچے اور فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی تلقین کی۔ ساتھ ہی جو معجزے اللہ نے ان کو دیئے تھے۔ انہیں دکھلایا۔ سب کو مع فرعون کے یقین کامل ہو گیا کہ بے شک حضرت موسیٰ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ لیکن مدتوں کا غرور اور پرانا کفر سر اٹھائے بغیر نہ رہا اور کہنے لگے یہ صرف جادو ہے۔

اب اپنے دبدبے اور قوت وطاقت سے حق کے مقابلہ پر جم گئے اور اللہ کے نبیوں کا مقابلہ کرنے پر تل گئے اور کہنے لگے کہ کبھی ہم نے تو نہیں سنا کہ اللہ ایک ہے اور ہم تو کیا ہمارے اگلے باپ دادا کے کان بھی آشنا نہیں تھے۔ ہم سب کے سب مع اپنے بڑوں چھوٹوں کے بہت سے خداؤں کو پوجتے رہے۔ یہ نئی باتیں لے کر کہاں سے آ گیا؟ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ صلوٰت اللہ نے جواب دیا کہ مجھے اور تم کو اللہ خوب جانتا ہے۔ وہی ہم تم میں فیصلے کرے گا، ہم میں ہدایت پر کون ہے؟ اور کون نیک انجام ہے؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ وہ فیصلہ کر دے گا اور تم عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائی تائید کس کا ساتھ دیتی ہے؟ ظالم یعنی مشرک کبھی خوش انجام اور شادکام نہیں ہوئے وہ نجات سے محروم ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝۴۲

اور (دلائل موسیٰ دیکھ کر سن کر) فرعون کہنے لگا کہ اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں (پزاوہ لگا کر) پکواؤ۔ پھر (ان پختہ اینٹوں سے) میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تا کہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے اللہ کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ میرے سوا کوئی اور خدا ہے) موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے تابعین نے حق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے (تکبر کی سزا میں) اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا (اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کا ظہور ہو گیا) اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا رئیس بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور (اسی واسطے) قیامت کے روز ایسے بے کس رہ جائیں گے کہ کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور یہ لوگ دونوں عالم میں مبتلائے خسران ہوئے (چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○

فرعون کی جراَتِ بے جا:

فرعون کی سرکشی اور اس کے خدائی دعوے کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو بے عقل بنا کر ان سے اپنا دعویٰ منوا لیا ہے۔ اس نے ان کو جمع کر کے کہا کہ تمہارا رب میں ہوں۔ سب سے اعلیٰ اور بلند تر ہستی میری ہی ہے۔ اسی بنا پر اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذابوں میں پکڑ لیا اور دوسروں کے لئے اسے عبرت بنایا۔ ان کمینوں نے اسے خدا مان کر اس کا دماغ یہاں تک بڑھا دیا کہ اس نے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ڈانٹ کر کہا کہ سن رکھ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈلوا دوں گا۔ انہی سفلے لوگوں میں بیٹھ کر اپنا دعویٰ ان سے منوا کر اپنے ہی جیسے اور خبیث وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ تو ایک مینار بنا اور اس میں اینٹیں پکوا اور میرے لئے ایک بلند بالا محل بنا کہ میں جھانک لوں کہ واقعہ میں موسیٰ کا کوئی اللہ ہے بھی یا نہیں۔ گو مجھے اس کے دروغ گو ہونے کا علم تو ہے۔ مگر میں اس کا جھوٹ تم پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اسی کا بیان آیت: ﴿یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا﴾ (سورۂ مؤمن: ۳۶) میں بھی ہے۔ چنانچہ ایک بلند محل بنایا گیا کہ اس سے اونچا دنیا میں دیکھا نہیں گیا۔ یہ حضرت موسیٰ کو نہ صرف دعوائے رسالت میں ہی جھوٹا جانتا تھا بلکہ یہ تو وجود باری تعالیٰ کا قائل ہی نہ تھا۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کہا: ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب العالمین ہے کیا؟ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو خدا جانا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔ اس آیت میں بھی ہے کہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے علم میں تو میرے سوا تمہارا خدا کوئی اور نہیں۔ جب اس کی اور اس کی قوم کی طغیانی اور سرکشی حد سے گزر گئی۔ ملک اللہ میں ان سے فساد کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کے عقیدے کھوٹے پیسے جیسے ہو گئے۔ قیامت کے حساب کتاب کے بالکل منکرین بن بیٹھے تو بالآخر خدائی عذاب ان لوگوں پر برس پڑے اور رب نے انہیں تاک لیا اور بیخ تک کھود دیا۔ سب کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت ایک ساتھ دریا برد کر دیا۔ لوگو سوچ لو کہ ظالموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوتا ہے۔ ہم نے انہیں جہنمیوں کا امام بنا دیا ہے کہ یہ لوگوں کو ان کاموں کی طرف بلاتے ہیں جن سے وہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ جو بھی ان کی روش پر چلا اسے وہ جہنم میں لے گئے۔ جس نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کو نہ مانا وہ ان کی راہ پر ہے۔ قیامت کے دن بھی ان کی کچھ نہ چلے گی۔ کہیں سے انہیں کوئی امداد نہ پہنچے گی۔ دونوں جہان میں یہ نقصان اور خسران میں رہیں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ (سورۂ محمد: ۱۳) ہم نے انہیں تہ و بالا کر دیا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوا۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے اللہ کی، فرشتوں کی، اس کے نبیوں اور تمام نیک بندوں کی ان پر لعنت ہے۔ جو بھی بھلا آدمی ان کا نام سنے گا، ان پر پھٹکار بھیجے گا۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی برے ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (سورۂ ہود: ۹۹) یہاں بھی پھٹکار وہاں بھی لعنت۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی امتوں (یعنی نوح و عاد وثمود) کے ہلاک کئے پیچھے کتاب (یعنی توریت) دی تھی جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانش مندی کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی کہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں ○

ایک مقدس صحیفہ:

اس آیت میں ایک لطیف بات یہ ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد امتیں اسی طرح عذاب آسمانی سے ہلاک نہیں ہوئیں بلکہ جس امت نے سرکشی کی اس کی سرکشی کا بدلہ اسی زمانے کے نیک لوگوں کے ہاتھوں اللہ نے انہیں دلوایا۔ مومنین مشرکین سے جہاد کرتے رہے۔ جیسے فرمان باری ہے: ﴿وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ﴾ (سورۂ حاقہ: ۹) یعنی فرعون اور جو امتیں اس سے پہلے ہوئی اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے یعنی قوم لوط یہ سب لوگ بڑے بڑے قصوروں کے مرتکب ہوئے اور اپنے اپنے رسولوں کی نافرمانیوں پر کمر کس لی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑا سخت پکڑا۔ اس گروہ کی ہلاکت کے بعد بھی اللہ کے انعام حضرت موسیٰ کلیم علیہ من ربہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہوتے رہے۔ جن میں سے ایک بہت بڑے انعام کا ذکر یہاں ہے کہ انہیں تورات ملی۔ اس تورات کے نازل ہونے کے بعد کسی قوم کو آسمان کے عام عذاب سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ سوائے اس بستی کے چند مجرموں کے جنہوں نے اللہ کی مقررہ کردہ حرمت کے خلاف ہفتے کے دن شکار کھیلا تھا اور اللہ نے انہیں سؤر بندر بنا دیا۔ یہ واقعہ بے شک حضرت موسیٰ کے بعد کا ہے۔ جیسے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد ہی اپنے اس قول کی شہادت میں یہی آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا﴾ کی تلاوت فرمائی۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی قوم کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا۔ ایسے عذاب جتنے آئے آپ سے پہلے آئے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر تورات کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے والی تھی اور رب کی رحمت تھی۔ نیک اعمال کی طرف ہادی تھی۔ تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور نصیحت بھی اور راہ راست پر آ جائیں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوئے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے (جو اس زمانہ میں) موجود تھے لیکن یہ بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں اور (اسی طرح آپ طور کی جانب غربی مذکور ہیں) اور اس وقت بھی موجود نہ تھے ہم نے (موسیٰ) کو پکارا تھا لیکن (اس کا علم بھی اسی طرح سے حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں اور ہم رسول بھی نہ بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو کہ عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت (دنیا و آخرت میں) نازل ہوتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپ کے احکام کا اتباع کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں ہوتے ○

روئے سخن محمد بن عبداللہ العربی المکی المدنی کی طرف:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل دیتا ہے کہ ایک وہ شخص جو محض امی ہو۔ جس نے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو جو اگلی کتابوں سے محض ناآشنا ہو۔ جس کی قوم بھی علمی مشاغل سے دور اور گزشتہ تاریخ سے بالکل بے خبر ہو۔ وہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کامل فصاحت و بلاغت کے ساتھ بالکل سچے ٹھیک اور صحیح گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان کرے جیسے کہ اس کے اپنے چشم دید ہوں اور جیسے کہ وہ خود ان کے ہونے کے وقت وہیں موجود ہو۔ کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنی وحی کے ذریعہ سے انہیں وہ تمام باتیں بتلاتا ہے۔ حضرت مریم صدیقہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بھی قرآن نے اس چیز کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ﴾ (سورۂ آل عمران: ۴۴) جب کہ وہ حضرت مریم کی تربیت و پرورش کے لئے قلمیں ڈال کر فیصلے کر رہے تھے۔ اس وقت آپ ان کے پاس موجود نہ تھے اور نہ تو اس وقت تھا جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ پس باوجود عدم موجودگی اور بے خبری کے آپ کا اس طرح اس واقعہ کا بیان کرنا کہ گویا اس وقت آپ وہیں موجود تھے اور آپ کے سامنے ہی تمام واقعات گزر رہے تھے۔ آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور صاف نشان ہے اس امر کا کہ آپ وحی اللہ سے یہ کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح نوح نبیؑ کا واقعہ بیان کر کے فرمایا: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ﴾ (سورۂ ہود: ۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں' جنہیں ہم بذریعہ وحی تم تک پہنچا رہے ہیں۔ تو اور تیری ساری قوم اس وحی سے پہلے ان واقعات سے محض بے خبر تھی۔ اب صبر کے ساتھ دیکھتا رہ اور یقین مان کر اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہی نیک انجام ہوتے ہیں۔ سورہ یوسف کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں' جنہیں ہم بذریعہ وحی تیرے پاس بھیج رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا' جبکہ برادران یوسف نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اور تدبیروں میں لگ گئے تھے۔ سورہ طٰہٰ میں عام طور پر فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۹۹) اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔ پس یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ان کی نبوت کی ابتداء وغیرہ اول سے آخر تک

بیان فرما کر فرمایا کہ تم اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مغربی پہاڑ کی جانب جہاں کے مشرقی درخت میں سے جو وادی کے کنارے تھا۔ اللہ نے اپنے کلیم سے جو باتیں کیں اس وقت موجود نہ تھے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو یہ سب معلوم کرائیں۔ تاکہ یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہو جائے ان زمانوں پر جو مدتوں سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ کی باتوں کو وہ بھول چکے ہیں۔ اگلے نبیوں کی وحی ان کے ہاتھوں سے گم ہو چکی ہے اور نہ آپ مدین میں رہتے تھے کہ وہاں کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتے جو ان میں اور ان کی قوم میں واقع ہوئے تھے۔ بلکہ ہم نے بذریعہ وحی آپ کو یہ سب خبریں پہنچائیں اور تمام جہان کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور نہ طور کی طرف تھے جب کہ ہم نے آواز دی۔ نسائی شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مجھ سے مانگو اس سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا اور تم مجھ سے دعا کرو اس سے پہلے میں قبول کر چکا ہوں۔ مقاتلؒ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی امت کو جو ابھی اپنے باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب آپ کو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ آپ کی اتباع کریں۔ قتادہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی۔ یہی زیادہ صحیح اور مطابق ہے کیونکہ اوپر بھی یہی ذکر ہے۔ اوپر عام طور پر بیان تھا یہاں خاص طور سے ذکر کیا۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى﴾ (سورۂ شعراء: ۱۰) جبکہ تیرے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور آیت میں ہے کہ وادیٔ مقدس میں اللہ نے اپنے کلیم کو پکارا اور آیت میں ہے کہ طور ایمن کی طرف سے اسے ہم نے پکارا اور سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنا قرب عطا کیا۔

پھر فرماتا ہے کہ ان میں ایک واقعہ بھی نہ تیری حاضری کا ہے نہ تیرا چشم دید ہے۔ بلکہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ جو وہ اپنی رحمت سے تجھ پر نازل فرما رہا ہے اور یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ تجھے اپنے بندوں کی طرف اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ کہ تو ان لوگوں کو آگاہ اور ہوشیار کر دے۔ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی نبی آیا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہدایت پائیں اور اس لئے بھی کہ ان کی کوئی دلیل باقی نہ رہ جائے اور کوئی عذر ان کے ہاتھ میں نہ رہے۔ یہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کو آتا دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہی نہ تھا۔ جو انہیں راہ راست کی تعلیم دیتا اور جیسے کہ اور جگہ اپنی مبارک کتاب قرآن کریم کے نزول کو بیان فرما کر فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کی دونوں جماعتوں پر اتری تھی۔ لیکن ہم تو اس کی تدریس سے بالکل غافل تھے اور اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو یقیناً ہم ان سے زیادہ راہ راست پر آ جاتے۔ اب بتاؤ کہ خود تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی دلیل و رحمت اور ہدایت آ چکی اور آیت میں ہے کہ رسول خوش خبریاں دینے والے ڈرانے والے ہیں تاکہ ان رسولوں کے بعد کسی کی کوئی حجت اللہ پر باقی نہ رہ جائے اور آیت میں فرمایا: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (سورۂ مائدہ: ۱۹) اے اہل کتاب اس زمانہ میں جو رسولوں کی عدم موجودگی کا چلا آ رہا تھا۔ ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر نذیر نہیں پہنچا۔ لو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ پہنچا الخ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ غرض رسول آ چکے اور تمہارا یہ عذر ختم ہو گیا کہ اگر رسول آتے تو ہم اس کو مانتے اور مؤمن ہو جاتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى

مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

سو جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق پہنچا تو (اس میں شبہ نکالنے کے لئے) یوں کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی۔ کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہیں ہوئے۔ یہ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراۃ وقرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔ پھر (اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا کہنا (نہ) کر سکیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا اور ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کے لئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں ○

محض سخن سازی:

پہلے بیان ہوا کہ اگر نبیوں کے بھیجنے سے پہلے ہم ان پر عذاب بھیج دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر رسول ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کو مانتے۔ اس لئے ہم نے رسول بھیجے۔ بالخصوص اکرم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الزمان رسول بنا کر بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ منہ موڑ لیا اور تکبر وعناد کے ساتھ کہنے لگے کہ جیسے حضرت موسیٰ کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے۔ جیسے لکڑی اور ہاتھ اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون اور اناج کی پھلوں کی کمی وغیرہ جن سے دشمنان اللہ تنگ آ گئے اور دریا کو چیرنا اور ابر کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ کا اتارنا وغیرہ جو زبردست اور بڑے معجزے تھے۔ انہیں کیوں نہیں دیئے گئے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ لوگ جس واقعہ کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور جیسے معجزے طلب کر رہے ہیں۔ یہ خود انہیں معجزوں کو کلیم اللہ کے ہاتھوں دیکھ کر ہی کون سا ایمان لائے تھے[1]۔ جواب ان کے ایمان کی کوئی تمنا کرے؟ انہوں نے تو ان تمام معجزوں کو دیکھ کر صاف کہا تھا کہ یہ دونوں بھائی ہمیں بڑوں کی تابعداری سے ہٹانا چاہتے ہیں اور اپنی بڑائی ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ ہم تو ہرگز انہیں مان کر نہیں دیں گے۔ دونوں نبیوں کو جھٹلاتے رہے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔

تو فرمایا کہ انکے بڑے جو بزمانہ حضرت موسیٰؑ تھے۔ انہوں نے خود موسیٰؑ کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان معجزوں کو دیکھ صاف کہہ دیا تھا

[1] اور یہ معلوم ہی ہوگا کہ آباؤ اجداد کے ساتھ جو معاملہ پیش آتا ہے اس کو قرآن مجید اولاد کے ساتھ بھی منسوب کر دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزے دیکھ کر انکار کرنے والے ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل تو تھے نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے بلکہ ان کے اجداد تھے۔ جنہوں نے انکار کیا تھا مگر چونکہ آباؤ اجداد کے کارناموں سے اولاد خوش ہوتی ہے اور ان پر مطمئن تو گویا ایک حد تک وہ بھی انہیں کی فطرت لئے ہوتے ہیں۔

کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔ آپس میں متفق ہو کر ہمیں زیر کرنے اور خود کو بڑا منوانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم تو دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں ماننے کے یہاں ذکر گو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ لیکن چونکہ حضرت ہارونؑ ان کے ساتھ رلے ملے تھے کہ گویا دونوں ایک تھے تو ایک کے ذکر کو ہی دوسرے کے ذکر کے لئے کافی سمجھا۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ جب میں کسی جگہ کا ارادہ کرتا ہوں تو میں نہیں جانتا کہ وہاں مجھے نفع ملے گا یا میرا نقصان ہوگا؟ تو یہاں بھی شاعر نے خیر کا لفظ تو کہا ہے مگر شر کا لفظ بیان نہیں کیا۔ کیونکہ خیر و شر دونوں کی ملازمت مقاربت اور مصاحبت ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: یہودیوں نے قریش سے کہا کہ تم یہ اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کرو۔ انہوں نے کیا اور جواب پا کر خاموش ہو رہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد حضرت عیسیٰؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن اس تیسرے قول میں تو بہت ہی بُعد ہے اور دوسرے قول سے بھی پہلا قول مضبوط اور عمدہ ہے اور بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب سَاحِرَانِ کی قرأت پر ہے اور جن کی قراءت سِحْرَانِ ہے وہ کہتے ہیں مراد تورات اور قرآن ہے۔ جو ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ کوئی کہتا ہے مراد تورات انجیل ہے۔ کسی کا قول ہے کہ انجیل اور قرآن مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ لیکن اس قراءت پر بھی ظاہری تو رات وقرآن کے معنی ٹھیک ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی فرمان اللہ ہے کہ تم ہی ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی کوئی کتاب اللہ کے ہاں سے لاؤ' جس کی میں تابعداری کروں۔ تورات وقرآن کو اکثر ایک ہی جگہ قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ﴾ (سورۂ انعام: ۹۱) پس یہاں تورات کے نور و ہدایت ہونے کا ذکر فرما کر پھر فرمایا: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ﴾ (سورۂ انعام: ۹۲) اور اس کتاب کو بھی ہم نے ہی بابرکت بنا کر اتارا ہے اور سورت کے آخر میں فرمایا: ﴿ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ (سورۂ انعام: ۱۵۴) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور فرمان ہے اس ہماری اتاری ہوئی مبارک کتاب کی تم پیروی کرو۔ اللہ سے ڈرو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جنات کا قول قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے وہ کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے جو اپنے سے پہلے کی اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ورقہ بن نوفل کا مقولہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ انہوں نے کہا تھا یہ وہی اللہ کے راز داں بھیدی ہیں۔ جو حضرت موسیٰ کے بعد آپ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جس شخص نے غائر نظر سے علم دین کا مطالعہ کیا ہے۔ اس پر یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت وشرافت والی عزت وکرامت والی کتاب تو یہی قرآن مجید فرقان حمید ہے جو اللہ تعالیٰ حمید ومجید نے اپنے رؤف ورحیم نبی آخرالزمان پر نازل فرمائی۔

اس کے بعد تورات شریف کا درجہ ہے جس میں ہدایت ونور تھا جس کے مطابق انبیاء اور ان کے ماتحت حکم واحکام جاری کرتے رہے۔ انجیل تو صرف تورات کو تمام کرنے والی اور بعض حرام کو حلال کرنے والی تھی۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ ان دونوں کتابوں سے بہتر کتاب اگر تم اللہ کے ہاں سے لاؤ تو میں اس کی تابعداری کے لئے آمادہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ جو آپ کہتے ہیں وہ بھی اگر یہ نہ کریں اور نہ آپ کی تابعداری میں آئیں تو جان لیں کہ دراصل انہیں دلیل و برہان کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ یہ صرف جھگڑالو ہیں اور خواہش پرست ہیں اور ظاہر ہے کہ خواہش پرست ہیں اور خواہش کے پابند لوگوں سے جو خدائی ہدایت سے خالی ہوں' بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اس میں انہماک کر کے جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں وہ آخر تک راہ راست سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم نے ان کے لئے تفصیلی قول بیان کر دیا واضح کر دیا صاف کر دیا۔ اگلی پچھلی باتیں بیان کر دیں۔ قریشیوں کے سامنے سب کچھ ظاہر کر دیا۔ بعض اس سے رفاعہ مراد لیتے ہیں اور ان کے ساتھ کے اور نو آدمی یہ رفاعہ حضرت صفیہ بنت حیی کے ماموں ہیں۔ جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی جن کا دوسرا نکاح

عبدالرحمٰن بن زبیر سے ہوا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی کتابیں دی ہیں جو منصف ہیں وہ اس) قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی مانتے تھے۔ ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بری (اور ایذا) کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو (بھی ٹال جاتے ہیں اور سلامت روی کے طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ کچھ جواب نہیں دیتے ہمارا کیا ہمارے سامنے آئے گا (بھائی) ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے ○

ان پر سلامتی ہو:

اہل کتاب کے علماء جو درحقیقت اللہ دوست تھے ان کے پاکیزہ اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ قرآن کو مانتے ہیں، جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ سمجھ بوجھ کر پڑھتے ہیں۔ ان کا تو اس قرآن پر ایمان ہے اور آیت میں ہے بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ اللہ کو مان کر تمہاری طرف نازل شدہ کتاب کو اور اپنی طرف اتری ہوئی کتاب کو بھی مانتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور جگہ ہے پہلے کے اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ ہمارے اس قرآن کی آیتیں سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۰۸) اور آیت میں ہے: ﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى﴾ (سورۂ مائدہ: ۸۲) یعنی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں سے قریب تر انہیں پاؤ گے۔ جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں اور یہ لوگ کبر و غرور سے خالی ہیں اور قرآن کو سن کر رو دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے۔ خدایا ہمیں اپنے دین کے ماننے والوں میں لکھ لیجئے۔ حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ جن کے حق میں یہ فرمایا گیا ہے یہ ستر علما بزرگ تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی شاہ حبشہ کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ حضور نے انہیں سورۂ یٰسین سنائی۔ جسے سن کر یہ رونے لگے اور مسلمان بن گئے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں اتریں کہ یہ انہیں سنتے ہی اپنے موحد مخلص ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور قبول کر کے مؤمن و مسلم بن جاتے ہیں۔ ان کی ان صفتوں پر اللہ تعالیٰ بھی انہیں دوہرا اجر دیتا ہے۔ ایک پہلی کتاب کو ماننے کا دوسرا اس قرآن کی تسلیم و تعمیل کا۔ یہ اتباع حق پر ثابت قدمی کرتے ہیں جو دراصل ایک مشکل اور اہم کام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اہل کتاب کو جو اپنے نبی کو مان کر پھر مجھ پر بھی ایمان لائے۔ غلام مملوک جو اپنے آقا کی حکم برداری کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے حق میں ادائیگی بھی کرتا ہے اور وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جسے وہ ادب وعلم سکھائے' پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔

قاسم بن ابوامامہؒ کہتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ ہی اور بالکل پاس ہی تھا۔ آپ نے بہت بہترین باتیں ارشاد فرمائیں۔ جن میں یہ فرمایا کہ یہود نصاریٰ میں سے جو مسلمان ہو جائے اسے دوہرا اجر ہے اور اس کے عام مسلمانوں کے برابر حقوق ہیں۔ پھر ان کے نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے۔ بلکہ معاف کر دیتے ہیں درگزر کر دیتے ہیں اور نیک سلوک ہی کرتے ہیں اور اپنی حلال روزیاں اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی پالتے ہیں۔ زکوٰۃ صدقات خیرات میں بھی بخل نہیں کرتے۔ لغویات سے بچتے رہتے ہیں ایسے لوگوں سے دوستیاں نہیں کرتے ایسی مجلسوں سے دور رہتے ہیں بلکہ کبھی اچانک گزر ہو بھی جائے تو بزرگانہ طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ ایسوں سے میل جول الفت محبت نہیں کرتے۔ صاف کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری کرنی تمہارے ساتھ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ یعنی جاہلوں کی سخت کلامی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ انہیں ایسا جواب نہیں دیتے کہ وہ اور بھڑکیں۔ بلکہ چشم پوشی کر لیتے ہیں اور طرح دے جاتے ہیں چونکہ خود پاک نفس ہیں۔ اس لئے پاکیزہ کلام ہی منہ سے نکالتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلانہ روش پر چلیں نہ جہالت کو پسند کریں۔

امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حبشہ سے قریباً بیس نصرانی آئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ یہیں یہ بھی بیٹھ گئے اور بات چیت شروع کی۔ اس وقت قریشی اپنی اپنی بیٹھکوں میں کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان عیسائی علما نے جب سوالات کر لئے اور جوابات سے ان کی تشفی ہوگئی تو آپ نے دین اسلام ان کے سامنے پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کر کے انہیں سنایا۔ چونکہ یہ لوگ لکھے پڑھے سنجیدہ اور روشن دماغ تھے۔ قرآن نے ان کے دلوں میں اثر کیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے فوراً دین اسلام قبول کر لیا۔ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جو صفتیں انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں سب آپ میں موجود پائیں۔ جب یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے لگے تو ابو جہل بن ہشام ملعون اپنے آدمیوں کو لئے ہوئے انہیں راستے میں ملا اور تمام قریشیوں نے مل کر طعنے دینے شروع کئے اور برا کہنے لگے کہ تم سے بدترین وفد کسی قوم کا نہیں دیکھا۔ تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ یہاں آ کر تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور اس کا ایسا رنگ تم پر چڑھا کر ذرا سی دیر میں اپنے دین کو ترک کر کے دین بدل دیا اور اسی کا کلمہ پڑھنے لگے۔ تم سے زیادہ احمق ہم نے تو کسی کو نہیں پایا وغیرہ۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ سب سن لیا اور جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جاہلانہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا دین ہمارے ساتھ' تمہارا مذہب تمہارے ساتھ۔ ہم نے جس بات میں اپنی بھلائی دیکھی اسے قبول کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے نصرانیوں کا تھا۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیتیں ان ہی کے بارے میں اتریں۔ حضرت زہریؒ سے ان آیتوں کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تو اپنے علما سے یہی سنتا چلا آیا ہوں کہ یہ آیتیں نجاشی اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اتری ہیں اور سورۂ مائدہ کی آیتیں: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا ﴾ سے ﴿مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (سورۂ مائدہ: ۸۲-۸۳) تک کی آیتیں بھی انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جائیں کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم پھل کھچے چلے آتے ہیں۔ جو ہمارے پاس (یعنی ہماری قدرت اور خدائی سے) کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے ○

ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں:

اے نبی کسی کو ہدایت پر لا کھڑا کرنا تمہارے قبضے کی چیز نہیں۔ آپ پر تو صرف پیغام اللہ کے پہنچا دینے کا فریضہ ہے۔ ہدایت کا مالک اللہ ہے۔ وہ اپنی حکمت کے ساتھ جسے چاہے قبول ہدایت کی توفیق بخشتا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ﴾ (سورۂ بقرہ:۲۷۲) تیرے ذمہ ان کی ہدایت نہیں۔ وہ چاہتے تو ہدایت بخشے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ یوسف:۱۰۳) گو تو ہر چند طمع کرے لیکن اکثر ایماندار نہیں ہونے کے۔ یہ اللہ کے ہی علم میں ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے؟ اور مستحق ضلالت کون ہے؟ صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بارے میں اتری ہے جو آپ کا بہت طرفدار تھا اور ہر موقعہ پر آپ کی مدد کرتا رہتا تھا اور آپ کا ساتھ دیتا تھا اور دل سے محبت کرتا تھا۔ لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعاً تھی۔ شرعاً نہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ لیکن تقدیر کا لکھا اور اللہ کا چاہا غالب رہا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انتقال کے وقت اس کے پاس آئے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کہو! میں اس کی وجہ سے اللہ کے ہاں تیرا سفارشی بن جاؤں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ کہنے لگے: ابو طالب! کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جائے گا؟ اب حضور سمجھاتے اور وہ دونوں اسے روکتے۔ یہاں تک کہ آخری کلمہ اس کی زبان سے نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ آپ نے فرمایا: بہتر ہے میں تیرے لئے رب سے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھ کو اس سے روک نہ دیا جائے لیکن اسی وقت آیت اتری کہ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ (سورۂ توبہ:۱۱۳) یعنی نبی کو اور مومن کو ہرگز یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں گو وہ ان کے نزدیکی قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور اسی ابو طالب کے بارے میں آیت: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ﴾ بھی نازل ہوئی۔ صحیح مسلم وغیرہ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ چچا لا الٰہ الا اللہ کہو! میں اس کی گواہی قیامت کے دن دے دوں گا۔ تو اس نے کہا کہ اگر مجھے اپنے خاندان قریش کے اس طعنے کا خوف نہ ہو کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے یہ کہہ لیا تو میں اسے کہہ کہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈی کر دیتا مگر پھر بھی تیری خوشی کے لئے کہتا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ دوسری روایت میں ہے کہ آخر اس نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میرے

بھتیجے میں تو اپنے بڑوں کی روش پر ہوں اور اسی بات پر اس کی موت ہوئی کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہے۔ قیصر کا قاصد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیصر کا خط خدمت نبوی میں پیش کیا۔ تو آپ نے اسے گود میں رکھ کر اسے فرمایا: تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا: تیرج قبیلے کا میں آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تیرا قصد ہے کہ تو اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین پر آ جائے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جس قوم کا قاصد ہوں جب تک ان کے پیغام کا جواب انہیں نہ پہنچا دوں' ان کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تو آپ نے مسکرا کر اپنے صحابہ کی طرف دیکھ کر یہی آیت پڑھی۔ مشرکین اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو مان لیں تو ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس دین کے مخالف جو ہمارے ہر طرف ہیں اور تعداد میں ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ وہ ہمارے دشمن جان بن جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے اور ہمیں برباد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حیلہ بھی ان کا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرم محترم رکھا ہے۔ جہاں شروع دنیا سے اب تک امن و امان رہا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حالت کفر میں تو یہ یہاں امن سے رہیں اور جب اللہ کے سچے دین کو قبول کریں تو امن اٹھ جائے؟ یہی تو شہر ہے کہ طائف وغیرہ مختلف مقامات سے پھل فروٹ سامان اسباب مال تجارت وغیرہ کی آمد یہاں بکثرت رہتی ہے۔ تمام چیزیں یہاں کھچی چلی آتی ہیں اور ہم انہیں بیٹھے ہوئے روزیاں پہنچا رہے ہیں' لیکن ان کی اکثریت بے علم ہے۔ اسی لئے ایسے رکیک حیلے اور بے جا عذر پیش کرتے ہیں۔ نقل ہے کہ یہ کہنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور ہم بہت سی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے سو (دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے اور آخر کار (ان کے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے۔ آپ کا رب بستیوں کو (اوّل ہی بار میں) ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان بستیوں کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو بھیج نہ لے کہ وہ ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے۔ مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں ○

ہم ظلم نہیں کرتے:

اہل مکہ کو ہوشیار کیا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں حاصل کر کے اترا رہے تھے اور سرکشی اور بڑائی کرتے تھے اور اللہ سے کفر کرتے تھے اللہ کی روزیاں کھاتے اور اس کی نمک حرامی کرتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح تباہ برباد کیا کہ آج کوئی ان کو جانتا نہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً﴾ (سورۂ نحل ۱۱۲) یہاں فرماتا ہے کہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں اب

تک اجڑی ہوئی پڑی ہیں۔ کچھ یوں ہی آبادی گو ہوگئی ہو لیکن دیکھو ان کے کھنڈرات سے آج تک وحشت برس رہی ہے۔ ہم ہی ان کے مالک رہ گئے ہیں۔ حضرت کعب[1] کا قول ہے کہ الّو سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تو کھیتی اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا: اس لئے کہ اسی کے باعث حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے۔ پوچھا: پانی کیوں نہیں پیتا؟ کہا اس لئے کہ قوم نوح اسی میں ڈبودی گئے۔ پوچھا ویرانے میں کیوں رہتا ہے؟ کہا: اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعبؒ نے ﴿ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴾ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل وانصافلو بیان فرمارہا ہے کہ وہ کسی کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا۔ پہلے ان پر اپنی حجت قائم کرتا ہے۔ ان کا عذر دور کرتا ہے۔ رسولوں کو بھیج کر اپنا کلام ان تک پہنچاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عام تھی۔ آپ ام القریٰ میں مبعوث ہوئے تھے اور تمام عرب وعجم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ (سورۂ انعام: ۹۲) تا کہ تو مکہ والوں اور دوسرے شہر والوں کو ڈرا دے اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۵۸) کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آیت میں ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ تا کہ اس قرآن سے میں تمہیں ڈراؤں اور ہر اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچے۔

یہ آیت میں ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ () اس قرآن کے ساتھ دنیا والوں میں سے جو بھی کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے اور جگہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۵۸) یعنی تمام بستیوں کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب کرنے والے ہیں۔ الخ پس خبر دی کہ قیامت سے پہلے وہ سب بستیوں کو برباد کردے گا اور آیت میں ہے کہ ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔ پس حضور کی بعثت عام کردی اور تمام جہان کے لئے کردی اور مکے میں جو کہ دنیا کا مرکز ہے[2] آپ کو مبعوث فرما کر ساری دنیا پر اپنی حجت ختم کردی۔ صحیحین میں حضور ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ میں تمام سیاہ وسفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے نبوت ورسالت کو آپ ﷺ پر ختم کردیا۔ آپ ﷺ کے بعد سے قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مراد اُمُّ الْقُرٰى سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۞

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب) زینت ہے اور جو (اجر وثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا بہتر ہے اور زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے کیا تم لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے۔ پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز کو پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے ○

[1] اور کعب احبار کی تمام باتیں ناقابل قبول ہیں۔

[2] ... بال ہے کہ مکہ معظّم ... میں ہے ... کے وسط اور درمیان میں۔

ایک اچھا وعدہ:

اللہ تعالیٰ دنیا کی حقارت اس کی رونق کی قلت و ذلت اس کی ناپائیداری و بے ثباتی اور برائی بیان فرما رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتوں کی پائیداری دوامی عظمت اور قیام کا ذکر فرما رہا ہے جیسے ارشاد ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (سورۂ نحل: ۹۶) تمہارے پاس جو کچھ ہے فنا ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس کی تمام چیزیں بقا والی ہیں۔ اللہ کے پاس جو ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی عمدہ اور بہتر ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا تو کچھ نہیں۔ لیکن افسوس کہ لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے اور آخرت سے غافل ہو گئے ہیں جو بہت بہتر باقی رہنے والی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں سے انگلی ڈبو کر نکال لے۔ پھر دیکھ لے کہ اس کی انگلی پر جو پانی ہے وہ سمندر کے مقابلہ میں کتنا کچھ ہے۔ افسوس کہ اس پر بھی اکثر لوگ اپنی کم علمی اور بے علمی کے باعث دنیا کے متوالے ہو رہے ہیں۔

خیال کرلو کہ ایک تو وہ اللہ پر اللہ کے نبی پر ایمان و یقین رکھتا ہو اور ایک وہ جو ایمان نہ لایا ہو نتیجے کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں؟ ایمان والے کے ساتھ اللہ کا جنت کا اور اپنی انمٹ غیر فانی نعمتوں کا وعدہ ہے اور کافر کے ساتھ وہاں کے عذاب کا ڈراوا ہے۔ گو دنیا میں کچھ روز عیش ہی منا لے۔ نقل ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہؓ علیؓ اور ابوجہل کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ جیسے فرمان اللہ ہے کہ جنتی مومن اپنے جنت کے درجوں سے جھانک کر جہنمی کافر کو جہنم کے جیل خانہ میں دیکھ کر کہے گا: ﴿لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ (سورۂ صافات: ۵۷) اگر مجھ پر میرے رب کا انعام نہ ہوتا تو میں بھی ان عذابوں میں پھنس جاتا اور آیت میں ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴾ (سورۂ صافات: ۱۵۸) جنات کو یقین ہے کہ وہ حاضر کئے جانے والوں سے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان کافروں کو (توبیخاً) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا

شریک) سمجھ رہے تھے جن پر (بوجہ گمراہ کرنے کے) اللہ کا فرمودہ (یعنی استحقاق عذاب) ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اٹھیں گے کہ بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی (بلا جبر و کراہ) بہکایا جیسا ہم خود بہک چکے تھے۔ ہم آپ کی پیشی میں ان (کے تعلقات) سے دستبرداری کرتے ہیں (اور) یہ لوگ درحقیقت ہم کو نہ پوجتے تھے اور (اس وقت ان مشرکین سے کہا جائے گا کہ (اب اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرط حیرت سے بالاضطرار) ان کو پکاریں گے سو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں سے) عذاب دیکھ لیں گے اے کاش دنیا میں راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور جس دن کافروں سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اس روز ان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے۔ تو وہ (نہ خود سمجھیں گے اور) آپس میں پوچھ پاچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو شخص (کفر و شرک سے دنیا میں) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے ○

یوم آخرت اور کفار سے ایک سوال:

مشرکوں کو قیامت کے دن پکار کر سامنے کھڑا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں تم جنہیں میرے سوا پوجتے رہے۔ جن بتوں کو پتھروں کو مانتے رہے وہ کہاں ہیں؟ انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ یا وہ خود اپنی کوئی مدد کر سکتے ہیں؟ یہ صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہوگا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (سورۂ انعام: ۹۴) یعنی ہم تمہیں ویسے ہی تنہا تنہا اور ایک ایک کر کے لائے جیسے ہم نے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دلایا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہم تو آج تمہارے ساتھ کسی سفارشی کو بھی نہیں دیکھتے' جنہیں تم شریک اللہ ٹھہرائے ہوئے تھے۔ تم میں ان میں کوئی لگاؤ نہیں رہا اور تمہارے شریک سب آج تم سے کھوئے ہوئے ہیں۔ جن پر عذاب ہو چکا۔ یعنی شیاطین اور سرکش لوگ اور کفر کے بانی اور شرک کی طرف بلانے والے یہ سب بڑے بڑے لوگ اس دن کہیں گے کہ خدایا ہم نے انہیں گمراہ کیا اور انہوں نے ہماری کفریہ باتیں سنیں اور مانیں جیسے ہم بہکے ہوئے تھے انہیں بھی ہم نے بہکایا۔ ہم ان کی عبادت سے تیرے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ (سورۂ مریم: ۸۱) انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں۔ لیکن ایسا نہیں ہونے کا۔ یہ تو ان کی عبادت سے بھی انکار کر جائیں گے اور الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ احقاف: ۵) اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے؟ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے۔ جو قیامت کی گھڑی تک انہیں جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کی پکار سے غافل ہوں اور قیامت کے دن لوگوں کے حشر کے موقعہ پر ان کے دشمن بن جائیں اور اس بات سے صاف انکار کر دیں کہ انہوں نے ان کی عبادت کی تھی۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے جن بتوں کی عبادت شروع کر رکھی ہے ان سے صرف دنیا ہی کی دوستی ہے۔ قیامت کے دن تو سب ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے الخ اور آیت میں ہے: ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۶۶) یعنی جو تابعداری کرنے والے تھے وہ ان سے' جوان کی تابعداری کرتے رہے' بری اور بیزار ہو جائیں گے۔ عذاب کو سامنے دیکھتے ہوئے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے الخ۔ ان سے فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں پوجتے رہے آج انہیں کیوں نہیں پکارتے؟ اب یہ پکاریں گے لیکن کوئی جواب نہ پائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ کے عذاب میں جائیں گے۔ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش یہ راہ یافتہ ہوتے؟ جیسے ارشاد ہے کہ ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ (سورۂ کہف: ۵۲) جس دن فرمائے گا کہ میرے ان شریکوں کو آواز دو' جنہیں تم بہت کچھ سمجھ رہے تھے۔ یہ پکاریں گے لیکن وہ جواب تک نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان آڑ کر

دیں گے۔ مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر باور کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اسی قیامت والے دن ان سے سب کو سنا کر ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟ اور کہاں تک ان کا ساتھ دیا؟ پہلے توحید کے متعلق باز پرس تھی۔ اب رسالت کے متعلق سوال و جواب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قبر میں بھی سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ مؤمن جواب دیتا ہے کہ میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میرے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ (سلام علیہ) ہاں کافر سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے کہتا ہے مجھے اس کی کوئی خبر نہیں' اندھا بہرا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۷۲) جو شخص یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا اور راہ بھولا رہے گا۔ تمام دلیلیں ان کی نگاہوں سے ہٹ جائیں گی۔ رشتے ناتے حسب نسب کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ ہاں دنیا میں توبہ کرنے والے ایمان اور نیکی کے ساتھ زندگی گزارنے۔ بے شک فلاح اور نجات حاصل کر لیں گے۔ یہاں عسیٰ یقین کے معنی میں ہے۔ یعنی مؤمن ضرور کامیاب ہوں گے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق حاصل نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور آپ کا رب سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی (ذات کامل الصفات ہے) ہے جس کے سوا کوئی (معبود ہونے کے قابل نہیں۔ حمد اور ثنا) کے لائق دنیا اور آخرت میں وہی ہے اور حکومت (قیامت میں) بھی اسی کی ہوگی تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ○

حکم صرف اللہ ہی کا ہے:

ساری مخلوق کا خالق تمام اختیارات والا اللہ تعالیٰ ہی ہے نہ اس کا شریک ہے نہ اس کا ساجھی جو چاہے پیدا کرے جسے چاہے اپنا خاص بندہ بنا لے۔ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا ہو ہی نہیں سکتا۔ تمام امور خیر و شر اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ یہی لفظ اسی معنی میں آیت: ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (سورۂ احزاب ۳۶) میں ہے۔ دونوں جگہ ما نافیہ ہے۔ گو ابن جریر نے کہا ہے کہ ما معنی میں اَلَّذِیْ کے ہے۔ یعنی اللہ پسند کرتا ہے اسے جس میں بھلائی ہو اور اسی معنی میں لے کر معتزلیوں نے مراعات صالحین پر استدلال کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہاں مانفی کے معنی میں ہے۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے منقول ہے یہ آیت اسی بیان میں ہے کہ مخلوق کی پیدائش میں تقدیر کے مقرر کرنے میں اللہ ہی اکیلا ہے اور نظیر سے پاک ہے۔ اسی لئے آیت کے خاتمہ پر فرمایا کہ جن بتوں وغیرہ کو وہ شریک اللہ ٹھہرا رہے ہیں جو نہ کسی چیز کو بنا سکیں نہ کسی طرح کا اختیار رکھیں' اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب سے پاک اور بہت دور ہے۔ پھر فرمایا سینوں اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی اللہ جانتا ہے اور وہ سب بھی اس پر اسی طرح ظاہر ہیں جس طرح کھلم کھلا اور ظاہر باتیں۔ پوشیدہ بات کہو یا اعلان سے کہو وہ سب کا عالم

ہے۔رات میں اور دن میں جو ہو رہا ہے اس پر پوشیدہ نہیں۔الوہیت میں بھی وہ یکتا ہے۔اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی طرف مخلوق اپنی حاجتیں لے جائے۔جس سے مخلوق عاجزی کرے۔جو مخلوق کا ماویٰ و ملجا ہو۔جو عبادت کے لائق ہو۔خالق مختار رب مالک وہی ہے۔وہ جو کچھ کر رہا ہے سب لائق تعریف ہے۔اس کا عدل و حکمت اسی کے ساتھ ہے۔اس کے حکموں کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔غلبۂ رحمت اسی کی ذات پاک میں ہے۔تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔وہ سب کو قیامت کے دن ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔اس پر تمہارے کاموں میں سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں۔نیکوں کو جزا بدوں کو سزا وہ اس روز دے گا اور اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کرے۔تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں۔آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے۔تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاؤ کیا تم (اس شاہد قدرت کو) دیکھتے نہیں اور وہ (منعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات کو آرام کرو اور (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر کرو ○

کون پھر کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا احسان دیکھو کہ بغیر تمہاری کوشش اور تدبیر کے دن رات برابر آگے پیچھے آ رہے ہیں اگر رات ہی رات رہے تو تم عاجز آ جاؤ۔تمہارے کام رک جائیں تم پر زندگی وبال ہو جائے تم تھک جاؤ۔اکتا جاؤ۔کسی کو نہ پاؤ جو تمہارے لئے دن نکال سکے کہ تم اس کی روشنی میں چلو پھرو اپنے کام کاج کر لو۔افسوس تم سن کر ان سنی کر دیتے ہو۔اسی طرح اگر وہ تم پر دن ہی دن رکھے رات آئے ہی نہیں تو بھی تمہاری زندگی تلخ ہو جائے۔بدن کا نظام ہی الٹ پلٹ ہو جائے۔تھک جاؤ تنگ آ جاؤ۔کوئی نہیں جسے قدرت ہو کہ وہ رات لا سکے۔جس میں تم راحت و آرام کر سکو۔تم آنکھیں رکھتے ہوئے اللہ کی ان نشانیوں اور مہربانیوں کو دیکھتے ہی نہیں ہو؟ یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے دن رات دونوں پیدا کر دیئے ہیں کہ رات کو تمہیں سکون حاصل ہو اور آرام کر سکو اور دن کو تم کام کاج تجارت و زراعت سفر شغل کر سکو۔تمہیں چاہئے کہ تم اس مالک حقیقی اس قادر مطلق کا شکر ادا کرو۔دن کو رات کو اس کی عبادت کرو۔رات کے گناہوں کی تلافی دن میں

اوردن کی کوتاہیوں کی تلافی رات کو کرلیا کرو۔ یہ مختلف چیزیں قدرت کے نمونے ہیں اور اس لئے ہیں کہ تم نصیحت پکڑو اور رب کا شکر کرو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرمادے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے پھر ہم (ان مشرکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی کوئی دلیل (صحت شرک کے دعوے پر) پیش کرو (سو اس وقت) ان کو معلوم ہو جائے کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا۔

اگر کوئی دلیل ہے؟

مشرکوں کو دوسری دفعہ ڈانٹ دی جائے گی اور فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کا پیغمبر ممتاز کرلیا جائے گا اور مشرکوں سے کہا جائے گا کہ اگر کر سکتے ہو تو شرک کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اس وقت یہ یقین کرلیں گے کہ فی الواقع عبادت کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ حیران رہ جائیں گے اور تمام جھوٹ وافتراء بھول جائیں گے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور (اس کے مال کی کثرت یہ تھی کہ) ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں۔ جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو اس مال وحشت پر اترا مت واقعہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو اللہ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کرو اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کرو اور

دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا ○

قارون ہلاک شد:

منقول ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے۔ قارون بن ایصر بن قاہیث اور موسیٰ کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران ابن قاہیث۔ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علما چچا کا لڑکا بتلاتے ہیں۔ یہ بہت خوش الحان تھا۔ تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ لیکن جس طرح سامری نے نفاق کا معاملہ کیا تھا۔ یہ دشمن اللہ بھی منافق ہو گیا تھا۔ چونکہ بہت مالدار تھا اس لئے مغرور ہو گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا۔ جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو۔ اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس کے خزانے کی کنجیاں اٹھانے پر ایک جماعت مقرر تھی۔ اس کے بہت سے خزانے تھے ہر خزانے کی کنجی الگ تھی۔ جو بالشت بھر کی تھی۔ جب یہ کنجیاں اس کی سواری ساتھ خچروں میں لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ خچر مقرر تھے۔ واللہ اعلم۔

قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے اس کی سرکشی اور تکبر حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں اور اس قدر غرور نہ کر۔ اللہ تعالیٰ کا ناشکرا نہ بن۔ ورنہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ قوم کے واعظین نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں تیرے پاس ہیں انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کرتا کہ آخرت میں تیرا حصہ ہو جائے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ دنیا میں کچھ عیش و عشرت کر ہی نہیں۔ نہیں اچھا کھا پی اچھا پہن اچھا اوڑھ۔ جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا۔ نکاح سے راحت اٹھا۔ حلال چیزیں برت۔ لیکن جہاں اپنا خیال رکھ وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ۔ جہاں اپنے نفس کو نہیں بھولتا وہاں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حقوق بھی فراموش نہ کر۔ تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔ مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں حق ہے۔ ہر حقدار کا حق ادا کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے تو اوروں کے ساتھ سلوک و احسان کر۔ اپنے اس مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال۔ اللہ کی مخلوق کی ایذا رسانی سے باز آ جا۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

قارون (یہ سن) کہنے لگا کہ مجھ کو تو سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے کیا اس قارون نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع (بھی) ان کا (اس سے) زیادہ تھا اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑے گا ○

قارون کی حماقت:

قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جواب دیا اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ نے جو مجھے دے رکھا ہے اس کا مستحق میں تھا۔ میں ایک عقلمند زیرک دانا شخص ہوں۔ میں اس قابل ہوں اور اسے

اللہ بھی جانتا ہے۔اسی لئے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو بڑی عاجزی سے ہمیں پکارتا ہے اور جب کوئی نعمت وراحت اُسے ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (سورۂ زمر:۴۹) یعنی اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں۔اسی لئے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے اور آیت میں ہے کہ اگر اسے کوئی رحمت چکھائیں اس کے بعد کہ اسے مصیبت پہنچی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ ھٰذَا لِیْ میں اس کا حقدار تو میں تھا ہی۔بعض لوگوں نے کہا' کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا۔لیکن قول بالکل ضعیف ہے بلکہ کیمیا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا یہ اللہ ہی کی قدرت کی بات ہے۔جس پر کوئی قادر نہیں۔فرمان خداوندی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنادے۔یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہری صورت کی نقل کرتے ہیں۔ان کے لئے تو یہ فرمایا: پھر جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ کیمیا جانتا ہے اور ایک چیز کی کایا پلٹ کر سکتا ہے۔ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ' تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت وضلالت ہے۔ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکہ بازی کریں۔لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔یہ کیمیا گر جو محض جھوٹے جاہل فاسق اور مفتری ہیں۔یہ محض دعویٰ کر کے مخلوق کو دھوکہ میں ڈالنے والے ہیں۔ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء اللہ کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں' ان کا ہمیں انکار نہیں۔وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی انکے بس کا نہیں ہوتا نہ انکے قبضے کا ہوتا ہے نہ وہ کوئی کاریگری' صنعت یا علم ہے۔وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرماں بردار نیک کاربندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجتمندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ بہت آزردہ ہو رہے تھے۔آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے ضرورت مند کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔معجزے اور کرامات حدیثوں اور آثار میں بہت سے مذکور ہیں۔جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا۔جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولتمند ہو گیا۔قارون کے اس جواب کے رَد میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں اسے دولت مند کر دیتا ہوں۔نہیں' اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت مند آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے' محض غلط ہے جو میرا شکر ادا نہ کرے کفر پر جما رہے' اس کا انجام بد ہوتا ہے۔گنہگاروں کی کثرت کی وجہ سے پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا ہے۔اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیر ہے اس لئے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے وہ سمجھتا تھا کہ اس مالداری کا اہل میں ہی ہوں۔اگر اللہ مجھ پر خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

پھر ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے) گو مومن ہوں) کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے واقعہ وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ ان حریفوں سے کہنے لگے اے تمہارا ناس ہو (تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دنیاوی کروفر سے) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور (پھر) وہ ثواب کامل کے طور پر ان ہی کو دیا جاتا ہے جو دنیا کی حرص و طمع سے) صبر کرنے والے ہیں ○

غلط تمنائیں:

قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق ہو کر عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بہا کر پوشاکیں پہنائے ہوئے بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا اور اکڑتا ہوا نکلا۔ اس کا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیا داروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔ علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بدر جہا بہتر بارونق دیرپا اور عمدہ ہے۔ تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دوروزہ زندگی کو صبر سے گزارنا چاہئے۔ جنت صابروں کا حصہ ہے۔ یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے پاک کلمے صبر کرنے والوں ہی کی زبان سے نکلتے ہیں جو دنیا کی محبت سے دور اور دار آخرت کی محبت میں چور ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ کلام ان واعظین کا نہ ہو بلکہ ان کے کلام کی اور ان کی تعریف میں یہ پچھلا جملہ اللہ کی طرف سے خبر ہو۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸

پھر ہم نے اسے اور اس کے محل سرائے کو (اس کی شرارت بڑھ جانے سے) زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اس کو زمین دھنستا دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی ○

زمین کی آغوش میں:

اوپر قارون کی سرکشی اور بے ایمانی کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہمد لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا جو قیامت تک دھنستا ہوا چلا جائے گا۔ (بخاری) احمد کی روایت میں ہے دو چادروں میں اکڑتا ہوا نکلا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں ہے نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ وروغن والا خوصورت شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال وکمال کو دیکھنے لگا۔ تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو ہی کیا خود اللہ تعالیٰ کو تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا جسے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا[1]۔ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ دے رہے ہوں، وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا۔ حضرت موسیٰ کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی۔ دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں رستہ بنایا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے ہیں کہ تو جو کچھ سچا واقعہ ہے اسے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اس کو اور اس کے محل کو نگل جا۔ زمین نے یہی کیا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید وقیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا۔ اس کے غلام بھی سب کے ریشمی لباسوں میں تھے۔

ادھر حضرت موسیٰ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا: آج اس طرح کیسے نکلے ہو۔ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے۔ اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ وحشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت میں شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اسے لے کر چلے حضرت موسیٰ نے فرمایا: لے اب پہلے میں دعا کرتا ہوں یا تو کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں میں کروں گا اب اس نے دعا مانگنی شروع کی، ختم کر لی لیکن قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اب میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا: ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں، مان لے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے یہ سن کر زمین سے فرمایا: اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے۔ وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا: اور پکڑ۔ یہ اپنے مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے۔ پھر فرمایا: ان کے خزانے اور ان کے مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے خزانے اور تمام مال آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر

---

[1] افسوس کیسی واہی روایت ہے اور مفسر بے تکلف نقل کر دیتے ہیں۔

لے۔اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہی ہو گئی۔

نقل ہے کہ ساتویں زمین تک یہ لوگ یونہی دھنستے چلے گئے۔یہ قول بھی ہے کہ ہر روز یہ لوگ بقدر قد انسان نیچے کی طرف دھنستے جا رہے ہیں۔قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔یہاں پر اور بھی روایتیں بہت سی ہیں۔لیکن ہم نے ان کا بیان چھوڑ دیا ہے۔تو مال انہیں کام آیا نہ جاہ وحشم نہ دولت وتمکنت نہ کوئی ان کی مدد کے لئے اٹھا نہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔تباہ ہو گئے۔بے نشان ہو گئے مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ) اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں جو قارون کے مال کو اور اس کی عزت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور اسے نصیبہ ور سمجھ کر رشک کرتے تھے کہ کاش ہم ایسے ہی دولت مند ہوتے۔وہ کہنے لگے اب دیکھ لیا کہ واقعہ سچ ہے دولت مند ہونا کچھ اللہ کی رضامندی کا سبب نہیں۔یہ تو اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم کر دے۔جس پر چاہے وسعت کر دے جس پر چاہے تنگی کر دے۔اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کی ہے۔جس طرح روزی کی۔مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے' کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا لطف واحسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش کہ ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا وہ کافر تھا اور کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔نہ انہیں دنیا میں کامیابی نہ آخرت میں چھٹکارا پائیں گے۔نحوی کہتے ہیں: وَيْكَاَنَّ کے معنی ﴿وَيْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ﴾ ہیں۔لیکن مخفف کر کے وَيْكَ رہ گیا اور اَنَّ کے فتح نے اِعْلَمْ کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔لیکن اس قول کو امام ابن جریر نے ضعیف بتلایا ہے۔مگر میں کہتا ہوں: یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔قرآن کریم میں اس کی کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔اس لئے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے' جو رواج پا گیا ہے وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا واللہ اعلم۔دوسرے معنی اس کے اَلَمْ تَرَاَنَّ کے لئے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسی طرح دو لفظ ہیں۔وَیْ اور كَاَنَّ حرف وَیْ تعجب کے لئے ہے یا تنبیہ کے لئے اور كَاَنَّ معنی میں اَظُنُّ کے لئے ہے۔ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں اَلَمْ تَرَ کے ہے۔یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں مراد لئے گئے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾

یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آوے گا اس کو اس (کے مقتضا) سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو شخص بدی لے کر آوے گا سو ایسے لوگوں کو جو کہ بدی کے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کہ وہ کرتے تھے ○

دارِ آخرت:

فرماتا ہے کہ جنت اور آخرت کی نعمت صرف انہی کو ملے گی جن کے دل خوف اللہ سے بھرے ہوئے ہوں اور دنیا کی زندگی تواضع فروتنی عاجزی اور اخلاق کے ساتھ گزار دیں۔ کسی پر اونچائی بڑائی نہ سمجھیں۔ ادھر ادھر فساد نہ پھیلائیں۔ سرکشی اور برائی نہ کریں۔ کسی کا مال ناحق نہ ماریں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی نافرمانیاں نہ کریں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر وغرور کرے اور اگر وہ صرف بطور زیبائش چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ پھر فرمایا: جو ہمارے پاس نیکی لائے گا وہ بہت سی نیکیوں کا ثواب پائے گا۔ یہ مقام فضل ہے اور برائی کا بدلہ صرف اسی کے مطابق سزا ہے۔ یہ مقام عدل ہے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ (سورۂ نمل: ۹۰) جو برائی لے کر آئے گا وہ اوندھے منہ آگ میں جائے گا۔ تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾ ع ۹ ۶ ۱۲

جس اللہ نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے (وہ آپ کو آپ کے) اصل وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچائے گا۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ (اللہ کی طرف کون ہے) کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (مبتلا ہے) اور آپ کو (اپنے نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید نہ کیجئے اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پائے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپ کو ان حکام سے روک دیں اور آپ (بدستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہئے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہوئیے اور جس طرح اب تک آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا۔ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں (اس لئے) کہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں سوائے اس کی ذات کے۔ اس کی حکومت ہے جس کا ظہور کامل قیامت میں ہے اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے ○

ایک وعدہ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ رسالت کی تبلیغ کرتے رہیں' لوگوں کو کلام اللہ سناتے رہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کی طرف واپس لے جانے والا ہے اور نبوت کی بابت پرستش ہوگی۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۶) یعنی امتوں سے اور رسولوں سے سب سے ہم دریافت فرمائیں گے اور آیت میں ہے رسولوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور آیت میں ہے کہ نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا معاد۔ معاد سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ دوبارہ کی زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ دوبارہ جئیں اور داخل جنت ہوں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔ مجاہد سے نقل ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے جو آپ کی جائے پیدائش تھی۔

ضحاک فرماتے ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے' ابھی جحفہ ہی میں تھے کہ آپ ﷺ کے دل میں مکے کا شوق پیدا ہوا۔ پس یہ آیت اتری اور آپ سے وعدہ ہوا کہ آپ واپس مکہ پہنچائے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ حالانکہ پوری سورت مکی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ شاید اس کہنے والے کی مراد اس سے بھی قیامت ہے۔ اس لئے کہ بیت المقدس ہی محشر کی زمین ہے۔ ان تمام اقوال میں مطابقت کی صورت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کبھی تو اس کی تفسیر کی آپ کے مکہ کی طرف لوٹنے کی' جو فتح سے پوری ہوئی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے پورا ہونے کی ایک زبردست علامت تھی۔ جیسے کہ آپ نے سورہ اِذَا جَآءَ کی تفسیر میں فرمایا ہے جس کی عمرؓ نے بھی موافقت کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو جو جانتا ہے وہی میں بھی جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سے اس آیت میں جہاں مکہ منقول ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بھی نقل ہے اور کبھی قیامت سے تفسیر کی۔ کیونکہ موت قیامت ہے اور کبھی جنت سے تفسیر کی جو آپ کا ٹھکانا ہے اور آپ کی تبلیغ و رسالت کا بدلہ ہے کہ آپ نے جن و انس کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور تمام مخلوق سے زیادہ کامل زیادہ فصیح اور زیادہ افضل تھے۔

پھر فرمایا کہ اپنے مخالفین سے اور جھٹلانے والوں سے کہہ دو کہ ہم میں سے ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ کسے انجام کی بہتری ملتی ہے اور دنیا اور آخرت میں بہتری اور بھلائی کس کے حصہ میں آتی ہے۔ پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرمائی ہے کہ وحی کے اترنے سے پہلے آپ پر کبھی یہ خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ آپ پر کتاب اللہ نازل ہوگی۔ یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔ اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس سے الگ رہنا چاہئے۔ ان سے بیزاری ظاہر کر دینی چاہئے اور ان سے مخالفت کا اعلان کر دینا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کی اتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھ کو روک نہ دیں یعنی یہ جو تیرے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں تو اس سے اثر پذیر نہ ہونا۔ اپنے کام پر لگے رہنا۔ اللہ تعالیٰ تیرے کلمے کو پورا کرنے والا ہے۔ تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے۔ تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے' تمام دینوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔ تو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بتلاتا رہ جو اکیلا اور لاشریک ہے۔ تجھے نہیں چاہئے کہ مشرکوں کا ساتھ دے۔ اللہ کے ساتھ کبھی اور کو نہ پکار۔ عبادت کے لائق وہی ہے۔ الوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے۔ وہی دائم اور قائم ہے اور باقی ہے۔ حی و قیوم ہے۔ تمام مخلوق مر جائے گی اور اس پر فنا کبھی طاری نہ ہوگی۔ جیسے فرمایا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (سورۂ رحمٰن: ۲۶-۲۷) ہر چیز فانی ہے۔ بس تیرے رب کا چہرہ[1] ہی باقی رہ جائے گا جو جلالت و کرامت والا ہے۔ وجہ سے مراد ذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] چہرہ سے مراد پوری ذات گرامی جناب باری کی ہے صرف چہرہ مراد نہیں۔ عرب میں چہرہ بول کر پوری شخصیت مراد لیتے ہیں۔ اسی اسلوب کے ساتھ یہ کلام ہے۔

فرماتے ہیں: سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

''یاد رکھو اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔''

مجاہدؒ و ثوریؒ سے منقول ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ذَنْباً لَسْتُ مُحْصِیْہٖ ☆ رَبَّ الْعِبَادِ اِلَیْہِ الْوَجْہُ وَالْعَمَلُ

میں اللہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے جس کی طرف توجہ اور قصد ہے، جس کے لئے عمل ہیں اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں میں شمار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں۔ صرف انہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے۔ جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کی ہوں اور پہلے قول کا مطلب بھی بالکل صحیح ہے کہ سب متنفس فانی اور زائل ہونے والے ہیں۔ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہے جو فنا اور زوال سے بالاتر ہے۔ وہی اول و آخر ہے۔ ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔ منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کھنڈر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہیں؟ پھر خود جواب میں یہی آیت پڑھتے۔ حکم اور ملک اور ملکیت اسی کی ہے مالک و متصرف وہی ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ روزِ جزا میں سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب کو اُن کی نیکوں بدیوں کا بدلہ دے گا۔ نیک کو نیک بدلہ اور برے کو بری سزا۔

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۷ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۶۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴

الٓمّٓ (بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو (قسم قسم کے مصائب سے) آزمایا نہ جائے اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں۔ جو ان سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہری علم سے جان کر رہے گا۔ جو (ایمان کے دعوٰی میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے ان کی یہ تجویز نہایت ہی بے ہودہ ہے ○

آزمائش ضروری ہے:

حروفِ مقطعہ کی بحث سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ناممکن ہے کہ مؤمنوں کو بھی امتحان سے چھوڑ دیا جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے۔ پھر نیک لوگوں کا۔ پھر ان سے کم درجے والے پھر ان سے کم درجے والے۔ انسان کا امتحان اس کے دین کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ اسی مضمون کا بیان اس آیت میں بھی ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۶) کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے مجاہد کون ہے؟ اور صابر کون ہے؟ اسی طرح سورہ برأت اور سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی چلے جاؤ

گے؟ اور اگلے لوگوں جیسے سخت امتحان کے موقعے تم پر نہ آئیں گے کہ انہیں بھوک دکھ درد وغیرہ پہنچے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان دار بول اٹھیں کہ اللہ کی مدد کہاں ہے؟ یقین مانو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ یہاں بھی فرمایا: ان سے اگلے مسلمانوں کی بھی جانچ پڑتال کی گئی انہیں بھی سرد گرم چکھوایا۔ تاکہ جو اپنے دعوے میں سچے ہیں اور جو صرف زبانی دعوے کرتے ہیں ان میں تمیز ہو جائے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ اسے جانتا نہ تھا۔ وہ ہو چکی بات کو اور ہونے والی بات کو خوب جانتا ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کے تمام اماموں کا اجماع ہے۔ پس یہاں علم رویت یعنی دیکھنے کے معنی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لِنَعْلَمَ کے معنی لِنَرَیٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ دیکھنے کا تعلق موجود چیزوں سے ہوتا ہے اور علم اس سے عام ہے۔ پھر فرماتا ہے: جو ایمان لائے وہ بھی یہ گمان نہ کریں کہ امتحان سے بچ جائیں گے۔ بڑے بڑے عذاب اور سخت سزائیں ان کی تاک میں ہیں۔ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل نہیں سکتے۔ ہم سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ ان کے یہ گمان نہایت برے ہیں۔ جن کا برا نتیجہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے (اس کو تو ایسے ایسے حوادث سے پریشان نہ ہونا چاہئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے (جس سے سارے غم غلط ہو جائیں گے) اور وہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے۔ وہ اپنے ہی (نفع) کے لئے کرتا ہے (ورنہ) اللہ تعالیٰ کو (تو) تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں اور (وہ نفع جو طاعت سے پہنچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کو ان کے (ان) اعمال (ایمان و اعمال صالحہ کا) استحقاق سے زیادہ اچھا بدلہ دیں گے ○

اُس سے ملاقات جس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں:

جنہیں آخرت کے بدلوں کی امید ہے اور اسے سامنے رکھ کر وہ نیکیاں کرتے ہیں ان کی امیدیں پوری ہوں گی اور انہیں نہ ختم ہونے والے ثواب ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا اور کل کائنات کا جاننے والا ہے۔ اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ٹلتا نہیں۔ پھر فرماتا ہے: ہر نیک عمل کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے بے پروا ہے۔ اگر سارے انسان متقی بن جائیں تو اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں: جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں۔ انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے۔ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں اللہ کو کوئی کام نہیں آتیں۔ لیکن پھر اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری برائیاں معاف فرما دیتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر

سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی نیکیاں قبول فرماتا ہے۔ ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عنایت فرماتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اسی بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے میں) کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں ہے۔ تو تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلا دوں گا اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کیے ہوں گے ہم ان کو نیک بندوں (کے درجہ) میں (کہ بہشت ہے) داخل کر دینگے ○

ماں باپ سے حسن سلوک:

پہلے اپنی توحید پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہنے کا حکم فرما کر اب ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ ان ہی سے انسان کا وجود ہوتا ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور پرورش کرتا ہے۔ ماں محبت رکھتی ہے اور پالتی ہے۔ دوسری آیت میں فرمان ہے: ﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۳) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کی پوری اطاعت کرو۔

ان دونوں کا یا ان میں سے ایک کا بڑھاپے کا زمانہ آ جائے تو انہیں اف بھی نہ کہنا۔ ڈانٹ ڈپٹ تو بالکل ہی مناسب نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ادب سے کلام کرنا اور تواضع کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہنا اور اللہ سے ان کے لئے دعا کرنا کہ خدایا ان پر رحم کر۔ جیسے یہ بچپن میں مجھ پر یہ کیا کرتے تھے۔ لیکن ہاں یہ خیال رہے کہ اگر یہ شرک کی طرف بلائیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ سمجھ لو کہ ایک دن تمہیں میرے سامنے کھڑا ہونا ہے اس وقت میں اپنی عبادت کا اور میرے فرمان کے تحت ماں باپ کی اطاعت کرنے کا بدلہ دوں گا اور نیک لوگوں کے ساتھ حشر کروں گا۔ اگر تم نے اپنے ماں باپ کی وہ باتیں نہیں مانیں جو میرے احکام کے خلاف نہیں۔ تو وہ خواہ کیسے ہی ہوں میں تمہیں ان سے الگ کر لوں گا۔ کیونکہ قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہی ہوگا جسے وہ دنیا میں چاہتا تھا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایمان والوں اور نیک عمل والوں کو میں اپنے صالح بندوں میں ملا دوں گا۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں اتریں جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔ یہ اس لئے اتریں کہ میری ماں نے مجھ سے کہا کہ اے سعد! کیا اللہ کا میرے ساتھ نیکی کرنے کا حکم نہیں؟ اگر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار نہیں کرے گا تو واللہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر غذا حلق میں پہنچا دیتے تھے۔ پس یہ آیت اتری۔ (ترمذی وغیرہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ط وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ط اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب راہ اللہ میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا (عظیم) سمجھ جاتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب اور اگر (کبھی کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے رب کی طرف سے آ پہنچی ہے تو (اس وقت) کہتے ہیں کہ ہم تو (دین عقیدے میں) تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ (یعنی ان کے دل میں ہی ایمان نہ تھا) اور یہ واقعات اس لئے ہوتے رہتے کہ اللہ تعالیٰ تو ایمان والوں کو معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا ○

یہ کمزور دل منافق:

ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو زبانی ایمانی دعویٰ کر لیتے ہیں۔ لیکن جہاں مخالفین کی طرف سے کوئی دکھ پہنچا یا اسے اللہ کا عذاب سمجھ کر مرتد ہو جاتے ہیں۔ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے کئے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ (سورۂ حج:۱۱) یعنی بعض لوگ ایک کنارے کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر راحت ملی تو مطمئن ہو گئے اور اگر مصیبت پہنچی تو منہ پھیر لیا الخ۔ یہاں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غنیمت ملی تو اپنا دیندار ہونا ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ﴾ (سورۂ نساء:۱۴۱) وہ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر فتح ونصرت ہوئی' آواز لگانے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے نہیں ہیں؟ اور اگر کافروں کی بن آئی تو ان سے اپنی ساز باز جتانے لگتے ہیں کہ دیکھ ہم نے تمہارا ساتھ دیا اور تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہت ممکن ہے کہ اللہ اپنے نیک بندے کو بالکل ہی غالب کر دے۔ پھر تو یہ اپنی اس چھپی ہوئی حرکت پر خوب نادم ہو جائیں۔ یہاں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ جہاں زبانی بات جانتا ہے وہاں قلبی بات بھی اسے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلائیاں برائیاں پہنچا کر نیک و بد کو مومن و منافق کو الگ الگ کر دے گا۔ نفس کے پرستار نفع کے خواہاں یکسو ہو جائیں گے اور نفع اور نقصان میں ایمان کو نہ چھوڑنے والے ظاہر ہو جائیں گے۔

جیسے فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۂ محمد:۳۱) ہم تمہیں آزماتے رہا کریں گے۔ یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صابرین کو ہم دنیا کے سامنے ظاہر کر دیں تاکہ تمہاری خبریں دیکھ بھال لیں۔ احد کے امتحان کا ذکر کر کے فرمایا کہ اللہ مومنوں کو جس حالت پر وہ تھے رکھنے والا نہ تھا۔ جب تک کہ خبیث اور طیب کی تمیز نہ کر لے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ط

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم (دین میں) ہماری راہ پر چلو اور (قیامت میں تمہارے گناہ ہمارے ذمہ رہے حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں اور (البتہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے (ان) گناہوں کے ساتھ (ہی) کچھ گناہ اور (بھی لادے ہوں گے) یہ لوگ جیسی جیسی جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس (اور پھر سزا) ضرور ہوگی ○

ہذیان سرائی:

کفار قریش مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ان سے یہ بھی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر عمل کرو۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہماری گردن پر۔ حالانکہ یہ اصولاً غلط ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے۔ یہ بالکل دروغ گو ہیں۔ کوئی اپنے قرابت دار کے گناہ بھی اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ دوست دوست کو اس دن نہ پوچھے گا۔ ہاں یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے بوجھ بھی ان پر لادے جائیں گے۔ مگر وہ گمراہ ہونے والے بھی ہلکے نہ ہوں گے ان کے بوجھ سے جیسے فرمان ہے: ﴿لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ﴾ (سورۂ نحل: ۲۵) یعنی اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں بہکایا تھا۔ ان کے بہکانے کا بھی گناہ ان پر ہوگا[1]۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کا جتنا ثواب ہوگا اتنا ہی اس ایک کو ہوگا۔ لیکن اس کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں اسی طرح جس نے برائی پھیلائی۔ اس پر جو بھی عمل پیرا ہوں' ان سب کو جتنا گناہ ہوگا' اتنا ہی اس ایک کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور حدیث میں ہے کہ زمین پر جتنی خونریزیاں ہوتی ہے' حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا جس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کیا تھا' اس پر اس خون کا وبال پڑتا ہے۔ اس لئے کہ ظلماً قتل اسی سے شروع ہوا۔ ان کے تمام بہتان جھوٹ افتراء کی ان سے باز پرس ہوگی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تمام رسالت پہنچادی۔ آپ نے بھی فرمایا ہے کہ ظلم سے بچو۔ کیونکہ قیامت والے دن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا مجھے اپنی عزت کی اور جلال کی قسم آج ایک ظلم کو بھی نہ چھوڑوں گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ فلاں ابن فلاں کہاں ہے؟ وہ آئے گا اور پہاڑ کے پہاڑ نیکیوں کے اسکے ساتھ ہونگے۔ یہاں تک کہ اہل محشر کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں گی۔ وہ اللہ کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر منادی ندا کرے گا' اس کی طرف کسی کا کوئی حق ہو اس نے کسی پر ظلم کیا ہو؟ وہ آجائے اور اپنا بدلہ لے لے۔ اب تو ادھر ادھر سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اسے گھیر کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے ان بندوں کو انکے حق دلواؤ' فرشتے کہیں گے' خدایا کیسے دلوائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسکی نیکیاں لو اور انہیں دو۔ چنانچہ یوں ہی کیا جائیگا یہاں تک کہ ایک نیکی بھی باقی نہیں رہے گی اور ابھی بعض مظلوم اور حقدار باقی رہ جائیں گے۔ اللہ

[1] گویا کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ بات اس طرح ہوئی کہ کسی کے گناہ کو اپنے ذمہ لے لے۔ یعنی مجرم کو چھوڑ کر غیر مجرم کو سزا دے دی جائے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور اگر کسی شخص نے دوسری کو جرم کی ترغیب دی۔ تو ترغیب دینے والے کو ترغیب دینے کا گناہ اور اس کا عذاب بھگتنا پڑے گا اور کرنے والے کو اس گناہ کے کرنے کا یہ قانون دنیا کی عدالتوں کے بھی مطابق ہے۔

تعالیٰ فرمائے گا انہیں بھی بدلہ دو۔ فرشتے کہیں گے اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ ان کے گناہ اس پر لادو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھبرا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا ﴾ ابن ابی حاتم میں ہے حضور نے فرمایا: اے معاذ! قیامت کے دن مؤمن کی تمام کوششوں سے سوال کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے سرمے سے اور اس کی مٹی کے گوندھنے سے بھی دیکھ کر ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی اور تیری نیکیاں لے جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (اور قوم کو سمجھاتے رہے) پھر (جب اس پر بھی وہ باز نہ آئے تو) ان کو طوفان نے آ دبایا۔ وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔ پھر (اس طوفان آنے کے بعد) ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو (اس طوفان سے) بچالیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا ○

ایک ہزار سال مسلسل تبلیغ:

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے۔ آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ حضرت نوحؑ اتنی لمبی مدت تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ وہ دن رات پوشیدہ اور ظاہر ہر ہر طرح انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن وہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں ہی بڑھتے گئے۔ بہت کم لوگ آپ پر ایمان لائے آخر کار اللہ کا غضب ان پر بصورت طوفان آیا اور انہیں تہس نہس کر دیا۔ تو اے پیغمبر آخر الزمان آپ اپنی قوم کی تکذیب کو نیا خیال نہ کریں۔ آپ اپنے دل کو رنجیدہ نہ کریں۔ ہدایت وضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنم میں جانا طے ہو چکا ہے۔ انہیں تو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا' چاہے تمام نشانیاں دیکھ لیں۔ لیکن انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ بالآخر جیسے نوحؑ کو نجات ملی اور قوم ڈوب گئی۔ اسی طرح آخر میں کامیابی آپ ہی کو ہوگی اور آپ کے مخالفین ناکام ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نوح علیہ السلام کو نبوت ملی اور نبوت کے بعد ساڑھے نو سو سال تک آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ طوفان کی عالم گیر تباہی کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ یہاں تک کہ بنو آدم کی نسل پھیل گئی اور دنیا میں بہ بکثرت نظر آنے لگے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: حضرت نوحؑ کی عمر کل ساڑھے نو سو سال تھی۔ تین سو سال تو آپ کے کسی دعوت کے بغیر ان میں گزرے۔ تین سو سال تک اللہ کی طرف اپنی قوم کو بلاتے رہے اور ساڑھے تین سو سال طوفان کے بعد زندہ رہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے رہے۔ عون ابن ابی شداد کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی' اس وقت اللہ تعالیٰ کی وحی آپ کو آئی۔ اس کے بعد ساڑھے نو سو برس تک آپ لوگوں کو کلام اللہ پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد پھر ساڑھے تین سو سال کی اور عمر پائی۔ لیکن یہ بھی غریب قول ہے۔ زیادہ ٹھیک حضرت ابن عباسؓ کا قول نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ ابن عمرؓ نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ حضرت نوحؑ اپنی قوم میں کتنی مدت تک

رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے نو سو سال۔ آپ نے فرمایا: پھر اس وقت سے لوگوں کے اخلاق ان کی عمریں اور عقلیں آج تک گھٹتی ہی چلی آئیں۔ جب قوم نوح پر غضب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی کو اور ایمان والوں کو جو آپ کے ساتھ آپ کے حکم سے طوفان سے پہلے کشتی میں سوار ہو چکے تھے، بچا لیا۔ سورۂ ہود میں اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے۔ اس لئے ہم یہاں دوبارہ ذکر نہیں کرتے۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ تو خود اس کشتی کو جیسے حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ اول اسلام تک وہ جودی پہاڑ پر تھی۔ یا یہ کہ اس کشتی کو دیکھ کر پھر پانی کے سفر کے لئے جو کشتیاں لوگوں نے بنائیں ان کو دیکھ کر اللہ کا وہ بچانا یاد آ جاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ (سورۂ یٰسین: ۴۱) ہماری قدرت کی ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کو نسل کو بھری ہوئی کشتی میں بٹھا لیا اور ہم نے ان کے لئے اور بھی اس جیسی سواریاں بنا دیں الخ۔ سورہ الحاقہ میں فرمایا کہ جب پانی کا طوفان آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا اور اس واقعہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیا تاکہ جن کانوں کو اللہ کو یاد رکھنے کی طاقت دی ہے وہ یاد رکھیں۔ یہاں محض سے جنس کی طرف چڑھاؤ لیا ہے۔ جیسے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ (سورۂ ملک: ۵) والی آیت میں کہ آسمان دنیا کے ستاروں کا باعث زینت آسمان ہونا بیان فرما کر ان کی نوعیت کے شیطانوں کا رجم ہونا بیان فرمایا ہے۔

آیت میں انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ذکر کر کے فرمایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفے کی شکل میں قرارگاہ میں کر دیا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں ھا کی ضمیر کا مرجع عقیدت اور سزا کو کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (یہاں یہ خیال رہے کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں شروع تفسیر میں کچھ عبارت زیادہ ہے جو بعض نسخوں میں نہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کا ساڑھے نو سو سال تک کا آزمایا جانا بیان کیا اور ان کی قوم کو ان کی اطاعت کے ساتھ آزمانا بتلایا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد جلا دیا۔ پھر قوم ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی طاعت و متابعت نہ کی۔ پھر لوط علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا اور ان کی قوم کا حشر بیان فرمایا۔ پھر حضرت شعیبؑ کی قوم کے واقعات سامنے رکھے۔ پھر عادیوں، ثمودیوں، قارونیوں، فرعونیوں، ہامانیوں وغیرہ کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اور اس کو ایک نہ ماننے کی وجہ سے انہیں بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ پھر اپنے پیغمبر اعظم المرسلین ﷺ کے مشرکین اور منافقین سے تکالیف اٹھانے کا ذکر کیا اور آپ کو حکم فرمایا کہ اہل کتاب سے بہترین طریقہ پر مناظرہ کریں۔)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق اللہ کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور تم لوگ مجھ کو جھوٹا سمجھو تو میرا کچھ نقصان نہیں کیونکہ) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے پیغمبروں کو جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور (ان کا بھی کچھ نقصان نہیں ہوا وجہ اس کی یہ ہے کہ پیغمبر کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے ○

ابراہیم علیہ السلام:

امام الموحدین ابوالمرسلین خلیل اللہ علیہ الصلوات کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید اللہ کی دعوت دی۔ ریاکاری سے بچنے اور دل میں پرہیزگاری قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کرنے کو فرمایا اور اس کا نفع بھی بتلایا کہ دنیا و آخرت کی برائیاں اس سے دور ہو جائیں گی اور دونوں جہان کی نعمتیں اس سے مل جائیں گی۔ ساتھ ہی انہیں بتلایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کر رہے ہو یہ تو بے ضرر اور بے نفع ہیں۔ تم نے آپ ہی ان کے نام اور ان کے اجسام تراش لئے ہیں۔ وہ تو تمہاری طرح مخلوق ہیں بلکہ تم سے بھی کمزور ہیں۔ یہ تمہاری روزیوں کے بھی مختار نہیں۔ اللہ ہی سے روزی طلب کرو۔ اسی حصر کے ساتھ آیت: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (سورۂ فاتحہ: ۴) بھی ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعا میں ہے: ﴿رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ (سورۂ تحریم: ۱۱) اے اللہ میرے لئے اپنے پاس ہی جنت میں مکان بنا۔ چونکہ اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا۔ اس لئے تم اس سے روزی طلب کرو اور جب اس کی دی ہوئی روزی کھاؤ تو اس کے سوا دوسرے کی عبادت بھی نہ کرو۔ اس کی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ۔ تم میں سے ہر ایک اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ وہ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ دیکھو مجھے جھوٹا کہہ کر خوش نہ ہو لو۔ نظریں ڈالو کہ تم سے پہلے جنہوں نے نبیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ ان کی کیسی درگت بنی۔ یاد رکھو نبیوں کا کام صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ ہدایت عدم ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خود کو سعادت مندوں میں بناؤ۔ بدبختوں میں شامل نہ کرو۔ حضرت قتادہؒ تو فرماتے ہیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید تشفی کی گئی ہے۔ اس مطلب کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پہلا کام تو ختم ہوا اور یہاں سے لے کر ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ﴾ تک یہ سب عبارت بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ ابن جریر نے تو کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے۔ لیکن الفاظ قرآن سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کلام حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا ہے۔ آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس تمام کلام کے بعد آپ کی قوم کا جواب ذکر ہوا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ

ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

کیاان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اوّل بار پیدا کرتا ہے (کہ عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے۔ آپ (ان لوگوں سے کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اوّل بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے گا عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے رحمت فرمادے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر اللہ کو) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور (بالخصوص) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں۔ وہ لوگ (قیامت میں) میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا ○

نشاۃ آخرہ:

دیکھتے ہیں کہ وہ کچھ نہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا۔ لیکن تاہم مر کر جینے کے قائل نہیں۔ حالانکہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں جو ابتداً پیدا کر سکتا ہے۔ اس پر دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔

پھر انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ تم زمین کی اور نشانیوں پر غور کرو۔ آسمانوں کو ستاروں کو زمینوں کو پہاڑوں کو درختوں کو جنگلوں کو نہروں کو دریاؤں سمندروں کو پھلوں کو کھیتوں کو دیکھو تو سہی کہ یہ سب کچھ کچھ نہ تھا۔ پھر اللہ نے سب کو کچھ کر دیا کیا تمام نشانیاں اللہ کی قدرت کی تم پر ظاہر نہیں کرتیں؟ ہم نہیں دیکھتے کہ اتنا بڑا صانع وقدیر اللہ کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ وہ تو ہو جا کے کہنے سے تمام کو رچا دیتا ہے۔ وہ خود مختار ہے اسے اسباب اور سامان کی ضرورت نہیں۔ اسی مضمون کو اور جگہ فرمایا کہ وہی نئی پیدائش میں پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت آسان ہے۔ پھر فرمایا: زمین میں چل پھر کر دیکھو اللہ تعالیٰ نے ابتدائی پیدائش کس طرح کی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن کی دوسری پیدائش کی کیا کیفیت ہوگی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسے فرمایا: ہم انہیں دنیا کے ہر حصے میں اور خود ان کی اپنی جانوں میں اپنی نشانیوں اس قدر دکھائیں گے کہ ان پر حق ظاہر ہو جائے اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ (سورۂ طور: ۳۵) کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے یا وہی اپنے خالق ہیں کچھ نہیں یہ بے یقین لوگ ہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے۔ وہ حاکم ہے' قبضے والا ہے' جو چاہتا ہے جو ارادہ کرتا ہے کر دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ کوئی اس کے ارادے کو بدل

نہیں سکتا۔ کوئی اس سے چون چرا کر نہیں سکتا وہ سب پر غالب ہے جسے چاہے پوچھ لے سب اس کے قبضے میں ہیں اس کی ملک میں ہیں خلق کا خالق امر کا مالک وہی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا سراسر عدل ہے۔ اس لئے کہ وہی مالک ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے۔

حدیث شریف میں ہے اگر اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں والوں کو عذاب کرے تب بھی وہ ظالم نہیں عذاب اور رحم سب اسی کی چیزیں ہیں۔ سب کے سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اسی کے سامنے حاضر ہو کر پیش ہوں گے۔

زمین والوں میں سے اور آسمان والوں میں سے کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ بلکہ سب پر وہی غالب ہے۔ ہر ایک اس سے کانپ رہا ہے۔ سب اس کے در کے فقیر ہیں اور وہ سب سے غنی ہے۔ تمہارا کوئی ولی اور مددگار اس کے سوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرنے والے اس کی ملاقات کو نہ ماننے والا اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اور ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک المناک عذاب ہیں۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

سو (ابراہیمؑ کی اس تقریر دلپذیر کے بعد) ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو یا قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو (چنانچہ جلانے کا سامان کیا) سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچا لیا۔ بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں نشانیاں ہیں اور ابراہیمؑ نے (وعظ میں بھی) فرمایا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے بس یہ تمہارے دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے۔ پھر قیامت میں تمہارا یہ حال ہے کہ (تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہو گا ○

دھمکیاں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مدلل وعظ بھی ان لوگوں کے دلوں پر اثر نہ کر سکا اور انہوں نے یہاں بھی اپنی اس شقاوت کا مظاہرہ کیا جواب تو ان دلیلوں کا دے نہیں سکتے تھے۔ لہذا اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور اپنی طاقت سے سچ کو دبانے لگے کہنے لگے ایک گڑھا کھودو۔ اس میں آگ بھڑکاؤ اور اس آگ میں اسے ڈال دو۔ کہ جل جائے۔ لیکن اللہ نے ان کے اس مکر کو ان ہی پر لوٹا دیا۔ مدتوں تک لکڑیاں جمع کرتے رہے اور ایک گڑھا کھود کر اس کے اردگرد دیواریں کھڑی کر کے لکڑیوں میں آگ لگا دی جب اس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے اور اتنی آگ زور کی روشن ہوئی کہ زمین پر کبھی اتنی آگ نہیں دیکھی نہیں گئی۔ تو حضرت ابراہیم کو پکڑ کر باندھ کر منجنیق میں

ڈال کر جلا کر اس آگ میں ڈال دیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے خلیلؑ پر باغ و بہار بنا دیا۔آپ کئی دن کے بعد صحیح سالم اس میں سے نکل آئے۔یہ اور اس جیسی اور قربانیاں تھیں جن کے باعث آپ کو امامت کا منصب عطا ہوا۔اپنا نفس آپ نے رحمان کے لئے' اپنا جسم آپ نے میزان کے لئے اپنی اولاد کو قربان کے لئے' اپنا مال آپ نے مہمان کے لئے کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام دین والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آگ کو آپ کے لئے باغ بنا دیا۔اس واقعہ میں ایمانداروں کے لئے قدرت اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جن بتوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے۔یہ سب کھیل دنیا تک ہی ہے۔مَوَدَّةَ زبر کے ساتھ مفعول بہ ہے۔ایک قراءت میں پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی تمہاری یہ بت پرستی تمہارے لئے گو دنیا کی محبت حاصل کر دے۔لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا۔مودت کی جگہ نفرت اور اتفاق کی بدلے اختلاف ہو جائے گا۔ایک دوسرے سے جھگڑو گے۔ایک دوسرے پر الزام رکھو گے۔ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔ایک دوسرے گروہ پر پھٹکار برسائے گا۔سب دوست دشمن بن جائیں گے۔ہاں پرہیزگار نیک کار آج بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست رہیں گے۔کفار سب کے سب میدان قیامت کی ٹھوکریں کھا کھا کر بالآخر جہنم میں جائیں گے۔کوئی اتنا بھی نہ ہوگا کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکے۔حدیث میں ہے کہ تمام اگلے پچھلوں کو اللہ تعالیٰ ایک میدان میں جمع کرے گا' کون جان سکتا ہے کہ دونوں سمت میں سے کس طرف؟ حضرت ام ہانی نے جو حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں' جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ علم والا ہے۔پھر ایک منادی عرش تلے سے آواز دے گا کہ موحدو! تو توحید والے اپنا سر اٹھائیں گے۔پھر یہی آواز لگائے گا پھر سہ بار یہی پکارے گا اور کہے گا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام لغزشوں سے درگزر فرمالیا۔اب لوگ کھڑے ہوں گے اور آپس کی ناچاقیوں اور لین دین کا مطالبہ کرنے لگیں گے۔تو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے آواز دی جائے گی کہ اے اہل توحید تو آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دو تمہیں اللہ تعالیٰ بدلے دے گا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷

سو (اتنے وعظ پر بھی ان کی قوم نہ مانی) صرف لوطؑ نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اپنے پروردگار کی (بتلائی ہوئی جگہ کی) طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا وہ بے شک زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے تو (ہجرت کے بعد) ان کو اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی (بڑے درجے کے) نیک بندوں میں ہوں گے ○

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان:

کہا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔لوط بن ہارون بن آذر۔آپ کی ساری قوم میں سے ایک تو حضرت لوطؑ ایمان لائے تھے اور ایک حضرت سارہ' جو آپ کی بیوی تھیں۔ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کی بیوی صاحبہ

اس ظالم بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کے ذریعے اپنے پاس بلوایا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ دیکھو میں نے اپنا رشتہ تم سے بھائی اور بہن کا بتلایا ہے تم بھی یہی کہنا۔ کیونکہ اس وقت دنیا میں میرے اور تمہارے سوا کوئی مؤمن نہیں تو ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ کوئی میاں بیوی ہمارے سوا ایماندار نہیں۔ حضرت لوطؑ آپ پر ایمان تو لائے تھے۔ مگر اسی وقت ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے پھر اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیج دیئے گئے۔ جیسا کہ بیان گزرا اور کچھ تفصیل آئندہ آئے گی۔ ہجرت کا ارادہ یا تو حضرت ابراہیمؑ نے کیا جیسا کہ ابن عباسؓ اور ضحاک کا بیان ہے۔ تو گویا حضرت لوطؑ کے ایمان لانے کے بعد آپ نے اپنی قوم سے دست برداری کر لی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اور کسی جگہ جاؤں۔ شاید وہاں کے لوگ ایمان لے آئیں۔ عزت اللہ کی' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مؤمنوں کی ہے۔ حکمت والے اقوال افعال تقدیر شریعت اللہ کی ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں: آپ کوفے سے ہجرت کر کے شام کی طرف گئے۔ حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد ملی ہجرت حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کی طرف ہو گی۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔ جنہیں زمین تھوک دے گی اور اللہ ان سے نفرت کرے گا۔ انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ لئے پھرے گی۔ راتوں کو دنوں کو انہی کے ساتھ رہے گی اور ان کی جھڑن کھاتی رہے گی اور روایت میں ہے' جو ان میں سے پیچھے رہے گا یہ آگ کھا جائے گی اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا[1]۔ ان کے ایک جتھے کے خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہو گا۔ یہاں تک کہ آپ نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم مسلمان بھائی کے لئے درہم و دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی دولت اپنے بھائی ہی کی سمجھتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی' میں نے حضور سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے[2] اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور اللہ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا۔ جو اس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے' جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کر لو۔ پھر وہی حدیث بیان کی' جو اوپر بیان کی اور فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے۔ قرآن ان کے حلقوم سے نہیں نیچے نہیں گزرے گا' ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دینا۔ پھر نکلیں گے پھر مار ڈالنا۔ پھر ظاہر ہوں پھر قتل کر دینا۔ وہ خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے' جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے۔ جب ان کے گروہ نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے گا۔ پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے۔ اسی طرح حضور نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ نامی دیا اور اسحاق کو یعقوبؑ نامی۔ جیسے فرمان ہے کہ جب خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور ان معبودوں کو چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسحاق اور یعقوب دیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ پوتا بھی آپ کی موجودگی میں ہو جائے گا۔ اسحٰق بیٹے تھے اور یعقوب زائد تھے اور آیت میں ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی صاحبہ کو اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی بشارت دی۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ صرف پڑھیں گے اور قرآن کی تعلیمات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

[2] حدیث میں بیلوں کا ذکر کسی خاص وجہ سے پیش نظر نہیں بلکہ شاید اس وقت کچھ مخصوص لوگ زراعت میں زیادہ لگ گئے ہوں گے۔ اس لئے آپ نے ایسا فرمایا کہ مشاغل جو انسان کی زندگی پر اس طرح چھائیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا خیال تک باقی نہ رہے مذموم ہیں وہ کسی قسم کے مشاغل ہوں جن لوگوں نے اس حدیث سے زراعت کی مذمت سمجھی' انہوں نے کوئی حدیث فہمی کا صحیح ثبوت نہیں دیا۔

فرمایا کہ قوم کے چھوڑنے کے بدلے اللہ تم کو بہت سی جزا دیں گے۔ وہ کچھ دیں گے جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق کے فرزند تھے۔ یہی سنت سے ثابت ہے۔ قرآن کی اور آیت میں ہے کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کی موت کا وقت آیا' تو وہ اپنے لڑکوں سے کہنے لگے: تم میری بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: آپکے اور آپ کے والد ابراہیم اسماعیل اسحٰق کے معبود کی جو یکتا اور واحد لاشریک ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کریم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ابن عباسؓ سے جو نقل ہے کہ اسحٰق و یعقوب حضرت ابراہیم کے فرزند تھے۔ اس سے مراد فرزند کے فرزند کو فرزند کہہ دینا ہے۔ یہ نہیں کہ صلبی فرزند دونوں تھے۔ ابن عباسؓ تو کہاں' ادنیٰ آدمی بھی ایسی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے انہی کی اولاد میں کتاب و نبوت رکھ دی۔ خلیل کا خطاب انہیں کیا گیا۔ پھر ان کے بعد انہی کی نسل میں نبوت و حکمت رہی۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ تک تو یہ سلسلہ چلا بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر نے اپنی امت کو صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں بھی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل سید اولاد آدم کی بشارت دیتا ہوں۔ جنہیں اللہ نے چن لیا ہے۔ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ ہم نے انہیں دنیا کے ثواب بھی دیئے اور آخرت کی نیکیاں بھی عطا فرمائیں۔ دنیا میں رزق واسع جگہ پاک بیوی نیک ثنا جمیل اور ذکر حسن دیا۔ ساری دنیا کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی۔ باوجودیکہ اپنی اطاعت کی توفیق روز بروز اور زیادہ دی یہ کامل اطاعت گزاری توفیق کے ساتھ دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی صالحین میں رکھا۔ جیسے فرمان ہے: ابرہیم جماعت فرمانبردار سے تھا' موحد تھا۔ مشرکوں میں نہ تھا۔ آخرت میں بھلے لوگوں کا ساتھی ہوا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں نہیں کی۔ کیا تم مردوں سے فعل کرتے ہو (وہ بے حیائی کا کام یہی ہے) اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور (غضب یہ ہے) کہ اپنی بھری مجلس میں) معقول حرکت کرتے ہو۔ سو ان کی قوم کا (آخرت) جواب بس یہ تھا کہ تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم (اس بات میں سچے ہو کہ یہ افعال موجب عذاب ہیں) لوط (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب (اور ان کو عذاب سے ہلاک) کردے ○

لوط علیہ السلام کی تنبیہ:

لوطیوں کی مشہور بد خصلتی سے حضرت لوط انہیں روکتے ہیں کہ تم جیسی خباثت تم سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ کفر، تکذیب رسول، مخالفت حکم اللہ تو خیر اور بھی کرتے رہے مگر مردوں سے شہوت رانی تو کسی نے بھی نہیں کی۔ دوسری بد خصلت ان میں یہ تھی کہ راستے روکتے تھے۔ ڈاکے ڈالتے تھے۔ قتل وفساد کرتے تھے۔ مال لوٹ لیتے تھے۔ مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو روکتا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ وہ لواطت بھی علی الاعلان کرتے تھے۔ گویا سوسائٹی کا ایک مشغلہ یہ بھی تھا۔ ہوائیں نکال کر ہنستے تھے۔ مینڈھے لڑواتے تھے۔ مرغ لڑواتے اور بدترین برائیاں کرتے تھے اور علی الاعلان مزے لے لے کر گناہ کرتے تھے۔ حدیث میں ہے راہ میں آوازکشی کرتے تھے اور کنکر پھینکتے رہتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے۔ کبوتر بازی کرتے تھے۔ ننگے ہو جاتے تھے۔ کفر عناد سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ نبیؑ کے سمجھانے پر کہنے لگے: جا جا بس نصیحت چھوڑ، جس عذاب سے ڈرا رہا ہے اسے لے آ، ہم بھی تیری سچائی دیکھیں۔ عاجز آ کر لوط علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے کہ خدایا ان مفسدوں پر مجھے غلبہ دے میری مدد کر۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڒ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڒ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہمارے وہ بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو (اثنائے گفتگو میں) ان فرشتوں نے (ابراہیمؑ سے) کہ ہم ان بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ (بھی موجود) ہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں (رہتے ہیں) ہم سب جانتے ہیں ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین کو بچا لیں گے۔ سوائے ان کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہنے والوں میں سے ہوگی۔ یہ گفتگو تو ابراہیمؑ سے ہوئی اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر جب ہمارے وہ فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے اور فرشتوں نے جب یہ حال دیکھا تو فرشتے کہنے لگے کسی بات کا آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں کہ ہم آپ کے اور آپ کے خاص متعلقین

کو بچالیں گے۔ مگر آپ کی بی بی کو وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوں گی (اور آپ کو مع متعلقین اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (بقیہ) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشانی (اب تک) رہنے دیئے ہیں ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ○

ملائکہ کی خلیل اللہ (علیہ السلام) سے گفتگو:

حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ بشکل انسانی۔ یہ فرشتے پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیمؑ کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور ان کے سامنے لا رکھا۔ جب یہ دیکھا کہ انہیں اس کی رغبت نہیں تو دل ہی میں خوفزدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کر دی اور خبر دی کہ ایک نیک بچہ ان کے ہاں پیدا ہوں گا۔ حضرت سارہؑ جو وہاں موجود تھیں یہ سن کر تعجب کرنے لگیں۔ جیسے کہ سورہ ہود اور سورہ حجر میں مفصل تفسیر گزر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا جسے سن کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو خیال آیا کہ وہ لوگ کچھ اور ڈھیل دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آ جائیں۔

اس لئے فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بے شک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہیں۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب البلوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے انہیں دیکھتے ہی لوط علیہ السلام شش و پنج میں پڑ گئے کہ انہیں پاس ٹھہراتے ہیں، تو ان کی خبر پاتے ہی کفار چڑھ کر آ جائیں گے اور مجھے بھی تنگ کریں گے اور انہیں پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لئے رنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کر دی کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ رنجیدہ نہ ہوئے۔ ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ انہیں غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھا دیا جائے گا۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیا پھر ان پر ان کے نام کے نشان دار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب اللہ کو وہ دور سمجھ رہے تھے وہ بالکل قریب ہی نکل آیا ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے گندے اور بدبودار پانی کی جھیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور عقل مند لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان (کی برادری) کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی

عبادت کرو (اور شراب چھوڑ دو) اور روز قیامت سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سوان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر رہ گئے ○

مدین کی سرزمین پر ایک پیغمبر کی پکار:

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے سچے رسول حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین میں اپنی قوم کو وعظ کیا۔ انہیں اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کی عبادت کا حکم دیا۔ انہیں اللہ کے عذاب سے اور اس کی سزاؤں سے ڈرایا۔ انہیں قیامت کے ہونے کا یقین دلا کر فرمایا کہ اس دن کے لئے کچھ تیاریاں کرلو۔ اس دن کا خیال رکھو۔ لوگوں پر ظلم وزیادتی نہ کرو۔ اللہ کی زمین میں فساد نہ کرو۔ برائیوں سے الگ رہو۔ ان میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ لوگوں کے حق مارتے ڈاکے ڈالتے تھے۔ رستے بند کر دیتے تھے۔ ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نصیحتوں پر کان تک نہ دھرا بلکہ انہیں جھوٹا کہا اس بنا پر ان پر عذاب اللہ برس پڑا۔ سخت بھونچال آیا اور ساتھ ہی اتنی تند وتیز آواز آئی کہ دل پھٹ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں اور گھڑی کی گھڑی میں سب کا ڈھیر ہو گیا ان کا پورا واقعہ سورہ اعراف اور سورہ شعراء میں گزر چکا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۛ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ۙ۳۸ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۛ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ۚ۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی (ان کے عناد وخلاف کی وجہ سے) ہلاک کیا اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے اور حالت ان کی یہ تھی کہ شیطان نے اُنکے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور (اس ذریعہ سے) ان کو راہ (حق) سے باز رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان (تینوں) کے پاس موسیٰؑ کھلی دلیلیں (حق کی) لے کر آئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور (ہمارے عذاب سے) بھاگ نہ سکے۔ تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آ دبایا اور ان میں بعضوں کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعضوں کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے ○

عاد وثمود:

عاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی۔ احقاف میں رہتے تھے۔ جو یمن کے شہروں میں حضر موت کے قریب ہے۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے۔ یہ حجر میں بستے تھے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔ عرب کے راستے میں ان کی بستی آتی تھی۔ جسے یہ بخوبی جانتے تھے۔ قارون ایک دولت مند شخص تھا۔ جس کے بھرپور خزانوں کی کنجیاں ایک جماعت اٹھاتی تھی۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نبی ہو کر اس طرف گئے تھے۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے۔ جب ان کی سرکشی حد سے گزر گئی۔ اللہ کی توحید کے منکر ہو گئے۔ رسولوں کو ایذائیں دیں اور ان کی نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو طرح طرح کے عذاب سے ہلاک کیا۔ عادیوں پر ہوائیں بھیجیں۔ انہیں اپنی قوت و طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کسی کو اپنے مقابلے نہ جانتے تھے ان پر ہوا بھیجی جو بڑی تیز و تند تھی۔ جو ان پر زمین کے پتھر اڑا اڑا کر برسانے لگی۔ بالآخر زور پکڑتے پکڑتے یہاں تک بڑھ گئی کہ انہیں اچک لے جاتی اور آسمان کے قریب لے جا کر پھر گرا دیتی۔ سر کے بل گرتے اور سر الگ ہو جاتا اور ایسے ہو جاتے جیسے کھجور کے درخت جن کے تنے الگ ہوں اور شاخیں جدا ہوں۔ ثمودیوں پر حجت خداوندی پوری ہوئی۔ دلائل دیئے گئے۔ ان کی طلب کے موافق پتھر میں سے ان کے دیکھتے ہوئے اونٹنی نکلی لیکن ان کو پھر بھی ایمان نصیب نہ ہوا۔ بلکہ سرکشی میں بڑھتے رہے۔ اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو دھمکانے اور ڈرانے لگے اور ایمانداروں سے بھی کہنے لگے کہ ہمارے شہر چھوڑ دو۔ ورنہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ انہیں ایک چیخ نے پارہ پارہ کر دیا۔ دل دہل گئے' کلیجے اڑ گئے اور سب کی روحیں نکل گئیں۔ قارون نے سرکشی اور تکبر کیا۔ رب الاعلیٰ کی نافرمانی کی۔ زمین میں فساد مچا دیا۔ اکڑ اکڑ کر چلنے لگا۔

پس اللہ نے اسے مع اس کے محلات کے زمین دوز کر دیا۔ جو آج تک دھنستا چلا جا رہا ہے۔ فرعون ہامان اور ان کے لشکروں کو صبح ہی صبح ایک ہی ساعت میں دریا برد کر دیا۔ ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو ان کا نام تو کبھی لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو کچھ کیا کچھ ان پر ظلم نہ تھا بلکہ ان کے ظلم کا بدلہ تھا' ان کے کرتوت کا پھل تھا۔ ان کی کرنی کی بھرنی تھی۔ یہ بیان یہاں بطور لف و نشر کے ہے۔ اولاً جھٹلانے والی امتوں کا ذکر ہوا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو عذاب سے ہلاک کرنے کا۔ کسی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جن پتھروں کا مینہ برسانے کا ذکر ہے ان سے مراد لوطی ہیں اور غرق کی جانے والی قوم قوم نوح ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ ابن عباسؓ سے یہ منقول تو ہے لیکن سند میں انقطاع ہے۔ ان دونوں قوموں کی ہلاکت کا ذکر اسی صورت میں بتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ پھر بہت سے فاصلے کے بعد بیان ہوا ہے۔ قتادہ سے یہ بھی نقل ہے کہ پتھروں کا مینہ جن پر برسایا گیا' ان سے مراد لوطی ہیں اور جنہیں چیخ سے ہلاک کیا گیا ان سے مراد قوم شعیب ہے لیکن یہ قول بھی ان آیتوں سے دور دراز ہے۔ واللہ اعلم۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞۴۱ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞۴۲ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۞۴۳

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کرر کھے ہیں ان لوگوں کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے۔جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔اگر وہ (حقیقت حال کو) پہنچانتے تو ایسا نہ کرتے۔اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں (کی حقیقت اور صنعت) کو جانتا ہے جس جس کو وہ لوگ اللہ کے سوا پوج رہے ہیں (پس وہ چیزیں تو نہایت ضعیف ہیں) اور وہ (اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں ○

بیت عنکبوت:

جو لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سوا اوروں کی پرستش کرتے ہیں اور پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ان کی کمزوری اور حماقت کا بیان ہو رہا ہے یہ ان سے مدد روزی اور سختی میں کام آنے کے امیدوار رہتے ہیں۔ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش اور دھوپ اور سردی سے پناہ چاہے۔اگر ان میں علم ہوتا تو یہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں وابستہ نہ کرتے۔پس ان کا حال ایمانداروں کے حال کے بالکل برعکس ہے۔وہ ایک مضبوط ستون کو تھامے ہوئے ہیں اور یہ مکڑی کے جالے میں سر چھپائے ہوئے ہیں۔اس کا دل اللہ کی طرف اس کا جسم اعمال صالح کی طرف مشغول ہے اور اس کا دل مخلوق کی طرف اور جسم اس کی پرستش کی طرف جھکا ہوا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ڈرا رہا ہے کہ وہ ان سے ان کے شرک سے اور ان کے جھوٹے معبودوں سے خوب آگاہ ہے۔انہیں ان کی شرارت کا وہ مزہ چکھائے گا کہ یاد کریں گے۔انہیں ڈھیل دینے میں بھی اس کی مصلحت و حکمت ہے۔نہ یہ کہ وہ علیم اللہ ان سے بے خبر ہو۔ہم نے تو مثالوں سے بھی مسائل سمجھا دیئے۔لیکن ان کے سوچنے سمجھنے کا مادہ ان میں غور و فکر کرنے کی توفیق صرف باعمل علما کو ہوتی ہے جو اپنے علم میں پورے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کی بیان کردہ مثالوں کو سمجھ لینا سچے علم کی دلیل ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے ایک ہزار مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی سمجھی ہیں (مسند احمد) اس سے آپ کی فضیلت اور آپ کی علمیت ظاہر ہے۔حضرت عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کا تفصیلی معنی مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے۔مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں اللہ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہو گئی۔کیونکہ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ع

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے استحقاق عبادت کی) بڑی دلیل ہے ○

یہ کائنات کھیل نہیں:

اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہی آسمانوں کا زمینوں کا خالق ہے۔اس نے انہیں کھیل تماشے کے طور پر یا لغو و بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ اس لئے کہ یہاں لوگوں کو بسائے پھر ان کی نیکیاں بدیاں دیکھے اور قیامت میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں سزا دے بروں کو ان کی بداعمالیوں پر سزا اور نیکوں کو ان کی نیکیوں پر بہترین بدلہ عنایت ہو۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

یہ کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اپ اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے بے شک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے ○

تعلیم قرآن' اقامت صلوٰۃ' خصوصیات نماز' ذکر اللہ اور خدائے علام الغیوب:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ایمانداروں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے رہیں اور اسے اوروں کو بھی سنائیں اور نماز پابندی سے پڑھتے رہا کریں۔ نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور نالائق حرکتوں سے باز رکھتی ہے[1]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نمازی کی نماز نے اسے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے باز نہ رکھا' وہ اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا: جسے اس کی نماز بے جا اور فحش کاموں سے نہ روکے' سمجھ لو کہ اس کی نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی اور روایت میں ہے کہ اللہ سے دور ہی ہوتا چلا جائے گا۔ ایک موقوف روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو نمازی بھلے کاموں والا اور برے کاموں سے بچنے والا نہ ہو سمجھ لو کہ اس کی نماز اسے اللہ سے اور دور کرتی جارہی ہے[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو نماز کی بات نہ مانے اس کی نماز نہیں نماز بے حیائی اور بدفعلیوں سے روک رہی ہے۔ اس کی اطاعت یہ ہے کہ ان واہی کاموں سے نمازی رک جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے جب ان کی قوم نے کہا کہ اے شعیبؑ کیا تمہیں تمہاری نماز حکم کرتی ہے؟ تو حضرت سفیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ہاں اللہ کی قسم نماز حکم بھی کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ سے کسی نے کہا فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: نماز اُسے نفع دیتی ہے جو اس کا کہا مانے۔ میری تحقیق میں اوپر جو مرفوع روایت بیان ہوئی ہے۔ اس کا بھی موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص نماز پڑھتا ہے لیکن چوری نہیں چھوڑتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز عنقریب اسکی یہ برائی اس سے چھڑا دے گی۔ چونکہ نماز کا ذکر اللہ کا نام ہے' اسی لئے اسکے بعد ہی فرمایا:

[1] مشہور ہے ہے کہ اطبا کے یہاں کہ فلاں دوا کی خصوصیت یہ ہے تاثیر یہ ہے کام یہ کرتی ہے دوا یہ فائدہ پہنچائے گی' بشرطیکہ اس طرح استعمال کی گئی اور پرہیز رکا گیا۔ اب اگر اس دوا کو طبیب کی ہدایت کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا۔ پرہیز نہ رکھا جس کی طرف حکیم نے توجہ دلائی تھی اور نتیجہ پھر خاطر خواہ نکلا نہیں تو الزام نہ طبیب پر ہے اور نہ دوا پر بلکہ کہئے غلطی سب کچھ بیمار کی ہے۔ اسی بدنظمی نے فائدہ وہ نہ پہنچنے دیا جو ہونا چاہئے تھا اب نماز کا ایک مزاج ہے ایک تاثیر ہے لیکن کچھ اس کی شرائط بھی ہیں۔ مثلاً کامل طہارت' خشوع خضوع' تمام ارکان کو بخوبی اور مکمل طور پر ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نماز میں کامل توجہ وغیرہ۔ اب اگر یہ سب چیزیں ملحوظ ہیں تو نماز سے یقیناً وہ فائدہ ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یعنی فحشاء اور برائیوں اور منکر (غیر پسندیدہ امور) سے بچائے گی۔ لیکن جب کہ ان چیزوں کی روایت نہیں رکھی گئی تو پھر یہ فائدہ کس طرح مرتب ہوگا۔

[2] جیسا کہ دوائی اگر غلط طرقہ پر استعمال ہو تو بجائے فائدہ کے اور نقصان پہنچائی ئے بلکہ اگر کھانا ہی غلط طریقہ پر ہو تو جزو بدن ہوتے کے بجائے معدہ کے نظام کو اس طرح فاسد کر دیتا ہے کہ ساری صحت خراب ہو جاتی ہے۔

یادِاللہ بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام باتوں سے اور تمہارے کل کاموں سے باخبر ہے۔ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نماز میں تین چیزیں ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نماز نماز نہیں اخلاص' خوف اللہ اور ذکر اللہ۔ اخلاص سے تو انسان نیک ہو جاتا ہے اور خوف اللہ سے انسان گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور ذکر اللہ یعنی قرآن اسے بھلائی برائی بتا دیتا ہے وہ حکم بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ ابن عون انصاریؒ فرماتے ہیں کہ جب تو نماز میں ہو تو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے فحش اور منکر سے بچائے ہوئے ہے اور اس میں تو جو کچھ ذکر اللہ کر رہا ہے وہ تیرے لئے بڑے فائدے کی چیز ہے۔ حماد کا قول ہے کہ اور کچھ اگر نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ بحالت نماز تو برائیوں سے بچا رہے گا۔ جو بندہ یاد اللہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ اس نے کہا: ہمارے جو صاحب ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کرو گے تو وہ تمہیں یاد کرے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۷۳) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اسے سن کر آپ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ یعنی دونوں مطلب درست ہیں۔ یہ بھی اور وہ بھی اور حضرت ابن عباس سے بھی یہ تفسیر منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن ربیعہؒ سے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس نے دریافت کیا کہ اس جملے کا مطلب جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں اس سے مراد نماز ہے۔ سبحان اللہ الحمدللہ اللہ اکبر وغیرہ کہنا ہے۔ آپ نے فرمایا: تو نے عجیب بات کہی۔ یہ یوں نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ حکم کے اور منع کے وقت اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر اللہ سے بہت بڑا اور بہت اہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریر پسند فرماتے ہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تم اہل کتاب کے ساتھ مہذب طریقہ کے سوا مباحثہ مت کرو۔ ہاں جو ان میں زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور (یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں ○

مجادلہ ومناقشہ:

حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے حکم کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں یا لڑائی لڑیں۔ لیکن اور بزرگ مفسرین کا قول ہے کہ یہ محکم اور باقی ہے۔ جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے اسے مہذب طریقے پر سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہئے۔ کیا عجب کہ وہ راہ راست اختیار کر لے۔ جیسے اور آیت میں عام حکم موجود ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (سورۂ نحل: ۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی دعوت حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دو۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے تو فرمان ہوتا ہے: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۴۴) یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا' ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس کا دل پگھل جائے۔ یہی

قول حضرت ابن جریر کا پسندیدہ ہے اور حضرت ابن زید سے بھی یہی منقول ہے۔ہاں ان میں سے جو ظلم پر اصرار کریں اور ضد اور تعصب برتیں۔حق کو قبول کرنے سے انکار کریں۔تو پھر مناظرے مباحثے بے سود ہیں۔پھر تو جدال وقتال کا حکم ہے۔جیسے جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے:﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ﴾ (سورۂ حدید:۲۵) ہم نے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب ومیزان نازل فرمائی۔تا کہ لوگوں میں عدل وانصاف قائم ہو سکے اور ہم نے لوہا بھی نازل فرمایا جس میں سخت لڑائی ہے الخ۔

پس حکم خداوندی ہے کہ بھلائی سے اور نرمی سے جو نہ مانے اس پر سختی کی جائے۔جو لڑے اس سے لڑا جائے۔ہاں یہ اور بات ہے کہ ماتحتی میں رہ کر جزیہ ادا کرے۔پھر فرماتا ہے کہ جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا تمہیں یقینی علم نہ ہو تو اس کی تکذیب کی طرف قدم نہ بڑھاؤ اور نہ بے تامل تصدیق کر دیا کرو۔ممکن ہے کہ کسی امرِ حق کو تم جھٹلا دو اور ممکن ہے کسی باطل کی تصدیق کر بیٹھو۔پس شرطیہ تصدیق کرو۔یعنی کہہ دو کہ ہمارا اللہ کی ہر بات پر ایمان ہے۔اگر تمہاری پیش کردہ چیز اللہ کی نازل کردہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اگر تم نے تبدیل وتحریف کر دی ہے تو ہم اسے نہیں مانتے صحیح بخاری میں ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور ہمارے سامنے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تو انہیں سچا کہو نہ جھوٹا۔بلکہ تم ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِیْ﴾ سے آخر تک آیت پڑھ دیا کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: کیا یہ مردے بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ ہی کو علم ہے۔اس نے کہا: میں جانتا ہوں یہ یقیناً بولتے ہیں۔اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اہل کتاب جب تم سے کوئی بات بیان کریں تو ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ کہہ دو کہ ہمارا اللہ پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔یہ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی جھوٹ کو تسلیم کر لو۔یا کسی سچ کو جھوٹ بتلا دو۔حالانکہ یہ سخت برا کام ہے۔یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اہل کتاب کی اکثر وبیشتر باتیں تو غلط اور جھوٹ ہی ہوتی ہیں۔عموماً بہتان وافتراء ہی ہوتا ہے۔ان میں تحریف وتبدیل تفسیر وتاویل رواج پا چکی ہے اور صداقت ایسی رہ گئی ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں۔پھر ایک اور بات بھی ہے کہ بالفرض سچ بھی ہو تو کیا فائدہ ہمارے پاس تو بہر حال اللہ تعالیٰ کی کامل کتاب موجود ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اہل کتاب سے تم کچھ بھی نہ پوچھو۔وہ خود جبکہ گمراہ ہیں تو تمہاری راہبری کیا کریں گے؟ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی کسی بات کو تم جھٹلا دو یا ان کی کسی جھوٹی بات کو تم تسلیم کرو۔یاد رکھو ہر اہل کتاب کے دفاع میں اپنے دین کا ایک تعصب ہے۔جیسے کہ مال کی خواہش ہوتی ہے (ابن جریر)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تم اہل کتاب سے سوالات کیوں کرتے ہو۔تم سے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اہل کتاب نے اللہ کے دین کو بدل ڈالا ہے۔اللہ کی کتاب میں تغیر کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو اللہ کی کتاب کہنے لگے اور دینوی نفع حاصل کرنے لگے۔کیوں بھلا تمہارے پاس جو علم اللہ ہے کا وہ تمہیں کافی نہیں؟ کہ تم ان سے دریافت کرو۔دیکھو تو کس قدر ستم ہے کہ ان میں سے تو ایک بھی تم سے کبھی کچھ نہ پوچھے اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو؟ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینے میں قریش کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ دیکھو ان تمام اہل کتاب میں اور ان کی باتیں بیان کرنے والوں میں سب سے اچھے اور سچے حضرت کعب احبارؒ ہیں۔لیکن باوجود اس کے ان کی باتوں میں ہم جھوٹ پاتے ہیں۔بلکہ جن کی باتوں پر انہیں اعتماد ہے وہ خود گیلی سوکھی سب جمع کر لیتے ہیں۔ان میں خود سچ جھوٹ صحیح غلط بھرا پڑا ہے۔ان میں مضبوط ذی علم حافظوں کی جماعت تھی ہی نہیں یہ تو اسی امت مرحومہ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس میں بہترین دل ودماغ

والے اور اعلیٰ فہم وذکاء والے اور عمدہ حفظ و اتقان والے لوگ اللہ نے پیدا کر دیئے لیکن پھر بھی آپ دیکھئے کہ کس قدر موضوعات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے؟ اور کس طرح لوگوں نے باتیں گھڑ لی ہیں۔ گو محدثین نے اس باطل کو حق سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نافع سمجھ) دی ہے وہ اس (آپ والی) کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ان (اہل عرب مشرک) لوگوں میں بھی بعض ایسے (مصنف) کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے سوائے (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کئے جاتے ہیں ○

نزولِ کتاب:

فرمان ہے کہ جیسے ہم نے اگلے انبیاء پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔ اسی طرح یہ کتاب یعنی قرآن شریف ہم نے اپنے آخری رسول پر نازل فرمایا ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ہماری کتاب کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کیا وہ جہاں اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اس کتاب کو بھی مانتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جیسے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اور ان لوگوں یعنی قریش وغیرہ میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ہاں جو لوگ باطل سے حق کو چھپانے والے اور سورج کی روشنی سے آنکھیں بند کرنے والے ہیں وہ تو اس کے بھی منکر ہیں۔

پھر فرماتا ہے: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان میں مدت العمر رہ چکے ہو۔ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزارا۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ پڑھے لکھے نہیں۔ ساری قوم جانتی ہے کہ آپ محض امی ہیں۔ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا پھر آج جو آپ ایک انوکھی فصیح و بلیغ اور پُر از حکمت کتاب پڑھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آپ اس حالت میں کہ ایک حروف پڑھے ہوئے نہیں۔ خود تصنیف تالیف کر نہیں سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی صفت اگلی کتابوں میں تھی۔ جیسے قرآن ناقل ہے کہ ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۵۷) یعنی جو لوگ پیروی کرتے اس رسول نبی امی کی جس کی صفات وہ اپنی کتاب تورات وانجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں' جو انہیں نیکیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لکھنے سے دور ہی رکھے گئے۔ ایک سطر کیا معنی ایک حرف بھی لکھنا آپ کو نہ آتا تھا۔ آپ نے کاتب مقرر کر لئے تھے۔ جو وحی اللہ کو لکھ لیتے تھے اور ضرورت کے وقت شاہان دنیا سے خط و

کتابت بھی وہی کرتے تھے۔ پچھلے فقہا میں سے قاضی ابوالولید باجی وغیرہ نے کہا ہے کہ حدیبیہ والے دن خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ صلح نامے لکھا تھا کہ هٰذَا مَا قَضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ نے فیصلہ کیا۔ یہ قول درست نہیں۔ یہ وہم قاضی صاحب کو بخاری شریف کی اس روایت سے ہوا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ثُمَّ اَخَذَ فَكَتَبَ یعنی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لے کر لکھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا' جیسے دوسری روایت میں صاف موجود ہے کہ ثُمَّ اَمَرَ فَكُتِبَ یعنی آپ نے پھر حکم دیا اور لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے تمام علماء کا یہ مذہب ہے بلکہ باجی وغیرہ پر انہوں نے اس قول کا سخت رد کیا ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے اور اس قول کی تردید اپنے اشعار اور خطبوں میں بھی کی۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ قاضی صاحب وغیرہ کا یہ خیال ہرگز نہیں کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے۔ بلکہ آپ کا یہ جملہ صلح نامے میں لکھ لینا آپ کا ایک معجزہ تھا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا اور ایک روایت میں ہے ک ف ر لکھا ہوگا جسے ہر مؤمن پڑھ لے گا یعنی اگر وہ ان پڑھ ہو تب بھی اسے پڑھ لے گا۔ یہ مؤمن کی ایک کرامت ہوگی۔ اس طرح یہ فقرہ لکھ لینا اللہ کے نبی کا ایک معجزہ تھا۔ یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ آپ لکھنا جانتے تھے یا آپ نے سیکھا تھا۔ بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں' جس میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہ ہوا جب تک کہ آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا۔ یہ روایت بالکل ضعیف ہے بلکہ محض بے اصل ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے کس قدر تاکید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھا ہوا ہونے کا انکار کرتی ہے اور کتنی سختی کے ساتھ پرزور الفاظ میں اس کا بھی انکار کرتی ہے کہ آپ یہ لکھنا جانتے ہوں۔ یہ جو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے تو باعتبار غالب کے کہہ دیا ہے ورنہ لکھا تو داہنے ہاتھ سے ہی جاتا ہے۔ اسی طرح ﴿وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ (سورۂ انعام: ۳۸) میں ہے۔ کیونکہ ہر پرندا اپنے پروں سے ہی اڑتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اَن پڑھ ہونے کا بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست آپ کی نسبت شک کرنے کی گنجائش پاتے بھی کہ اگلے انبیاء کی کتابوں سے پڑھ کر لکھ کر نقل کر لیتا ہے۔ لیکن یہاں تو ایسا نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود ایسا نہ ہونے کے پھر بھی یہ لوگ ہمارے رسولؐ پر یہ الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں' جو اس نے لکھ لی ہیں وہی ان کے سامنے صبح شام پڑھی جاتی ہیں باوجودیکہ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے رسول پڑھے لکھے نہیں۔ ان کے اس قول کے جواب میں جناب باری عزاسمہ نے فرمایا: نہیں جواب دو کہ اسے اس اللہ نے نازل فرمایا ہے جو زمین و آسمان کی پوشیدگیوں کو جانتا ہے۔ یہاں فرمایا بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں' خود آیات واضح' صاف اور سلجھے ہوئے الفاظ میں' پھر علماء کا ان کا سمجھنا یاد کرنا پہنچانا سب آسان جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (سورۂ قمر: ۱۷) یعنی ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے بالکل آسان کر دیا ہے بس کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر نبی کو ایسی چیز دی گئی جس کے باعث لوگ ان پر ایمان لائے۔ مجھے ایسی وحی خداوندی دی گئی ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے تو مجھے ذات خداوندی سے امید ہے کہ تمام نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ تابعدار میرے ہوں گے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری ہے کہ اے نبی میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا۔ میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا' جیسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی میں دھو دیئے جائیں' لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے۔ جیسے کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی۔ اس لئے کہ وہ سینوں میں

محفوظ ہے زبانوں پر آسان ہے۔ دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی کتابوں میں اس امت کی ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ اَنَاجِیْلُھُمْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ امام ابن جریر اسے پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں بلکہ علم اس کا کہ تو اس کتاب سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتا تھا۔ یہ آیات بینات اہل کتاب کے ذی علم لوگوں کے سینوں میں موجود ہیں۔ قتادہ اور ابن جریج سے بھی یہی منقول ہے اور پہلا قول حسن بصریؒ کا ہے اور یہی روایت عوفی ابن عباس سے منقول ہے اور یہی ضحاک نے کہا ہے اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ہماری آیتوں کا جھٹلانا قبول نہ کرنا یہ حد سے گزر جانے والوں اور ضدی لوگوں کا ہی کام ہے جو حق کو سمجھتے نہیں ہیں اور نہ اس کی طرف مائل جیسے فرمان ہے: جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے پاس سب نشانیاں آجائیں یہاں تک کہ وہ المناک عذابوں کا مشاہدہ کرلیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں تو اللہ کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے۔ بلاشبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے۔ اس کو سب چیز کی خبر ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں ○

معجزات کا معاندانہ مطالبہ:

کافروں کی ضد تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالح سے ان کی قوم نے مانگی تھی پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کرلیں[1] تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے مغلوب ہوا نہیں کہ اس کی منشا تمہاری منشا کے تابع ہو جائے جو تم مانگو وہ خواہ مخواہ کر ہی دکھائے۔

[1] یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ معجزہ اسی وقت دکھایا جاتا ہے جبکہ ان کی نیتیں صاف ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ معجزہ دکھانے کے لئے ہزارہا مصالح سامنے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بھی کبھی یہ بھی ایک مصلحت ہوتی ہے کہ نیتیں صاف ہوں تو معجزہ دکھایا جاتا ہے ورنہ نہیں۔

جیسے اور آیت میں ہے کہ آیتیں بھیجنے سے ہمیں کوئی مانع نہیں اس کے کہ اگلے بھی برابر انکار ہی کرتے رہے۔ ثمودیوں کو دیکھو ہماری نشانی اونٹنی جوان کے پاس آئی انہوں نے اس پر ظلم ڈھایا۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں قاصد ہوں میرا کام تمہارے کانوں تک آواز خداوندی کو پہنچا دینا ہے۔ میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا نیک و بد سمجھا دیا اب تم جانو تمہارا کام ہدایت ضلالت اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی راہبری کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی منشا پر موقوف ہے بھلا اس فضول گوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیز ان کے پاس آ چکی ہے جس کے کسی طرف سے باطل پاس بھی نہیں پھٹک سکتا اور انہیں اب تک نشانی کی طلب ہے۔ حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے فصیح و بلیغ اس کے مقابلہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ پورے قرآن کا مقابلہ کیا کرتے؟ دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معاوضہ بھی باوجود چیلنج کے نہ کر سکے۔ تو کیا اتنا بڑا اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں جو اور معجزے طلب کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گزشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیشگوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے جس نے کسی سے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا اور جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا۔ بلکہ جو اہل علم کی صحبت میں کبھی نہیں بیٹھا اور وہ کتاب پڑھتا ہے۔ جس سے اگلی کتابوں کی بھی صحت اور عدم صحت معلوم ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ میں حلاوت جس کی نظم میں ملاحت جس کے انداز میں فصاحت جس کے بیان میں بلاغت جس کا طرز دلربا جس کا سیاق دلچسپ جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود ہیں۔ خود بنی اسرائیل سے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور اگلی کتابیں جس پر شاہد بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل و عامل۔ اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزے کی طلب محض بدباطنی اور بدنیتی ہے۔

پھر فرماتا ہے: اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت و نصیحت ہے۔ یہ قرآن حق کا ظاہر کرنے والا باطل کو برباد کرنے والا اگلوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت و عبرت کے موقعے دیتا ہے۔ گنہگاروں کے انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے۔ کہہ دو مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ تمہاری تکذیب و سرکشی کو اور میری سچائی اور خیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لے لیتا۔ وہ ایسے لوگوں کو بے انتقام نہیں چھوڑتا۔ جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جان کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو میرے ہاتھ سے اسے چھڑا سکے۔ چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اس کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں۔ اس لئے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا جاتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کراتا جاتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے غیب کا جاننے والا ہے۔ اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ باطل کو ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یافتہ اور ذلیل ہیں۔ قیامت کے دن انہیں ان کی بداعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جو سرکشیاں یہاں کی ہیں سب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ علیم و حکیم اللہ اس کا بدلہ دیئے بغیر ہرگز نہ رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر (علم الٰہی میں عذاب آنے کی) میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیر لے گی۔ جس دن کے ان پر عذاب ان کے اُوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور حق تعالیٰ فرما دے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو ○

عذابِ الٰہی کا احمقانہ سوال:

مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب اللہ کا طلب کرنا بیان ہو رہا ہے۔ یہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کہ جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب دے۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العالمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہوں گے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آ پڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ راوی حدیث حضرت یعلی سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾ (سورۂ کہف: ۲۹) یعنی وہ آگ جسے قناتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا' جب تک کہ اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا' یہاں تک کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں گا۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور حدیث بھی بہت ہی غریب ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے اوپر سے آگ ڈھانک لے گی جیسے اور آیت میں ہے: ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ (سورۂ اعراف: ۴۱) ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا بچھونا ہے اور آیت میں ہے: ﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ (سورۂ زمر: ۱۶) یعنی ان کے اوپر نیچے سے آگ ہی کا فرش و سائبان ہوگا اور مقام پر ارشاد ہے: ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ (سورۂ انبیاء: ۳۹) یعنی کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیں۔ جب کہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہوگی۔ آگے سے پیچھے سے' اوپر سے نیچے سے' دائیں بائیں سے تو اس وقت خدائے عالم کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہوگی۔ ادھر سے کہا جائے گا کہ لو اب عذاب کے مزے چکھو۔ پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب' دوسری یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ﴾ (سورۂ قمر: ۴۸) اور آیت: ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ (سورۂ طور: ۱۳) میں ہے یعنی جب کہ جہنم میں اوندھے منہ گھسٹتے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب عذاب آگ کا چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا۔ یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ اب بتاؤ یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب تمہارا صبر کرنا

نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ بھگتنا ضروری ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اے میرے ایماندار بندو! میری زمین فراخ ہے۔ سو خالص میری ہی عبادت کرو ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو جنت میں بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو (مقررہ) روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے ○

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ:

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں ایمان والوں کو ہجرت کا حکم دیتا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں' وہاں سے اس جگہ چلے جائیں' جہاں ان کے دین میں انہیں آزادی رہے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے جہاں وہ فرمان خداوندی کے ماتحت اللہ کی عبادت و توحید بجالا سکیں' وہاں چلے جائیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں: تمام دنیا اللہ تعالیٰ کی دنیا ہے اور کل بندے اللہ کے بندے ہیں۔ جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہؓ پر جبکہ مکہ شریف کی رہائش مشکل ہوگئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تا کہ امن و امان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہ سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشیؒ نے انکی پوری تائید و نصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اسکے بعد باجازت خداوندی دوسرے صحابہؓ نے اور خود آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

بعد ازاں فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ تم خواہ کہیں ہو' موت سے نجات نہیں پا سکتے۔ پس تمہیں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کے راضی کرنے کی فکر میں رہنا چاہئے تا کہ مرنے کے بعد اللہ کے ہاں جا کر امتحان میں نہ پھنسو۔ ایماندار نیک اعمال لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کی بلند و بالا منزلوں میں پہنچائے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں' کہیں صاف شفاف پانی کی۔ کہیں شراب طہور کی۔ کہیں شہد کی۔ کہیں دودھ کی۔ یہ چشمے خود بخود جہاں جنتی چاہیں گے بہ نکلیں گے۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے' نہ ہٹائے جائیں گے' نہ نعمتیں ختم ہونگی' نہ ان میں کمی پیدا ہوگی۔ مومنوں کے نیک اعمال پر جنت کے بالا خانے انہیں مبارک ہوں جنہوں نے اپنے سچے دین پر صبر کیا اور اللہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے دشمنوں کو ترک کیا۔ اپنے اقربا اور اپنے گھر والوں کو راہ اللہ میں چھوڑا۔ اس کی نعمتوں اور اس کے انعامات کی امید پر دنیا کی عیش و عشرت پر لات ماری۔ ابن

ابی حاتم میں ہے رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنت میں ایسے بالاخانے ہیں' جن کے اوپر کے حصہ سے اندر کا حصہ نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' خوش کلام نرم گو ہوں' روزے نماز کے پابند ہوں اور راتوں کو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے ہوں اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں' اپنے کل اعمال میں دینی ہوں یا دینوی ہوں۔

پھر فرمایا کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا تقسیم کیا ہوا رزق عام ہے اور ہر جگہ ہے جو جہاں ہے اسے وہیں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کے رزق میں ہجرت کے بعد اللہ نے وہ برکتیں دیں کہ یہ دنیا کے مالک ہو گئے۔ تو فرمایا کہ بہت سے جانور ہیں جو نہ اپنے رزق کے جمع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ اسے حاصل کرنے کی۔ نہ وہ کل کیلئے کوئی چیز اٹھا کر رکھتے ہیں۔ اللہ کے ذمے انکی روزیاں ہیں۔ پروردگار انہیں انکے رزق پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ کسی مخلوق کو کسی حالت کسی وقت نہیں بھولتا۔ چیونٹیوں کو انکے سوراخوں میں' پرندوں کو آسمان و زمین کے خلاء میں' مچھلیوں کو پانی میں وہی رزق پہنچاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ﴾ (سورۂ ہود: ۶) یعنی کوئی جانور روئے زمین پر ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو۔ وہی انکے ٹھہرنے اور رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے۔ یہ سب اسکی روشن کتاب میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہؐ کے ساتھ چلا۔ مدینے کے باغات میں سے ایک باغ میں آپ ﷺ گئے اور گری پڑی ردی کھجوریں صاف کر کے کھانے لگے۔ مجھ سے بھی کھانے کو فرمایا: میں نے کہا: حضور مجھ سے تو ردی کھجوریں نہیں کھائی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا: لیکن مجھے تو یہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں' اسلئے کہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا بلکہ اس عرصہ میں کھانا ملا ہی نہیں۔ سنو میں اگر چاہتا تو اللہ سے دعا کرتا اور اللہ مجھے قیصر و کسریٰ کا ملک دے دیتا۔ اے ابن عمر تیرا کیا حال ہوگا۔ جب کہ تو ایسے لوگوں میں ہوگا جو سال سال بھر کے غلے وغیرہ جمع کر لیا کریں گے اور ان کا یقین اور توکل بالکل کمزور ہو جائے گا۔ ہم ابھی وہیں اسی حالت میں تھے جو یہ آیت نازل ہوئی: وَكَاَيِّنْ پس رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے دنیا کے خزانے جمع کرنے کی خواہشوں کے پیچھے لگ جانے کا حکم نہیں کیا۔ جو شخص دنیا کے خزانے جمع کرے اور اس کے بعد کی زندگی چاہے وہ سمجھ لے کہ حیات آخرت تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ دیکھو میں تو نہ دینار و درہم جمع کروں نہ کل کیلئے آج روزی کا ذخیرہ جمع کر رکھوں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابوالعطوف جزری ضعیف ہے۔ یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پر و بال سفید ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوا ان سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے۔ کچھ دنوں بعد ان کے پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے' تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جب کہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور انکے پاس بھی نہیں آتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے وہ ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اس کو نظم بھی کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے سفر کرو تا کہ صحت اور روزی پاؤ اور روایت میں ہے سفر کرو تا کہ صحت و غنیمت ملے اور حدیث میں ہے سفر کرو نفع اٹھاؤ گے۔ روزے رکھو تندرست رہو گے' جہاد کرو غنیمت ملے گی اور روایت میں ہے کہ جدوالوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور انکی حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔ پھر کدھر الٹے چلے جا رہے ہو۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہی سب چیزوں کے حال سے واقف ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے زمین کو بعد اس کے کہ خشک پڑی تھی تر و تازہ کر دیا۔ تو لوگ بھی یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہہ دیجئے کہ الحمد للہ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں ○

ایک حقیقت:

اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ خود مشرکین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان زمین کا پیدا کرنے والا سورج چاند مسخر کرنے والا دن رات کو پے در پے لانے والا خالق رازق موت و حیات پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا کے لائق کون ہے اور فقر کے لائق کون ہے؟ اپنے بندوں کی مصلحتیں اس کو پوری طرح معلوم ہیں۔ پس جب کہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق صرف خدائے تعالیٰ ہے سب پر قابض صرف وہی ہے۔ پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں نہیں کرتے ہیں؟ جب کہ ملک کا مالک وہ تنہا ہے تو عبادتوں کے لائق بھی وہ اکیلا ہی ہے۔ توحید ربوبیت کو مان کر پھر توحید الوہیت سے انحراف عجیب چیز ہے۔ قرآن کریم میں توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ذکر بکثرت ہے۔ اس لئے کہ توحید ربوبیت کے قائل مشرکین مکہ تھے تو انہیں قائل معقول کر کے پھر توحید الوہیت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ مشرکین حج و عمرے میں لبیک پکارتے ہوئے بھی اللہ کے شریک نہ ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ کہتے تھے: "لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ" یعنی خدایا ہم حاضر ہوئے تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ڔ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور دنیوی زندگی (کی تفسیر) لہو و لعب کے سوا اور کچھ نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے ان کی ناقدری کرتے ہیں اور یہ لوگ چندے اور حظ حاصل کر لیں پھر قریب ہی ان کو سب خبر ہوئی جاتی ہے ○

ایک کھیل:

دنیا کی حقارت و ذلت اس کے زوال و فنا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اسے کوئی دوام نہیں۔ اس کا کوئی ثبات نہیں۔ یہ تو صرف لہو ولعب ہے۔ البتہ دار آخرت کی زندگی دوام و بقا کی زندگی ہے۔ وہ زوال و فنا سے دور ہے۔ اگر انہیں علم ہوتا تو اس بقا والی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔

پھر فرمایا کہ مشرکین بے کسی اور بے بسی کے وقت تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت کے ہٹ جانے اور مشکل کے ٹل جانے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۶۷) یعنی جب سمندر میں مشکل میں پھنستے ہیں' اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں اور جب وہاں سے نجات پا کر خشکی میں آ جاتے ہیں تو فوراً ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی اِدھر اُدھر ہونے لگی جتنے مشرکین کشتی میں تھے' سب کہنے لگے یہ موقعہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا ہے۔ اٹھو اور خلوص کے ساتھ خدائے تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا: سنو اللہ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے اللہ کے سوا اور کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا اور کلمہ اسلام پڑھ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور مجھ پر رحم و کرم فرمائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ لِيَكْفُرُوْا اور لِيَتَمَتَّعُوْا میں لام جو ہے اسے لام عاقبت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا قصد دراصل یہ نہیں ہوتا اور فی الواقع ان کی طرف نظریں ڈالنے سے بات بھی یہی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی پوری تعلیل ہے۔ اس کی پوری تقریر ہم آیت: ﴿لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ (سورۂ قصص: ۸) میں کر چکے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے پھر کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ کون ناانصاف ہو گا جو اللہ پر جھوٹ و افتراء کرے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے وہ اس کو جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کا جہنم میں ٹھکانہ نہ ہو گا اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھلائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے ○

اور یہ انعامات:

اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے اپنے حرم میں انہیں جگہ دی ہے جس میں جو شخص آجائے امن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے آس پاس جدال و قتال لوٹ مار ہے اور وہاں امن و امان سے اپنے دن گزارتے ہیں۔ جیسے سورہ: ﴿ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴾ (سورۂ قریش) میں بیان فرمایا۔ تو کیا اتنی بڑی نعمت کا شکر یہ یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک و کفر کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا اور ایذاء پہنچانا شروع کر رکھا ہے۔ اپنی سرکشی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکال دیا۔ بالآخر اللہ کی نعمتیں ان سے چھنی شروع ہو گئیں۔ بدر کے دن ان کے بڑے بڑے سردار بری طرح قتل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر مکہ کو فتح کیا اور انہیں ذلیل پست کیا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں' جو اللہ کی سچی وحی کو اور حق کو جھٹلانے والا ہو اور باوجود حق پہنچنے کے تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ ایسے چھوٹے لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ راہ اللہ میں مشقت اٹھانے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور آپ کے تابع فرمان لوگ ہیں' جو قیامت کو ہوں گے۔ فرماتا ہے کہ ہم ان کوشش اور جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے۔ دنیا اور دین میں انہیں راستے دکھاتے رہیں گے۔ حضرت ابو احمد عباس ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان امور میں ہدایت دیتا ہے جو اس کے علم میں نہیں ہوتے۔ ابوسلمان دارانیؒ سے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں کوئی بات ہو اور گو وہ بھلی بات ہو' تاہم اسے اس پر عمل کرنا چاہئے جب تک قرآن و حدیث سے وہ بات ثابت نہ ہو جائے۔ جب ثابت ہو عمل کرے اور اللہ کی حمد کرے کہ جو اس کے جی میں آیا تھا وہی قرآن و حدیث میں بھی نکلا۔ اللہ تو محسنین کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے ہیں: احسان اس کا نام ہے جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرے تو اس کے ساتھ نیک سلوک کرے' احسان کرنے والے سے احسان کرنے کا نام احسان نہیں۔ واللہ اعلم

سُورَةُ الرُّوم

سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

کُل رکوع: ۶ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۶۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

الٓمّٓ ۔ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے ۔ پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست رحیم ہے اس کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں فرماتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں ○

ایک پیشگوئی:

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب کہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا ۔ مدتوں محاصرہ رہا ۔ آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہوگئی ۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے ۔ مسند احمد میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کے بارے میں منقول ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں ۔ اس لئے کہ جیسے بت پرست یہ تھے ایسے ہی اہل فارس بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی تمنا تھی کہ رومی غالب آئیں ۔ کیونکہ اور کچھ نہیں کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے ۔ صدیق اکبرؓ نے جب یہ خبر مشرکین کو پہنچائی تو انہوں نے کہا

آ ؤ کچھ شرط کرلو اور مدت مقرر کرلو۔ اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئے تو تم ہمیں اتنا اتنا دینا اور تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے[1]۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی۔ وہ مدت پوری ہوگئی اور رومی غالب نہ آئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے خدمت نبوی میں خبر پہنچائی۔ آپ نے فرمایا: دس سال کی مدت کیوں مقرر نہ کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں: قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں: بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ علیہ عنہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ دخان اور لزام اور بطشہ اور شق القمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں مشہور ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا: پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو۔ چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر شرط ٹھہری اور مدت گزر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق سے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر بھروسہ کر کے۔ آپ نے فرمایا: پھر جاؤ اور مدت دس سال مقرر کرلو، خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے مشرکین نے دوبارہ بھی مدت بڑھا کر شرط منظور کرلی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیقؓ نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: اسے صدقہ کردو اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان لے آئے (ترمذی)۔

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام سنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا: سنو میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخاں تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر براز سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے۔ ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کردیئے۔ اس سرسبز و شاداب ملک کو ویران وغارت کردیا اور عات اور بصرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں، ایک زبردست معرکہ ہوا اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان رنجیدہ خاطر ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے کہ دیکھو اور نصرانی اہل کتاب ہیں اور فارسی ان پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔

[1] بہت ممکن ہے کہ یہ شرط ممانعت سے پہلے کی ہو ورنہ اسلام میں اب وہ شرط جو جانبین کی طرف سے ہو ناجائز ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ۔ یہ عنقریب بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔ اس بات کا یقین کرلو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا: اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا: اچھا میں دس دس اونٹیوں کی شرط کرتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو تمہیں دس اونٹیاں دوں گا۔ ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ شرط قبول کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا۔ بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور وہ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ حضرت ابوبکرؓ چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا: سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرلو۔ چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھیری۔ اس مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارسی غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔

یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو خط لکھا کہ یہ میرا خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ شہر براز نے جواب لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جراءت کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے۔ بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور شیر دل پہلوان ایک سے ایک بہتر موجود ہے۔ تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ شاہ کسریٰ کو سمجھایا۔ اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشید خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے۔ میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور فرخان کو قبضہ دے دیا۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا۔ جس میں شہر براز کے قتل کرنے کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلوایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ شہر براز نے کہا: بادشاہ جلدی نہ کر، مجھے وصیت تو لکھ لینے دے میں نے اسے منظور کر لیا۔ تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اسی میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھا اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی۔ تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھلیں۔ وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے۔ اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط لکھ سکتا ہوں بلکہ میں آپ ہی بالمشافہ اس کو پیش کر دوں گا۔ پچاس آدمی اپنے لے کر خود آ جایئے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہوں گے۔

قیصر کو جب یہ پیغام ملا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا۔ کہ اگر کوئی ترکیب ہو یا کوئی مکر ہو تو معلوم ہو جائے۔ جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں ہے کہ شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور ساتھ اپنے صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کہ لئے مقرر ہوئی تھی' وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں بیٹھ گئے۔ پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے۔ دونوں وہاں بے ہتھیار تھے۔ صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا: اے شاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں لے لیا ہے لیکن ہمارا بادشاہ کسریٰ ہم سے حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے۔ مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کر دینے کا حکم بھیجا۔ میں نے فرمان کو نہ مانا۔ اس نے چالاکی کر کے میرے بھائی کو میرے قتل کا حکم بھیجا۔ اس لئے ہم دونوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں نے آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے۔ کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچ جائے تو وہ پھیل جاتی ہے' دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی چھری سے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ اصحاب رسول اس سے بہت خوش ہوئے۔ لیکن روایت قابل قبول نہیں۔

اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنیئے۔ حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں۔ ان کی بحث تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ سورہ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحٰق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ بنو اسرائیل کے یہ چچازاد بھائی ہوتے ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے جو یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں۔ یہ ستارہ پرست تھے۔ ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی ہے۔ وہیں انہوں نے اپنے عبادت گاہ بنائی۔ جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے۔ ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا' اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین بن قسطنطین نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غندقانیہ تھی۔ حرن کی رہنے والی تھی۔ پہلے اس نے نصرانیت قبول کی تھی۔ پھر اس کے کہنے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کیا۔ یہ بڑا فلسفی' عقلمند اور مکار آدمی تھا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا اس کے زمانے میں نصرانی یہاں جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختیار اور مناظر سے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی' جو بادشاہ کو دی گئی۔ اور وہی کتاب شاہی عقائد کا مجموعہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے' جو درحقیقت خیانت صغیرہ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں حلال و حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علما نے دل کھول کر جو چاہا' ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب

محرف ومبدل ہوگیا۔ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کے دن کو بڑا بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہوگئی۔ خنزیر کو حلال کرلیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب۔ عید قدرس۔ عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے۔ ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا۔ پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کرلی۔ کن سے اور گرجے بہت سارے ایجاد کر لئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے۔ تین محرابوں میں بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر نسطوریہ۔ یہ سب نسطوریہ کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر فرقے ہوگئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی۔ ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا۔ یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا یہ تمام بادشاہوں میں زیادہ عقلمند تھا۔ بہت بڑا عالم تھا۔ دانائی زیرکی دوراندیشی اور دوربینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور دور دراز تک پھیلائی۔ اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے۔ آگ پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔

لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ آپ کے مقابلے گیا قیصر کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے۔ گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا نصف حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف حصہ خشکی سے ملا ہوا تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی۔ آخر میں قیصر ایک چال چلا۔ اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے کسریٰ اس پر خوش ہوا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہیں تو جمع ہونا ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے بھی قبول کرلیا۔ کیونکہ اس کو اس سے کسریٰ کی بے وقوفی پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہئے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کرلی۔ اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آجاؤں تو یہ ملک میرا ہے۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصری جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ خفیہ راستوں سے نہایت ہوشیاری سے احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک حملہ کردیا۔ چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں۔ عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کردیا۔ جو سامنے پڑتا تلوار کے کام آتا۔ یونہی بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا۔ جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی۔ وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا۔ انہیں بھی قتل کردیا اور ہر طرف سے مال جمع کرلیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کردیا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اور اس کی محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کرلیا اس کی درباری عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں۔ اس کے لڑکے کا سر منڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔

یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑے تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کررہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا

اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضب ناک ہوا اور بڑا سخت حملہ شہر پر کر دیا۔ لیکن اس میں اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے۔ کیونکہ فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔

قیصر نے یہ سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا۔ یعنی اس نے اپنے لشکر کو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور آپ تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا۔ کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کٹی چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیں۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر ادھر سے گزر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے کو چل دیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال تھا کہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ حیرت میں رہ گیا اور رومی غالب آ گئے' فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ تمام معاملات نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے واپس لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے اذرح اور بصریٰ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھا اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے واللہ اعلم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو سال تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال رکھنے چاہئے تھے۔ کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے۔ یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے۔ اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آ جائے گا' مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔ ابن عباسؓ، سدیؒ، ثوریؒ، اور ابوسعیدؓ یہی فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا۔ عکرمہ زہریؒ اور قتادہ وغیرہ کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے اس کی توجیہہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے فارس پر غالب کر دے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پا پیادہ بیت المقدس تک جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا جب اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا۔ جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔ ہرقل نے نامۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں حجازی عرب تھے۔ انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے۔ اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا۔ اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا' تو یہ لوگ ظاہر کر دیں گے کہ پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب آپ کے اوصاف و عادات وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی' وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اور اس میں ایک معاہدہ

ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور قریش میں یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ دس سال تک کوئی لڑائی آپس میں نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لئے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی۔ واللہ اعلم

لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا' یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی۔ ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ چکی تھی۔ اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوش حالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے روانہ ہوا۔ واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبے سے خوش ہوئے۔ اس لئے کہ گو وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے تو اہل کتاب اور ان کے مقابل مجوسیوں کی جماعت تھی۔ جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں علما اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں۔

قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں۔ کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں۔ پھر اقرار کرتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی اپنے ماننے والوں میں کر لے۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہوں گے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ وہ بڑا غالب اور بہت بڑا مہربان ہے۔ حضرت زبیر کلائی فرماتے ہیں: میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا۔ پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا خود اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر اندر دیکھ لیا۔ آخر آیت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلے اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے یہ پروردگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے یا ٹل جائے یا خلاف ہو جائے۔ جو حق کے قریب ہوا سے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتا ہے۔ ہاں رب کی حکمتوں کو کم علم جان نہیں سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا تو علم خوب رکھتے ہیں۔ اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں۔ اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے نفع نقصان کو پہچان لیتے ہیں۔ بیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا' پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں۔ لیکن امور دین میں' اخروی کاموں میں محض جاہل' غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ تو عقل کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے۔ نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے۔ لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰

کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جوان کے درمیان میں ہیں کیسی حکمت سے اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انہوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے سو اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے پھر ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کام کیا تھا برا ہی ہوا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے ○

غور وفکر:

چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور وفکر کیا کرو اور قدرت کاملہ کی ان نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو۔ کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو۔ کبھی مخلوقات کی پیدائش کو دیکھو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بے کار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب العالمین نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے۔ یعنی قیامت کے دن جیسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرت ناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہان میں عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گزشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں، تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں۔ تم سے زیادہ کنبے قبیلے اور بیٹے پوتے والی تھیں۔ تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ وہ تم سے زیادہ عمر والے تھے۔ تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں۔ تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے باوجود اس کے جب ان کے پاس اس زمانہ کے رسول آئے۔ انہوں نے دلیلیں دیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں متفرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب اللہ ان پر برس پڑا۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو ان کے کرتوت کا وبال تھا۔ اللہ کی آیتوں کو یہ جھٹلاتے تھے۔ رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو ان کی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیا اور آیت میں ہے ان کی کجی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے اور آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اسی بنا پر اَلسُّوْۗاٰۗى منصوب ہوگا۔ اَسَاۗءُوا کا مفعول ہو کر اور یہ بھی ایک قول ہے کہ سوآی یہاں پر اس طرح واقع ہے کہ برائی ان کا انجام ہوئی۔ اس لئے کہ وہ آیات خداوندی کے جھٹلانے والے اور ان کا مذاق اڑانے والے تھے، تو اس معنی کی رو سے یہ لفظ منصوب ہوگا کَانَ کی خبر ہو کر۔ امام ابن جریر نے یہی توجیہہ بیان کی ہے اور ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے نقل بھی کی ہے۔ ضحاک بھی یہی فرماتے ہیں اور ظاہر بھی یہی

ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ﴿وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ﴾ ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر اس کے پاس لائے جاؤ گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا ہو جائیں گے یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے ○

روزِ قیامت:

ارشاد ہے کہ مخلوقات کو اسی اللہ نے پیدا فرمایا ہے اور جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے میں اس وقت قادر تھا۔ اب فنا کر کے پھر سے پیدا کرنے پر بھی ویسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ تم سب قیامت کے دن اسی کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہو۔ وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ قیامت کے دن گنہگار ناامید، رسوا اور خاموش ہو جائیں گے۔ اللہ کے سوا جن جن کی دنیا میں عبادت کرتے رہے ہیں ان میں سے ایک بھی ان کی سفارش کے لئے کھڑا نہ ہوگا اور جب کہ یہ ان کے پوری طرح محتاج ہوں گے۔ وہ ان سے بالکل آنکھیں پھیر لیں گے اور خود معبودانِ باطل بھی ان سے یک سو ہو جائیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ قیامت قائم ہوتے ہی اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے جس کے بعد ملاپ ہے ہی نہیں۔ نیک لوگ تو علیین پہنچا دیئے جائیں گے اور بد لوگ سجین میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ وہ سب سے اعلیٰ بلندی پر ہوں گے۔ یہ سب سے زیادہ پستی میں ہوں گے۔ پھر اس آیت کی تفصیل ہوتی ہے کہ نیک لوگ تو جنتوں میں ہنسی خوشی سے ہوں گے اور کفار جہنم میں جلتے بھنتے ہوں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾

سوتم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمانوں اور زمین میں اس کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے ○

تسبیح خداوندی:

اس رب تبارک وتعالیٰ کی کمال قدرت اور عظمت سلطنت پر دلالت اس کی تسبیح اور اس کی حمد سے ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کرتا ہے اور اپنا پاک ہونا اور قابل حمد ہونا بھی بیان فرما رہا ہے۔ شام کے وقت جبکہ رات اپنے اندھیروں کو لے کر آتی ہے اور صبح کے وقت جب کہ دن اپنی روشنیوں کو لے آتا ہے۔ اتنا بیان فرما کر اس کے بعد کا جملہ بیان فرمانے سے پہلے ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ زمین وآسمان میں قابل حمد ثنا وہی ہے۔ ان کی پیدائش خود اس کی بزرگی پر دلیل ہے۔ پھر صبح شام کے وقتوں کی تسبیح کا بیان جو پہلے گزرا تھا اس کے ساتھ عشا اور ظہر کا وقت ملا لیا۔ جو پوری اندھیری اور کامل اجالے کا وقت ہوتا ہے۔ بے شک تمام تر پاکیزگی اسی کو سزاوار ہے جو رات کے اندھیروں کو اور دن کے اجالوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

صبح کو ظاہر کرنے والا رات کو سکون والی بنانے والا ہے۔ اس جیسی آیتیں اور بھی بہت سی ہیں: ﴿وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا﴾ (سورۂ شمس: ۵-۴) اور ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ (سورۂ لیل: ۱-۲) اور ﴿وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ﴾ (سورۂ ضحیٰ: ۱-۲) وغیرہ۔ مسند احمد میں حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔ طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح وشام پڑھ لیں۔ اس نے دن رات میں جو اس سے فوت ہوا ہو اسے پالیا۔ پھر بیان فرمایا کہ موت وزیست کا خالق مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالنے والا وہی ہے۔ ہر شے پر اور اس کی ضد پر وہ قادر ہے۔ دانے سے درخت' درخت سے دانے' مرغی سے انڈا' انڈے سے مرغ' نطفے سے انسان' انسان سے نطفہ' مؤمن سے کافر' کافر سے مؤمن۔ غرض ہر چیز اور اس کے مقابلے کی چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔ خشک زمین کو وہی تر کر دیتا ہے۔ بنجر زمین سے ہی زراعت پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے سورۂ یاسین میں فرمایا کہ خشک زمین کا تر وتازہ ہو کر طرح طرح کے اناج و پھل پیدا کرنا بھی میری قدرت کا ایک کامل نشان ہے اور آیت میں ہے تمہارے دیکھتے ہوئے اس زمین کو جس میں سے دھواں اٹھتا ہو دو بوند سے تر کر کے میں لہلہا دیتا ہوں اور ہر قسم کی پیداوار سے اسے سرسبز کر دیتا ہوں اور بھی بہت سی آیتوں میں اس مضمون کو کہیں مفصل کہیں مجمل بیان فرمایا۔ یہاں فرمایا اسی طرح تم سب بھی مرنے کے بعد قبروں میں سے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

اور نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی دن بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں ۝

اور یہ نشانیاں:

فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ تم سب کو اس نے حقیر پانی کے قطرے سے پیدا کیا۔ پھر تمہاری بہت اچھی صورتیں بنائیں۔ نطفے سے خون بستہ کی شکل میں پھر گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں کر کے پھر ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں کو گوشت بنایا پھر روح پھونکی۔ آنکھ کان ناک پیدا کیے۔ ماں کے پیٹ سے سلامتی سے نکالا۔ پھر کمزوری کو قوت سے بدلا۔ دن بہ دن طاقتور اور مضبوط قد آور اور زور آور کیا' عمر دی' حرکت و سکون کی طاقت دی اسباب اور آلات دیئے اور مخلوق کا سردار بنایا ادھر سے ادھر پہنچنے کے ذرائع دیئے۔ سمندروں کی زمین کی مختلف سواریاں عطا فرمائیں۔ عقل' سوچ سمجھ' تدبر اور غور کے لئے دل و دماغ عطا فرمائے۔ دنیاوی کام سمجھائے۔ رزق' عزت حاصل کرنے کے طریقے کھول دیئے۔ ساتھ ہی آخرت کو سنوارنے کا علم اور عمل بھی سکھایا۔ پاک ہے وہ اللہ جو ہر چیز کا صحیح اندازہ کرتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے مرتبے پر رکھتا ہے۔ شکل و صورت میں بول چال میں' امیری فقیری میں' عقل و ہنر میں' بھلائی برائی میں' سعادت و شقاوت میں۔ ہر ایک کو جدا گانہ کر دیا' تا کہ ہر شخص رب کی بہت سی نشانیاں خود میں اور دوسرے میں دیکھ لے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے کر اس سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں۔ کوئی سفید کوئی سرخ' کوئی خبیث کوئی طیب' کوئی خوش خلق کوئی بد خلق وغیرہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی قدرت کی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ تمہاری بیویاں ہیں اور تم ان کے خاوند ہو۔ یہ اس لئے کہ تمہیں ان سے سکون و راحت' آرام و آسائش حاصل ہو جیسے اور آیت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تا کہ وہ اس کی طرف راحت حاصل کرے۔ حضرت حوّا حضرت آدم کی بائیں پسلی سے' جو سب سے زیادہ چھوٹی ہے' پیدا ہوئی ہیں۔ پس اگر انسان کا جوڑا انسان سے نہ ملتا اور کسی اور جنس سے اس کا جوڑا بندھتا تو موجودہ الفت و رحمت اس میں نہ ہو سکتی[1]۔ یہ پیارا اخلاص یک جہتی یک جنس کی وجہ سے ہے۔ ان میں آپس میں محبت و الفت' مودت و رحمت' پیار و اخلاص' رحم اور مہربانی ڈال دی۔ پس مرد یا تو محبت کی وجہ سے عورت کی خبر گیری کرتا ہے یا رحم کھا کر اس کا خیال رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس اولاد ہو چکی ہے۔ اس کی پرورش ان دونوں کے میل ملاپ پر موقوف ہے الغرض بہت سی وجوہات رب العالمین نے رکھ دی ہیں۔ جن کے باعث انسان بآرام اپنے جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ بھی رب کی مہربانی اور اس کی قدرت کاملہ کی ایک زبردست نشانی ہے۔ ادنیٰ سے غور سے انسان کا ذہن اس تک پہنچ جاتا ہے۔

[1] کیونکہ جنس سے ایک قلبی تعلق فطری امر ہے' جو غیر جنس سے نہیں ہوتا۔ مثلاً انسان کو پالتو جانور سے بھی یقیناً تعلق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی چیزوں سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جنس سے ہوتا ہے ایسا کسی سے نہیں ہوتا اور جنس میں بھی جو اپنے متعلقین سے ہوتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ہوتا۔ مثلاً اپنے بیوی بچے جتنے عزیز ہوتے ہیں اور کے ہرگز نہیں ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بے شمار مصالح کے پیش نظر یہ ایسا جنسی رشتہ قائم کیا ہے۔ جس میں ہر طرح کی خیر آ گئی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں ○

زمین وآسمان:

رب العالمین اپنی زبردست قدرت کی ایک نشانی اور بیان فرماتا ہے کہ اس قدر بلند کشادہ آسمان کی پیدائش اس میں ستاروں کا جڑاؤ' ان کی چمک دمک' ان میں سے بعض کا چلتا پھرتا ہونا' بعض کا ایک جا ثابت رہنا۔ زمین کو ایک ٹھوس شکل میں بنانا۔ اسے کثیف پیدا کرنا۔ اس میں پہاڑ' میدان' جنگل' دریا' سمندر' ٹیلے' پتھر' درخت وغیرہ جما دینا۔ خود تمہاری زبانوں میں رنگتوں میں اختلاف رکھنا۔ عرب کی زبان اور تاتاریوں کی زبان اور کردوں کی اور رومیوں کی اور فرنگیوں کی اور تکرونیوں کی اور بربر کی اور حبشیوں کی اور ہندیوں کی اور ایرانیوں کی اور استقلالیوں اور ازمینوں اور جزریوں کی اور اللہ جانے کتنی کتنی زبانیں زمین پر بنو آدم میں بولی جاتی ہیں۔ انسانی زبانوں کے اختلاف کے ساتھ ان کی رنگتوں کا اختلاف بھی شان اللہ کا مظہر ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ لاکھوں آدمی جمع ہو جائیں ایک کنبے قبیلے کے ایک ملک ایک زبان کے ہوں' لیکن ناممکن ہے کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ اعضائے بدن کے اعتبار سے کلی موافقت ہے۔ سب کی دو آنکھیں دو پلکیں' ایک ناک دو کان' ایک پیشانی' ایک منہ دو ہونٹ دو رخسار وغیرہ۔ لیکن ایک سے ایک علیحدہ ہے کوئی نہ کوئی ہیئت' عادت' خصلت' کلام' بات چیت' طرز ایسی ضرور ہوگی کہ جس میں ایک دوسرے امتیاز ہو جائے گو وہ بعض مرتبہ ہلکی سی چیز ہی ہو۔ گو خوبصورت اور بدصورتی میں کئی ایک یکساں نظر آئیں۔ لیکن جب غور کیا جائے تو ہر ایک سے دوسرے کو ممتاز کرنے والا کوئی نہ کوئی وصف ضرور نظر آ جائے گا۔ ہر جاننے والا اتنی بڑی طاقتوں اور قوتوں کے مالک کو پہچان سکتا ہے اور اس صنعت سے مانع کو جان سکتا ہے۔ نیند بھی قدرت کی ایک نشانی۔ جس سے تھکان دُور ہو جاتی ہے۔ راحت وسکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے قدرت نے رات بنا دی ہے۔ کام کاج کے لئے دنیا حاصل کرنے کے لئے' کمائی دھندے کے لئے۔ تلاش معاش کے لئے اس اللہ نے دن کو پیدا کر دیا۔ جو رات کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً سننے سمجھنے والوں کے لئے یہ چیزیں شان قدرت ہیں۔ طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہو جایا کرتی تھی۔ تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: یہ دعا پڑھا کرو: اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَاَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ يَا حَيُّ يَاقَيُّوْمُ اَنِمْ عَيْنِيْ وَاَهْدِئْ لَيْلِيْ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل اللہ دور ہو گئی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۞

اوراس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اسی سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہے پھر جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلاوے گا تو تم یکبارگی نکل پڑو گے ○

کوندتی بجلیاں:

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے کہ آسمانوں پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے۔ جسے دیکھ کر کبھی تمہیں دہشت ہونے لگتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑاکا کسی کو ہلاک کر دے۔ کہیں بجلی گرے وغیرہ اور کبھی تمہیں امید بندھتی ہے کہ اچھا ہوا اب بارش برسے گی۔ پانی کی ریل پیل ہوگی۔ ہریالی ہو جائے گی وغیرہ۔ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس زمین کو جو خشک پڑی ہوئی تھی، جس پر نام نشان کو کوئی ہریالی نہ تھی، بے کار تھی۔ اس بارش سے وہ زندہ کر دیتا ہے۔ لہلہانے لگتی ہے۔ ہری بھری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگا دیتی ہے۔ عقل مندوں کے لئے عظمت خداوندی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ اس نشان کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں۔ اس زمین کو زندہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہماری موت کے بعد ہمیں بھی از سر نو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زمین و آسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ وہ آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا۔ وہ زمین و آسمان کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں زوال سے بچائے ہوئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پھر قیامت کے دن وہ زمین و آسمان کو بدل دے گا۔ مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے خود اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے گا اور یہ صرف ایک آواز پر زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے کہ جس دن وہ تمہیں پکارے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم رہے اور آیت میں ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (سورۂ نازعات: ۱۳-۱۴) صرف ایک ہی آواز سے ساری مخلوق میدان حشر میں جمع ہو جائے گی اور آیت میں ہے: اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (سورۂ یٰسین: ۵۳) یعنی وہ تو صرف ایک آواز ہوگی۔ جسے سنتے ہی سب کے سب ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؀۲۷ۧ

اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اسی کے تابع ہیں اور اسی سے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے اور آسمان و زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ بڑا زبردست حکمت والا ہے ○

سب عاجز و ناتواں:

فرماتا ہے کہ تمام آسمانوں اور ساری زمینوں کی مخلوق اللہ کی ہی ہے۔ سب اس کے غلام ہیں سب اسی کی ملکیت میں ہے۔ ہر ایک اس کے سامنے عاجز و لاچار مجبور و بے بس ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا ذکر ہے۔ وہاں مراد اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

پیدائش بھی اسی نے کی اور وہی اعادہ بھی کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے عادۃً آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جناب باری کا ارشاد ہے کہ مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اور اسے یہ چاہئے نہیں تھا۔ وہ مجھے برا کہتا ہے اور یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اس نے مجھے اولاً پیدا کیا ہے اس طرح دوبارہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ دوسری مرتبہ کی پیدائش پہلی دفعہ کی پیدائش سے بالکل ہی آسان ہوا کرتی ہے۔ اس کا مجھے برا کہنا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ حالانکہ میں احد صمد ہوں۔ جس کی نہ اولاد نہ ماں باپ اور جس کا کوئی ہمسر نہیں الغرض دونوں پیدائشیں اس مالک کی قدرت میں ہیں۔ نہ اس کا کوئی کام بھاری نہ بوجھل۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ھُوَ کی ضمیر کا مرجع خَلْقٌ ہو۔ مثل سے مراد یہاں اس کی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے نہ کہ مثال۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مثال سے پاک ہے۔ فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (سورۂ شوریٰ: ۱۱) اس کی مثال کوئی اور نہیں۔ بعض اہل ذوق نے کہا ہے کہ جب صاف شفاف پانی کا ستھرا پاک صاف حوض ٹھہرا ہوا ہو اور باد صبا کے تھپیڑے اس کو ہلاتے جلاتے نہ ہوں۔ اس وقت اس میں آسمان صاف نظر آتا ہے۔ سورج اور چاند تارے بالکل دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے دل ہیں۔ جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس پر کسی کا بس نہیں۔ نہ اس کے سامنے کسی کی کچھ چل سکے۔ ہر چیز اس کی ماتحتی میں ہے اور اس کے سامنے پست و لاچار' عاجز و بے بس ہے۔ اس کی قدرت سطوت' سلطنت ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اپنے اقوال افعال شریعت میں' تقدیر میں' غرض ہر ہر امر میں۔ حضرت محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں: مثل اعلیٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ؀۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹

اللہ تعالیٰ تم سے ایک مضمون عجیب تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں ۔کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارے اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس برابر ہوں ۔جن کا تم ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس کا خیال کرتے ہو ۔ہم اسی طرح سمجھ داروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں بلکہ ان ظالموں نے بلا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے ۔سو جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کون راہ پر لائے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا ○

ایک مثال:

مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو شریک اللہ جانتے تھے ۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں ۔چنانچہ وہ حج عمرے کے موقعہ پر لبیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یعنی ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں ۔تیرا شریک کوئی نہیں ۔مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے سب تیری ملکیت میں ہے ۔یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے ۔پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جارہا ہے جو خود یہ اپنے نفس میں ہی پائیں اور بہت اچھی طرح غور وخوض کرسکیں ۔تو فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر راضی ورضامند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر کے شریک ہوں اور ہر وقت اسے دغدغہ (فکر) رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں ۔

پس جس طرح تم یہ بات پسند نہیں کرتے' اللہ کے لئے بھی یہ نہ چاہو ۔جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کرسکتا ۔اسی طرح اللہ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا ۔یہ عجیب ناانصافی ہے کہ اپنے لئے جس بات سے چڑیں اور نفرت کریں' اللہ کے لئے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں ۔خود بیٹیوں سے نفرت کرتے تھے ۔اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے' منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے ۔اسی طرح خود اس بات کے بھی روادار نہیں ہونے کے کہ اپنے غلاموں کو اپنا برابر کا شریک وسہم سمجھیں ۔لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں ۔کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ مشرک جو لبیک پکارتے تھے اور اس میں اللہ کی لاشریکی کا اقرار کر کے پھر اس کی غلامی تلے دوسروں کو مان کر پھر انہیں اس کا شریک ٹھہراتے تھے ۔اس پر یہ آیت اتری ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو' تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو؟ یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم اس طرح دلائل غافلوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں ۔

پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند اور اس پر عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں ۔صرف کرشمۂ جہالت اور پیروی خواہش ہے ۔جب یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے اور کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا ۔یہ گو دوسروں کو اپنا اپنا کارساز اور مددگار مانتے ہوں ۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان اللہ کا دوست کوئی نہیں ۔کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے؟ کون ہے جو اس پر مہربانی کرے؟ اس کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا ۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا

تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲

سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیے پس سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تو اللہ کی طرف رجوع ہو کر فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو اور اس سے ڈرو اور نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ بن گئے ہر گروہ اپنے اس طریقے پر نازاں ہے۔ جو ان کے پاس ہے ○

دین حنیف:

ملت ابراہیم حنیف پر جم جاؤ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور جسے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے کمال کو پہنچایا ہے۔ رب کی فطرت سلیمہ پر وہی قائم ہے جو اس دین اسلام کا پابند ہے اسی پر یعنی توحید پر رب نے تمام انسانوں کو بنایا ہے۔ روز ازل میں اسی کا سب سے اقرار لیا گیا تھا کہ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے اقرار کیا کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔

وہ حدیثیں عنقریب انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو اپنے سچے دین پر پیدا کیا ہے۔ گو اس کے بعد لوگ یہودیت نصرانیت وغیرہ پر چلے گئے۔ لوگو اللہ کی اس فطرت کو نہ بدلو۔ لوگوں کو اس راہ راست سے نہ ہٹاؤ۔ تو یہ خبر معنی میں امر کے ہوگی۔ جیسے ﴿مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (سورۂ آل عمران: ۹۷) میں یہ معنی نہایت عمدہ اور صحیح ہیں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو فطرت سلیمہ پر یعنی دین اسلام پر پیدا کیا۔ رب کے اس دین میں کوئی تغیر تبدل نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنی کئے ہیں کہ یہاں خلق اللہ سے مراد دین اور فطرت اسلام ہے۔ بخاری شریف میں بروایت ابو ہریرہؓ ارشاد رسول ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے بکری کا سالم بچہ ہوتا ہے۔ جس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ مسند احمد میں حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا۔ وہاں ہم بفضل اللہ غالب آ گئے۔ اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے: یہ کیا بات ہے کہ لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں۔ آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آخر وہ بھی تو مشرکین کی اولاد تھے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، نہیں...... یاد رکھو! تم میں سے بھی بہترین لوگ وہی ہیں جو مشرکین کی اولاد ہیں[1]۔ خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا۔ نابالغوں کے قتل سے

[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ ((خیار کم فی الاسلام خیار کم فی الجاھلیۃ)) یعنی اسلام میں بھی وہی بہترین اور کارآزمودہ ثابت ہوئے جو جاہلیت میں بہترین تھے۔ آپ کا یہ دوسرا ارشاد بھی اسی حقیقت کا مظہر ہے۔

رک جانا' ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے۔ اب یا تو وہ شاکر بنتا ہے یا کافر۔

مسند میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منقول ہے کہ حضور علیہ السلام سے مشرکوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو وہ خوب جانتا تھا کہ وہ کیا اعمال کرنے والے ہیں۔ آپ سے منقول ہے کہ ایک زمانہ میں میں کہتا تھا کہ مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ ہے اور مشرکوں کی مشرکوں کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ فلاں شخص نے فلاں سے روایت کر کے مجھے سنایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ خوب عالم ہے اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کو سن کر میں نے اپنا فتویٰ چھوڑ دیا۔ حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسند امام احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں فرمایا کہ مجھے جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ جو اس نے مجھے آج سکھایا ہے اور اس سے تم جاہل ہو وہ میں تمہیں سکھا دوں۔ فرمایا ہے کہ جو میں نے اپنے بندوں کو دیا ہے میں نے ان کے لئے حلال کیا ہے۔ میں نے سب بندوں کو یک طرفہ خالص دین والا بنایا ہے۔ ان کے پاس شیطان پہنچتا ہے اور انہیں دین سے گمراہ کرتا ہے اور حلال کو ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں میرے ساتھ شریک کرنے کو کہتا ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور عرب عجم سب کو ناپسند فرمایا: سوائے چند اہل کتاب کے بقایا کے۔ وہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے صرف آزمائش کے لئے بھیجا ہے۔ تیری اپنی بھی آزمائش ہوگی اور تیری وجہ سے اور سب کی بھی۔ میں تجھ پر وہ کتاب اتاروں گا جسے پانی نہ دھو سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ پھر مجھ سے جناب باری نے ارشاد فرمایا کہ میں قریش کو ہوشیار کر دوں۔ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنا دیں؟ تو فرمایا: سن جیسے یہ تجھے نکالیں گے۔ میں انہیں نکالوں گا۔ تو ان سے جہاد کر۔ میں تیرا ساتھ دوں گا۔ تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو لشکر بھیج' میں اس سے پانچ حصے زیادہ لشکر بھیجوں گا۔ فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں پر چڑھائی کر دے۔

اہل جنت تین قسم کے ہیں:

① عادل بادشاہ توفیق خیر والا سخی۔

② نرم دل ہر مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے والا

③ پاک دامن سوال سے اور حرام سے بچنے والا عیال دار آدمی۔

اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں:

① وہ بے وقعت کمینے لوگ جو بے زر اور بے گھر ہیں جو تمہارے دامنوں میں لپٹے رہتے ہیں۔

② وہ خائن جو حقیر حقیر چیزوں میں خیانت کئے بغیر نہیں رہتے۔

③ وہ لوگ جو ہر وقت لوگوں کو انکی جان' مال اور اہل عیال میں دھوکے دیتے ہیں۔ صبح شام چالبازیوں اور مکر و فریب میں لگے رہتے ہیں۔

④ پھر آپ نے بخیل کا یا کذاب کا ذکر کیا اور فرمایا:

⑤ پانچویں قسم کے لوگ بدزبان بدگو ہیں۔ (مسلم وغیرہ)

یہی فطرتِ سلیمہ کہ شریعت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا ہی سچا اور سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں اور اپنی اسی جہالت کی وجہ سے اللہ کے ایسے پاک دین سے دور بلکہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے چاہے تیری تمنا ہو لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔

ایک اور آیت میں ہے اگر تو اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ تم سب اللہ کی طرف راغب رہو، اسی کی طرف جھکے رہو۔ اسی کا ڈر خوف رکھو اسی کا لحاظ رکھو۔ نمازوں کی پابندی کرو۔ جو سب سے بڑی عبادت اور اطاعت ہے اور تم مشرک نہ بنو بلکہ موحد خالص بن جاؤ۔ اس کے سوا اور سے کوئی مراد وابستہ نہ رکھو۔ حضرت معاذؓ سے حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ تین چیزیں ہیں اور نجات کی جڑ ہیں۔ اول اخلاص جو فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ دوسرے نماز جو اصل دین ہے۔ تیسرے اطاعت جو عصمت اور تحفظ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا ہے۔ تمہیں مشرکوں میں نہ ملنا چاہئے تمہیں ان کا ساتھ نہ دینا چاہئے اور نہ ان جیسا کام کرنا چاہئے۔ جنہوں نے دین اللہ کو بدل دیا۔ بعض باتوں کو مان لیا بعض سے انکار کر گئے۔ فَرَّقُوْا کی دوسری قراءت فَارَقُوْا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جیسے یہود و نصاریٰ، مجوسی، بت پرست اور باقی اور باطل مذہب والے۔

جیسے ارشاد ہے جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کی اور گروہ بندی کر لی۔ تو ان میں سے ہی نہیں ان کا آخر سپرد اللہ ہے۔ تم سے پہلے والے گروہ گروہ میں بٹ گئے تھے۔ اور سب کے سب باطل پر جم گئے اور ہر فرقہ ہی دعویٰ کرتا رہا کہ وہ کچھ ہے اور دراصل حقانیت سے وہ سب ہٹ گئے تھے۔ اس امت میں بھی تفرقہ پڑا۔ لیکن ان میں ایک حق پر ہے ہاں باقی سب گمراہی پر ہیں۔ یہ حق والی جماعت اہل سنت والجماعت ہے۔ جو کتاب اللہ کو اور سنت رسول اللہ کو مضبوط تھامنے والی ہے۔ جس پر اگلے زمانے کے صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مسلمین تھے۔ گزشتہ زمانے میں بھی اور اب بھی۔ جیسے مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان سب میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: مَنْ کَانَ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْهِ الْیَوْمَ وَاَصْحَابِیْ یعنی وہ لوگ جو اس پر ہوں جس پر میں آج ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو بس ان میں سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں سو چند روز اور حظ حاصل کرلو۔ پھر جلد ہی تم معلوم کرلو گے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے کہ وہ ان کو شرک کرنے کو کہہ رہی ہے اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش رہتے ہیں اور اگر ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں۔ ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے۔ تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ○

انسان کی عجیب عادت:

اللہ تعالیٰ لوگوں کی حالت بیان فرما رہا ہے کہ دکھ درد مصیبت و تکلیف کے وقت تو وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کو بڑی عاجزی وزاری نہایت توجہ اور پوری دل سوزی کے ساتھ پکارتے ہیں اور جب اس کی نعمتیں ان پر برسنے لگتی ہیں تو یہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوْا میں جو لام ہے، بعض کہتے ہیں لام عاقبت ہے اور بعض کہتے ہیں لام تعلیل ہے۔ لیکن اس کا لام تعلیل ہونا اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے یہ مقرر کیا۔ پھر انہیں دھمکایا کہ تم ابھی معلوم کرلو گے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ کوتوال یا سپاہی کسی کو ڈرائے دھمکائے تو وہ کانپ اٹھتا ہے کہ اس کے دھمکانے سے ہم دہشت میں نہ آئیں۔ جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اور جس کا صرف یہ کہہ دینا ہر امر کے لئے کافی ہے کہ ہو جا۔ پھر مشرکین کا محض بے دلیل ہونا بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے شرک کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

پھر انسان کی ایک بیہودہ خصلت بطور انکار بیان ہو رہی ہے کہ سوائے چند ہستیوں کے عموماً حالت یہ ہے کہ راحتوں کے وقت پھول جاتے ہیں اور سختیوں کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔ گویا اب کوئی بہتری ملنے ہی کی نہیں۔ ہاں مؤمن سختیوں میں صبر اور نرمیوں میں نیکیاں کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے۔ مؤمن پر تعجب ہے اس کے لئے اللہ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے۔ راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی متصرف اور مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق نظام قائم کئے ہوئے ہے۔ کسی کو کم دیتا ہے کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ کوئی تنگی ترشی میں کوئی وسعت اور فراخی میں۔ اس میں مؤمنوں کے لئے نشان ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ

هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور پھر قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی ۔ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے ○

یہ ہیں فلاح یاب:

قرابت داروں کے ساتھ نیکی' سلوک اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے ۔ مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو ۔ یا کچھ ہو لیکن کافی نہ ہو ۔ اس کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرنے کا حکم ہو رہا ہے ۔ مسافر جس کا مال خرچ ہو گیا ہو ۔ اس کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارشاد ہوتا ہے ۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے جو چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن دیدار اللہ کریں ۔ حقیقت میں انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں ۔

دنیا اور آخرت میں نجات ایسے ہی لوگوں کو ملے گی ۔ اس دوسری آیت کی تفسیر تو ابن عباسؓ ' مجاہدؒ ' ضحاکؒ ' قتادہؒ ' عکرمہؒ ' محمد بن کعبؒ اور شعبیؒ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص کوئی عطیہ اس ارادے سے دے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں ۔ تو اس ارادے سے ہدیہ دینا ہے تو مباح لیکن ثواب سے خالی اللہ کے ہاں اس کا بدلہ کچھ نہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی روک دیا ۔ اس معنی میں یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہو گا ۔ اسی کے ہم معنی آیت : ﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾ (سورۂ مدثر: ۶) یعنی زیادتی معاوضہ کی نیت سے کسی کے ساتھ احسان نہ کیا کرو ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ سود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک تو بیوپار تجارت میں بیاج سے تو حرام محض ہے ۔ دوسرا سود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں ' وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے ۔ پھر یہ آیت پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ثواب تو زکوٰۃ ادا کرنے کا ہے زکوٰۃ دینے والے کو بہت برکتیں حاصل ہوتی ہیں ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقے میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن رحیم اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور اسی طرح پالتا اور بڑھاتا ہے ۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ وہی کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق ہے ۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا بے علم بے کان بے آنکھ بے طاقت نکلتا ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے ۔ مال بھی ملکیت بھی کمائی بھی ' تجارت بھی ' غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے ۔ دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول ہوتے ۔ ہم نے بھی آپ کا ہاتھ بٹایا ۔ آپ نے فرمایا: دیکھو سر ہلنے لگے تب بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا ۔ انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے ۔ ایک چھلکا بھی اس کے بدن میں نہیں ہوتا ۔ پھر رب ہی اسے روزی دیتا ہے ۔ وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا ۔ پھر قیامت کے دن زندہ کر دے گا ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو ۔ ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں

رکھتا۔ ان کاموں میں سے ایک بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تنہا خالق و رازق اور موت زندگی کا مالک ہے۔ وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو جلائے گا۔ اس کی مقدس منزہ معظم اور عزت جلال والی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو یا اس جیسا ہو یا اسکے برابر ہو یا اس کی اولاد ہو یا ماں باپ ہو۔ وہ احد ہے صمد ہے۔ فرد ہے ماں باپ سے اولاد سے پاک ہے۔ اس کے کفو کا کوئی نہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ملکوں میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا اخیر کیسا ہوا۔ ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ ○

دُنیا فساد کے دہانے پر:

ممکن ہے بر یعنی خشکی سے مراد میدان اور جنگل ہوں اور بحر یعنی تری سے مراد شہر اور دیہات ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بر کہتے ہیں خشکی اور بحر کہتے ہیں تری کو۔ خشکی کے فساد سے مراد بارش کا نہ ہونا پیداوار کا نہ ہونا قحط سالیوں کا آنا۔ تری کے فساد سے مراد بارش کا رک جانا، جس سے پانی کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔ انسان کا قتل اور کشتیوں کا جبراً چھین جھپٹ لینا یہ خشکی تری کا فساد ہے۔ بحر سے مراد جزیرے اور بر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں۔ لیکن اول قول تو زیادہ ظاہر ہے اور اسی کی تائید محمد بن اسحٰق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمہ کے بادشاہ سے صلح کر لی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا۔

پھلوں کا اور اناج کا نقصان دراصل انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں۔ زمین و آسمانی اصلاح اللہ کی عبادت میں ہیں۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ زمین پر ایک حد[1] قائم ہونا زمین والوں کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ اس لئے کہ حد کے قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو آسمانی اور زمینی برکتیں لوگوں کو حاصل ہوں گی۔

چنانچہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ مثلاً خنزیر کا قتل، صلیب کی شکست، جزیے کا ترک یعنی اسلام کی قبولیت یا جنگ۔ پھر جب آپ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے۔ یاجوج ماجوج تباہ ہو جائیں گے تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں لوٹا دے۔ اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہوگا۔ وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کر لیں۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جاری کرنے کی وجہ سے ہوں گی۔ جوں جوں عدل انصاف مطابق شرع شریف بڑھے گا، ویسے ہی خیر و برکت بڑھتی چلی جائے گی۔ اس کے برخلاف فاجر شخص کے بارے میں حدیث شریف میں

[1] جرائم پر جو سزا شریعت کی جانب سے دی جاتی ہے اس کو "حد" کہتے ہیں مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا۔ زنا پر سنگسار کرنا وغیرہ۔

ہے کہ اس کے مرنے پر بندے اور شہر اور درخت اور جانور سب راحت پالیتے ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانے میں ایک تھیلی پائی گئی۔ جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اُگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ زین بن اسلم سے منقول ہے کہ مراد فساد سے شرک ہے۔ لیکن یہ غور طلب ہے پھر فرماتا ہے کہ مال اور پیداوار کی اور پھل اناج کی کمی بطور آزمائش کے اور بطور ان کے بعض اعمال کے بدلے میں ہے جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف:۱۶۸) ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوٹ جائیں۔ تم زمین میں چل پھر کر آپ ہی دیکھ لو کہ تم سے پہلے جو مشرک تھے۔ ان کے نتیجے کیا ہوئے۔ رسولوں کے نہ ماننے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا کیا کچھ وبال ان پر آیا۔ یہ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

سو تم اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھو قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے جس کے واسطے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا' جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے ○

دین قیم:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دین قیم پر جم جانے کی اور مضبوطی سے اللہ کی فرماں برداری کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے مضبوط دین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آجائے۔ جب اس کے آنے کا اللہ کا حکم ہو چکے گا پھر اس حکم کو یا اس آجانے والی ساعت کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اس دن نیک و بد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے ایک جماعت جنت میں ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں جائے گی۔ کافر اپنے کفر کے بوجھ تلے دب رہے ہوں گے اور نیک اعمال لوگ اپنے کئے ہوئے بہترین آرام دہ ذخیرہ پر خوش و خرم ہوں گے۔ رب انہیں ان کی نیکیوں کا اجر بہت کچھ بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے دے گا۔ ایک ایک نیکی دس دس بلکہ سات سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ کر کے انہیں ملے گی۔ کفار کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا۔ تاہم ان پر بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

ٹھنڈی ہوائیں:

بارش آنے سے پہلے بھینی بھینی ہواؤں کا چلنا اور لوگوں کو بارش کی امید دلانا اس کے بعد مینہ برسانا' تا کہ بستیاں آباد رہیں۔ جاندار زندہ رہیں۔ سمندروں میں دریاؤں میں جہاز اور کشتیاں چلیں۔ کیونکہ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اب تم اپنی تجارت اور کمائی دھندے کے لئے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر جا آسکو۔ پس تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار اور ان گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین اور تسلی دینے کے لئے فرماتا ہے کہ اگر آپ کو لوگ جھٹلاتے ہیں تو آپ اسے کوئی انوکھی بات نہ سمجھیں۔ آپ سے پہلے کہ رسولوں کو بھی ان کی امتوں نے بیہودہ گوئی سے کام لے کر پریشان کیا ہے۔ وہ بھی صاف روشن اور واضح دلیلیں معجزے اور احکام لائے تھے۔ بالآخر جھٹلانے والے عذاب کے شکنجے میں کس دیئے گئے اور مومنوں کو اس وقت ہر قسم کی برائی سے نجات ملی۔ اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نفس کریم پر یہ بات لازم کر لی ہے کہ وہ اپنے باایمان بندوں کو مدد دے گا۔

جیسے فرمان ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (سورۃ الانعام: ۵۴) ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچالے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس سے جہنم کی آگ کو ہٹالے۔ پھر آپ نے پڑھا: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَ

لَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ ان کے خوش ہونے سے پہلے ان پر سے ناامید تھے۔ سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اگر ہم ان پر اور ہوائیں چلائیں پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اسکے بعد ناشکری کرنے لگیں ○

آسمان میں تیرتے ہوئے بادل:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندروں پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اس کو بڑھا دیتا ہے۔ تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بالشت دو بالشت کا ابر اٹھا۔ پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے اور کبھی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابر اٹھتے ہیں۔

اسی مضمون کو آیت: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ (سورۂ اعراف: ۵۷) میں بیان فرمایا ہے۔ پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ان بادلوں کے درمیان سے برسنے لگتی ہے جہاں برسی وہیں کے لوگ خوش ہو گئے۔

پھر فرماتا ہے: یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے۔ دو دفعہ مِنْ قَبْلِ کا لفظ لانا تاکید کے لئے ہے۔ ہ کی ضمیر کا مرجع انزال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تاسیسی دلالت ہو۔ یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہوا اس سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مایوس ہو چکے تھے۔

پھر اس ناامیدی کے بعد دفعتاً ابر اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے قحط سالی تر سالی سے بدل جاتی ہے۔ یا زمین صاف چٹیل میدان تھی یا ہر طرف ہریالی دکھائی دینے لگتی ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے؟ یاد رکھو کہ جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے ہو وہ ایک دن مردوں کو ان کی قبروں سے بھی نکالنے والا ہے۔ جب کہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہوں۔ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے: اگر ہم تیز ہوائیں چلا دیں' اگر آندھیاں آ جائیں اور ان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں پژمردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں بھی یہی بیان ہوا ہے: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ سے مَحْرُوْمُوْنَ تک (سورۂ واقعہ: ۶۳-۶۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ہوائیں آٹھ قسم کی ہوتی ہیں۔ چار رحمت کی چار زحمت کی۔ ناشرات' مبشرات' مرسلات اور ذاریات تو رحمت کی ہیں اور عقیم' صرصر' عاصف اور قاصف عذاب کی۔ ان میں سے دو خشکی کی اور آخری دو تری کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہوائیں دوسری سے مسخر ہیں یعنی دوسری زمین سے جب اللہ تعالیٰ نے عادیوں کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ہواؤں پر مسلط فرشتہ کو یہ حکم دیا۔ اس نے دریافت کیا کہ جناب باری

کیا میں ہواؤں کے خزانے ہیں اتنا سوراخ کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ تو فرمان اللہ ہوا کہ نہیں نہیں اگر ایسا ہوا تو کل زمین اور زمین کی کل چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اتنا نہیں بلکہ اتنا سوراخ کرو جتنا انگوٹھی میں ہوتا ہے۔ اب صرف اتنے سے سوراخ سے وہ ہوا چلی جو جہاں پہنچی وہاں بھس اڑا دیا۔ جس چیز پر سے گزری اسے بے نشان کر دیا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿۵۳﴾ ع

سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے۔ جب کہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے۔ آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں میں یقین رکھتے ہیں پھر وہ مانتے ہیں ○

ہدایت وضلالت:

باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ جس طرح یہ تیری قدرت سے خارج ہے کہ مردوں کو جو قبروں میں ہوں تو اپنی آواز سنا سکے۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ بہرے شخص کو جبکہ وہ پیٹھ پھیرے منہ موڑے جا رہا ہو تو اپنی بات سنا سکے۔ اسی طرح جو حق سے اندھے ہوں تو ان کی رہبری ہدایت کی طرف نہیں کر سکتا۔ ہاں اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب چاہے مردوں کو زندوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے۔ ہدایت و ضلالت اس کی طرف سے ہے۔ تو صرف اسے انہیں سنا سکتا ہے جو باایمان ہوں اور اللہ کے سامنے جھکنے والے ہوں۔ اس کے فرمانبردار ہوں۔ یہ لوگ حق کو سنتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ یہ تو ہوئی حالت مسلمان کی اور اس سے پہلے جو حالت بیان ہوئی وہ کافر کی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ﴾ (سورۂ انعام: ۳۶) تیری پکار وہی قبول کریں گے جو کان دھر کے سنیں گے۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھا کر بٹھائے گا۔ پھر سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین سے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے اور بدر کی کھائیوں میں ان کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں۔ ان کی موت کے تین دن بعد ان سے خطاب کر کے انہیں ڈانٹا اور غیرت دلائی۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے خطاب کرتے ہیں جو مردہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم بھی میری اس بات کو جو میں انہیں کہہ رہا ہوں اتنا نہیں سنتے جتنا[1] یہ سن رہے ہیں۔ ہاں وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی سن کر فرمایا کہ آپ نے فرمایا: یوں ہے کہ وہ اب بخوبی جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے۔ پھر آپ نے مردوں کے نہ سن سکنے پر اسی آیت سے استدلال کیا کہ ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾۔

[1] ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ بہرے تو تھے نہیں بلکہ قوت سماعت موجود تھی اور خوب سنتے تھے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم بھی اتنا نہیں سنتے جتنا یہ مردے سن لیتے ہیں کیا معنی رکھتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں اس برزخی زندگی سے متعلق امور کا انکشاف ممکن نہیں۔ ہاں برزخ شروع ہوا اور وہاں کے احوال سب سامنے آ گئے اور ظاہر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجسام سے برزخی زندگی میں پیش آنے والے ان حقائق کے متعلق سوال فرما رہے تھے۔ جن کے عمرؓ یقیناً ناواقف تھے۔ اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ اے عمرؓ! یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں بالکل صحیح ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات انہوں نے سن لی۔ تاکہ انہیں پوری ندامت اور کافی شرمساری ہو۔

لیکن علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ ابن عبدالبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جواب دے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝۵۴

اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قوت رکھنے والا ہے ○

یہ مراحل:

انسان کی ترقی وتنزل پر نظر ڈالو اس کی اصل تو مٹی سے ہے۔ پھر نطفے سے۔ پھر خون بستہ سے۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے۔ پھر اسے ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنایا جاتا ہے۔ پھر روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے ضعیف و نحیف ہو کر نکلتا ہے۔ پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا جاتا ہے اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ پھر بچپن کے زمانے کی بہاریں دیکھتا ہے۔ پھر جوانی کے قریب پہنچتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ آخر نشوونما موقوف ہو جاتی ہے۔ اب قوی پھر مضمحل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ طاقتیں گھٹنے لگتی ہیں۔ اُدھیڑ عمر کو پہنچتا ہے۔ پھر وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ طاقت کے بعد یہ ناطاقتی بھی قابل عبرت ہوتی ہے کہ ہمت پست ہے۔ دیکھنا' سننا' چلنا' پھرنا' اُٹھانا' اُچکنا' پکڑنا غرض ہر حالت طاقت گھٹ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ بالکل جواب دے جاتی ہے اور ساری صفتیں متغیر ہو جاتی ہیں بدن پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ رخسار پچک جاتے ہیں۔ دانت ٹوٹ جاتے ہیں۔ بال سفید ہو جاتے ہیں۔ یہ قوت کے بعد کی ضعیفی اور بڑھاپا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بناتا ہے بگاڑتا ہے اور یہ اس کی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔ ساری مخلوق اس کی غلام' وہ سب کا مالک' وہ عالم' وہ قادر۔ نہ اس جیسا کسی کا علم نہ اس جیسی کسی کی قدرت۔ حضرت عطیہ عوفی کہتے ہیں' میں نے اس آیت کو ضُعْفًا تک حضرت ابن عمرؓ کے سامنے پڑھا' تو آپ نے بھی اس کی تلاوت کی اور فرمایا: میں نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتنا ہی پڑھا تھا' جو آپ پڑھنے لگے۔ جس طرح میں نے تمہاری قرأت پر قرأت شروع کر دی۔ (ابوداود-ترمذی-مسند احمد)۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝۵۵ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَھٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۶

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۞۵۷

اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھائیں گے کہ وہ لوگ (یعنی ہم عالم برزخ میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ لوگ الٹے چلا کرتے تھے اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ تم تو فرشتہ خداوندی کے مطابق قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے لیکن تم یقین نہ کرتے تھے۔ غرض اس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا نفع نہ دے گا اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا ○

وہ ساعت:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفار دنیا اور آخرت کے کاموں سے بالکل جاہل ہیں۔ دنیا سے ان کی جہالت تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے رہے اور آخرت میں یہ جہالت کریں گے کہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف ایک ہی ساعت رہے۔ اس سے مقصود ان کا یہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی۔ ہمیں معذور سمجھا جائے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ جیسے یہاں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، دنیا میں بھی یہ بہکے ہوئے ہی رہے۔ فرماتا ہے کہ ان کے کہنے پر علماء کرام جیسے دنیا میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے آخرت میں بھی ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹی قسمیں کھا رہے ہو۔ تم کتاب اللہ یعنی کتاب الاعمال میں اپنی پیدائش سے لے کر حشر و نشر تک ٹھہرے رہے۔ لیکن تم بے علم اور جاہل ہو۔ پس قیامت کے دن ظالموں کا معذرت کرنا محض بے سود رہے گا اور وہ دنیا کی طرف لوٹائے نہ جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ (سورۂ حم سجدہ ۲۴) یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہیں سکتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۞۵۸ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۵۹ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۞۶۰ ع

اور ہم نے لوگوں کے واسطے اسی قرآن میں ہر طرح کے عمدہ قوانین بیان کئے ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آویں تب بھی یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب نرے اہل باطل ہو جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یوں ہی مہر کر دیتے ہیں۔ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بے یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں ○

مثالوں کے پردے:

حق کو ہم نے اس کلام پاک میں پوری طرح واضح کر دیا ہے اور مثالیں دے کر سمجھا دیا ہے کہ لوگوں پر حق کھل جائے اور اس کی تکمیل میں لگ جائیں۔ ان کے پاس تو کوئی بھی معجزہ آ جائے۔ کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں، لیکن یہ تو بلا تامل کہہ دیں گے کہ یہ جادو ہے

باطل ہے جھوٹ ہے۔ دیکھئے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔

خود قرآن کریم کی آیت: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ﴾ (سورۂ یونس:۹۶) میں ہے کہ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ گو ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں۔ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کا معائنہ کر لیں۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ بے علم لوگوں کے دلوں پر اسی طرح مہر خداوندی لگ جاتی ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر کیجئے۔ ان کی مخالفت اور دشمنی پر صبر کئے چلے جایئے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ ضرور ایک دن ان پر غالب کرے گا اور تمہاری امداد فرمائے گا اور دنیا اور آخرت میں تجھے اور تیرے تابعداروں کو مخالفین پر غلبہ دے گا۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے کام پر لگے رہو۔ حق پر جم جاؤ۔ اس سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہٹو۔ اسی میں ساری ہدایات ہے۔ باقی سب باطل کے ڈھیر ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں تھے۔ جب ایک خارجی نے آپ کا نام لے کر زور سے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (سورۂ زمر:۶۵) آپ نے خاموشی سے اس آیت کو سنا سمجھا اور نماز ہی میں اس کے جواب میں آیت: ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾ تلاوت فرمائی (ابن جریر، ابن حاتم) وہ حدیث جس سے اس مبارک سورت کی فضیلت اور اس کی قرأت کا صبح کی نماز میں مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سورت کی قرأت کی۔ اثنائے قرأت میں آپ کو شبہ ہو گیا۔ فارغ ہو کر فرمانے لگے: تم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن باقاعدہ وضو نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو۔ اسے اپنی طرح وضو کرنا چاہئے[1] (مسند احمد)۔ اس کی اسناد حسن اور اس میں ایک عجیب بھید اور بہت خبر ہے اور وہ یہ کہ آپ کے مقتدیوں کے وضو بالکل درست نہ ہونے کا اثر آپ پر بھی پڑا۔ پس ثابت ہوا کہ مقتدیوں کی نماز معلق ہے امام کی نماز کے ساتھ[2]۔

---

[1] یہ نہ سمجھئے کہ شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اور تان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اُن لوگوں پر توڑی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غلطی اُن کے سر تھوپ دی۔ معاذ اللہ...... ایسا تصور بھی حرام ہے اور اس قسم کے خیالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے ناواقفیت کی کھلی علامت ہے۔ نبی ایسا دنی فطرت نہیں ہوتا کہ اپنی غلطیاں دوسروں کے سر تھوپ دے۔ بات اصل میں یہی ہے کہ نبی سے غلطی ہوتی ہی نہیں اور اُمت کی غلطیوں کا بھی بوجہ عصمتِ کاملہ کے اُس پر اثر ہوتا ہے۔ اِس کی مثال یوں سمجھئے جیسا کہ کسی شخص کو متلی ہو رہی ہے۔ ایک لطیف الطبع کا دِل بھی اُسے دیکھ کر متلانے لگتا ہے۔ پس گناہوں کے اثرات کو نبی اپنی طہارتِ کاملہ کی وجہ سے ایسے ہی محسوس کرتا ہے۔

[2] اور اس سے بھی ثابت ہوا کہ بظاہر بھی امام کے تمام افعال مقتدی کے ہی کام سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ امام کے پڑھنے کے بعد مقتدی کے لئے اس کا پڑھنا ضروری نہ رہا۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۴ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۳۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

الٓمّٓ۔ یہ آیتیں ہیں ایک پرحکمت کتاب کی جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیک کاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے رب کی سیدھی راہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○

نیکوکار جماعت:

سورہ بقرہ کی تفسیر کے اول میں ہی حروفِ مقطعات کے معنی اور مطلب کی توضیح کردی گئی ہے۔ یہ قرآن ہدایت' شفا اور رحمت ہے ان نیک کاروں کے لئے جو شریعت کے پورے پابند ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں ارکان اوقات وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہی نوافل سنت وغیرہ بھی نہیں چھوڑتے۔ فرض زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی سلوک واحسان سخاوت اور داد پیش کرتے رہتے ہیں۔ آخرت کی جزا کا انہیں کامل یقین ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف پوری رغبت کرتے ہیں۔ ثواب کے کام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اجر پر نظر رکھتے ہیں نہ ریا کاری کرتے ہیں نہ لوگوں سے داد چاہتے ہیں ان اوصاف والے راہ یافتہ ہیں۔ راہ اللہ پر لگا دیئے گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو دین و دنیا میں فلاح نجات اور کامیابی حاصل کریں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

اور بعضا آدمی ایسا (بھی) ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والے ہیں تا کہ اللہ کی یاد سے بے سمجھے گمراہ کرے اور اسکی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے سو اس کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے ○

داستانِ بے حقیقت:

اُوپر بیان ہوا تھا نیک بختوں کا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے تھے اور اسے سن کر نفع اٹھاتے تھے۔ تو یہاں بیان ہو رہا ہے ان بدبختوں کا جو کلام اللہ کو سن کر نفع حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں اور بجائے اس کے گانے بجانے باجے گاجے ڈھول تاشے سنتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قسم اللہ کی اس سے مراد گانا اور راگ ہے اور آیت میں ہے کہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے مقصد گانا اور راگ راگنیاں ہیں۔ یہی قول حضرت ابن عباس، جابر عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب، علی بن بذیمہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ امام بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے بجانے باجوں گاجوں کے بارے میں اتری ہے[1]۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہی نہیں جو اس لہو ولعب میں پیسے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں مراد خریدنے سے محبوب رکھنا اور پسند کرنا ہے۔ انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق بات پر پسند کرے اور نقصان کی ہر چیز کو نفع کی بات پر مقدم کرلے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لغو بات خریدنے سے مراد گانے والی لونڈیوں کی خریداری ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ گانے والیوں کی خرید و فروخت حلال نہیں اور ان کی قیمت کا کھانا حرام ہے' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے غریب کہا ہے اور اس سے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف کہا ہے۔ میں کہتا ہوں خود علی' انکے استاد اور انکے کل شاگرد ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

ضحاک کا قول ہے کہ مراد اس سے شرک ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو کلام اللہ سے اور اتباع شرع سے روکے' وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اس سے غرض اس کی اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہوتی ہے۔ ایک قرأت میں لِيُضِلَّ ہے تو لام عاقبت ہو گا یا لام تعلیل ہوگا۔ یعنی امر تقدیری ہی ان کی اس کارگزاری سے ہو کر رہے گا۔ ایسے لوگ اللہ کی راہ کو ہنسی بنا لیتے ہیں۔ آیات اللہ کو بھی مذاق میں اڑاتے ہیں۔ اب ان کا انجام بھی سن لو۔ کہ جس طرح انہوں نے راہ اللہ کی کتاب اللہ کی اہانت کی قیامت کے دن ان کی اہانت ہوگی اور خطرناک عذاب میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔

پھر بیان ہو رہا ہے کہ یہ بدنصیب جو کھیل تماشوں باجوں گاجوں پر' راگ راگنیوں پر ریجھا ہوا ہے۔ یہ قرآن کی آیتوں سے بھاگتا ہے۔ ان سے کان بہرے کر لیتا ہے۔ یہ اسے اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ سن بھی لیتا ہے تو بے سنی کر دیتا ہے۔ بلکہ اس کا سننا اسے ناگوار گزرتا ہے کوئی مزہ نہیں آتا۔ وہ اسے فضول کام قرار دیتا ہے۔ چونکہ اس کی کوئی عزت اور اہمیت اس کے دل میں نہیں' اس لئے وہ ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ ان سے تو محض بے پرواہ ہے' خیر یہاں اللہ کی آیتوں سے اکتاتا ہے تو قیامت کے دن عذاب بھی وہ ہوں گے کہ اکتا اکتا جائے گا۔ یہاں آیات قرآنیہ سن کر اسے دکھ ہوتا ہے۔ وہاں دکھ دینے والے عذاب اسے بھگتنے پڑیں گے۔

---

[1] افسوس کہ امت آج انہیں خرافات میں مبتلا ہے قبروں پر قوالیاں' عرسوں میں گانے والی طوائفیں' شادیوں میں ریکارڈ اور ناچنے والی بازاری عورتیں' گھر میں ریڈیو' ٹی وی اور وی سی آر۔ اے اللہ اس امت پر رحم فرما اور منکرات سے محفوظ رہنے کی توفیق ارزانی ہو۔ آمین یا رب العٰلمین

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾

البتہ جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے ○

ایمان اور اچھے کام:

نیک لوگوں کا انجام بیان ہورہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے رہے۔ شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے۔ ان کے لئے جنتیں ہیں۔ جن میں طرح طرح کی نعمتیں' لذیذ غذائیں' بہترین پوشاک' عمدہ عمدہ سواریاں' پاکیزہ نورانی چہروں والی بیویاں ہیں۔ وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو ہیشگی ہے۔ کبھی زوال نہیں۔ نہ تو یہ مریں نہ ان کی نعمتیں فنا ہوں نہ کم ہوں نہ خراب ہوں۔ یہ حقاً اور یقیناً ہونے والا ہے۔ کیونکہ اللہ فرما چکا ہے اور رب کی باتیں بدلتی نہیں۔ اس کے وعدے ٹلتے نہیں۔ وہ کریم ہے۔ منان ہے' محسن ہے' منعم ہے' جو چاہے کرسکتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے عزیز ہے۔ سب کچھ اس کے قبضے میں ہے۔ حکیم ہے۔ کوئی کام کوئی بات کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں۔

اس نے قرآن کریم کو مؤمنوں کے لئے ہادی اور شافی بنایا ہے۔ ہاں بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں میں اندھاپن ہے اور آیت میں ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۸۲) یعنی جو قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے وہ مؤمنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم تو نقصان میں ہی بڑھتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلاستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے یہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کیں بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں ○

چرخ نیلی فام اور بے ستون:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ زمین وآسمان اور ساری مخلوق کا خالق صرف وہی ہے۔آسمان کو اس نے بے ستون اونچا رکھا ہے۔واقع میں کوئی ستون ہے ہی نہیں۔

گو مجاہد کا یہ قول بھی ہے کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔اس مسئلہ کا پورا فیصلہ میں سورہ رعد کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں۔اس لئے یہاں دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں کہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچالے۔اس قدر قسم قسم کے بھانت بھانت کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج کوئی ان کا حصر نہیں کر سکا۔

اپنا خالق اور خلاق ہونا بیان فرما کر اب رازق اور رزاق ہونا بیان فرمارہا ہے کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگادی۔جو دیکھنے میں خوش منظر کھانے میں بے ضرر نفع میں بہت ہیں۔شعبیؒ کا قول ہے کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے۔جنتی کریم ہیں اور دوزخی لئیم۔اللہ تعالیٰ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے۔اب جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے۔جب نہیں تو وہ خالق نہیں اور خالق نہیں تو معبود نہیں۔پھر ان کی عبادت ظلم اور سخت نا انصافی ہے۔فی الواقع اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا بہرا' بے عقل' بے علم' بے سمجھ' بے وقوف اور کون ہوتا؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز خوبیوں والا ہے ○

حکمت لقمان:

سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔بلکہ ایک اللہ رسیدہ انسان اور ولی نیز اللہ کے بزرگ بندے تھے۔ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔حضرت جابرؓ سے جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: حضرت لقمان پستہ قد اونچی ناک والے موٹے ہونٹ والے نبی تھے۔

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں: آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔حکمت آپ کو عطا ہوئی تھی۔لیکن نبوت نہیں ملی تھی۔آپ نے ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا: اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ۔تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے۔تینوں سیاہ رنگ تھے۔بلالؓ جو حضور رسالت پناہ کے غلام تھے۔حضرت مہجع جو جناب فاروق اعظم کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔

حضرت خالد ربعی کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے۔ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔وہ دل اور زبان لے گئے کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین خبیث ٹکڑے ہوں وہ لاؤ۔آپ آج بھی یہی دو چیزیں لائے۔مالک نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تو نے یہی لا کر دیئے۔یہ کیا بات ہے۔آپ

نے فرمایا: جب یہ درست رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے۔ موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے اور ایک بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور یہ بھی قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آپ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے' جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا: پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا: سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے۔ کیونکہ غلامی نبوت کے خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام عالی نسب اور عالی خاندان ہوا کرتے تھے۔

اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہ سے نقل ہے کہ آپ نبی تھے۔ لیکن یہ بھی جب کہ سند ثابت ہو جائے۔ لیکن اس کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں' جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا کہ کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوں۔ کہا: کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا: ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں۔ اس نے کہا: کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوں۔ تم یہ بتلاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: یہی کہ پھر کیا وجہ ہے کہ تیری مجلس پُر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں بڑے شوق سے سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سنو بھائی' جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کر لو' تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بے ہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہیں عادتوں کی وجہ سے میری بزرگی ہوئی ہے۔

ابوداوُدؒ فرماتے ہیں کہ لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خلق' خاموش' غور و فکر کرنے والے' گہری نظر والے' دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے نہ تھوکتے تھے' نہ پاخانہ پیشاب و غسل کرتے تھے۔ لغو کاموں سے دور رہتے تھے' ہنستے نہ تھے' جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ جس وقت انکی اولاد فوت ہوئی' یہ بالکل نہ روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اسلئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔

حضرت قتادہ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کا اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی راتوں رات ان پر حکمت برسا دی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی۔ ممکن تھا کہ منصب کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو' میں نبوت کا بوجھ برداشت نہ کر سکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے راوی سعید بن بشیر ہیں۔ جن میں ضعف[1] ہے فاللہ اعلم۔ حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: مراد حکمت

---

[1] اور نہ صرف یہ کہ روایت سند ہی کے اعتبار سے ناقابل اعتماد ہے' عقل بھی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اول اس لئے کہ کسی بھی نبی کے متعلق ایسی روایت نہیں ملتی کہ ان کو یوں نبوت کے اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ اس لئے انبیا کی روایات کے خلاف اس روایت کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ امت کے اجماعی عقیدہ کے مطابق نبوت ایک وہبی چیز ہے۔ اس میں کسی شخص کی کوششوں کو کوئی بھی دخل نہیں اور بادنیٰ تامل یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبوت و حکمت میں انتخاب کسب کا ایک شعبہ ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی۔

سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ نہ ان پر وحی آتی تھی۔ پس سمجھ علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا فرمائی ہے اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گزار کچھ مجھ پر کوئی احسان نہیں کرتا وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔

جیسے اور روایت میں ہے: ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ﴾ (سورۂ روم: ۴۴) نیکی والے اپنے لئے ہی بھلائی تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اس کی ناشکری ضرر نہیں پہنچاتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ سب سے غنی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کر سکتے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بیشک شرک کرنا بھاری ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر۔ میری طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کا شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے ○

دل پذیر نصائح:

حضرت لقمانؒ نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت و وصیت کی تھی' اس کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عنقا بن سدون تھے۔ ان کے باپ کا نام بموجب بیان سہیلی ثاران ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اچھائی سے کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ انہیں حکمت عنایت فرمائی گئی تھی۔ انہوں نے جو بہترین وعظ اپنے لڑکے کو سنایا تھا' اور مفید ضروری اور عمدہ نصیحتیں انہیں کی تھیں' ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اولاد سے زیادہ عزیز چیز انسان کو اور کوئی نہیں ہوتی اور انسان اپنی بہترین اور انمول چیز اپنی اولاد کو نصیحت کرنے کہ صرف اللہ کی عبادت کرنا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یاد رکھو اس سے بڑی بے حیائی اور زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔ حضرت عبداللہؓ سے صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ جب آیت: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (سورۂ انعام: ۸۲) اتری تو اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ عنہ

پر بڑی مشکل آ پڑی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے وہ کون ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو؟ اور آیت میں ہے کہ ایمان کو جنہوں نے ظلم سے نہیں ملایا وہی باامن اور راہ راست والے ہیں تو آپ نے فرمایا ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہیں بلکہ ظلم سے مراد ہے وہ ظلم جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا' یہ بڑا بھاری ظلم ہے۔

اس پہلی وصیت کے بعد حضرت لقمانؑ دوسری وصیت کرتے ہیں اور وہ بھی درجے اور تاکید کے لحاظ سے واقع ایسی ہی ہے کہ اس پہلی وصیت سے ملائی جائے۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرنا جیسے فرمان جناب باری ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۲۳) یعنی تیرا رب یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی تم عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرتے رہو۔

عموماً قرآن مجید میں ان دونوں چیزوں کا بیان ایک ساتھ ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے وَهْنٌ کے معنی مشقت تکلیف ضعف وغیرہ کے ہیں۔ ایک تکلیف تو حمل کی ہوتی ہے' جیسے ماں برداشت کرتی ہے۔ حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معلوم ہے۔ پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (سورۂ بقرہ:۲۳۳) یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں' ان کے لئے آخری انتہائی میعاد یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔

چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (سورۂ احقاف:۱۵) یعنی مدت حمل اور دودھ چھڑائی کل تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ ماں کی اس تکلیف کو اولاد کے سامنے اس لئے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اپنی ماں اور ان کی مہربانیوں کو یاد کر کے شکر گزاری اطاعت اور احسان کرے۔ جیسے اور آیت میں ارشاد عالی شان ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۲۴) ہم سے دعا کرو اور کہو کہ میرے سچے پروردگار میرے ماں باپ پر اس طرح رحم وکرم فرما' جس طرح میرے بچپن میں وہ مجھ پر رحم کیا کرتے تھے۔ یہاں فرمایا تا کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مند ہو۔ سن لے آخر لوٹنا تو میری طرف ہے۔ اگر میری اس بات کو مان لیا تو پھر پوری جزا دوں گا۔

ابن ابی حاتم میں ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا تو آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا یہ ہوں یہ پیغام لے کر کہ تم ایک اللہ کی ہی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ میری باتیں مانتے رہو۔ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت میں مکان بنے گا یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ نکل سکو گے۔ نہ موت آئے گی[1]۔

پھر فرماتا ہے اگر تمہارے ماں باپ اسلام کے سوا اور دین قبول کرنے کو کہیں گے۔ گو وہ تمام تر طاقت خرچ کر ڈالیں۔ خبردار تم ان

[1] کہ موت ہی کے نتیجے میں اس عذاب سے نجات پا جاؤ۔ جیسا کہ دنیا میں زندگی میں کوئی شخص مبتلائے آفت ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد یہ سب رنج وغم ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح وہاں بھی سوچے گا کہ کاش یہ زندگی ختم ہوتی کہ اس کے ساتھ یہ مصائب بھی ختم ہو جائیں۔

کی مان کر میرے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا بھی چھوڑ دو۔ نہیں دینوی حقوق جو تمہارے ذمہ ان کے ہیں ادا کرتے رہیں۔ ایسی باتیں ان کی نہ مانو بلکہ ان کی تابعداری کرو جو میری طرف رجوع ہو چکے ہیں۔ سن لو تم سب لوٹ کر ایک دن میرے سامنے آنے والے ہو۔ اس دن میں تمہیں تمہارے تمام اعمال کی خبر دوں گا۔ طبرانی کی کتاب العشرہ میں ہے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے اللہ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بیٹا یہ نیا دین تو کہاں سے لایا۔ سنو! میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو تو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور ہر طرف سے مجھ پر آواز کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی تنگ دل ہوا۔ اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا۔ خوشامدیں کیں سمجھایا کہ اللہ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی کش مکش میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور ان کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا: اماں جان سنو! تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو۔ لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں آخری لحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾

ع ۸

بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے ○

اور کام کی باتیں:

حضرت لقمانؒ کی یہ وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں۔ قرآن انہیں بیان کر رہا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی' خطا' ظلم اگرچہ رائی کے دانے کے برابر ہو' پھر وہ خواہ کتنا پوشیدہ ہو اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے گا۔ میزان میں رکھا جائے گا اور بدلہ دیا جائے گا نیک کام پر جزا اور برے کام پر سزا جیسے فرمان ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ (سورۂ انبیاء: ۴۷) یعنی قیامت کے دن عدل کی ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے۔ کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور آیت میں ہے ذرّہ برابر نیکی اور ذرّہ برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا۔ خواہ وہ نیکی بدی کسی مکان میں' محل میں' قلعے میں' پتھر کے سوراخ میں' آسمانوں کے کونوں میں' زمین کی تہ میں کہیں بھی ہو' اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں (ذرا) سے لاکر پیش کرے گا۔ وہ بڑے باریک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے۔ اندھیری رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا وہ علم رکھتا ہے۔ بعضوں نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر کی شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مِثْقَالُ کی لام پر پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک ہے۔ بعض کہتے ہیں صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی سدی نے ذکر کی ہیں۔ اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہ وغیرہ سے منقول تو ہے واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو۔ لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں' نہ جھٹلا سکیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کر کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے کسی بے سوراخ پتھر کے اندر جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو' تاہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔ خواہ کوئی عمل ہو نیک ہو یا بد ہو۔

پھر فرماتے ہیں: بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض اس کے واجبات ارکان اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کے ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ کرتے رہنا۔ بھلی باتوں کے کرنے کو بری باتوں سے بچنے کو ہر ایک سے کہنا اور چونکہ نیکی کا حکم' بدی سے ممانعت وہ چیز ہے جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے اور حق گو شخصوں سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا۔ درحقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلتے ہوئے سست نہ پڑنا' یہ بڑا بھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑنا۔ انہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کرنا بلکہ نرمی برت' خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس مکھ ہو کر مل لے۔ یہ بھی تیری نیکی ہے۔ تہمد اور پاجامے کو ٹخنے سے نیچا نہ کر' یہ کبر وغرور ہے اور تکبر وغرور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمانؒ نے بھی اپنے بچے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو' اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے سے بھی شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی تکبر میں داخل ہے اور حکومت کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔

صعر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن پر ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ پس متکبر شخص کو اس ٹیڑھ موہے شخص سے ملا دیا گیا ہے۔ عرب عموماً تکبر کے موقعہ پر صعر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر اینٹھ کر اکڑ کر اترا کر غرور وتکبر سے نہ چلو۔ یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ جو خود ہی متکبر' سرکش اور فخر وغرور کرنے والا ہو اور آیت

میں ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۳۷) یعنی اکڑ کر زمین پر نہ چلو نہ تم زمین کو ڈھا سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس جگہ گزر چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غضبے ہوتا ہے۔ اس پر ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے بہت خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں اچھا تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں ہے۔ تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے۔ یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور اس کی وصیت کا ذکر بھی ہے اور میانہ روی کی چال چلا کر نہ بہت آہستہ آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کر۔ بے فائدہ چیخ چلا کر نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے۔ جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھایا گیا کہ بلا وجہ چیخنا' ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بری مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو تے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اس لئے کہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو واللہ اعلم۔

یہ وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع والی ہیں قرآن کریم نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت سے حکیمانہ قول اور وعظ و نصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند میں بزمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سونپ دی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور حدیث میں آپ کا یہ قول یہ بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچو' یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت و برائی والی چیز ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو۔ پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش ہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کر دیں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو جب نصیحت کرنے کے لئے بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے۔ یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی۔ تو آپ نے فرمایا: بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حبشیوں کو دیکھا کر' ان میں سے تین شخص اہل جنت کے سردار ہیں۔ لقمان حکیمؒ، نجاشیؒ، بلال مؤذنؓ۔

تواضع اور فروتنی کا بیان ہے' حضرت لقمانؒ نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیا نے اس مسئلے پر کتاب مستقل لکھی ہے ہم اس میں سے اہم باتیں یہاں ذکر کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بہت سے پراگندہ بالوں والے' میلے کچیلے کپڑوں والے' جو کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے' اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنے بڑے مرتبے والے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے نام پر کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ انہیں پوری فرما دے اور وہ حدیث میں ہے براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے معاذؓ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث

میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے میں رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں۔ جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں۔ جو کسی گنتی میں نہیں آتے۔ اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ اگر آ جائیں تو آؤ بھگت نہیں۔ لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کرے۔ گو انہیں اللہ نے دنیا نہیں دی۔ لیکن اگر ان کی زبان سے جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار (اشرفی) ایک درہم (روپیہ) بلکہ ایک فلوس (پیسہ) بھی مانگیں تو تم نہ دو۔ لیکن اللہ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار اسے دے دے۔ ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں۔ اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ اسے پوری کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں۔ غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے۔ وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی وہ اگر کسی بڑے گھرانے میں منگنی ڈالیں تو وہاں کی بیٹی انہیں نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور امنگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی وہ فوت ہو جاتے ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں انہیں قیامت کے دن ایسا نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کو کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں کل قیامت کے دن تخت و تاج والے ملک و منال والے عزت و جلال والے ہوں گے۔ باغات میں نہروں میں نعمتوں میں راحتوں میں مشغول ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے۔ سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ مؤمن ہے جو کم مال والا کم جانوں[1] والا نمازی عبادت و اطاعت گزار ظاہر و باطن میں مطیع ہو۔ لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو[2]۔ اس کی جانب انگلیاں نہ اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا: اس کی موت جلدی آ جاتی ہے۔ اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے۔ اس پر رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں: اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں جو اپنے دین کو لئے پھرتے ہیں۔ جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جمع ہوں گے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے مجھے یہ بات پہنچی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھ پر انعام و اکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا یہ نہیں کیا؟ کیا لوگوں

---

[1] غالباً مطلب یہ ہے کہ اس کے ذمہ اولاد عزیز و اقارب اہل و عیال کا بار کم ہو۔

[2] افسوس کہ اس وقت میرے سامنے ابن کثیر کا عربی نسخہ نہیں۔ میں عبارت ملا کر دیکھتا کہ یہ ترجمہ صحیح بھی ہے یا غلط ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ں ہمیشہ دعا فرماتے کہ مجھ کو لوگوں کی نظر میں باعزت کر دیجئے۔ ذلیل نہ کیجئے۔ پھر یہ بات جو ابن کثیر نے نقل کی ہے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں اصل عبارت ہوگی کہ میں لوگوں میں اتنا شہرت یافتہ نہ ہو جاؤں جس کی بنا پر کبر و غرور کا مادہ پیدا ہو۔ کیونکہ عزت کی دعا کرنا اسلام و ولایت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ بہرحال مترجم سے اس موقعہ پر ترجمہ میں فروگزاشت ہوئی ہے۔

میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ۔ تو اگر ہو سکے تو جہاں تک ان سوالوں کا موقعہ ملے اچھا' کیا فائدہ کہ لوگ خوبیاں بیان کریں اور اگر وہ مذمت بھی کریں تو ہمارا کیا بگڑے گا؟ ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے' جسے لوگ برا کہتے ہوں اور اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔ ابن محیریزؒ تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو۔ خلیل بن احمدؒ اپنی دعا میں کہتے تھے: خدایا! اپنی بارگاہ میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہ میں مجھے درمیانہ درجہ کا رکھ۔ پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے۔ انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دینداری یا دُنیا داری کو شہرت دینے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اشارے ہونے لگیں۔ بس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مگر جنہیں اللہ تعالیٰ بچا لے۔ سنو! اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ حضرت حسنؓ سے بھی یہی روایت مرسلاً مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو آپ سے کسی نے کہا آپ کی طرف بھی تو انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم سمجھے نہیں مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دینوی فسق و فجور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ شہرت نہ چاہو' اپنے تئیں اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تذکرے ہونے لگیں۔ علم حاصل کرو لیکن چھپاؤ۔ چپ رہو تا کہ سلامت رہو۔ نیکوں کو خوش رکھو' بدکاروں سے نفرت رکھو۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں: شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ حضرت ایوب کا فرمان ہے: جسے اللہ دوست بنا لیتا ہے وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا پھرتا ہے۔

محمد بن علا فرماتے ہیں: اللہ دوست لوگ خود کو ظاہر نہیں کیا کرتے۔ سماک بن سلمہ کا قول ہے' عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو۔ حضرت ابان بن عثمان فرماتے ہیں: اگر اپنے دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابوالعالیہ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ ان کی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے۔ حضرت طلحہ نے جب اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو فرمانے لگے طمع کی مکھیاں اور آگ کے پروانے' حضرت حنظلہؓ کو لوگ گھیرے کھڑے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا: اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے' حضرت ابن مسعود کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا اگر میرے عیوب تم پر کھل جائیں تو تم میں سے کوئی بھی شاید میرے پیچھے چلنا پسند نہ کرے۔ حماد بن زید کہتے ہیں: جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ ایوبؒ ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے۔ پس یہ ایک نعمت تھی۔ آپ لمبی قمیص پہنتے۔ اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ لمبی قمیص اگلے زمانے میں شہرت کی چیز تھی۔ لیکن اب یہ شہرت اس کے اونچا کرنے میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ میں رنگوائیں۔ کچھ دنوں پہن کر اتار دیں اور فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ عام لوگ انہیں نہیں پہنتے۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں اٹھیں نہ اتنا گھٹیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں۔

ثوری فرماتے ہیں: عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑے پہنتے نہ بالکل گھٹیا۔ ابو قلابہؒ کے پاس ایک شخص بہت ہی بہترین لباس پہنے ہوئے آیا۔ تو آپ نے فرمایا: اس آواز دینے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظاہری لباس میں تواضع کر رکھی ہے۔ گویا چادر ایک بھاری ہتھوڑا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: میرے سامنے تو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو' حالانکہ تمہارے دِل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ سنو! لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو' مگر دل خوف اللہ سے نرم رکھو۔

اچھے اخلاق کا بیان:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کون سا مؤمن بہتر ہے فرمایا: سب سے اچھے

اخلاق والا۔ آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف اچھے اخلاق کی وجہ سے انسان بڑے بڑے درجہ اور جنت کی اعلیٰ منزل حاصل کر لیتا ہے اور باوجود بہت ساری نیکیوں کی صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: اچھے اخلاق ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتے ہیں: انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والے کے درجوں کو پا لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی۔ پوچھا گیا عام طور سے جہنم میں کون سی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا: دو سوراخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرم گاہ۔ ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا: حسن خلق۔ فرماتے ہیں: نیکی کے ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں۔ فرماتے ہیں: سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔ فرماتے ہیں: جس طرح مجاہد کو جو راہ اللہ میں جہاد کرتا ہے، صبح و شام اجر ملتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے کہ تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مجھ سے وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض و نفرت کے قابل اور سب سے دور مجھ سے جنت کی منزل میں وہ ہے جو بد خلق، بدگو، بدزبان ہو۔ فرماتے ہیں: کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک و محبت سے ملیں جلیں۔ ارشاد ہے: جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا لقمہ نہیں بنائے گا۔ ارشاد ہے: دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی۔ فرماتے ہیں: بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ بد اخلاق ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بداخلاقی نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہے۔ جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے۔

تکبّر کی مذمت کا بیان:

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر[1] ہو اور وہ جہنمی نہیں جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ فرماتے ہیں: جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہو وہ اوندھے منہ جہنم میں جائے گا۔ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر اپنی نافرمانی کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ امام مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں: ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ کے دربار میں اس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے۔ آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی اور پھر زمین تک لایا گیا۔ یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتف غیبی نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا، اس سے زیادہ نیچے گرا دیا جاتا۔ ابو بکرؓ صدیق نے اپنے خطبے میں انسان کی پیدائش کا

[1] ایک تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنت میں ابتدائی داخلہ نہ ہوگا۔ یعنی مومن اگر متکبر ہے تو جنت میں جائے گا تو ضرور لیکن ابتدا ہی میں چلا جائے ایسا نہ ہوگا۔ گویا ابتدائی داخلہ کے امتیاز سے یہ متکبر محروم رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس تکبر سے وہ تکبر مراد ہو جو کہ حق کے قبول کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کبر اور ایمان دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور بلاشبہ ایسا فردوس بریں سے محروم رہتا ہے۔

بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے گھن کرنے لگے۔ امام شعبیؒ کا قول ہے جس نے دو شخصوں کو قتل کر دیا' وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ﴾ (سورۂ قصص:۱۹) کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسا کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے۔ تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے[1]۔ حضرت حسن کا مقولہ ہے۔ وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ ہاتھ سے دھوتا ہے[2] وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کے وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے۔ جو انسان سے نکلتی[3] ہے۔ امام محمد بن حسین بن علی فرماتے ہیں: جس دل میں جتنا گھمنڈ اور تکبر ہوتا ہے' اتنی ہی عقل اس میں کم ہوتی ہے۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔ بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتے دیکھ کر حضرت طاؤس نے ان کے پہلو میں ایک کچو کا مارا اور فرمایا: یہ چال اس کی ہے جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمرؒ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے: معاف فرمائیے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

تکبر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ فرماتے ہیں: اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہبند لٹکائے۔ ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لئے ہوئے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ قیامت تک وہ دھنستا ہو چلا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝۲۱

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدوں

[1] اس قول کی حیثیت ایک لطیفہ سے زیادہ نہیں اور بدایتاً یہ بات غلط ہے کہ آدمی اگر دو قتل کرے تو جبار ہو اور اگر ایک کرے تو کچھ نہ ہو۔ حالانکہ قتل تو بڑا جرم ہے۔ اسلام میں تو کسی کو زبان اور ہاتھ سے معمولی تکلیف پہنچانا بھی شدید جرم ہے۔

[2] یعنی قضائے حاجت کے بعد طہارت لیتا ہے۔

[3] یعنی ریح۔

واقفیت بدوں دلیل کے اور بدوں کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم ان کا اتباع کریں گے جس پر اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہے تب بھی ○

انعام واکرام اور پھر بدعنوانیاں:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتوں کا اظہار فرما رہا ہے کہ دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے لئے کام میں مشغول ہیں۔ چمک چمک کر تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں۔ بادل' بارش' اولے' خشکی' سب تمہارے نفع کی چیزیں ہیں خود آسمان تمہارے لئے محفوظ اور مضبوط چھت ہے زمین کی نہریں' چشمے' دریا' سمندر' درخت' کھیتی' پھل پھول یہ سب نعمتیں بھی اسی نے دے رکھی ہیں۔ پھر ان ظاہری بے شمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بے شمار نعمتیں بھی اسی نے تمہیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً رسولوں کا بھیجنا' کتابوں کا نازل فرمانا' شک وشبہ وغیرہ دلوں سے دور کرنا وغیرہ۔

اتنی بڑی ساری نعمتیں جس نے دے رکھی ہیں' حق یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے۔ لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ اب تک اللہ کے بارے میں ہی الجھ رہے ہیں اور محض جہالت سے ضلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اڑے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی وحی کی اتباع کرو تو بے حیائی کا جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے اگلوں کی تقلید کریں گے گو ان کے باپ دادے محض بے عقل اور بے راہ تھے۔ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے اور اس نے انہیں دوزخ کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ یہ تھے ان کے سلف اور یہ ہیں ان کے خلف۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا اور جو شخص کفر کرے سو آپ کے لئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے۔ ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے۔ سو ہم جتلا دیں گے۔ جو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔ ہم ان کو چند روزہ عیش دیئے ہوئے ہیں پھر ان کو ہم کشاں کشاں ایک سخت عذاب کی طرف لے آئیں گے ○

العُروۃُ الوُثقٰی:

فرماتا ہے کہ جو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے جو اللہ کا سچا فرماں بردار بن جائے۔ جو شریعت کا تابعدار ہو جائے۔ اللہ کے حکموں پر عمل کرے۔ اللہ کے منع کردہ کاموں سے باز آ جائے۔ اس نے مضبوط دستاویز لے لیا۔ گویا اللہ کا وعدہ لے لیا کہ عذابوں سے وہ

نجات یافتہ ہے۔ کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اے پیارے پیغمبر کافروں کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یوں ہی ہو چکی ہے۔ سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے۔ اس وقت اعمال کے بدلے ملیں گے۔ اس اللہ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ دنیا کے مزے کر لیں۔ پھر تو ان عذابوں کو بے بسی سے برداشت کرنا پڑے گا۔ جو بہت سخت اور نہایت گھبراہٹ والا ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ نحل: ۱۱۶) اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والا فلاح سے محروم رہ جاتا ہے۔ فائدہ دینا تو الگ بات ہے لیکن ہمارے ہاں آچکنے کے بعد تو اپنے کفر کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۶﴾

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ الحمد للہ بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔ جن کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے سب اللہ ہی کا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز سب خوبیوں والا ہے ○

ایک سوال:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہیں کہ خالق اکیلا ایک ہی ہے۔ پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کے ماتحت ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ خالق کون ہے؟ تو ان کا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ! تو کہہ کہ اللہ شکر ہے۔ اتنا تو تمہیں اقرار ہے۔ بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بے علم ہوتے ہیں۔ زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی کھلی چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے اور اسی کی ملکیت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ وہی سزاوار حمد ہے۔ وہی خوبیوں والا ہے۔ پیدا کرنے میں بھی احکام مقرر کرنے میں بھی وہ قابل تعریف ہے۔

وَلَوْ اَنَّمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾

اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جاویں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے ○

کلمات اللہ:

اللہ رب العالمین اپنی عزت، کبریائی، بڑائی، بزرگی، جلالت شان اپنی پاک صفتیں، اپنے بلند ترین نام اور اپنے بے شمار کلمات کا

فرما رہا ہے۔ جنہیں نہ کوئی گن سکے۔ نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو نہ ان کی حقیقت کو کوئی پا سکے۔ سید البشر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ كَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ ۔ خدایا میں تیری نعمتوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا' جتنی ثنا تو نے اپنی آپ بیان فرمائی ہے۔ پس یہاں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کا پانی سیاہی بن جائے اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملائے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وصفات' جلالت و بزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں' تو یہ تمام قلمیں گھس جائیں ختم ہو جائیں' سب سیاہیاں ختم ہو جائیں' لیکن اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی تعریف ختم نہ ہو گی۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سے زیادہ سمندر ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں۔ نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے[1] اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بابت ایسی روایتیں ہیں۔ لیکن نہ تو انہیں سچ کیا جا سکتا ہے اور نہ جھٹلایا جا سکتا ہے۔ ہاں جو تفسیر ہم نے کی ہے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا﴾ (سورۂ کہف: ۱۰۹)۔

یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات خداوندی کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے اگر وہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں۔ بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آ جائیں' لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا' جس کا رد اس آیت میں ہو رہا ہے کہ نہ رب کے عجائبات ختم ہوں نہ اس کی صفات اس کے علم اور اس کے اقتدار کی انتہا۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے مقابلہ میں ایسے ہیں' جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں فنا نہیں ہوتیں۔ نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریف کریں وہ ان سے سوا ہے۔ یہود کے علما نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں پڑھتے ہیں: ﴿وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۸۵) یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے' اس سے کیا مراد ہے۔ ہم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب' انہوں نے کہا: پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے۔ جہاں فرمان ہے کہ تورات میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ تمہیں کفایت ہو' اتنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہونی چاہئے۔ حالانکہ مشہور یہ ہے یہ آیت مکی ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ تمام اشیا اس کے سامنے پست و عاجز ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ کے خلاف نہیں جا سکتا وہ اپنے افعال اقوال' شریعت' حکمت اور تمام صفتوں میں سب سے اعلیٰ اور سب پر غالب وقہار ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مار دینے کے بعد جلا دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے شخص واحد کا۔ اس کا تو کسی بات کا حکم فرما دینا کافی ہے۔ ایک آنکھ جھپکاتے جتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ نہ دوبارہ کہنا پڑے نہ اسباب اور مادے کی ضرورت۔ ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک ہی آواز کے ساتھ سب جی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام

[1] گویا۔ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ اس سے مقصود تحدید نہیں جیسا کہ ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ میاں تم ہزار بار بھی کہو تو میں نہ مانوں گا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک ہزار بار کہو تو تسلیم نہیں اور اس سے کچھ زائد مرتبہ کہو گے تو مان جاؤں گا۔ بلکہ عرف عام میں ایک محاورہ سے زیادہ مقدار اس کی حیثیت نہیں۔

باتوں کا سننے والا ہے۔ سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ ایک شخص کی باتیں اور اس کے کام جیسے اس پر مخفی نہیں اسی طرح تمام جہان کے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقرر وقت تک چلتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں بالکل ہی لچر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی عالی شان اور بڑا ہے○

گردش لیل ونہار:

رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جاڑوں کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی، گرمیوں کے دن بڑے اور راتیں چھوٹی، اسی کی قدرت کا ظہور ہے۔ سورج، چاند اسی کے تحت فرمان ہیں۔ جو جگہ مقرر ہے وہیں چلتے ہیں۔ قیامت تک برابر اسی چال سے چلتے رہیں گے۔ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔

صحیحین میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جا کر اللہ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اسے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔ ابن عباس کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے دوران میں جاری رہتا ہے۔ غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی مشرق ہی سے طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ جیسے فرمان ہے: کیا تو نہیں جانتا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے سب کا خالق سب کا عالم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جیسے ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کے مثال زمینیں بنائیں الخ۔ یہ نشانیاں پروردگار عالم اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ تم ان سے اللہ کے حق اور خود پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا سب کو باطل مانو۔ وہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ سب کے سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں۔ سب اس کی مخلوق اور اس کے غلام ہیں۔ کسی کو ایک ذرے کے حرکت میں لانے کی قدرت نہیں۔ اگر ساری مخلوق مل کر ارادہ کر لے کہ ایک مکھی پیدا کریں تو سب عاجز آ جائیں گے اور ہرگز اتنی قدرت بھی نہ پائیں گے۔ وہ سب سے بلند ہے جس پر کوئی چیز نہیں وہ سب سے بڑا ہے۔ جس کے سامنے کسی کو کوئی بڑائی نہیں۔ ہر چیز اس کے سامنے حقیر اور پست ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ (دلیل توحید کی) معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھلائے۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک شخص کے لئے جو صابر اور شاکر ہو اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر ان کو جب نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے تو ان میں اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں ○

یہ سمندر اور تیرتے جہاز:

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے۔ اگر وہ پانی میں کشتی کو تھامنے کی اور کشتی میں پانی کو کاٹنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے۔ مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں جب ان کفار کو سمندروں میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈگمگانے لگتی ہیں اور موجیں پہاڑوں کی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو وہ اپنا شرک کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۶۷) دریا میں جب تمہیں ضرر پہنچتا ہے تو اللہ کے سوا سب کو کھو بیٹھتے ہو اور آیت میں ہے: ﴿فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْكِ﴾ (سورۂ عنکبوت: ۶۵) ان کی اس قسم کی حالت پر اگر ہمیں رحم آ گیا اور انہیں سمندر سے پار کر دیا تو تھوڑے سے کافر ہو جاتے ہیں۔ مجاہدؒ نے یہی تفسیر کی ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ﴾ (سورۂ عنکبوت: ۶۵) لفظی معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں۔ ابن زید یہی کہتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ (سورۂ فاطر: ۳۲) ان میں سے بعض ظالم ہیں بعض میانہ رو ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایسی حالت دیکھی ہو جو اس مصیبت سے نکلا ہو۔ اسے تو چاہئے کہ نیکیوں میں پوری طرح کوشش کرے۔ لیکن یہ بیچ میں ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ تو پھر کفر پر چلے جاتے ہیں۔ ختار کہتے ہیں غدار کو جو عہد شکن ہو۔ ختر کے معنی پوری عہد شکنی کے ہیں۔ کفور کہتے ہیں منکر کو جو نعمتوں سے منکر ہو جائے۔ شکر تو ایک طرف بھول جائے اور ذکر بھی نہ کرے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگی میں دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالے ○

وہ دن:

اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے اور تقویٰ کا حکم فرما رہا ہے۔ ارشاد ہے اس دن باپ اپنے بچے کو یا بچہ اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گا۔ ایک دوسرے کا فدیہ نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد نہ کر لو اور آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ۔ شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ۔ وہ تو صرف پردہ کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا۔ نیند اچاٹ ہوگئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرماتے ہیں: میں نے نہایت تضرع و زاری کی۔ خوب رویا' گڑگڑایا' نمازیں پڑھیں' روزے رکھے۔ دعائیں مانگیں۔ ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا نیک لوگ بروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟

اس نے فرمایا: قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا۔ کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا۔ کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا۔ نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے۔ نہ بھائی بھائی کے بدلے۔ نہ غلام آقا کے بدلے۔ نہ کوئی غم و رنج کرے گا۔ نہ کسی کی طرف سے کسی کو خیال ہوگا۔ نہ کوئی کسی پر رحم کرے گا۔ نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے پکڑا جائے گا۔ ہر شخص اپنی ہی فکر میں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا رونا ہی پڑا ہوگا۔ ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوگا' نہ کسی اور کا۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے ○

یہ معلومات:

یہ غیب کی وہ کنجیاں ہیں' جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ مگر یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ معلوم کرائے۔ قیامت کے آنے کا صحیح وقت نہ تو کوئی نبی مرسل جانے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ اس کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح بارش کب کہاں اور کتنی برسے گی۔ اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ ہاں جب ان فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہیں۔ تب وہ جانتے ہیں اور جسے اللہ معلوم کرائے۔ اسی طرح حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اسے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جب جناب باری کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہیں۔ تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ نر ہوگا یا مادہ' لڑکا ہوگا یا لڑکی' نیک ہوگا یا بد؟ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کل وہ کیا

کرے گا؟ نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟ اور آیت میں ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (سورۂ انعام ۵۹) غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ جنہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں یہی پانچ ہیں جن کا بیان آیت: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ میں ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ باتیں ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ پانچ غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مسند احمد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: مجھے ہر چیز کی کنجیاں دی گئی ہیں مگر پانچ۔ پھر یہی آیت پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ ہماری مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے' کہ ایک صاحب تشریف لائے۔ پوچھنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو' فرشتوں کو' کتابوں کو' رسولوں کو' آخرت کو اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کو مان لینا۔ اس نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ایک اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ نمازیں پڑھنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا۔ اس نے دریافت کیا: احسان کیا ہے؟ فرمایا: تیرا اس طرح اللہ کی عبادت کرنا گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہے؟ فرمایا: اس کا علم نہ مجھے نہ تجھے۔ ہاں میں اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے[1] اور جب ننگے پاؤں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں۔ علم قیامت ان پانچ چیزوں میں ہے' جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اسے بلا لاؤ لوگ دوڑ پڑے لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریلؑ تھے۔ لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے (بخاری)۔

ہم نے اس حدیث کا مطلب شرح صحیح بخاری میں خوب بیان کر دیا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے اپنی ہتھیلیاں حضور ﷺ کے گھٹنوں پر رکھ کر یہ سوالات کئے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تو اپنا چہرہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور اللہ تعالیٰ کے واحد و لاشریک ہونے کی گواہی دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد و رسول ہونے کی گواہی دے۔ جب تو یہ کر لے تو تو مسلمان ہو گیا۔ پوچھا: اچھا ایمان کس کا نام ہے؟ فرمایا: اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' آسمانی کتابوں پر' نبیوں پر عقیدہ رکھنا' موت اور موت کے بعد زندگی کو ماننا۔ جنت دوزخ' حساب' میزان اور تقدیر کی بھلائی برائی پر ایمان رکھنا۔ پوچھا: جب میں ایسا کر لوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر احسان کے متعلق پوچھا اور وہ جواب پایا جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر قیامت کا پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے' جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی پھر علامات قیامت میں یہ بھی ذکر ہے کہ لوگ لمبی چوڑی عمارتیں بنانے لگیں گے۔

ایک صحیح سند کے ساتھ مسند احمد میں ہے کہ بنو عامر قبیلے کا ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کہنے لگا: میں آؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم کو بھیجا کہ جا کر انہیں ادب سکھاؤ۔ یہ اجازت نہیں جانتے۔ ان سے کہو پہلے سلام کرو۔ پھر دریافت کرو کہ میں آ سکتا ہوں؟ انہوں نے سن لیا اور اسی طرح سلام کیا اور اجازت چاہی۔ یہ گئے اور جا کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بھلائی ہی بھلائی۔ سنو! تم ایک اللہ کی عبادت کرو۔ لات وعزیٰ کو چھوڑ دو۔ دن رات میں پانچ نمازیں

---

[1] حدیث کے اس ٹکڑے کا مطلب متعین کرنے میں یہ کافی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اولاد سرکش اور نافرمان ہوگی۔ گویا کہ ماں اپنے پیٹ سے جنے گی اولاد اور آخر میں وہ سرکش حکومت ماں پر کریں گے اور فرمانبردار اولاد کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کریں گے اور یہ بھی مطلب بیان کرتے ہیں کہ غلامی کا رواج عام ہو جائے گا۔ داشتہ گھر گھر میں ہوگی' اس سے بچہ پیدا ہوگا اور وہی بچہ اس کا آقا بن جائے گا۔ لیکن اس توجیہہ سے زیادہ پہلی توجیہہ قابل تفہیم ہے۔

پڑھا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو۔ اپنے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے اپنے فقیروں پر تقسیم کرو۔ انہوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا علم میں سے کچھ ایسا بھی باقی ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ایسا علم بھی ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں: گاؤں کے رہنے والے ایک شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری عورت حمل سے ہے بتلایئے کیا ہوگا؟ ہمارے شہر میں قحط ہے فرمایئے بارش کب ہوگی؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں کب پیدا ہوا اب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیجئے کہ کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ مجھے ان چیزوں کا مطلق علم نہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں: یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کی نسبت فرمان باری ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا؟ قتادہؒ کا قول ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ نہ نبی کو نہ فرشتہ کو۔ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس سال کس مہینے کس دن یا کس رات میں وہ آئے گی؟ اسی طرح بارش کا علم بھی اس کے سوا کسی کو نہیں کہ کب آئے؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ کے پیٹ کا بچہ نر ہوگا یا مادہ؟ سرخ ہوگا یا سیاہ؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ نیکی کرے گا یا بدی؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ مرے گا یا جیئے گا۔ بہت ممکن ہے کہ کل موت یا آفت آ جائے۔ نہ کسی کو خبر ہے کہ کس زمین میں وہ دبایا جائے گا یا سمندر میں بہایا جائے گا یا جنگل میں مر جائے گا۔ یا نرم یا سخت زمین میں جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی کی موت دوسری زمین میں ہوتی ہے تو اس کا وہیں کا کوئی کام نکل آتا ہے اور وہیں موت آ جاتی ہے اور روایت میں ہے کہ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی۔ اعشیٰ ہمدانی کے شعر ہیں جن میں اس آیت کے مضمون کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ یہ ہیں تیری امانتیں جو تو نے مجھے سونپ رکھی تھیں۔ طبرانی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

سُوْرَةُ السَّجْدَة

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۳۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ﴿الٓمّٓ السَّجْدَة﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سونے سے پہلے سورہ الم سجدہ اور سورہ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ لیا کرتے تھے۔

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

الٓمّٓ[1] یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ اپنے دل سے بنالیا ہے۔ بلکہ یہ بھی کتاب ہے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ تا کہ وہ لوگ راہ پر آجائیں ○

یہ کتاب:

سورتوں کے شروع میں جو مقطعات حروف ہیں' ان کی پوری بحث ہم سورہ بقرہ کے شروع میں کر چکے ہیں یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب قرآن حکیم بے شک وشبہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ حضور صلی

[1] مقطعات پر تو کافی بحث ہو چکی۔ آج بعد مغرب ۲۹ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ کو یہی حواشی زیر قلم تھے کہ الم سجدہ شروع ہوئی۔ قلب عجیب حقیقت دار ہوئی وہ یہ کہ سورہ بقرہ کی ابتدا بھی الم سے تھی اور سورہ لقمان میں بھی آنا اسی الم سے کیا گیا اور الم سجدہ کے شروع میں بھی یہ حروف مقطعات آئے اور پھر سورت میں بحث قرآن مجید سے ہی متعلق ہے اور اس کے آسمانی کتاب ہونے حیثیت اجاگر کرتا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات کے استعمال میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتیں ہیں گویا کہ ہر مضمون مقطعات کا انتخاب کرلیا گیا۔ مثلاً یہی کہ قرآن مجید کی حیثیت واقع کرنے مسئلہ جب سامنے آتا ہے تو عموماً گفتگو کا آغاز الٓمّٓ سے ہوتا ہے۔ یہ لطیف نکتہ اہل علم کے لئے خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

اللہ علیہ وسلم نے خودا سے گھڑ لیا ہے۔ ایسا ہر گز نہیں بلکہ یہ تو یقیناً اللہ کا کلام ہے۔ اس لئے نازل ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کو آگاہ کردیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا تاکہ وہ حق کی اتباع کر کے نجات حاصل کرلیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝۴ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵ ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۶

اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اس مخلوق کو جو ان دونوں کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا بدوں اس کے نہ تمہارا مددگار ہے اور سفارشی کرنے والا سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جائے گا۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ وہی ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا زبردست رحمت والا ہے ○

چھ روز:

تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے چھ دن میں زمین و آسمان بنائے۔ پھر عرش پر قرار پکڑا۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ مالک خالق وہی ہے۔ ہر چیز اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تدبیریں سب کاموں کی وہی کرتا ہے۔ ہر چیز پر وہی غالب ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا کوئی والی نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی۔ اے وہ لوگو! جو اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی بڑی قدرت والا کیوں کسی کو اپنا شریک کار بنائے گا؟ وہ نظیر سے وزیر و مشیر سے شریف و سہیم سے پاک اور مبرا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کے علاوہ کوئی پالنہار ہے۔ نسائی میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: میرا ہاتھ تھام کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کر کے ساتویں دن عرش پر قیام کیا۔ مٹی ہفتے کے دن بنی۔ پہاڑ اتوار کے دن۔ درخت پیر کے دن۔ برائیاں منگل کے دن۔ نور بدھ کے دن۔ جانور جمعرات کے دن۔ آدم جمعہ کے دن عصر کے بعد کی آخری گھڑی میں اسے تمام روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا۔ جس میں سرخ سیاہ اچھی بری ہر طرح کی مٹی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم مختلف خصوصیات کی حامل ہوئی۔ لیکن امام بخاریؒ اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے اور وہ فرماتے ہیں: ایک دوسری سند سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کعب احبار کے واسطے سے بیان کیا ہے اور حضرات محدثین نے بھی اسے ناقابل اختیار بتایا ہے۔ واللہ اعلم

اس کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ﴾ (سورۂ طلاق: ۱۲) اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل

زمینیں[1]۔ اس کا حکم ان سب کے درمیان اترتا ہے۔ اعمال اپنے دیوان کی طرف اٹھائے اور چڑھائے جاتے ہیں۔ جو آسمان دنیا کے اوپر ہے۔ زمین سے آسمان اول پانچ سو سال کے فاصلہ پر ہے اور اتنی ہی اس کی جسامت ہے۔ اتنا اترنا چڑھنا۔ اللہ کی قدرت سے فرشتہ ایک آنکھ جھپکنے میں کر لیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہے۔ ان امور کا مدبر اللہ ہے وہ اپنے بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔ سب چھوٹے بڑے عمل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہ غالب ہے جس نے ہر چیز کو اپنا ماتحت کر رکھا ہے۔ کل بندے اور سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں[2]۔ وہ اپنے مومن بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ عزیز ہے اپنی رحمت میں اور رحیم ہے اپنی عزت میں۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا۔ پھر اس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے۔ تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے) ○

ہر چیز میں خوبی:

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وتبارک نے ہر چیز کو قرینے سے بہترین طور سے بہترین ترکیب پر خوبصورت بنایا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش کتنی عمدہ کیسی مستحکم اور مضبوط ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش ساتھ ہی خود انسان کی پیدائش پر غور کرو۔ اس کا شروع دیکھو کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ان کی نسل نطفے سے جاری رکھی۔ جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔ پھر اسے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور درست کیا اور اس میں اپنے پاس سے روح پھونکی۔ تمہیں کان، آنکھ اور سمجھ عطا فرمائی۔ افسوس لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پھر بھی تم شکر نہیں کرتے۔ نیک انجام اور خوش فرجام وہ شخص ہے جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کی اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ جَلَّ شَانُهٗ و عَزَّ اسْمُهٗ ۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗءِ

[1] ممکن ہے کہ اس مہلت سے مراد تعداد کی یکسانیت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح آسمان ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں ایسے ہی زمین کے مختلف طبقات بھی ایک دوسرے کے اوپر نیچے آئے ہوئے ہیں۔

[2] گردن جھکنے کا مطلب یہ نہیں کہ محسوس طور پر گردنیں جھکی ہوئی ہوں۔ بلکہ یہ ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب اطاعت اور اختیار ہے اور یہ اطاعت بھی بعض جگہ اضطراری اور بعض میں اختیاری ہے۔

رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست ونابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آ دیں گے بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے ۝

ایک بیہودہ خیال:

کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں اور اسے وہ محال جانتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے ہو جائیں اور ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جا سکتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قادر کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا یوں ہو جا وہ ویسا ہی ہو گیا۔ اسی لئے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح کے قبض کرنے پر مقرر ہیں، تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت براء کی وہ حدیث جس کا بیان سورہ ابراہیم میں گزر چکا ہے۔ اس سے بھی پہلی بات یہی سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی ہے اور یہ مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھ اور ان کے ساتھی کام کرنے والے اور فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور نرخرے تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی سینی (طشتری) رکھی ہوئی ہو، کہ جو چاہا اٹھا لیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس مضمون کی ہے اور ابن عباس کا مقولہ بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک الموت میرے صحابی کے ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اطمینان رکھئے اور دل خوش کیجئے۔ واللہ میں خود باایمان اور نہایت ہی نرمی والا ہوں۔ سنو! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اللہ کی تمام دنیا کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں یا تری میں، ہر دن میرے پانچ پھیرے ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں، جتنا وہ خود اپنے آپ کو جانتے ہوں۔ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقین مانئے اللہ کی قسم میں تو ایک مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا، جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو جائے۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کی دیکھ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں۔ اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہے تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں: ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنی اپنی کرنی کا پھل پائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں جبکہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے کہ اے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے' ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا رستہ عطا فرماتے لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔ تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھول رہے تھے۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا اور اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو ○

وہ منظر:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ گنہگار اپنا دوبارہ جینا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت اور حقارت کے ساتھ نادم ہو کر گردنیں جھکائے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت کہیں گے کہ اللہ! ہماری آنکھیں بینا ہو گئیں' کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں۔ اس دن خوب سمجھ سوچ والے دانا بینا ہو جائیں گے۔ اندھا پن بہرا پن جاتا رہے گا۔ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگیں گے اور جہنم میں جاتے ہوئے کہیں گے کہ اگر کانوں اور آنکھوں سے دنیا میں کام لیتے تو آج جہنمی نہ بنتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم نیک اعمال کر آئیں۔ ہمیں اب یقین آ گیا کہ تیری ملاقات یقینی ہے۔ تیرا کلام حق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر دوبارہ بھی بھیجے جائیں تو یہی لچھن کریں گے۔ پھر سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے۔ دوبارہ نبیوں کو ستائیں گے۔ جیسے کہ خود قرآن کریم کی آیت: ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ (سورۂ انعام: ۲۷) میں ہے۔ اسی لئے یہاں فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔ جیسے فرمان ہے: اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کا ایک ایک رہنے والا مومن بن جاتا[1]۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ انسان اور جنات سے جہنم پر ہونی ہے[2]۔ یہ اٹل امر ہے۔ اللہ کی ذات سے اور اس کے پورے پورے کلمات سے ہم اس کے تمام عذابوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ جہنمیوں سے بطور سرزنش کے کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کی فراموشی کا مزہ چکھو اور اس کے جھٹلانے کا خمیازہ بھگتو۔ اسے محال سمجھ کر تم نے وہ معاملہ کیا کہ جو ایک بھولنے والا کرتا ہے۔ اب ہم بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ اللہ کی ذات حقیقی نسیان اور بھول سے پاک ہے۔ یہ تو صرف بدلے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اور روایت میں ہے: ﴿اَلْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (سورۂ جاثیہ: ۳۴) آج ہم تجھے بھول جاتے ہیں جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھولے بیٹھے تھے۔ اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اب دائمی عذاب کا مزہ اٹھاؤ جیسے اور آیت میں

[1] لیکن یہ ایمان اضطراری ہوتا اختیاری نہ ہوتا۔ حالانکہ مطلوب وہ ایمان ہے جو اپنے اختیار سے لایا گیا ہو وہ ایمان کس کام جو جبراً وقہراً اختیار کیا ہو۔

[2] یقیناً پر ہو گی جب اپنے اختیار سے ایمان اور اچھے اعمال نہ کریں گے۔ حالانکہ ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا موقعہ بھی تھا اور اختیار بھی۔

ہے: ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ (سورۂ نباء: ۲۴) وہاں ٹھنڈک اور پانی نہ چکھے گے سوائے گرم پانی اور لہو پیپ کے اور کچھ نہ ہوگا......

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اوا اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے۔ یہ انہیں کے اعمال کا صلہ ملا ہے ○

سر بسجود:

سچے ایمان داروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے ہماری آوازوں کو سنتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں زبانی حق مانتے ہیں اور دل سے بھی برحق جانتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔ اور اتباع رب سے جی نہیں چراتے اکڑتے اینٹھتے ہیں۔ یہ بدعات کافروں کی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دٰخِرِينَ﴾ (سورۂ مؤمن: ۶۰) یعنی میری عبادت سے تکبر کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ ان سچے ایمانداروں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو نیند چھوڑ کر اپنے بستروں سے الگ ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں' تہجد پڑھتے ہیں۔ مغرب عشاء کے درمیان کی نماز بھی بعضوں نے مراد لی ہے۔ کوئی کہتا ہے مراد اس سے عشاء کی نماز کا انتظار ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عشا کی اور صبح کی نماز باجماعت اس سے مراد ہے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے عذاب سے نجات پانے کے لئے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی صدقہ وخیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق راہ حق میں دیتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا تعلق انہی کی ذات سے ہے اور وہ نیکیاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے' جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ اب بہترین نیکیوں میں سب سے بڑھے ہوئے وہ ہیں جو درجات میں بھی سب سے آگے ہیں۔ یعنی سید الاولاد آدم فخر دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ہے۔

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ يَتْلُو كِتَابَهٗ ☆ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعٌ

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ ☆ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو صبح ہوتے ہی اللہ کی پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ راتوں کو جب کہ مشرکین

گہری نیند میں سوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کروٹ آپ کے بستر سے الگ ہوتی ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے۔ لیکن دفعۃً اپنے رب کی نعمتیں اور سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے۔ اپنے نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے۔ کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں اللہ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب کی رضامندی ہے' میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فخر سے اپنے فرشتوں کو اسے دکھاتا ہے اور ان کے سامنے اس کے عمل کی تعریف کرتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا: اے اللہ! کے پیغمبر مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے سوال تو بڑے کام کا کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس پر آسان کر دے اس پر بہت سہل ہے۔ سن تو اللہ کی عبادت کرتا رہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' نمازوں کی پابندی کر' رمضان کے روزے رکھ' بیت اللہ کا طواف کر' زکوٰۃ ادا کرتا رہ' آ اب میں تجھے بھلائیوں کے دروازے بتلاؤں۔ روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے اور انسان کی آدھی رات کو نماز پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تَتَجَافٰی سے یَعْمَلُوْنَ تک پڑھی۔ پھر فرمایا: آ اب میں تجھے اس امر کے سر' اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی بتاؤں۔ اس تمام کام کا سر تو اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے۔ اس کے کوہان کی بلندی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ پھر فرمایا: اب میں تجھے ان تمام کاموں کے سردار کی خبر دوں؟ پھر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اسے روکے رکھ۔ میں نے کہا: کیا ہم اپنی بات چیت پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذؓ! افسوس تجھے معلوم ہی نہیں کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز تو اس کی زبان کے کنارے ہی ہیں[1] یہی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے ایک میں یہ بھی ہے کہ اس آیت تَتَجَافٰی کو پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد بندے کا رات کی نماز پڑھنا ہے اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ انسان کا آدھی رات کو قیام کرنا[2]۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی آیت کو تلاوت کرنا مروی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ آپ اول وآخر سب لوگ میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ تو ایک منادی فرشتہ با آواز بلند ندا کرے گا۔ جسے تمام مخلوق سنے گی۔ وہ کہے گا کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ ذی عزت اللہ کے نزدیک کون ہے؟ پھر لوٹ کر آواز لگائے گا کہ تہجد گزار لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور گنتی میں بہت کم ہوں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت اتری ہم لوگ مجلس میں بیٹھے تھے اور بعض صحابہ مغرب کے بعد سے لے کر عشا تک نماز میں مشغول رہتے تھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث کی یہی ایک سند ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ ان کے لئے جنت میں کیا کیا نعمتیں اور لذتیں پوشیدہ پوشیدہ بنا رکھی ہیں۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔ چونکہ یہ لوگ بھی پوشیدہ طور پر عبادت کرتے ہیں' اسی طرح ہم نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا سکھ تیار کر رکھا ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے دل میں گزرا۔ بخاری کی حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ رحمتیں اور نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں' جو نہ کسی آنکھ کے دیکھنے

---

[1] ظاہر ہے کہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آدمی گونگا بن کر بیٹھ جائے نہ کچھ کہے اور نہ کچھ سنے۔ یہ تو رہبانیت ہوگی۔ جس کا اسلام مخالف ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زبان کو بیہودہ گوئی میں صرف نہ کرے بلکہ اس سے وہ کام لے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے۔

[2] یعنی تہجد کی نماز پڑھنا۔

میں آئیں نہ کسی کان کے سننے میں نہ کسی دل کے سوچنے میں اور حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ راوی حدیث نے کہا: قرآن کی اسی آیت کو پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ اس روایت میں قُرَّةِ کے بجائے قُرَّاتِ پڑھنا بھی مروی ہے اور روایت میں فرمان رسول ہے: جنت کی نعمتیں جسے ملیں وہ کبھی بھی بے نعمت نہیں ہونے کا۔ ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے۔ ان کی جوانی ڈھلے گی نہیں۔ ان کے لئے جنت میں وہ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے دل میں ان کا وہم وگمان ہوا۔ (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے آخر میں یہی فرمایا اور پھر یہ آیت: تَتَجَافٰی سے یَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ حدیث قدسی میں ہے' میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں نے سنی ہیں بلکہ تم ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العالمین سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ادنیٰ جنتی کا درجہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ادنیٰ جنتی وہ شخص ہے جو کل جنتیوں کے جنت میں چلے جانے کے بعد آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کہے گا: خدایا کہاں جاؤں؟ ہر ایک نے اپنی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اپنی چیزیں سنبھال لی ہیں اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر خوش ہے؟ کہ تیرے پاس اتنا جتنا دنیا کے کسی بہت بڑے بادشاہ کے پاس تھا وہ کہے گا پروردگا میں اس پر خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے لئے اتنا ہے اور اتنا ہی اور اتنا ہی اور اور اتنا ہی اور اور اتنا ہی اور پانچ گنا۔ یہ کہے گا: بس بس اے رب! میں راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سب ہم نے تجھے دیا اور اس کا دس گنا اور بھی دیا اور اور بھی جس چیز کو تیرا دل چاہئے اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یہ کہے گا: میرے پروردگار! میری تو باچھیں کھل گئیں' جی خوش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر خدایا! اعلیٰ درجہ کے جنتی کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں' جن کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے بوئی اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔ پھر نہ تو وہ کسی کے دیکھنے میں آئی نہ کسی کے سننے میں نہ کسی کے خیال میں اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیت: فَلَا تَعْلَمُ ہے۔

حضرت عباس بن عبدالواحدؒ فرماتے ہیں: مجھے بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت و پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا۔ کسی دوسری چیز کی طرف اس کا التفات ہی نہیں ہوگا۔ پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل کی ایک اور حور ہے وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اب میری مراد بھی پوری ہوگی۔ یہ کہے گا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی میں مزید میں سے ہوں۔ اب یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ پھر ستر سال تک دوسری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اتنی مدت بعد پھر جو اس کا التفات اور جانب ہوگا۔ تو دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے۔ وہ کہے گی کہ اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو۔ یہ پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی' میں ان میں سے ہوں' جن کی نسبت جناب باری نے فرمایا ہے کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے[1]۔ حضرت سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں: فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے خدائی تحفے لے کر جائیں گے۔ جو ان کی جنت میں نہیں ہوں گے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ وہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے۔ حضرت ابوالیمان فرزاری یا کسی اور سے نقل ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے اس کی زمین بھی چاندی کی۔ اس کے محلات بھی چاندی کے' اس کی مٹی

[1] اور ظاہر ہے کہ نہ قریہ حدیث ہے کہ آپ اس کو ماننے پر مجبور ہوں اور نہ کسی صحابی کا قول' جس کا انکار ٹھیک نہیں۔ بات ایک صاحب کو پہنچی' کہاں سے پہنچی' پہنچانے والے کون تھے۔ خبر کو صحیح یا غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بس جی چاہے قبول کر لیجئے اور اگر دل نہیں مانتا تو مت مانئے مضائقہ کچھ نہیں۔

مشک ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے۔ زمین بھی سونے کی مکانات بھی سونے کے۔ برتن بھی سونے کے مٹی مشک ہے۔ تیسری موتی کی۔ زمین بھی موتی کی گھر بھی موتی کے اور مٹی مشک کی اور باقی ستانوے تو وہ ہیں' جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں گزرا۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

ابن جریر میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت روح الامین سے روایت کرتے ہیں کہ انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی۔ بعض بعض سے کم کی جائیں گی۔ پھر اگر ایک نیکی بھی باقی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دے گا اور جنت میں کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزدرد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی کہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ (سورۂ احقاف: ۱۶) یعنی یہ وہ لوگ ہیں' جن کے اچھے اعمال ہم نے قبول فرما لئے اور ان کی برائیوں سے ہم نے درگزر فرما لیا۔ راوی نے کہا: پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ فرمایا: جب بندہ کوئی نیکی لوگوں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ بھی قیامت کے دن اس کے آرام کی چیزیں جو اس کے لئے پوشیدہ رکھ چھوڑی تھیں' عطا فرمائے گا۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ۝۱۸ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱

تو جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جائے گا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے بدلے میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں اور جو لوگ بے حکم تھے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جاوے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے۔ تاکہ یہ لوگ باز آ جائیں۔ اور اس شخص سے ظالم کون زیادہ ہو گا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں پھر وہ ان سے اعراض کرے ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے ○

برابر تو نہیں ہو سکتے:

اللہ تعالیٰ کے عدل و کرم کا بیان ان آیتوں میں ہے کہ اس کے نزدیک نیک کار اور بدکار برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (سورۂ جاثیہ: ۲۱) یعنی کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں مثل ایماندار اور نیک عمل والوں کے کر دیں گے۔ ان کی موت زیست برابر ہو گی۔ یہ کیسے بڑے منصوبے گانٹھ

رہے ہیں اور آیت میں ہے: ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ (سورۂ ص:۲۸) یعنی ایمان دار نیک عمل لوگوں کو کیا ہم زمین کے فسادیوں کے برابر کر دیں؟ پرہیزگاروں کو گناہ گاروں کے برابر کر دیں؟ اور آیت میں ہے: ﴿لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ (سورۂ حشر:۲۰) دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ مؤمن اور کافر قیامت کے دن ایک مرتبے کے نہیں کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ان دونوں قسموں کا تفصیلی بیان فرمایا کہ جس نے اپنے دل سے کلام اللہ کی تصدیق کی اور اس کے مطابق عمل کیا تو انہیں وہ جنتیں ملیں گی، جن میں مکانات ہیں بلند بالا خانے ہیں اور رہائشی آرام کے تمام سامان ہیں۔ یہ ان کی خوش عملی کے بدلے کی مہمانداری ہو گی اور جن لوگوں نے اطاعت چھوڑ دی۔ ان کی جگہ جہنم میں ہوگی۔ جس میں سے وہ نہ نکل سکیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا﴾ (سورۂ حج:۲۲) یعنی جب کبھی وہاں کے غم سے چھٹکارا چاہیں گے دوبارہ وہیں جھونک دیئے جائیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: واللہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے اور جھڑک کر فرماتے ہوں گے کہ اس جہنم کے عذاب کا لطف اٹھاؤ' جسے تم جھوٹا جانتے تھے۔ فرشتے انہیں سزائیں دے رہے ہوں گے اور جھڑک کر فرماتے ہوں کہ اس جہنم کا عذاب کا لطف اٹھاؤ جسے تم جھوٹا جانتے تھے۔

عذاب ادنیٰ سے مراد دنیوی مصیبتیں آفتیں دکھ اور بیماریاں ہیں یہ اس لئے ہوتی ہیں کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور اللہ کی طرف جھک جائے اور بڑے عذابوں سے نجات حاصل کر لے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد گناہوں کی وہ مقرر کردہ سزائیں ہیں جو دنیا میں دی جاتی ہیں۔ جنہیں شرعی اصطلاح میں حدود کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ نسائی میں ہے کہ اس سے مراد قحط سالیاں ہیں۔ حضرت ابی فرماتے ہیں: چاند کا شق ہو جانا' دھوئیں کا آنا اور پکڑ اور بربادکن عذاب اور بدر والے دن ان کفار کا قید ہو جانا اور قتل کیا جانا۔ کیونکہ بدر کی اس شکست نے مکے کے گھر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا تھا ان عذابوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ پھر فرماتا ہے: جو اللہ کی آیتیں سن کو اس کی وضاحت کو پا کر پھر ان سے منہ موڑے بلکہ ان کا انکار کر جائے' اس نے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو۔ ایسا کرنے والے بے عزت' بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہو گیا۔ جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا۔ جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا۔ یہ مجرم لوگ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے (ابن ابی حاتم)۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔ آپ کا رب قیامت کے روز ان سب کے آپس میں فیصلہ ان امور میں کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کرتے تھے ۝

یوم فصل:

ارشاد فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو تورات دی تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہ۔ قتادہؒ فرماتے ہیں: یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے معراج والی رات موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم رنگ کے لمبے قد والے گھونگریالے بالوں والے تھے۔ ایسے جیسے قبیلہ شعوہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے۔ سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا۔ یہ سب ان نشانیوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں۔ پس تو اس کی ملاقات میں شک وشبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً موسیٰ کو دیکھا اور ان سے ملے، جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ موسیٰ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کو ہم نے اسرائیلیوں کی ہدایت بنایا۔ جیسے سورہ بنی اسرائیل میں ہے ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۲) یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کتاب کو بنو اسرائیل کے لئے ہادی بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔

پھر فرماتا ہے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی نافرمانیوں کے ترک اور اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع پر صبر سے جمے رہے۔ ہم نے ان میں سے ہدایت کے پیشوا بنا دیئے جو اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں۔ بھلائی کی طرف بلاتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی۔ انہوں نے کلام اللہ میں تبدیل وتحریف اور تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا اور ان کے دل سخت کر دیئے عمل صالح اور اعتقاد صحیح سے وہ محروم ہوگئے۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں: یہ لوگ ایسے ہی تھے۔ انسان کو لائق ہے کہ کوئی اس کا پیشوا ہو۔ جس کی یہ اقتدار کرے دنیا سے بچا ہوا رہے۔ آپ فرماتے ہیں: دین کا علم ضروری ہے۔ جیسے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیانؒ سے حضرت علیؓ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کا درجہ ایمان میں کیسا ہے؟ فرمایا: ایسا ہے جیسا سر کا جسم میں۔ کیا تو نے اللہ کے اس فرمان کو نہیں سنا کہ ہم نے ان کے صبر کی وجہ سے ایسا پیشوا بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کے سر کو لے لیا۔ اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنا دیا۔ چنانچہ فرمان ہے: ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکمت اور نبوت دی اور حلال روزیاں عنایت فرمائیں اور جہان والوں پر فضیلت دی الخ۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد واعمال میں ان کا اختلاف ہے ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کر دے گا۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْکُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

کیا ان کو یہ امر موجب رہنمائی نہیں ہوا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس میں صاف نشانیاں ہیں کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اسی کے ذریعے سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں ○

آیات بینات:

کیا اس بات کے ملاحظہ کے بعد بھی راہ راست پر نہیں چلتے؟ کہ ان سے بھی گمراہوں کو ہم نے تہ و بالا کر دیا ہے۔ آج ان کے نشانات تک مٹ گئے۔ انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ اللہ کی باتوں سے بے پروائی کی۔ اب یہ جھٹلانے والے بھی ان ہی کے مکانوں میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کی ویرانی ان کے اگلے مالکوں کی ہلاکت ان کے سامنے ہے۔ لیکن پھر بھی یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ غیر آباد کھنڈر یہ اجڑے ہوئے محلات تو تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے کانوں کو کھولنے کے لئے اپنے اندر بہت سی نشانیوں رکھتے ہیں۔

دیکھ لو کہ اللہ کی باتیں نہ ماننے کا رسولوں کی حقارت کرنے کا کتنا برا انجام ہوا۔ کیا تمہارے کان ان کی خبروں سے ناآشنا ہیں؟ پھر جناب باری اپنے لطف و کرم کو احسان و انعام کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پہاڑوں سے اونچی جگہوں سے سمٹ کر نالوں کے ندیوں کے دریاؤں کے ذریعے وہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بنجر غیر آباد زمین اس سے ہریالی والی ہو جاتی ہے۔ گو مفسرین کا قول یہ بھی ہے کہ مراد مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ ہاں مصر میں ایسی زمین ہو تو ہو آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں جو پانی کے محتاج ہوں سخت ہو گئے ہوں۔ زمین یبوست کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بے شک مصر کی زمین بھی ایسی ہے۔ دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے۔ حبش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے اور ہر سال ہر فصل کا غلہ تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم منان و رحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے۔

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمر بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینہ کی بارھویں تاریخ کو ہم ایک باکرہ لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کے گھر ہوتی ہو۔ اس کے والدین کو دے دلا کر راضا مند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں نہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہی نہیں۔ سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے۔ لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا۔ ایک ماہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک پڑا ہوا ہے۔ لوگ تنگ آ کر ارادے کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں۔ یہاں کی بود و باش ترک کر دیں۔ اب

فاتح مصر کو تشویش ہوئی اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا۔ اب میں اپنے خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں۔ تم اسے دریائے نیل میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف بعد حمد صلوٰۃ کے مقصد یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تو خیر نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد وقہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریا میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے اور گرانی وارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔ (کتاب السنۃ فقیہ ابوالقاسم لالکائی)

اسی آیت کے مضمون کی آیت یہ بھی ہے: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ﴾ (سورۂ عبس ۲۴) یعنی انسان اپنی غذا کو دیکھے کہ ہم نے بارش کی اور زمین پھاڑ کر اناج اور پھل پیدا کئے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: وہ زمین ہے جس پر بارش ناکافی برستی ہے۔ پھر نالوں اور نہروں کے پانی سے وہ سیراب ہوتی ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں: یہ زمین یمن میں ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں: ایسی بستیاں یمن اور شام میں ہیں۔ ابن زید وغیرہ کا قول ہے یہ وہ زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو اور غبار آلود رہے۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے: ﴿وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ (سورۂ یٰسین ۳۳) ان کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۲۹﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿۳۰﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا نہ ان کو مہلت بھی ملے گی سو ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اور آپ منتظر رہئے یہ بھی منتظر ہیں ○

یوم الفتح:

کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم جو کہا کرتے ہو اور تمہارے ساتھی بھی متفق ہیں کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لو گے وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب زیر اور بے وقوف دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو ڈر رہے ہو۔ اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت تو بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب عذاب اللہ آجاتا ہے اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے۔ خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں اس وقت کا نہ ایمان نفع دیتا ہے[1] نہ مہلت ملتی ہے۔

[1] یعنی عین اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار مشاہدہ کرنے کے بعد جو ایمان لایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ ایمان تو اضطراری ہوتا ہے اختیاری نہیں اور اجر وثواب یا نجات اختیاری ایمان ہی پر مرتب ہو سکتی ہے۔

جیسے فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ (سورۂ مؤمن:۸۳) یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے علم پر نازاں ہونے لگے۔ پوری دو آیتوں تک اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔ اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہئے تھا کہ اللہ کا پیغمبر علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ فرماتے۔ جیسے اس آیت میں ہے اس دن کافروں کا اسلام لانا غیر مقبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے جیسے قرآن میں ہے: ﴿فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا﴾ (سورۂ شعراء:۱۱۸) ہمارے درمیان تو فتح کر یعنی فیصلہ کر اور جیسے اور مقام پر ہے: ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ (سورۂ سبا:۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا۔ پھر ہمارے اور آپ کے فیصلے فرمائے گا اور آیت میں ہے: ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ (سورۂ ابراہیم:۱۵) یہ فیصلہ چاہتے ہیں سرکش ضدی تباہ ہوئے اور جگہ ہے: ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (سورۂ بقرہ:۸۹) اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے اور آیت میں فرمان باری ہے: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ (سورۂ انفال:۱۹) اگر تم فیصلے کے آرزومند ہو تو لو فتح آ گئی۔ پھر فرماتا ہے: آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جایئے جو رب نے اتارا ہے اسے پہنچاتے رہئے جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا: تم اپنے رب کے وعدے کو سچا مان لو۔ اس کی باتیں اٹل ہیں۔ اس کے فرمان سچے ہیں۔ وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے۔ لیکن ان کی یہ تمنائیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو بھولتا نہیں نہ انہیں چھوڑتا ہے۔ بھلا جو رب کے احکام پر جمے رہیں اللہ کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں گے؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان پر اترے گا۔ نکبت و ادبار میں ہائے وائے اور واویلا میں گرفتار کئے جائیں گے۔ خدائے قہار کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۹ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُل آیات: ۷۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حضرت ابی زرؓ سے حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ سورہ احزاب کی کتنی آیتیں شمار ہوتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تہتر۔ حضرت ابی نے فرمایا: نہیں نہیں۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ یہ سورت سورہ بقرہ کے قریب قریب تھی۔ اسی میں یہ آیت بھی پڑھی جاتی تھی: اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ یعنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور سنگسار کرو۔ یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے (مسند احمد) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کی کچھ آیتیں اللہ کے حکم سے منسوخ کر دیں۔ واللہ اعلم

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۳﴾

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کو کہنا نہ مانئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے ○

توکل علی اللہ:

تنبیہ کی کہ ایک مؤثر صورت یہ بھی ہے کہ بڑے کو کہا جائے تاکہ چھوٹا چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ اوروں پر وہ تاکید اور بھی زیادہ ہے۔ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ثواب طلب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔

فرمان باری کے مطابق اس کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کی نافرمانیاں ترک کی جائیں۔ کافروں اور منافقوں کی باتیں نہ ماننا ان کے مشوروں پر کاربند ہونا نہ ان کو قبولیت کے ارادے سے سننا۔ علم وحکمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چونکہ وہ اپنے وسیع علم سے

ہر کام کا نتیجہ جانتا ہے اور اپنی بے پایاں حکمت سے اس کی کوئی بات کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا۔ تو تو اسی کی اطاعت کرتا رہ تاکہ برے انجام سے اور بگاڑ سے بچا رہے۔ جو قرآن وسنت تیری طرف وحی ہو رہا ہے۔ اس کی پیروی کر اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ اپنے تمام امور واحوال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھ۔ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ کافی ہے کیونکہ تمام کارسازی پر وہ قادر ہے۔ اس کی طرف جھکنے والا کامیاب ہی کامیاب ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنا دیا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنا دیا۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتلاتا ہے۔ تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ سب اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے اور اگر تم انکے باپوں کو نہ جانتے ہو تو تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن ہاں جو دل سے ارادہ کر کے کرو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ○

دِل تو ایک ہی ہے:

مقصود کو بیان کرنے سے پہلے بطور مقدمے اور ثبوت کے مثلاً ایک وہ بات بیان فرمائی جسے سب محسوس کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے مقصود کی طرف لے گئے۔ بیان فرمایا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی انسان کے دل دو نہیں ہوتے۔ اسی طرح تم سمجھ لو کہ اپنی جس بیوی کو ماں کہہ دو وہ واقعی ماں نہیں ہو جاتی۔ ٹھیک اسی طرح دوسرے کی اولاد کو اپنا بیٹا بنا لینے سے وہ بیٹا نہیں ہو جاتا۔ اپنی بیوی سے اگر کسی نے بحالت غضب وغصہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ تو اس کے کہنے سے ماں نہیں بن جاتی۔ جیسے فرمایا: ﴿مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ﴾ (سورۂ مجادلہ:۲) یعنی ایسا کہہ دینے سے وہ مائیں نہیں بن جاتیں۔ مائیں تو وہ ہیں، جن کے بطن سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بیان کے بعد اصل مقصود کو بیان کر کے فرمایا کہ تمہارے لے پالک لڑکے بھی درحقیقت تمہاری اولاد نہیں۔ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ تھے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے اپنا متبنّٰی بنا رکھا تھا۔ انہیں زید بن محمد کہا جاتا ہے۔

اس آیت سے اس نسبت اور اس الحاق کا توڑ دینا منظور ہے۔ جیسے کہ اس سورت کے اثنا میں ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۰) تم میں سے کسی مرد کے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں[1]۔ بلکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے یہاں فرمایا کہ یہ تو صرف تمہاری ایک زبانی بات ہے جو تم کسی کے لڑکے کو کسی کا لڑکا کہو اس سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ واقع میں اس کا باپ وہ ہے جس کی پیٹھ سے وہ نکلا۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں۔ جیسے یہ ناممکن ہے کہ ایک سینے میں دو دل ہوں۔ اللہ تعالیٰ حق فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں اتری ہے۔ جس نے مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کر دی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے۔ آپ کو کچھ خطرہ گزرا۔ اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے۔ وہ کہنے لگے دیکھو اس کے دو دل ہیں ایک تمہارے ساتھ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ زہریؒ فرماتے ہیں: یہ تو صرف بطور مثال کے فرمایا گیا ہے یعنی جس طرح کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے اسی طرح کسی بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ اسی کے مطابق ہم نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلے تو رخصت تھی کہ لے پالک لڑکے کو پالنے والے کی طرف نسبت کر کے اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے۔ لیکن اب اسلام اس کو منسوخ کر رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ ان کے اپنے حقیقی باپ جو ان کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ عدل کی نیکی انصاف اور راستی یہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس آیت کے اترنے سے پہلے ہم حضرت زید کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ لیکن اس کے نازل ہونے کے بعد ہم نے کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ ایسے لے پالک کے وہ تمام حقوق ہوتے تھے۔ جو صلبی اولاد کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کے اترنے کے بعد حضرت سہلہ بنت سہیلؓ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب قرآن نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ میں اس سے اب تک پردہ نہیں کرتی۔ وہ آتے جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میرے خاوند حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اس طرح آنے سے کچھ بیزار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کیا ہے جاؤ سالم کو اپنا دودھ پلا دو اس پر حرام ہو جاؤ گی الخ۔

الغرض یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب صاف لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لڑکوں کی بیویوں کی بھی علت انہیں لڑکا بنانے والوں کے لئے بیان فرما دی اور حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی صاحبہ حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی۔ تو آپ نے خود اپنا نکاح ان سے کر لیا اور مسلمان اس ایک مشکل سے بھی چھوٹ گئے۔ فالحمدللہ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں حرام عورتوں کا ذکر کیا وہاں فرمایا: ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ (سورۂ نساء: ۲۳) یعنی تمہاری اپنی صلب سے جو لڑکے ہوں ان کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ ہاں رضاعی لڑکا نسبی صلبی لڑکے کے حکم میں ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ پیار سے کسی کو بیٹا کہہ دینا یہ اور چیز ہے یہ ممنوع نہیں۔

[1] یوں تو ساری امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ کی جگہ ہیں کیونکہ نبی اپنی امت کا باپ ہی ہوا ہے۔ مگر مطلب اس کا یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حقیقی اولاد نہیں اور سب جانتے ہیں کہ اولاد نرینہ تو جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہوئی ان کو اس دنیاوی زندگانی گزارنے کا موقع نہ ملا۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہم سب خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے بچوں کو مزدلفہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ہی جمرات کی طرف رخصت کر دیا اور ہماری رانیں تھپکتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بیٹو سورج نکلنے سے پہلے جمرات پر کنکریاں نہ مارنا یہ واقعہ ۱۰ ھ ماہ ذی الحجہ کا ہے اور اس کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت زید بن حارثہ جن کے بارے میں یہ حکم اترا' یہ ۸ ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا۔ اسے بیان فرما کر کہ لے پالک لڑکوں کو ان کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔ پالنے والوں کی طرف نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہیں ان کے باپ کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور اسلامی دوست ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۃ القضا والے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے دوڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لے کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا اور فرمایا: یہ تمہاری چچازاد بہن ہے انہیں اچھی طرح رکھو۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: اس بچی کے حقدار ہم ہیں۔ ہم انہیں پالیں گے۔ حضرت علیؓ سے فرماتے تھے: نہیں یہ میرے ہاں رہیں گی۔ حضرت علیؓ نے تو یہ دلیل دی کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہیں اور ان کی چچی میرے گھر میں ہیں۔ یعنی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر کے صاحبزدی اپنی خالہ کے پاس رہیں۔ کیونکہ ماں کے قائم مقام ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔

حضرت جعفرؓ سے فرمایا: تو سیرت میں میرے مشابہ ہے۔ حضرت زیدؓ سے فرمایا: تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم حق سنا کر اور دعویداروں کو بھی ناراض نہیں ہونے دیا اور آپ نے اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔ حضرت ابو بکرہؓ نے فرمایا: اسی آیت کے ماتحت میں تمہارا بھائی ہوں۔ ابی فرماتے ہیں: واللہ اگر یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کے والد کوئی ایسے ویسے ہی تھے تو بھی یہ ان کی طرف منسوب ہوتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف سے دوسرے کی طرف کرے اس نے کفر کیا۔ اس کی سخت وعید ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ صحیح نسب سے کو ہٹانا بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

پھر فرماتا ہے: جب تم نے اپنے طور پر جتنی طاقت تم میں ہے' تحقیق کر کے کسی کو کسی کی طرف نسبت کیا اور فی الحقیقت وہ نسبت غلط ہے تو اس خطا پر تمہاری پکڑ نہیں۔ چنانچہ خود پروردگار نے ہمیں دعا تعلیم کی کہ ہم اس کی جناب میں کہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۸۶) خدایا ہماری بھول چوک اور غلطی کو نہ پکڑ۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی۔ جناب باری عز اسمہ نے فرمایا: میں نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ان کی خطائیں بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں' ان سے درگزر فرمالیا ہے۔ یہاں بھی یہ ارشاد فرمایا کہ ہاں جو کام تم قصد قلب سے عملاً کرو وہ بے شک قابل گرفت ہیں قسموں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اوپر جو حدیث بیان ہوئی کہ نسب بدلنے والا کفر کا مرتکب ہے۔ وہاں بھی یہ لفظ ہیں کہ باوجود جاننے کے آیت قرآن جو اب تلاوتاً منسوخ ہے' اس میں تھا: ﴿فَاِنَّ كُفْرًا بِكُمْ اَنْ تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَآئِكُمْ﴾ یعنی تمہارا اپنے باپ کی طرف سے نسبت ہٹانا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اس میں رجم کی بھی آیت

تھی۔ حضورؐ نے خود بھی رجم کیا (شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کیا) اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ ہم نے قرآن میں یہ آیت بھی ساتھ پڑھی ہے کہ اپنے باپ سے اپنا سلسلۂ نسب نہ ختم کرو کیونکہ یہ کفر ہے۔ حضور کا ارشاد ہے: تم میری تعریفوں کو اس طرح بڑھا نہ دینا۔ جیسے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوا۔ میں تو صرف بندۂ اللہ ہوں تو تم مجھے بندۂ اللہ اور رسول اللہ کہنا۔ ایک روایت میں صرف ابن مریم ہے اور روایت میں ہے تین خصلتیں لوگوں میں ہیں جو کفر ہیں۔ نسب میں طعنہ زنی۔ میت پر نوحہ۔ ستاروں سے باراں طلبی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے ○

شفیق ورحیم پیغمبر:

چونکہ رب العزت وحدہ لاشریک لہ کو علم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ اس لئے آپ کو ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اختیار دیا۔ یہ خود اپنے لئے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسول کو بدل و جان قبول کرتے جائیں۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۂ نساء: ۶۵) تیرے رب کی قسم یہ مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے حکم نہ مان لیں اور تیرے تمام احکام میں فیصلوں کو بدل و جان بکشادہ پیشانی قبول نہ کر لیں۔ صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی با ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے اس کے مال سے اس کی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب فرمایا: یا رسول اللہ! آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں۔ لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے نہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں نہیں عمر جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ بھی محبوب نہ بن جاؤں۔ یہ سن کر جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: قسم اللہ کی یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا: اب ٹھیک ہے۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمام مؤمنین کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی جانوں سے بھی میں ہوں۔ اگر تم چاہو تو پڑھ لو: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سنو جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے اس کا مال تو اس کے وارثوں کا حصہ ہے اور اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہوں تو اس قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہے۔

پھر فرماتا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظمت میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں۔ جیسے خود ان کی اپنی مائیں۔ ہاں ماں کے اور احکام مثلاً خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہ

یہاں ثابت نہیں۔ گو بعض علما نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں لکھا ہے۔ جیسے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں نصاً فرمایا ہے۔ لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ کہ حکم کا اثبات۔ حضرت معاویہؓ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المومنین کے بھائی تھے انہیں ماموں کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ نے تو کہا ہے کہ کہہ سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو مومنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابو مومنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آ جائیں گی۔ جمع مذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مونث بھی شامل ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے امام شافعیؒ کے دوقولوں میں سے بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ ابی بن کعب اور ابن عباسؓ کی قرأت میں اُمَّهَاتُهُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں: وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ یعنی ان کے والد ہیں۔ مذہب شافعی میں بھی ایک قول یہی ہے اور کچھ تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لئے قائم مقام باپ کے ہوں۔ میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں۔ سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو نہ قبلے کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ۔ نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لے نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے۔ آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم کرتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے[1]۔ (نسائی وغیرہ)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باپ نہ کہا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۰) حضور ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ نسبت عام مومنوں مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا گیا تھا۔ اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے۔ اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ پہلے اگر انصاری مر گیا تو اس کے وارث اسکی قرابت کے لوگ نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ مہاجر ہوتے تھے۔ جن کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کرا دیا تھا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصار و مہاجرین کے بارے میں اترا ہے۔ ہم جب مکہ چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس کچھ مال نہ تھا۔ یہاں آ کر ہم نے انصار سے بھائی چارہ کیا۔ یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہم ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھائی چارہ حضرت خارجہ بن زید سے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک زرقی شخص کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب کے ساتھ۔ یہ زخمی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا حکم عام ہمارے لئے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے ورثہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے ان مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے ذریعے کچھ دے دلا سکتے ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا تھا۔ جس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی۔ بیچ میں جو بھائی چارے میں ورثہ بنتا تھا۔ یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لئے تھا۔ اب یہ ہٹا دیا اور اصل حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى

[1] کیونکہ حدیث میں ایسی چیزوں پر تنبیہ کی گئی ہے جو بظاہر بہت ہی معمولی ہوتی ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا باپ ہوں اور جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کو چھوٹی چھوٹی چیز پر متنبہ کرتا ہے۔ ایسے ہی تم کو آگاہ کرتا ہوں۔

ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اور جب کہ ہم نے ان تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا۔ تا کہ ان سچوں سے ان کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

ایک عہد:

فرمان ہے کہ ان پانچوں اولوالعزم پیغمبروں سے اور عام نبیوں سے سب سے ہم نے عہد لیا۔ کہ وہ میرے دین کی تبلیغ کریں گے۔ اس پر قائم رہیں گے۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد امداد اور تائید کریں گے اور اتفاق و اتحاد رکھیں گے۔ اسی عہد کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ﴾ (سورۂ آل عمران: ۸۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے قول وقرار لیا کہ جو کتاب و حکمت دے کر میں تمہیں بھیجوں، پھر تمہارے ساتھ کی چیز کی تصدیق کرنے والا رسول آ جائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا۔ بولو تمہیں اس کا اقرار ہے؟ اور میرے ساتھ اس کا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں ہمیں اقرار ہے۔ جناب باری نے فرمایا: بس اب گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہاں عام نبیوں کا ذکر کر کے پھر خاص جلیل القدر پیغمبروں کا نام بھی لے دیا۔ اسی طرح ان کے نام آیت میں بھی ہیں: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ (سورۂ شوریٰ: ۱۳) یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جو زمین پر اللہ کے پہلے پیغمبر تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے آخری پیغمبر تھے اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا ذکر ہے جو درمیانی پیغمبر تھے۔ ایک لطافت اس میں یہ ہے کہ پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ کے بعد کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا اور درمیانی پیغمبروں سے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کا ذکر کیا یہاں تو ترتیب یہ رکھی کہ فاتح اور خاتم کا ذکر کر کے بیچ کے نبیوں کا بیان کیا اور اس آیت میں سب سے پہلے خاتم النبیین کا نام لیا۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و افضل آپ ہی ہیں۔ پھر یکے بعد دیگرے جس طرح آئے ہیں، اسی طرح ترتیب وار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام نبیوں پر اپنا درود و سلام نازل فرمائے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آخر ہوں۔ پس مجھ ہی سے ابتدا کی ہے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی سعید بن بشیر ضعیف ہیں اور سند سے یہ مرسل ہے اور یہی زیادہ صحیح اور بعضوں نے اسے موقوف روایت کیا ہے واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پسندیدہ اللہ کے پانچ پیغمبر ہیں: نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس آیت میں ایک راوی حمزہ ضعیف ہے۔ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عہد و پیمان کا ذکر ہے اور وہ ہے جو روز ازل میں حضرت آدم کی پیٹھ میں سے تمام انسانوں کو نکال لیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے نقل ہے کہ حضرت آدم کو بلند کیا گیا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا، ان میں مالدار مفلس خوبصورت اور ہر طرح کے لوگ دیکھے تو کہا کہ خدایا کیا اچھا ہوتا کہ تو نے ان سب کو برابر رکھا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ ان میں جو انبیا کرام علیہم السلام تھے انہیں بھی آپ

نے دیکھا۔ وہ مثل روشنی کے نمودار تھے۔ ان پر نور برس رہا تھا۔ ان سے نبوت ورسالت کا ایک اور خاص عہد لیا گیا تھا۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔

صادقوں سے ان کے صدق کا سوال ہوا یعنی ان سے جو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچانے والے تھے ان کی امتوں میں سے جو بھی ان کو نہ مانے' اسے سخت عذاب ہوگا۔ اے اللہ! تو گواہ رہ۔ ہماری گواہی ہے۔ ہم دل سے مانتے ہیں کہ بے شک تیرے رسولوں نے تیرا پیغام تیرے بندوں کو بلاکم وکاست پہنچا دیا۔ انہوں نے پوری خیر خواہی کی اور حق کو صاف طور پر نمایاں طریقے سے واضح کر دیا۔ جس میں کوئی پوشیدگی کوئی شبہ کسی طرح کا شک نہ رہا۔ گو بدنصیب ضدی جھگڑالو لوگوں نے انہیں نہ مانا۔ ہمارا ایمان ہے کہ تیرے رسولوں کی تمام باتیں سچ اور حق ہیں اور جس نے ان کی راہ نہ پکڑی وہ گمراہ اور باطل پر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ⑪

اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔ جب وہ لوگ تم پر آ چڑھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے ○

ایک حادثہ اور اس پر امداد کا فتح باب:

جنگ خندق میں جو ۴ھ ہجری ماہ شوال میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر جو اپنا فضل واحسان کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے جبکہ مشرکین نے پوری طاقت سے اور پورے جتھے سے بلکہ مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادے سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: جنگ خندق ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابوعقیق' سلام بن شکم' کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے۔ مکہ میں آ کر قریشیوں کو جو پہلے ہی تیار تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ انہیں آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے' ان سے ساز باز کر کے انہیں ساتھ شامل کر لیا۔

قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کر تمام عرب میں آگ لگا کر سب لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان سب لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان سب کا سردار ابوسفیان صخر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عینیہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا۔ ان لوگوں نے کوشش کر کے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا اور مدینے کی طرف چڑھ دوڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپ نے بمشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے شریف کی مشرقی جانب میں خندق کھودی۔ اس کے کھودنے میں تمام صحابہ' مہاجرین وانصار شامل

تھے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس اس میں حصہ لیتے تھے۔کھودنے میں بھی اور ڈھونڈنے میں بھی۔مشرکین کا لشکر بامزاحمت مدینے شریف تک پہنچ گیا اور مدینے کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا۔

یہ تھا مدینے کا نچلا حصہ۔اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت بھیج دی۔جس نے اعالی مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ صحابہ کو جو تین ہزار سے نیچے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے' لے کر ان کے مقابلہ پر آئے۔سلع پہاڑی کو آپ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کی ترتیب دی۔خندق جو آپ نے کھودی اور کھدوائی تھی' اس میں پانی وغیرہ نہ تھا۔وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے ریلے کو بے روک آنے نہیں دیتا تھا۔آپ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک محلے میں کر دیا تھا۔یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں بھی تھی۔مشرقی جانب ان کا محلہ تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا معاہدہ صلح مضبوط تھا۔ان کا بھی بڑا گروہ تھا۔تقریباً آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل مردان میں موجود تھے۔مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حیی بن اخطب نفری کو بھیجا۔اس نے انہیں شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقعہ پر مسلمانوں سے بدعہدی کی اور علانیہ طور پر صلح توڑ دی۔باہر سے دس ہزار کا وہ لشکر جو گھیرا ڈالے پڑا تھا' اندر سے ان یہودیوں کی بغاوت جو بغل گھونسے کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔بتیس دانتوں میں زبان یا آٹے میں نمک کی طرح مسلمان ہو گئے۔یہ کل سات سو آدمی کر ہی کیا سکتے تھے۔یہ وہ وقت تھا' جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئیں۔دل پریشان طرح طرح کے خیالات پریشان کرنے لگے۔جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے۔مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی۔

گو مشرکین کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دست بدست لڑائی کرتے لیکن ہاں گھیرا ڈالے پڑے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا۔البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان تھا اور سپہ سالاری میں یکتا تھا۔ساتھ ہی بہادر جیوٹ اور قوی تھا۔ایک مرتبہ ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جانباز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدا لایا۔یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر حضرت علی کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلہ پر آ جاؤ۔آپ گئے تھوڑی دیر تک دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی۔لیکن بالآخر شیر اللہ نے کفر کے اس دیو کو تہ تیغ کیا۔جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فتح ہماری ہے۔پھر پروردگار نے وہ تیز و تند آندھی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔کوئی چیز قرینے سے نہ رہی۔آگ کا جلانا مشکل ہو گیا۔کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔

بالآخر تنگ آ کر نامرادی سے واپس ہوئے۔جس کا بیان اس آیت میں ہے' جس ہوا کا ذکر اس آیت میں ہے' بقول مجاہدؒ یہ صبا ہے اور اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ میری مدد صبا ہوا سے کی گئی ہے اور عادی لوگ تیز ہواؤں سے ہلاک کئے گئے تھے۔عکرمہؒ فرماتے ہیں: جنوبی ہوا نے شمالی ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل ہم تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں۔تو شمالی ہوا نے کہا: گرمی رات کو نہیں چلا کرتی۔پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو صحابی تمہیں ملیں' انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔اب میں چلا' ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں مجھے جو مسلمان ملا' میں نے اسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور جس نے سنا الٹے پاؤں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو ہوا دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کا موہا میرے پاؤں پر گر پڑا۔ جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے۔ جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے۔ اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے: نجات کی صورت تلاش کرو۔ بچاؤ کا انتظام کرلو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نوجوان نے جو کوفے کے رہنے والے تھے' کہا کہ اے ابو عبداللہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھے' بتاؤ تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: واللہ ہم جاں نثاریاں کرتے تھے۔ نوجوان فرمانے لگے: سنیے چچا! اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو پاتے تو واللہ ہم آپ کو قدم بھی زمین نہ رکھنے دیتے' اپنی گردنوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ آپ نے فرمایا: بھتیجے! لو ایک واقعہ سنو۔ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ علیہ وسلم بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لا دے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہو گا۔ کوئی کھڑا نہ ہوا۔ کیونکہ خوف کی' بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی۔ پھر آپ دیر تک نماز پڑھتے رہے' پھر فرمایا: کوئی ہے جو جا کر خبر لا دے کہ مخالفین نے کیا کیا؟ اللہ کے رسول اسے مطمئن کرتے ہیں کہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں میرا رفیق کرے۔ اب کے بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا بھی کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہا تھا۔ خوف کے مارے پانی ہو رہے تھے۔ بالآخر میرا نام لے کر سردار رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ اب تو بے کھڑے ہوئے چارہ ہی نہ تھا۔ فرمانے لگے: حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جا کوئی کام نہ کرنا۔ میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرأت کے ساتھ مشرکوں میں گھس گیا۔ وہاں جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کر رہے ہیں۔ چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں۔ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی ہیں۔ آگ جلا نہیں سکتے۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہیں رہی۔

اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیو! اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ' اپنے ساتھی کو دیکھ بھال لو' ایسا نہ ہو کوئی غیر کھڑا ہوا ہو۔ میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو قریشی جوان تھا' اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے کہا: اب ہوشیار رہنا۔ پھر ابوسفیان نے کہا: قریشیو! بخدا ہم اس وقت کسی ٹھیرنے کی جگہ پر نہیں۔ ہمارے قریشی ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی۔ پھر اس ہوا نے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ ہم پکا کھا نہیں سکتے۔ آگ تک نہیں جلا سکتے۔ خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے۔ میں تو تنگ آ گیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ واپس ہو جاؤں۔ پس میں سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو۔ اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو زانوں میں بندھا ہوا تھا چڑھ گیا اور اسے مارا۔ وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کا پاؤں کھولا۔ اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا' ایک ہی تیر میں ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی کام نہ کرنا۔ اس لئے میں نے خود کو روک لیا۔ اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آ گیا۔ جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر میں لپٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی' نماز میں مشغول ہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر اپنے دونوں پیروں کے درمیان بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی

اوڑھادی۔ پھر رکوع سجدہ کیا اور وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔

اور روایت میں ہے' حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے اللہ کی قسم مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں۔ اس وقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر پہچان کر اپنا تیر کمان میں چڑھایا اور چاہتا تھا کہ چلا دوں اور وہ بالکل زد میں تھا۔ ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے۔ لیکن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں واپس آیا' اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں[1]۔ ہاں جب حضور کے پاس پہنچ گیا تو بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھادی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا۔ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے! بیدار ہو جا اور روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہ نے کہا: کاش کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باوجود نہ دیکھنے کے پورا اور پکا عقیدہ رکھتے ہو۔ برادرزادے جو تمنا تم کرتے ہو یہ تمنا ہی ہے نہ جانے ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں یہ کہہ کر پھر اپنے مندرجہ بالا لیلۃ الخندق کا واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا جھڑی اور آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرما رہے تھے تو اہل مجلس نے کہا: اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے۔ اس پر آپ نے یہ واقعہ بیان فرمادیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے' اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی بگڑے ہوئے ہیں۔ بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں۔ خطرہ لگا ہوا ہے۔ اگر قریظہ نے اس طرف رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتیں بچوں کا فیصلہ کر دیں گے۔ واللہ اس رات جیسی خوف ہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گزری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں آندھیاں اٹھتی ہیں۔ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ الغطمۃ للہ ساتھی کو دیکھتا ہوں تو کہا؟ اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھیں۔ جو منافق ہمارے ساتھ تھے وہ ایک ایک کر کے یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا نگہبان کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اجازت چاہنے لگے اور آپ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا۔ جس نے کہا: میں جاؤں؟ آپ نے فرمایا: شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سرکنے لگے اور ہم صرف تین سو رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب تشریف لائے' ایک ایک کو دیکھا' میری عجیب حالت تھی۔ نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی ہتھیار تھا نہ سردی سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچے' اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: حذیفہؓ۔ فرمایا: حذیفہؓ سن! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ ہو گئی کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھڑا نہ کر دیں' میری تو درگت ہو رہی ہے۔ لیکن کرتا کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا۔ میں نے کہا: حضور سن رہا ہوں ارشاد؟ آپ نے فرمایا: دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے' جاؤ ان کی خبر لاؤ۔

واللہ! اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی۔ لیکن حضور کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا۔ تو میں

[1] گویا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید سردی میں بھی کوئی تکلیف محسوس نہیں کر رہے تھے۔

نے سنا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ خدایا اس کے آگے سے پیچھے سے دائیں بائیں سے اوپر سے نیچے سے اس کی حفاظت کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف ڈر دہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دے کر فرمایا: دیکھو حذیفہ! وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی بات نہ کرنا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے نہ جانتا تھا۔ میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ چلو کوچ کرو۔ واپس چلو۔ ایک عجیب بات میں نے یہ بھی سنی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوائیں جو دیگیں الٹ دیتی تھیں وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی۔ واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ پتھر اڑ اڑ کران پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا ہوں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں انہوں نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کفایت کر دی اور آپ کے دشمنوں کو شکست دی۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور پریشانی کا وقت ہوتا' آپ نماز شروع کر دیتے۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچائی' اسی وقت یہ آیت اتری۔

پس آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گیر گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئی تھیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ بعض منافقوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آ جائیں گے۔ عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ معتب بن قشیر کہنے لگے کہ آنحضرت تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے۔ مسلمان تو یقین کرتے ہی تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے۔ جیسا کہ فرمان ہے: ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۂ احزاب: ۲۲) لیکن منافقین کہتے تھے کہ اب کی مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی تلقین کریں۔ آپ نے فرمایا: یہ دعا مانگو: اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اللہ ہماری پردہ پوشی کر۔ اللہ ہمارے خوف و ڈر کو امن امان سے بدل دے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ دعائیں بلند ہوئیں۔ ادھر خدائی لشکر ہواؤں کی شکل میں آیا اور کافروں کا تیاپانچا کر دیا۔ فالحمد للہ۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا

يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾

اور موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دہی کا وعدہ کر رکھا ہے اور جبکہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! تمہارے لئے شہر کا موقعہ نہیں سو لوٹ چلو اور بعض لوگ ان میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں۔ اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ

گھسے پھر ان سے فساد کی درخواست جائے تو وہ اسے کو منظور کر لیں اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی۔ آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہو سکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے کہ جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا وہ کون ہے جو اللہ کے فضل کو تم سے روک سکے اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے (وطنی یا نسبی) بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے، سو جب خوف پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو پھر جب وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں کے طعنے دیتے ہیں۔ مال پر حرص لئے ہوئے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ نے بیکار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (جو لوٹ کر) آ جاویں تو (پھر تو) یہ لوگ (اپنے لئے) یہی پسند کریں کہ کاش ہم (دیہاتوں میں باہر جا رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے ہیں اور اگر تم ہی میں رہیں تب بھی کچھ یوں ہی لڑیں۔ تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا اور جب ایمانداروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور رسول نے خبر دی تھی اور اللہ اور رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہوگئی ○

شدید پریشانی:

اس گھبراہٹ اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے، جو جنگ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی تھی کہ باہر سے دشمن اپنی پوری قوت اور کافی لشکر سے گھیرا ڈالے کھڑا ہے۔ اندرون شہر میں بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ یہودیوں نے دفعتہً صلح توڑ کر بے چینی پیدا کر دی ہے۔ مسلمان کھانے پینے تک سے تنگ آ گئے ہیں۔ منافق کھلم کھلا الگ ہو گئے ہیں۔ ضعیف دل لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ بس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے دیکھ لئے کچھ لوگ ہیں، جو ایک دوسرے کے کان میں صور پھونک رہے ہیں کہ میاں پاگل ہوئے ہو؟ دیکھ نہیں رہے؟ دو گھڑی میں نقشہ بدلنے والا ہے بھاگ چلو۔ لوٹو لوٹو واپس چلو۔ یثرب سے مراد مدینہ ہے کہ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ جو وہ سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجرت ہے لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے۔

روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے جو مدینہ کو یثرب کہے وہ استغفار کرے۔ مدینہ تو طاہر ہے وہ طابہ ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمالیق میں سے جو شخص یہاں آ کر ٹھہرا تھا۔ چونکہ اس کا نام یثرب بن عبید بن مہلا ئیل بن عوض بن عملاق بن لاد بن آدم بن سام بن نوح تھا۔ اس لئے اس شہر کو بھی اسی کے نام سے مشہور کیا گیا۔ یہ بھی قول ہے کہ تورات شریف میں اس کے گیارہ نام آئے ہیں: مدینہ، طابہ، جلیلہ، جابرہ، محبہ، محبوبہ، قاصمہ، مجبورہ، فدراؤ، مرحومہ، طیبہ۔ کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ عبارت پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا: اے طیبہ! اور اے طابہ! اور اے مسکینہ! خزانوں میں مبتلا نہ ہو۔ تمام بستیوں میں تیرا درجہ بلند ہو گا۔ کچھ لوگ تو اس موقعہ خندق پر کہنے

لگے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ بنو حارثہ کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں چوری ہونے کا خطرہ ہے وہ خالی پڑے ہیں۔ ہمیں واپس جانے کی اجازت دیجئے۔ اوس بن قیظی نے کہا تھا کہ ہمارے گھروں میں دشمن کے گھس جانے کا خطرہ ہے۔ وہ خالی پڑے ہیں' ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بات بتلا دی کہ یہ تو دھوکہ ہے۔ حقیقت میں عذر کچھ بھی نہیں' نامرادی ہے' بھگوڑا پن دکھاتے ہیں' لڑائی سے جی چرا کر سرکنا چاہتے ہیں۔

مجاہدانہ زندگی یا بزدلی کا مظاہرہ:

جو لوگ یہ عذر کر کے جہاد سے بھاگ رہے تھے کہ ہمارے گھر میں اکیلے پڑے ہیں جن کا بیان اوپر گزرا۔ انکی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر ان پر دشمن مدینے کے ہر طرف سے اور ہر ہر رخ سے آ جائے۔ پھر ان سے کفر میں داخل ہونے کا سوال کیا جائے تو یہ بے تامل کفر کو قبول کر لینگے۔ لیکن تھوڑے خوف اور خیالی دہشت کی بنا پر ایمان سے دست برداری کر رہے ہیں۔ یہ انکی مذمت بیان فرمائی ہیں۔

پھر فرماتا ہے: یہی تو ہیں جو اس سے پہلے ڈینگیں مارتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ہم میدان سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ جو وعدے انہوں نے اللہ سے کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باز پرس کرے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ موت سے بھاگنا' لڑائی سے منہ چھپانا' میدان میں پیٹھ دکھانا' جان نہیں بچا سکتا' بلکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ کی اچانک پکڑ کر جلد آ جانے کا باعث ہو جائے اور دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ دنیا تو آخرت جیسی باقی چیز کے مقابلہ پر کل کی کل حقیر اور محض ناچیز ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے کوئی نہ دے سکے نہ دلا سکے نہ مددگاری کر سکے۔ نہ حمایت پر آ سکے۔ اللہ اپنے ارادوں کو پورا کر کے ہی رہتا ہے۔

خالی خولی باتیں اور در پردہ فریب کارانہ سازشیں:

اللہ تعالیٰ اپنے محیط علم سے انہیں خوب جانتا ہے۔ جو دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں۔ اپنے ہم جلیسوں سے' یار دوستوں سے' کنبے قبیلے والوں سے کہتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ رہو۔ اپنے گھروں کو اپنے آرام کو اپنی زمین کو اپنے اہل وعیال کو نہ چھوڑو۔ خود بھی جہاد میں نہیں آتے۔

یہ اور بات ہے کہ کسی کسی وقت منہ دکھا جائیں اور نام لکھا جائیں۔ یہ بڑے بخیلی ہیں نہ ان سے تمہیں کوئی مدد پہنچے نہ ان کے دل میں تمہاری ہمدردی نہ مال غنیمت میں تمہارے حصے پر یہ خوش۔ خوف کے وقت تو ان نامرادوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں۔ مایوسانہ نگاہوں سے تکنے لگتے ہیں۔ لیکن خوف دور ہوا کہ انہوں نے لمبی لمبی زبانیں نکال ڈالیں اور بڑھے چڑھے دعوے کرنے لگے۔ ہمیں دوہمیں دو کا غل مچا دیتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ ہم نے جنگی خدمات انجام دی ہیں۔ ہمارا حصہ ہے اور جنگ کے وقت صورتیں بھی نہیں دکھاتے۔ بھاگتوں کے آگے اور لڑتوں کے پیچھے رہا کرتے ہیں۔ مال کی طمع میں مکھیوں کی طرح چمٹنے لگتے ہیں۔ بھلا جھوٹ نامردی دونوں عیب جس میں جمع ہوں' اس جیسا بے خبر انسان اور کون ہوگا؟ امن کے وقت عیاری بدخلقی بدزبانی اور لڑائی کے وقت نامردی روباہ بازی اور زنانہ پن۔

اللہ فرماتا ہے: بات یہ ہے کہ ان کے دل شروع سے ہی ایمان سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال بھی اکارت ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر یہ آسان ہے۔

یہ بزدلی:

ان کی بزدلی اور مرعوبیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں ہوا کہ لشکر کفار لوٹ گیا اور خطرہ ہے کہ وہ کہیں آ نہ پڑے۔ مشرکین کے لشکروں کو دیکھتے ہیں چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں ہی نہ ہوتے۔ بلکہ گنواروں کے ساتھ کسی اجڑے گاؤں میں یا کسی درے پرے کے جنگل میں ہوتے' کسی آتے جاتے سے پوچھ لیتے کہو بھئی لڑائی کا کیا حشر ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اگر تیرے ساتھ بھی ہوں تو بیکار ہیں۔ ان کے دل مردہ ہیں۔ نامردی کے گھن نے انہیں کھوکھلا کر رکھا ہے۔ یہ کیا لڑیں گے؟ اور کون سی بہادری دکھائیں گے؟

اسوۂ حسنہ:

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اقوال افعال اور احوال اقتدا پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں بھی صبر وتحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی۔ جیسے راہ اللہ میں تیاری شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امیدیں اس وقت آپ نے دکھائیں۔ یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزوعظیم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر حبیب اللہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے خود کو بھی متصف کریں۔ اسی لئے قرآن کریم لوگوں کو جو اس وقت سٹ پٹارہے تھے اور گھبراہٹ وپریشانی کا اظہار کرتے تھے۔ فرماتا ہے کہ تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے۔ ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا۔ تمہیں صبر واستقلال کی نہ صرف تلقین کی تھی بلکہ ثابت قدمی' استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے۔

پھر خدائی فوج کے سچے مؤمنوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب ٹڈی دل لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ انہیں کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ ورسول کا وعدہ غلط ہو۔ یقیناً اس جنگ کی فتح کا سہرا ہمارے سر ہوگا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کے جس وعدے کی طرف اس میں اشارہ ہے وہ آیت یہ ہو جو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ (سورۂ بقرہ:۲۱۴) یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے؟ کہ بغیر اس کے کہ تمہاری آزمائش ہو' تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم سے اگلے لوگوں کی آزمائش بھی ہوتی تھی۔ انہیں بھی دکھ درد کی لڑائی بھڑائی میں مبتلا کیا گیا۔ یہاں تک کہ انہیں ہلایا گیا کہ ایمانداروں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل سے گیا کہ اللہ کی مدد کو دیر کیوں لگ گئی؟ یاد رکھو رب کی مدد بہت ہی قریب ہے۔ یعنی یہ تو صرف امتحان ہے۔ ادھر تم نے ثابت قدمی دکھائی اور ادھر رب کی مدد آ گئی۔ اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان اصحاب رسول کا ایمان اپنے مخالفین کی اس قدر جمعیت دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ یہ اپنے ایمان میں' اپنی تسلیم میں اور بڑھ گئے۔ یقین کامل ہو گیا۔ فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔ اس آیت میں دلیل ہے ایمان کی زیادتی ہونے پر اور بہ نسبت اوروں کے ان کے ایمان کے قوی ہونے پر۔ جمہور ائمہ کرام کا بھی یہی فرمان ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے ہم نے بھی اس کی تفسیر شرح بخاری کے شروع میں کر دی ہے وللہ الحمد والمنتہ۔ پس فرماتا ہے کہ اس تنگی ترشی نے' اس سختی اور تنگ حالی نے اس حال اور اس نقشہ نے ان کا جو ایمان اللہ پر تھا' اسے اور بڑھا دیا اور جو تسلیم کی' خوان میں تھی

کہ اللہ رسول کی باتیں مانا کرتے تھے اور ان پر عامل تھے۔ اس اطاعت میں اور بڑھ گئے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے۔ پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بعضے ان میں سے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر تبدیل نہیں کیا۔ یہ واقعہ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے بے شک اللہ غفور رحیم ہے ○

ایفائے عہد:

منافقوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ وقت سے پہلے تو جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے۔ لیکن وقت آنے پر پورے بزدل اور نامرد ثابت ہوئے۔ سارے دعوے اور وعدے رکھے کے رکھے رہ گئے اور بجائے ثابت قدمی کے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے دعوے پورے کر دکھائے بعض نے تو جام شہادت نوش فرمالیا اور بعض اس کے انتظار میں بے چین ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے قرآن لکھنا شروع کیا تو ایک آیت مجھے نہیں ملتی تھی۔ حالانکہ سورہ احزاب میں وہ آیت میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ آخر خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ آیت ملی۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے اکیلے کی گواہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر کر دیا تھا وہ آیت: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ﴾ ہے۔

یہ آیت حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے واقعہ یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ جس کا انہیں سخت افسوس تھا کہ سب سے پہلی جنگ میں، جس میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک تھے، میں شامل نہ ہو سکا۔ اب جو جہاد کا موقعہ آئے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سچائی دکھا دوں گا اور یہ بھی کہ میں کیا کرتا ہوں؟ اس سے زیادہ کہتے ہوئے خوف کھایا۔ اب جنگ احد کا موقعہ جب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ واپس آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر تعجب سے فرمایا: کہ ابوعمرو کہاں جا رہے ہو؟ واللہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ یہ کہتے ہی آپ آگے بڑھے اور مشرکوں میں خوب تلوار چلائی۔ چونکہ مسلمان لوٹ گئے تھے۔ یہ تنہا تھے۔ ان کے بے پناہ حملوں نے کفار کے دانت کھٹے کر دیئے اور بھڑ بھڑا کر آ گئے اور ہر طرف سے گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ آپ کو اسّی سے اوپر زخم آئے تھے۔ کوئی نیزے کا کوئی تلوار کا کوئی تیر کا۔ شہادت کے بعد کوئی آپ کو پہچان نہ سکا۔ صرف آپ کی ہمشیرہ نے آپ کو پہچانا۔ وہ بھی ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریاں دیکھ کر۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہی ایسے تھے جنہوں نے جو کہا تھا کر دکھایا رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور روایت میں ہے کہ جب مسلمان بھاگے تو آپ نے فرمایا: خدایا انہوں نے جو کیا، میں اس سے اپنی معذوری ظاہر کرتا ہوں اور مشرکوں نے جو کیا، اس سے بیزار ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے ان سے فرمایا: میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ساتھ چلے بھی۔ لیکن فرماتے ہیں: جو وہ کر رہے ہیں وہ میری

طاقت سے باہر ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ابن ابی حاتم میں ہے کہ جنگ احد سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آئے تو منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی۔ جو جو شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بلند مراتب کی خبر دی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کون ہیں؟ اس وقت میں سامنے سے آ رہا تھا اور حضری سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: اے پوچھنے والے یہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن طلحہؓ حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ جب وہاں سے واپس آنے لگے دروازے سے باہر نکلے ہی تھے کہ جناب معاویہؓ نے واپس بلا لیا اور فرمایا: آؤ مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے والد طلحہ ان میں سے ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنا عہد اور نذر پوری کر دی۔

ربّ العالمین ان کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ بعض اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اپنی کارگزاری اللہ کو دکھائیں اور جام شہادت نوش فرمائیں۔ پس بعض نے تو سچائی اور وفاداری ثابت کر دی اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں۔ انہوں نے نہ عہد بدلا نہ نذر کو پوری نہ کرنے کا انہیں خیال آیا بلکہ وہ اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ وہ منافقوں کی طرح وقت پر بہانے بنانے والے نہیں۔ یہ خوف اور یہ زلزلہ محض اس واسطے تھا کہ خبیث وطیب کی تمیز ہو جائے اور برے بھلے کا حال ہر ایک پر کھل جائے۔ کیونکہ اللہ تو عالم الغیب ہے۔ اس کے نزدیک تو چھپا کھلا برابر ہے۔ جو نہیں ہوا اسے بھی وہ اسی طرح جانتا ہے جس طرح اسے جو ہو چکا۔ لیکن اس کی عادت ہے کہ جب تک مخلوق عمل نہ کرے انہیں صرف اپنے علم کی بنا پر سزا جزا نہیں دیتا۔

جیسے اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ﴾ (سورۂ محمد: ۳۱) ہم تمہیں خوب پرکھ رہے ہیں اور مجاہدین صابرین کو تم میں سے مختار کر دیں گے۔ پس وجود سے پہلے کا علم پھر وجود سے بعد کا علم دونوں اللہ کو ہیں اور اس کے بد جز اسزا۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۷۹) یعنی اللہ تعالیٰ جس حال پر تم ہو اسی پر مومنوں کو چھوڑ دے۔ ایسا نہیں۔ جب تک کہ وہ بھلے برے کی تمیز نہ کرے۔ نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ سچوں کو ان کی سوائی کا بدلہ دے اور عہد شکن منافقوں کو سزا دے یا انہیں توفیق توبہ دے کہ یہ اپنی روش بدل دیں اور سچے دل سے اللہ کی طرف جھک جائیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربان ہو جائے اور ان کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس لئے کہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا ہے اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے اس کی رافت ورحمت غضب وغصے سے بڑھی ہوئی ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کبھی مراد بھی پوری نہ ہوئی اور جنگ میں مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے ○

تائید ایزدی:

اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے طوفان بادوباران بھیج کر اور اپنے نہ نظر آنے والے لشکر اتار کر کافروں کا دھڑ تو

دیا اور انہیں سخت مایوسی اور نامرادی کے ساتھ محاصرہ ہٹانا پڑا۔ بلکہ اگر رحمۃ العالمین کی امت میں یہ نہ ہوتے تو یہ ہوائیں۔ ان کے ساتھ بھی وہی کرتیں جو عادیوں کے ساتھ اس بے برکت ہوا نے کیا تھا۔ چونکہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ تو جب تک ان میں ہے۔ اللہ انہیں عذاب نہیں کرے گا۔ لہٰذا انہیں صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھا دیا ان کے مجمع کو منتشر کر دیا اور ان سے عذاب ہٹا لیا۔ چونکہ یہ ان کا اجتماع محض ہوائے نفسانی تھا۔ اس لئے ہوا نے ہی انہیں پراگندہ کر دیا۔ جو سوچ سمجھ کر آئے تھے' سب خاک میں مل گیا۔ کہاں کی غنیمت؟ کہاں کی فتح؟ جان کے لالے پڑ گئے اور ہاتھ ملتے' دانت پیستے' پیچ و تاب کھاتے ذلت و رسوائی کے ساتھ نامرادی اور ناکامی سے واپس ہوئے۔ دنیا کا خسارہ الگ ہوا۔ آخرت کا عذاب الگ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کام کا قصد کرے اور اپنے قصد کو عملی صورت بھی دے دے۔ تو پھر وہ اس میں کامیاب ہو یا نہ ہو۔ گنہگار تو ہو ہی گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور آپ کے دین کو فنا کرنے کی آرزو پھر اہتمام پھر اقدام' سب کچھ انہوں نے کر لیا لیکن قدرت نے دونوں جہان کا بار ان پر لاد دیا اور انہیں جلے دل واپس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی مؤمنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا نہ مسلمان ان سے لڑے نہ انہیں ہٹایا بلکہ مسلمان اپنی جگہ رہے اور وہ بھاگتے بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کی لاج رکھ لی اور اپنے بندے کی مدد کی اور خود ہی کافی ہو گیا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی۔ اپنے لشکر کی عزت کی۔ تمام دشمنوں سے آپ ہی نمٹ لیا اور سب کو شکست دے دی۔ اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں (بخاری و مسلم)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے موقعہ پر جناب باری سے جو دعا کی تھی وہ بھی بخاری مسلم میں موجود ہے کہ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ وَزَلْزِلْهُمْ اے اللہ! اے کتاب اتارنے والے! جلد حساب لے لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔ اس فرمان ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ یعنی اللہ نے مومنوں کی کفایت جنگ سے کر دی۔ اس میں ایک نہایت لطیف بات یہ ہے کہ نہ صرف اس جنگ سے ہی مسلمان چھوٹ گئے بلکہ آئندہ ہمیشہ کے لئے صحابہ اس سے بچ گئے کہ مشرکین ان پر چڑھ دوڑیں۔ چنانچہ آپ تاریخ دیکھئے۔ جنگ خندق کے بعد کافروں کی ہمت پڑی ہی نہیں کہ وہ مدینے پر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی جگہ خود چڑھائی کرتے۔ ان کے منحوس قدموں سے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن و آرام گاہ کو محفوظ کر لیا۔ فالحمد اللہ بلکہ برخلاف اس کے مسلمان ان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سے اللہ نے شرک و کفر کو کھو دیا۔ جب اس جنگ سے کافر لوٹے۔ اسی وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشن گوئی فرما دیا تھا کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان سے جنگ کرو گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اللہ کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اسی نے اپنی دولت سے ان بھرے ہوئے اور پھیلے ہوئے لشکروں کو پسپا کر دیا۔ انہیں برائے نام بھی کوئی نفع نہ پہنچا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب کر دیا اور اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے عبد و رسول کی مدد فرمائی۔ فالحمد للہ۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَــُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کر نے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ○

مرعوبیت:

اتنا ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیراڈالا تو بنو قریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد پیمان ہو چکا تھا۔ انہوں نے بھی عین موقعہ پر بے وفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے۔ ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور حی بن اخطب خبیث نے اسے بدعہدی پر آمادہ کر دیا۔ پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا۔ حیی نے کہا کہ دیکھ تو سہی' میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں۔ قریش اور ان کے ساتھی' غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں گے' یہاں سے نہیں ہٹنے کے۔ کعب چونکہ جہاں دیدہ شخص تھا۔ اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کے نہیں۔ تو ہمیں ذلت کا تاج پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن حیی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھاتا بجھاتا رہا۔ الغرض آخر میں کہا: اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہو گا' وہی میرا اور میری قوم کا حال ہو گا۔ بالآخر کعب پر حیی کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے صلح توڑ دی۔ جس سے حضور ﷺ اور صحابہ کو سخت صدمہ ہوا اور ان کا یہ اقدام آپ ﷺ کو بہت ہی بھاری پڑا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی مدد کی اور حضور ﷺ مع اصحابؓ کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے۔ صحابہؓ نے ہتھیار کھول دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیار اتار کر حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے کہ حضرت جبریلؑ ظاہر ہوئے۔ آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا۔ خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی۔ فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت جبریلؑ نے فرمایا: لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کیے۔ میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آ رہا ہوں۔ سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے مجھے بھی حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرا دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تیار ہو کر صحابہ کو کوچ کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔ ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا۔ بنو قریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہ کو راستہ ہی میں آ گیا' تو بعضوں نے تو نماز ادا کر لی اور فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہی تھا کہ ہم بہت تیز چال چلیں اور بعضوں نے کہا ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی[1]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہؓ کے پیچھے ہی پیچھے بنو قریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا۔ جب یہودیوں کا ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حکم سعد بن معاذ کو بنایا' جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ بنو قریظہ میں اور اوس میں زمانہ جاہلیت

[1] یعنی ایک جماعت پر آپ کی اطاعت کا غلبہ تھا اور دوسری جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی۔ لیکن رائے اپنی سے ایک بنیاد تلاش کرنے کے بعد خود معذور بھی سمجھتی تھی۔

میں اتفاق و یگانگت تھی۔ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے بنوقینقاع کو چھڑوایا تھا۔

ادھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں انہیں اکحل کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد کے خیمے ہی میں انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کر لیا کریں۔ حضرت سعد نے جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ بھی کی تھی کہ اے پروردگار! اگر اب بھی کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ۔ میں اس میں شرکت کرسکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا خون زخم بہتا رہے۔ لیکن اے میرے رب جب تک بنوقریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے میں اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لوں تو میری موت کو مؤخر کرنا۔ حضرت سعدؓ جیسے مستجیب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ یہ دعا کرتے ہیں۔ ادھر یہود بنو قریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی بھیج کر آپ کو مدینے سے بلواتے ہیں کہ آپ آ کر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیں۔ یہ گدھے پر سوار کرا لئے گئے اور سارا قبیلہ اوس لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا بنوقریظہ آپ کے آدمی ہیں انہوں نے آپ پر بھروسہ کر لیا ہے۔ وہ آپ کے حلیف ہیں۔ آپ کی قوم کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ ان پر رحم فرمائیے گا۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے گا۔ دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ۔ لیکن حضرت سعد محض خاموش تھے کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپ نے فرمایا: وقت آ گیا ہے کہ سعدؓ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروانہیں۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنوقریظہ کی خیر نہیں۔

جب حضرت سعدؓ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو آپ نے فرمایا: لوگو! اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو۔ چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت و اکرام وقعت و احترام سے سواری سے اتارا۔ یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حکم کی حیثیت میں تھے۔ ان کے فیصلے پورے ناطق و نافذ سمجھے جائیں گے۔ آپ کے بیٹھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہو کر قلعے سے نکل آئے ہیں۔ اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم کیجئے۔ آپ نے کہا: کیا جو میں ان کے بارے میں فیصلہ دوں گا وہ پورا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں کہا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہوگی۔ آپ نے فرمایا: یقیناً۔ پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اللہ علیہ وسلم تھے لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں اس طرف والوں پر بھی۔ آپ نے فرمایا: اب میرا فیصلہ سنئے میں کہتا ہوں بنوقریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے۔ ان کے مال قبضے میں لائے جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعدؓ! تم نے ان کے بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر حکم کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہی سنایا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خندقیں کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ

سو تھے۔ان کی عورتیں نابالغ بچے اور مال لے لئے گئے۔ہم نے یہ کل واقعات اپنی کتاب السیر میں بسط و تفصیل سے لکھ دیئے ہیں والحمدللہ۔

پس فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا۔ان سے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے قلعے خالی کرا دیئے۔اس قوم بنو قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی' اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اسی خیال سے بسے تھے کہ جس نبی آخر الزماں کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے' وہ چونکہ یہیں ہونے والے ہیں تو ہم سے پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے۔لیکن ان ناخلفوں نے جب اللہ تعالیٰ کے وہ نبی آئے' تکذیب کی۔جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی۔صیاصی سے مراد قلعے ہیں۔اس معنی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں۔اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں۔ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا۔انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرائی تھی۔عالم و جاہل برابر نہیں ہوتے۔یہی تھے' جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھاڑ دینا چاہا۔لیکن معاملہ برعکس ہو گیا۔پانسہ پلٹ گیا۔قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔نقشہ بگڑ گیا۔حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔یہ بے وست و پا رہ گئے۔عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی۔مسلمانوں کے برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی تمنا نے اپنے آپ کو پسوا دیا اور آخرت کی ناکامی باقی ہے' کچھ قتل کر دیئے گئے۔عقیہ قرظی کا بیان ہے کہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تردد ہوا۔فرمایا اسے الگ لے جاؤ' دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں[1] تو قتل کر دو۔ورنہ اس کو قیدیوں میں بٹھا دو۔دیکھا تو میں بچہ ہی تھا' زندہ چھوڑ دیا گیا۔ان کی زمین کے ان کے گھر کے ان کے مال کے مالک مسلمان ہو گئے۔بلکہ اس زمین کے بھی جواب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمانوں کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین یا فارس کی اور روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کل خطے مراد ہوں اور اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں نکلی کہ لشکر کا کچھ حال معلوم کروں کہ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بڑے زور سے آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے۔جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی۔حضرت سعد لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔لیکن بڑے لمبے چوڑے تھے۔زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی۔ہاتھ کھلے تھے اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جا رہے تھے۔میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی۔وہاں کچھ مسلمان موجود تھے۔جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی تھے اور ایک صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ لیا۔بس کیا تھا؟ بڑے ہی بگڑے اور مجھ سے فرمانے لگے یہ دلیری؟ تم نہیں جانتیں لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ۔غرض مجھے اس قدر ملامت کی کہ زمین پھٹ جاتی تو میں اس میں سما جاتی۔جو صاحب مغفر (خود) سے اپنا منہ چھپائے ہوئے

[1] یعنی اگر بالغ ہو تو قتل کر دیا جائے اور نابالغ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔کوئی انتہا ہے اسلام کی رحمت پسندی اور امن پسندی کی۔بھلا آج کے جنگ کے مہیب نقشے کو سامنے رکھئے کہ فضا میں اڑنے والے طیارے ایٹم اور ہائیڈروجن بم پھینکیں کائنات لرز اٹھے۔لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان منٹ میں ہلاک ہو جائیں۔مجرم اور غیر مجرم کا کوئی امتیاز نہ رہے۔بستیاں تباہ ہو جائیں۔شر اجڑ جائیں کھیتیاں غلے مویشی بے زبان جانور' معصوم بچے' بے کس عورتیں سب ہلاک ہو کر جائیں۔لیکن اس بربریت' درندگی' سفاکی' خونریزی کے باوجود موجودہ وقت کی طاقتیں امن پسند اور اسلام ایک خونریز مذہب' بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

اتل ما اوحی (۲۱)

تھے۔ انہوں نے عمر فاروق کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتارا۔ دیکھا اب میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خاموش ہونے کو کہا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے' نتیجے کا کیا ڈر ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت سعد کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا: لے میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعد کی رگ اکحل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ خدایا! مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنو قریظہ کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اللہ کی شان کہ اسی وقت خون تھم گیا۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی کفایت کر دی۔ ابو سفیان اور اس کے ساتھی تو بھاگ کر تہامہ میں چلے گئے۔ عیینہ بن بدر اور اس کے ساتھی نجد میں چلے گئے۔ بنو قریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں واپس تشریف لے آئے۔

حضرت سعدؓ کے لئے مسجد میں ہی چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت جبریلؑ آئے۔ آپ کا چہرہ گرد آلود تھا۔ فرمانے لگے: آپ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں۔ اٹھیے بنو قریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے۔ ان پر چڑھائی کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہتھیار لگائے اور صحابہ میں بھی کوچ کی منادی کرا دی۔ بنو تمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل تھے۔ راہ میں آپ نے ان سے پوچھا: کیوں بھئی؟ کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت وجیہہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں۔ حالانکہ تھے وہ حضرت جبریلؑ۔ لیکن آپ کی داڑھی چہرہ بالکل حضرت وجیہہ سے ملتا جلتا تھا۔ اب آپ نے جا کر بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس روز تک یہ محاصرہ رہا۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سونپ دو اور تم بھی ہمارے ہاتھوں میں آ جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بارے میں جو چاہیں گے فیصلہ فرما دیں گے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ عبدالمنذر رسے مشورہ کیا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ اس صورت میں اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے نامنظور کر دیا اور کہنے لگے: ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں آپ کی فوج کو قبضہ دے دیتے ہیں۔ ہم اپنے بارے میں کسی فیصلہ کا اختیار حضرت سعد بن معاذ کو دیتے ہیں۔ آپ نے اسے بھی منظور فرما لیا۔ حضرت سعد کو بلوایا۔ آپ تشریف لے آئے۔ گدھے پر سوار تھے۔ جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی۔ آپ اس پر بمشکل سوار کرا دیئے گئے۔ آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور سمجھا رہی تھی کہ دیکھو بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں ہمارے دوست ہیں۔ ہماری موت و حیات کے شریک ہیں اور ان کے تعلقات جو ہم سے ہیں وہ آپ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ خاموشی سے سب باتیں سنتے جاتے تھے۔ جب ان کے محلے میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ کروں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سید کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہمارا سید تو اللہ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا اتارو۔ لوگوں نے مل جل کر انہیں سواری سے اتارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو' کر دو۔ آپ نے فرمایا: ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں۔ ان کے چھوٹے غلام بنا لیئے جائیں۔ ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔ آپ نے فرمایا: سعد تم نے اس حکم میں اللہ اور رسول کی پوری موافقت کی۔ پھر حضرت سعد نے دعا مانگی کہ خدایا اگر تیرے نبی پر قریش کی کوئی اور چڑھائی بھی باقی ہو تو مجھے اس میں شرکت کے لئے زندہ رکھ ورنہ اپنی طرف بلا لے۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا' حالانکہ وہ پورا ابھر چکا تھا۔ یونہی سا باقی تھا۔ چنانچہ انہیں پھر واپس خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپ وہیں

شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ بھی آئے۔ سب رو رہے تھے اور میں ابو بکرؓ کی آواز اور عمرؓ کی آواز میں تمیز بھی کر رہی تھی۔ میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی۔ فی الواقع اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (سورۂ فتح:۲۹) آپس میں ایک دوسرے سے پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے۔ حضرت علقمہ نے پوچھا: ام المومنین یہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا: آپ کی آنکھیں کسی پر آنسو نہیں بہاتی تھیں۔ ہاں غم و رنج کے موقعہ پر آپ اپنی داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) دے دوں اور تم کے ساتھ رخصت کردوں اور تم اللہ تعالیٰ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے ○

زینت عالم دنیا:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیں۔ ان سے کہیں کہ اگر تم دنیا اور اس کی رونق پر ریجھی ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی رسول کی رضا مندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و تحمل سے میرے ساتھ زندگی گزارو اللہ تعالیٰ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیویوں سے جو امت کی مائیں ہیں خوش رہے۔ سب نے اللہ کو اس کے رسول کو اور دار آخرت ہی کو پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ تعالیٰ کے نبی میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں، تم جواب میں جلدی نہ کرنا۔ اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کا مشورہ دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں باپ سے مشورہ کرنے کی کونسی بات ہے، مجھے اللہ پسند ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کئے کوئی فیصلہ نہ کر لینا۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے۔ پھر آپ دوسری ازواج مطہراتؓ کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ ان سے پہلے ہی فرما دیتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ جواب دیا ہے[1]۔ وہ کہتی تھیں: یہی جواب ہمارا

[1] یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کہ دل ازواج مطہراتؓ سے جدا ہونے کے لئے تیار نہیں۔ ہر ایک سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب......=

بھی ہے۔ فرماتی ہیں کہ اس اختیار کے بعد جب ہم نے آپ کو اختیار کیا تو یہ اختیار طلاق میں شمار نہیں ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ تشریف فرما تھے۔ اجازت ملی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمر بھی آ گئے۔ اجازت چاہی لیکن انہیں اجازت نہ ملی۔ تھوڑی دیر میں دونوں کو بلا لیا گیا۔ گئے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: دیکھو میں اللہ کے پیغمبر کو ہنسا دیتا ہوں۔

پھر کہنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش! کہ آپ دیکھتے میری بیوی نے مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا میرے پاس تھا نہیں۔ جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے اٹھ کر گردن ناپی۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہاں بھی یہ قصہ ہے۔ دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی ہیں مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں؟ ابو بکرؓ حضرت عائشہ کی طرف لپکے اور عمرؓ حضرت حفصہ کی طرف اور فرمانے لگے: افسوس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔ وہ تو کہئے خیر گزری جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک لیا۔ ورنہ عجب نہیں دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے۔ اب تو سب بیویاں کہنے لگیں کہ اچھا قصور ہوا۔ اب سے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز اس طرح تنگ نہ کریں گے۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں انہیں اختیار دیا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گئے انہوں نے آخرت کو پسند کیا جیسا کہ تفصیل سے گزرا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی کسی بیوی سے یہ نہ فرمائیے گا کہ میں نے آپ کو اختیار دیا[1]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چھپانے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ میں سکھانے والا آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے تو جو دریافت کرے گی میں صاف صاف بتا دوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ دنیا یا آخرت کی ترجیح کا اختیار دیا۔ لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے اور یہ آیت کے ظاہری لفظوں کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ پہلی آیت کے آخرت میں بھی صاف موجود ہے کہ آؤ میں تمہارے حقوق ادا کر دوں اور تمہیں رہائی دے دوں۔ اس میں علما کرام کا گو اختلاف ہے کہ اگر آپ طلاق دے دیں تو پھر کسی کا ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے وہ نتیجہ یعنی دنیا طلبی اور دنیا کی زینت و رونق وہ انہیں حاصل ہو سکے[2]۔ واللہ اعلم

جب یہ آیت اتری اور جب اس کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو سنایا اس وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔ پانچ تو قریشیہ عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ اور ام سلمہؓ اور صفیہؓ بنت حی جو قبیلہ نضر کی تھیں اور میمونہ بنت حارث جو ہلالیہ تھیں اور زینبؓ بنت جحش جو اسدیہ تھیں اور جویریہؓ بنت حارث جو مصطلقیہ تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن وارضاھن اجمعین۔

= نقل فرما کر گویا کہ ان کو اپنے ساتھ ہی رہنے کی ترغیب دے رہے ہیں یوں کہئے کہ مومن کامل چند مومنات مخلف کی خیر خواہی میں ... اس کا تصور تک نہیں کہ وحی کا یہ جز چھپا لیں۔ حالانکہ ممکن تھا کہ آپ قرآن کا یہ حصہ ازواج مطہرات کو سناتے ہی نہیں۔ لیکن نا ممکن ہے یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کا ادنیٰ بھی حصہ بیان ظاہر نہ کرے۔ بلکہ اس کو چھپا لے۔

[1] عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ جذبہ صرف اس لئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت میرے حصہ میں آئے۔ آپ محبوب تھے اور سب ازواج کی عشق۔ ہر عاشق کا جذبہ وہی ہوتا ہے جو بے اختیار عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صادر ہوا۔

[2] رہا آپ کی وفات کی صورت میں تو پوری امت اس پر متفق ہے کہ آپ کی کسی بھی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ان مطہرات سے کسی صحابی نے شادی نہیں کی اور نہ خود ازواج مطہرات نے۔ رضی اللہ عنہن۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی بیبیو جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی اس کو دوہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو آسان ہے O

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے یعنی مومنوں کی ماؤں نے جب اللہ تعالیٰ کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کے پہلے گھر کو پسند کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وہ ہمیشہ کیلئے مقرر ہو چکیں تو اب جناب باری عز اسمہ اس آیت میں انہیں وعظ فرما رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبی کی فرماں برداری سے سرتابی کی اور اگر بالفرض تم سے کوئی بد خلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دینا اور آخرت میں عتاب ہوگا۔ چونکہ تمہارے بڑے رتبے ہیں۔ تمہیں گناہوں سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ ورنہ رتبے کے مطابق مشکل بھی بڑھ جائے گی۔ اللہ پر سب باتیں سہل اور آسان ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (سورۂ زمر: ۶۵) اے نبی! اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ نبیوں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۂ انعام: ۸۸) اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بے کار ہو جائیں۔

آیت میں ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ (سورۂ زخرف: ۸۱) اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے: ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ (سورۂ زمر: ۴) یعنی اگر اللہ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرما لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہ یکتا اور ایک ہے۔ وہ غالب اور سب پر حکمران ہے۔ پس ان پانچوں آیتوں میں شرط کے ساتھ بیان ہے لیکن ایسا ہوا نہیں نہ نبیوں سے شرک ہونا ممکن نہ سردار رسلاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن، نہ اللہ کی اولاد اسی طرح امہات المومنینؓ کی نسبت فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی لغو حرکت کرے تو اسے دگنی سزا ہوگی۔ اس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ واقعی ان میں سے کسی نے کوئی ایسی نافرمانی اور بد خلقی کی ہو نعوذ باللہ۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور جو کوئی تم میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے ○

اہل بیت سے ایک وعدہ:

اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا بیان فرما رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تمہاری اطاعت گزاری اور نیکوکاری پر تمہیں دگنا اجر ہے اور تمہارے لئے جنت میں باعزت روزی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی منزل میں ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل اعلیٰ علیین میں ہے۔ جو تمام لوگوں سے بالاتر ہے۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل ہے۔ جس کی چھت عرش اللہ ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (صفت) کے مطابق کرو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہر و باطن) پاک صاف رکھے اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس حکم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے بے شک اللہ راز دان ہے پورا خبردار ہے ○

کچھ خاص احکام:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آداب سکھاتا ہے اور چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں۔ اس لئے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔ پس فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو پرہیز گاری کریں وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہے۔ مردوں سے جب تمہیں کوئی بات کرنی پڑے تو آواز بنا کر بات نہیں کرو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے انہیں طمع پیدا ہو۔ بلکہ بات اچھی اور مطابق دستور کرو۔ پس عورتوں کو غیر مردوں سے نزاکت کے ساتھ خوش آوازی کے ساتھ باتیں کرنی منع ہیں[1]۔ گھل مل کر وہ صرف اپنے خاوندوں سے ہی کلام کر سکتی ہیں۔ پھر فرمایا: بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ مسجد میں نماز کے لئے بھی شرعی ضرورت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن انہیں چاہئے کہ جس طرح گھروں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔

بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ اب آپ ہمیں کوئی عمل بتائیں جس سے مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے میں اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پا لے گی۔ ترمذی وغیرہ میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے۔ یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک اس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے[2]۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹا گلے میں ڈال لیا۔ لیکن اسے لپیٹا نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں۔ یہ جاہلیت کا بناؤ تھا۔ جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ تھا اس درمیان میں حضرت آدمؑ کی دو نسلیں آباد تھیں۔ ایک تو پہاڑی پر دوسرے نرم زمین پر۔ پہاڑیوں کے مرد خوش شکل تھے۔ عورتیں سیاہ فام تھیں اور زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے۔ ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا پھر اس نے بانسری کی وضع کی ایک چیز بنائی اور اس کو بجانے لگا۔ اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور بھیڑ لگنے لگی اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزار ہا مرد و عورت جمع ہونے لگے۔ اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آ گیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے لوگوں میں ان کے حسن کا چرچا کرنے لگا۔ اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور رفتہ رفتہ ان عورتوں اور مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زناکاری کا عام رواج ہو گیا۔ یہی جاہلیت کا بناؤ ہے جس سے یہ آیت روک رہی ہے۔ ان کاموں سے روکنے کے بعد اب کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کی پابندی کرو اور بہت اچھی طرح سے اسے ادا کرتی رہو اسی طرح مخلوق کے ساتھ بھی

---

[1] آہ جس شریعت کا یہ حکم تھا آج اس شریعت کا نام لیوا لڑکیاں پردہ فلم پر تھرکتی گاتی اور عام مجلسوں میں شریک ہو کر رقص و سرور کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہیں۔

[2] اب بتایئے کہ موجودہ دور میں بے پردگی جو کہ ترقی کا ایک لازمہ سمجھ لیا گیا۔ اسی پر مولوی ٹوکتا روکتا ہے منع کرتا ہے تو جل بھن کر ترقی یافتہ کہتے ہیں کہ مولوی اسلام کو جانتا ہی نہیں۔ ماڈرن اسلام ایجاد کرنے کی کوشش جو جدید حلقوں میں برابر ہو رہی ہے۔ اس کی تان اور زد جس طرح اسلام پر ٹوٹ رہی ہے اس ظلم کی داد کس سے چاہی جائے۔

نیک سلوک کرو یعنی زکوٰۃ نکالتی رہو۔ ان خاص احکام کی بجا آوری کا حکم دے کر پھر عام طور پر اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل بیت سے ہر قسم کے میل کچیل دور کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ وہ تمہیں بالکل پاک صاف کر دے گا۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت انہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے۔ گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں: وہ بھی اور اس کے سوا بھی اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصۃً نازل ہوئی ہے (ابن جریر)۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے اور حضرت عکرمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس قول سے اگر یہی مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے اور نہیں تو یہ ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل ہی نہیں، تو اس میں تامل ہے۔ اس لئے کہ حدیثوں میں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا پایا جانا بھی پایا جاتا ہے۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے جب نکلتے تو حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے: اے اہل بیت! نماز کا وقت آ گیا۔ پھر اسی آیت کی تطہیر کی تلاوت کرتے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک ایسی حدیث میں سات مہینے کا بیان ہے اس میں ایک راوی ابوداؤد اعمی نقیع بن حارث کذاب ہے۔ یہ روایت ٹھیک نہیں۔ مسند میں ہے۔ شداد بن عمار کہتے ہیں میں ایک دفعہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت علی کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھ سے حضرت واثلہ نے فرمایا: تو نے بھی حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ میں نے بھی سب کی زبان میں زبان ملائی۔ تو فرمایا: سن میں نے جو دیکھا ہے، تجھے سناتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسن اور حضرت حسین بھی ہیں۔ دنوں بچے آپ کی انگلی تھامے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو تو اپنے سامنے بٹھا لیا اور دونوں نواسوں کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور ایک کپڑے سے ڈھک لیا۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا: اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے اہل بیت زیادہ حق دار ہیں۔ دوسری روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ حضرت واثلہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھ کہ کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تو بھی میرے اہل بیت میں سے ہے۔ حضرت واثلہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان میرے لئے بہت ہی بڑی امید کا ہے اور روایت میں ہے حضرت واثلہ فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، جو حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسین آئے۔ آپ نے اپنی چادر ان پر ڈال کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل و عیال ہیں، یا اللہ! ان سے ناپاکی دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔ میں نے کہا: میں بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں تو بھی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا مضبوط عمل یہی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: حضور میرے گھر میں تھے کہ حضرت فاطمہ حریرے کی ایک پتیلی بھری ہوئی لائیں۔ آپ نے فرمایا: اپنے میاں اور اپنے دونوں بچوں کو بھی بلا لو۔ چنانچہ وہ بھی آ گئے اور کھانا شروع ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

بستر ے پر تھے۔خیبر کی ایک چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی کہ یہ آیت اتری۔پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چادر اوڑھا دی اور چادر میں سے ایک ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اٹھا کر یہی دعا کی کہ الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں اور حمایتی ہیں تو ان سے ناپاکی دور کر اور انہیں ظاہر کر میں نے اپنا سر گھر میں سے نکال کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ سب کے ساتھ ہوں۔آپ نے فرمایا: یقیناً تو بہتری کی طرف ہے۔فی الواقع تو خیر کی طرف ہے۔اس روایت کے راویوں میں عطا کے استاد کا نام نہیں جو معلوم کر سکے کہ وہ کیسے راوی ہیں۔باقی راوی ثقہ ہیں۔دوسری سند انہی ام سلمہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت علی کا ذکر آیا۔تو آپ نے فرمایا: آیت تطہیر تو میرے گھر میں اتری ہے آپ میرے ہاں آئے اور فرمایا: کسی اور کو آنے کی اجازت نہ دینا۔تھوڑی دیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں۔اب بھلا میں بیٹی کو باپ سے کس طرح روکتی۔پھر حضرت حسنؓ آئے۔نواسے کو نانا سے کون روکے؟ پھر حضرت حسینؓ آئے ہیں' میں نے انہیں بھی نہ روکا۔پھر حضرت علیؓ آئے' میں انہیں بھی نہ روک سکی۔جب یہ سب جمع ہو گئے تو جو چادر حضرت اوڑھے ہوئے تھے اسی میں ان سب کو لے لیا اور کہا: الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے پس یہ آیت اسی وقت اتری جب یہ چادر پر جمع ہو چکے تھے۔میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی۔لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خوش نہ ہوئے اور فرمایا: تو خیر کی طرف ہے۔مسند کی اور روایت میں ہے کہ میرے گھر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ خادم نے آ کر خبر کی' کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ایک طرف ہو جاؤ۔میرے اہل بیت آ گئے۔میں گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔جو دونوں ننھے بچے اور یہ دونوں صاحب تشریف لائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بچوں کو گود میں لے لیا' پیار کیا۔ایک ہاتھ حضرت علیؓ کی گردن میں دوسرا حضرت فاطمہ کی گردن میں ڈال کر ان دونوں کو بھی پیار کیا اور ایک سیاہ چادر سب پر ڈال کر فرمایا: یا اللہ تیری طرف نہ کہ آگ کی طرف میں اور میرے اہل بیت' میں نے کہا؟ میں بھی؟ فرمایا: ہاں' تو بھی اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں نے کہا: یارسول اللہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں آپ نے فرمایا تو بھلائی کی طرف ہے اور نبی کی بیویوں میں سے ہے اور روایت میں ہے: میں نے کہا: مجھے بھی ان کے ساتھ شامل کر لیجئے تو فرمایا: تو میری اہل ہے۔حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چاروں کو اپنی چادر تلے لے کر یہ آیت پڑھی۔
(صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ کسی نے حضرت علی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ان کے گھر میں آپ کی صاحبزادی تھیں جو سب سے زیادہ آپ کی محبوب تھیں۔پھر چادر کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا: میں نے قریب جا کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں۔فرمایا دور ہی رہو' تم یقیناً خیر پر ہو (ابن ابی حاتم)۔

حضرت ابوسعیدؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اور ان چاروں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے اور سند سے یہ ابوسعید کا اپنا قول ہونا منقول ہے واللہ اعلم۔حضرت سعد فرماتے ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری تو آپ نے ان چاروں کو اپنے کپڑے تلے لے کر فرمایا: یارب! یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیت ہیں (ابن جریر)۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' حضرت یزید بن حبان فرماتے ہیں: میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلمہ مل کر حضرت زید بن ارقمؓ کے

پاس گئے؟ حصین کہنے لگے: اے زید! آپ کو تو بہت بھلائیاں مل گئیں۔ آپ نے حضور کی زیارت کی۔ آپ کی حدیثیں سنیں، آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، غرض آپ کی بہت خیر و برکت پالی۔ اچھا ہمیں کوئی حدیث تو سناؤ۔ آپ نے فرمایا: بھتیجے اب میری عمر بڑی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دُور ہو گیا، بعض باتیں ذہن سے جاتی رہیں۔ اب تو ایسا کرو جو باتیں میں از خود بیان کروں، انہیں قبول کر لو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو۔ سنو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک پانی کی جگہ پر جسے خم کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمیں ایک خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور وعظ پند کے فرمایا: میں ایک انسان ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی مان لوں[1] میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ پہلی کتاب اللہ جس میں ہدایت و نور ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر آپ نے کتاب اللہ کی طرف توجہ دلائی اور خوب ہی متوجہ فرمایا: پھر فرمایا اور میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کلمہ فرمایا، تو حصین نے حضرت زیدؓ سے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت نہیں ہیں۔ فرمایا: آپ کی بیویاں تو آپ کی اہل بیت ہیں ہی۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ کھانا حرام ہے۔ پوچھا: وہ کون؟ فرمایا: آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پوچھا: کیا ان سب پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ کہا: ہاں۔ دوسری سند سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے پوچھا: کیا آپ کی بیویاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ کہا نہیں۔ قسم ہے اللہ کی، بیوی کا تو یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے پاس گو عرصہ دراز سے ہو۔ لیکن پھر اگر وہ طلاق دے دے تو اپنے میکے میں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہے۔ آپ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں۔ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ اس روایت میں یہی ہے۔ لیکن پہلی روایت ہی اولیٰ ہے اور اسی کو ترجیح دینا ٹھیک ہے اور اس دوسری میں جو ہے اس سے مراد صرف حدیث میں جن اہل بیت کا ذکر ہے، وہ ہیں۔ کیونکہ وہاں وہ آل مراد ہے جن پر صدقہ خوری حرام ہے یا یہ کہ مراد صرف بیویاں ہی نہیں بلکہ وہ مع آپ کے اور آل کے ہیں۔ یہی بات زیادہ راجح ہے اور اس سے اس روایت اور اس سے پہلے کی روایت میں جمع بھی ہو جاتی ہے اور قرآن اور احادیث میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں کہ ان حدیثوں کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے۔ کیونکہ ان کی بعض اسنادوں میں نظر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس شخص کو نور معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضور کی بیویاں بلاشک و شبہ داخل ہیں[2]۔ اس لئے کہ اوپر سے کلام ہی ان کے ساتھ اور انہی کے بارے میں پتہ چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس

---

[1] یعنی پیغام اجل آئے اور اس پر میں لبیک کہوں اور آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری وقت میں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی میں کسی اور کو منتخب کر لے اور نبی علیہ السلام ہمیشہ آخرت والی زندگی قبول کرتا ہے۔

[2] ابن کثیر نے اس مسئلہ پر کہ اہل بیت کون ہیں؟ اب تک جو تفصیل پیش کی وہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ روایات مختلف مضامین کی دیکھ کر شاید یہ فیصلہ نہ کر سکے ہوں کہ اہل بیت واقعہ طور پر کون ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بات مختصر اور سمٹنے کے لئے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ ایک تو آنحضور ﷺ کا عمومی تعلق ہے اور ایک خصوصی۔ آپ تمام امت کے ایک باپ شفیق کی حیثیت میں ہیں۔ یہ آپ کا عمومی تعلق ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے پوری امت آپ کی اہل بیت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ روایت، جس میں واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بیت میں شمار کرنا آتا ہے۔ وہ اسی حیثیت سے ہے۔ پھر آپ کا تعلق ایک اپنی قوم اور خاندان سے ہے۔ یہ تعلق خصوصی ہے۔ پہلا جیسا عام نہیں اور یہ بعد میں آنے والے ایک اور تعلق کی طرح اخص ہے۔ اسی تعلق کے پیش نظر آپ ﷺ نے آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل ابن عباس رضی اللہ عنہم کو اہل بیت میں شمار کیا۔ پھر اس کے بعد ایک تعلق کا اخص ہے اور وہ اپنی =

کے بعد ہی فرمایا کہ اللہ کی آیتیں اور رسول کی باتیں جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے' انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔ پس آیات اللہ اور حکمت سے مراد بقول حضرت قتادہ وغیرہ کتاب وسنت ہے۔ پس یہ خاص خصوصیت ہے جو ان کے سوا کسی اور کو نہیں ملی کہ ان کے گھروں میں اللہ کی وحی اور رحمت الٰہی نازل ہوا کرتی ہے اور ان میں بھی یہ شرف حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب سے زیادہ حاصل ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں صاف ہے کہ کسی عورت کے بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہیں آئی' سوائے آپ کے بستر کے۔ یہ اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ ان کا بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے لئے تھا ہی نہیں۔ پس اس زیادتی درجہ اور بلندی مرتبہ کی وہ صحیح طور پر مستحق تھیں۔ ہاں جب کہ آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت ہوئیں' تو آپ کے قریبی رشتہ دار بطور اولیٰ آپ کے اہل بیت ہیں۔ جیسے حدیث میں گزر چکا ہے کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔ اس کی مثال میں یہ آیت ٹھیک طور پر پیش ہوسکتی ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ (سورۂ توبہ:۱۰۸) کہ یہ اتری تو مسجد قبا کے بارے میں جیسے کہ صاف صاف حدیثوں میں موجود ہے۔ لیکن صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ اس مسجد سے کون سی مسجد مراد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: وہ میری ہی مسجد ہے۔ یعنی مسجد نبوی۔ پس جو صفت مسجد قبا میں تھی' وہی صفت چونکہ مسجد نبوی میں بھی ہے۔ اس لئے اس مسجد کو بھی اسی نام سے اس آیت کے تحت داخل کر دیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپؓ کے نرم گوشت میں لگا۔ جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے۔ جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا: اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوف اللہ کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں' تمہارے مہمان ہیں۔ ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اتری ہے۔ اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شامی سے فرمایا تھا: کیا تو نے سورہ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں' کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ بڑے لطف وکرم والا بڑے علم اور پوری خبر والا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کے لطف کے اہل ہو۔ اس لئے اس نے تمہیں نعمتیں عطا فرمائیں اور یہ فضیلتیں تمہیں دیں۔

پس آیت کے معنی مطابق تفسیر ابن جریر یہ ہوئے کہ اے نبی کی بیویو! اللہ کی نعمت تم پر ہے اسے تم یاد کرو کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں آباد کیا۔ جہاں آیات اللہ اور حکمت پڑھی جاتی ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کی حمد پڑھنی چاہئے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے تمہیں ان گھروں میں آباد کیا۔ حکمت سے مراد سنت وحدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام تک سے خبردار ہے۔ اس لئے اپنے پورے اور صحیح علم سے جانچ کر تمہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بننے کے لئے منتخب کر لیا۔ پس در اصل یہ بھی اللہ کا تم پر احسان ہے۔ جو لطیف وخبیر ہے ہر چیز کے جزو کل سے۔

= بیویوں سے اپنی دختری اولاد سے ہے۔ یہی تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر رہا۔ جب کہ آپ نے اہل بیت میں اپنی بیویوں کو بھی داخل فرمالیا اور ایک آپ کا تعلق بالکل ایسا خاص ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ آپ کا تعلق حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے ہے۔ جیسا کہ بعض مواقع پر اہل بیت آپ نے انہی کو فرمایا۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والا مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ○

یہ نیک خصلت بیبیاں:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر قرآن میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ہم عورتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنا سر گوندھ رہی تھی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز منبر پر سنی۔ میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ نسائی وغیرہ اور بہت سی روایتیں آپ سے مروی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ چند عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا۔

روایت میں ہے کہ عورتوں نے ازواج مطہرات سے یہ کہا تھا۔ اسلام اور ایمان کو الگ الگ بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے مخصوص و ممتاز ہے۔ ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا﴾ (سورۂ حجرات: ۱۴) والی آیت اور صحیحین کی حدیث کی زانی زنا کے وقت مؤمن نہیں ہوتا۔ پھر اس امر پر اجماع ہے کہ زنا سے کفر لازم نہیں آتا۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ ہم شرح بخاری کی ابتداء میں اسے ثابت کر چکے ہیں۔

قنوت سے مراد سکون کے ساتھ اطاعت گزاری ہے۔ جیسے: ﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ﴾ (سورۂ زمر: ۹) میں ہے اور فرمان ہے: ﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾ (سورۂ روم: ۲۶) یعنی آسمان و زمین ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے اور فرماتا ہے: ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي﴾ (سورۂ آل عمران: ۴۳) اور فرماتا ہے: ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۸) یعنی اللہ کے سامنے باادب فرماں برداری کی صورت میں کھڑے ہوا کرو۔ پس اسلام سے اوپر کا مرتبہ ایمان ہے اور ان کے اجتماع سے انسان میں حکم برداری اور اطاعت گزاری پیدا ہو جاتی ہے۔

وَمَنْ يَقْنُتْ ﴿۲۲﴾

باتوں کی سچائی اللہ عزوجل کو بہت ہی محبوب ہے اور یہ عادت ہر طرح محمود ہے۔ صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تو وہ بزرگ بھی تھے، جنہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سچائی ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے۔ سچا نجات پاتا ہے، سچ ہی بولا کرو۔ سچائی نیکی کی طرف رہبری کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ بدکاری کی رہبری کرتا ہے اور فسق و فجور انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان سچ بولتے بولتے اور سچائی کا قصد کرتے کرتے اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بولتے بولتے اور جھوٹ کا قصد کرتے ہوئے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے اور بھی اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

صبر ثابت قدمی نتیجہ ہے۔ مصیبتوں پر صبر ہوتا ہے۔ اس علم پر کسی تقدیر کا لکھا ٹلتا نہیں۔ سب سے زیادہ صبر صدمے کے ابتدائی وقت پر ہوتا ہے اور اسی کا اجر زیادہ ہے۔ پھر تو جوں جوں زمانہ گزرتا ہے، صبر آ ہی جاتا ہے۔ خشوع سے مراد تسکین دل جمعی تواضع فروتنی اور عاجزی ہے۔ یہ انسان میں اس وقت آتی ہے جب کہ دل میں خوف اللہ ہو اور رب کو ہر وقت حاضر و ناظر جانتا ہو اور اسی طرح اللہ کی عبادت کرتا ہو، جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس درجہ پر تو ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

صدقے سے مراد محتاج ضعیفوں کو جن کی کوئی کمائی نہ ہو، نہ جن کا کوئی کمانے والا ہو، انہیں اپنا فالتو مال دینا اس نیت سے کہ اللہ کی اطاعت ہو اور اس کی مخلوق کا کام ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سائے میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس میں ایک وہ بھی ہے جو صدقہ دیتا ہے۔ لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ داہنے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہیں لگتی[1] اور حدیث میں ہے صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور بھی اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

روزے کی بابت حدیث میں ہے کہ یہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔ یعنی اسے پاک صاف کر دیتا ہے اور طبعاً بھی بہت سی بیماریوں کا ایک کامیاب علاج ہے۔ حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رمضان کے روزے رکھ کر جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے، وہ ﴿وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصَّآئِمٰتِ﴾ میں داخل ہو گیا۔ روزہ شہوت کو بھی توڑتا ہے۔ حدیث میں ہے: اے نوجوانو! تم میں سے جسے طاقت ہو، وہ تو اپنا نکاح کر لے تاکہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں اور پاک دامنی حاصل ہو جائے اور جسے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ یہی اس کے لئے گویا خصی ہونا ہے۔

اسی لئے روزوں کے ذکر کے بعد ہی بدکاری سے بچنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ مسلمان مرد عورت حرام سے اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں۔ اپنی اس خاص قوت کا جائز جگہ صرف کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن کو روکے رہتے ہیں۔ اپنی بیویوں سے اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں اس کے سوا جو اور کچھ طلب کرے وہ حد سے گزر جانے والا ہے وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لئے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ)۔

حضرت ابو سعد خدریؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے بڑے درجے والا بندہ قیامت کے دن اللہ

---

[1] یعنی بالکل ہی کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ کیا دیا اور کیا لیا۔ داہنے ہاتھ کے دینے کی بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ یہ کامل درجہ میں اخفا کے لئے ایک ترغیبی بیان ہے۔ کا اہتمام کہ داہنے ہاتھ کی کاروائی کی اطلاع بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہو ضروری نہیں۔ حدیث سے ایک نکتہ جو مفہوم ہوتی ہے اس پر نظر رہے، یعنی وہ داہنے ہاتھ ہونا چاہئے۔ کیونکہ دینا ایک اچھا کام ہے اور اچھے کاموں کے لئے داہنے ہاتھ کو استعمال کرنا خود اچھا فعل ہے۔

نزدیک کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے والا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی راہ میں مجاہد سے بھی؟ آپ نے فرمایا: اگر چہ وہ کافروں پر تلوار چلائے۔ یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے۔ جب بھی یہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرنے والا اس سے افضل ہی رہے گا (مسند احمد)۔ مسند احمد ہی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے کے راستے میں جا رہے تھے۔ جمدان پر پہنچ کر فرمایا: یہ جمدان ہے چلے چلو مفرد سبقت کر گئے۔ لوگوں نے پوچھا: مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والا۔ پھر فرمایا: اے اللہ! حج وعمرے میں اپنا سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ لوگوں نے کہا: بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ لوگوں نے پھر کتروانے والوں کے لئے درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا: کتروانے والے بھی۔ آپ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا کوئی عمل ذکر اللہ سے بڑا نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: میں تمہیں سب سے بہتر سب سے پاک اور سب سے بلند درجہ کا عمل بتاؤں؟ جو تمہارے حق میں سونا چاندی راہِ اللہ میں لٹانے سے بھی بہتر ہے اور اس سے بھی افضل ہو کہ کل تم اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرو۔ تم ان کی گردن مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتلائیے۔ فرمایا: اللہ عزوجل کا ذکر۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا مجاہد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ اس نے پھر روزہ دار کی نسبت پوچھا: یہی جواب ملا۔ پھر نماز زکوۃ حج صدقہ سب کی بابت پوچھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا یہی جواب دیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے بہت ہی بڑھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کثرت ذکر اللہ تعالیٰ کی فضیلت میں اور بھی بہت سے حدیثیں آئی ہیں۔ اسی سورت کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ کی تفسیر میں ہم ان حدیثوں کو بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا یہ نیک صفتیں جن میں ہوں، ہم نے ان کے لئے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اجر عظیم یعنی جنت۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ○

اب کوئی اختیار نہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام لے کر حضرت زینب بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: میں ان سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کہو اور ان سے نکاح کرلو۔ حضرت زینبؓ نے کہا کہ اچھا پھر کچھ مہلت دیجئے۔ میں سوچ لوں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری۔ اسے سن کر حضرت زینبؓ نے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس نکاح سے رضامند ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو حضرت زینب نے فرمایا کہ تو پھر مجھے بھی کوئی انکار نہیں۔ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرنے کی۔ میں نے خود کو ان کے نکاح میں دے دیا

اور روایت میں ہے کہ وجہ یہ تھی کہ نسب کے اعتبار سے یہ بہ نسبت حضرت زیدؓ کے زیدہ شریف تھیں۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عقبہ بن ابو معیط کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد سب سے پہلی مہاجر عورت یہی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے قبول ہے۔ پھر حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کرا دیا غالباً یہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علیحدگی کے بعد ہوا ہوگا۔ اس سے حضرت ام کلثومؓ ناراض ہوئیں اور ان کے بھائی بھی بگڑ بیٹھے کہ ہمارا اپنا ارادہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا تھا۔ نہ کہ آپ کے غلام سے نکاح کرنے کا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ معاملہ صاف کر دیا گیا کہ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (سورۂ احزاب: ۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔ پس آیت: ﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ خاص ہے اور اس سے بھی جامع آیت یہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبب سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔ میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں۔ جا کر ان سے مشورہ دیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے رشتے اور منگنیاں تو واپس کر دیں اور جلیبب سے نکاح کر دیں۔ انصاری اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی' بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد کرتے ہو؟ جب آپ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہئے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اور آپ کی خواہش کو رد کرنا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ انصاریؓ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں' میں تو اس سے رضامند ہوں۔ کہا: پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ ایک مرتبہ اہل اسلام مدینے والے دشمنوں کے مقابلے میں نکلے' لڑائی ہوئی۔ جس میں حضرت جلیببؓ شہید ہو گئے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا۔ جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا' ان کا گھر بڑا آسودہ حال تھا۔ تمام مدینہ میں ان سے زیادہ خرچیلا کوئی نہ تھا اور روایت میں حضرت ابو برزہ اسلمی کا بیان ہے کہ حضرت جلیببؓ کی طبیعت میں مذاق تھا۔ اس لئے میں نے کہہ دیا تھا اپنے گھر میں کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ معلوم نہ کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بابت کچھ نہیں فرماتے۔ پھر وہ واقعہ بیان فرمایا: جو اوپر مذکور بیان ہوا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیببؓ نے سات کافروں کو اس غزوہ میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے بھیڑ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے قریب آئے تو فرمایا: سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ[1] تھا اور کوئی چارپائی وغیرہ نہ تھی۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا ہو۔ اس نیک بخت انصاریہ عورت کے لئے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی عزت رکھ کر اپنے ماں باپ کو سمجھایا تھا کہ انکار نہ کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ خدایا اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اسے زندگی کے پورے لطف عطا فرما۔ تمام انصار میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والی کوئی عورت نہ

[1] یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

تھیں۔انہوں نے جب پردے کے پیچھے سے اپنی والدین سے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد نہ کرو۔اس وقت یہ آیت: ﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضرت طاؤسؒ پوچھتے ہیں کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ سکتے ہیں؟ تو آپ نے منع فرمایا اور اس آیت کی تلاوت کی۔پس یہ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے۔لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے ہوتے ہوئے نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے نہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار کسی کو باقی رہتا ہے۔نہ رائے قیاس کرنے کا حق نہ کسی اور بات کا جیسے فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (سورۂ نساء: ۶۵) یعنی قسم ہے تیرے رب کی لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں۔ تجھے حاکم نہ مان لیں۔پھر تیرے فیصلے سے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ رکھیں۔ بلکہ پورے انشراح کے ساتھ تسلیم کر لیا کریں۔صحیح حدیث میں ہے'اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا' جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی تابعدار نہ بن جائے جسے میں لایا ہوں[1]۔اس لئے یہاں بھی اس کے خلاف کی برائی بیان فرما دی کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی نا فرمانی کرنے والا کھلم کھلا گمراہ ہے۔جیسے فرمان ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورۂ نور: ۶۳) یعنی جو لوگ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے ہیں' انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو' ان پر کوئی فتنہ آ پڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب ہو۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۷﴾

اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ آخر میں ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کے طعن سے) اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا۔ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے (نکاح کے) بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔جب وہ (منہ بولے) ان سے اپنا جی بھر چکیں اور اللہ کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی ○

ایک واقعہ ایمان وکفر کا معیار مومنین کی آزمائش سعادت وشقاوت کے فیصلے:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر طرح سمجھایا۔ان پر اللہ کا انعام تھا اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ان پر احسان تھا کہ انہیں غلامی

[1] یعنی وحی بالفاظ دیگر قرآن مجید اور زیادہ وسیع چیز آپ کی شریعت غرا ہے۔

سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑی شان والے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں سب مسلمان حبُّ الرسول کہتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو بھی حب بن حب کہتے تھے۔ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کہ جس لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھیجتے تھے اس لشکر کا سردار ان ہی کو بناتے تھے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بن جاتے۔ احمد بزار میں ہے حضرت اسامہ فرماتے ہیں: میں مسجد میں تھا، میرے پاس حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آئے اور مجھ سے کہا، جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لئے اجازت طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبر کی۔ آپ نے فرمایا: جانتے ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: لیکن میں جانتا ہوں۔ جاؤ بلا لو۔ یہ آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا فرمایئے تو آپ کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ آپ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہ۔ انہوں نے کہا: ہم حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا: پھر اسامہ بن زید بن حارثہ، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور میں نے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی زینب بنت جحش اسدیہ سے کر دیا تھا۔ دس دینار اور سات درہم مہر دیا تھا۔ ایک دوپٹہ ایک چادر ایک کرتہ۔ پچاس مد اناج اور دس مد کھجوریں دی تھیں۔ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تو یہ گھر بسا لیکن پھر ناچاقی شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر شکایت کی۔ تو آپ انہیں سمجھانے لگے کہ گھر نہ برباد کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس جگہ بہت سے غیر صحیح آثار نقل کئے ہیں۔ جن کا نقل کرنا بھی ہم نامناسب جان کر ترک کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک بھی ثابت اور صحیح نہیں۔ مسند میں بھی ایک روایت حضرت انس سے ہے۔ لیکن اس میں بھی بڑی غرابت ہے۔ اس لئے ہم نے اسے وارد ہی نہیں کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں اتری ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی تھی کہ حضرت زینبؓ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی بات تھی، جسے آپ نے ظاہر نہ کیا اور حضرت زید کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو الگ نہ کریں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ کی وحی کتاب اللہ میں سے ایک آیت بھی چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔

وطر کے معنی حاجت کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب زیدؓ ان سے سیر ہو گئے اور باوجود سمجھانے بجھانے کے میل ملاپ قائم نہ رہ سکا بلکہ طلاق ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے دیا۔ اس لئے ولی کو ایجاب وقبول کی مہر اور گواہوں کی ضرورت نہ رہی[1]۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت زینب کی عدت پوری ہو چکی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے کہا: تم جاؤ اور انہیں مجھ سے نکاح کرنے کا پیغام پہنچاؤ۔ حضرت زیدؓ گئے اس وقت آپ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید پر ان کی عظمت اس قدر چھائی کہ سامنے پڑ کر بات بھی نہ کر سکے۔ منہ پھیر کر بیٹھ گئے اور ذکر کیا۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: ٹھہرو میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لوں۔ یہ تو کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ان کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے اطلاع چلے آئے۔ پھر ولیمہ کی دعوت میں آپ نے ہم سب کو گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھا پی کر چلے گئے، مگر چند آدمی وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپ باہر نکل کر اپنی بیویوں کے پاس گئے۔ آپ انہیں سلام علیک کرتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی تھیں کہ فرمایئے بیوی صاحبہ سے خوش تو ہیں؟ مجھے یہ یاد نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی یا آپ کو خبر کہیں اور سے ملی کہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد آپ اس گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ میں

[1] اور اس طرح نکاح صرف آپ کی خصوصیت ہے۔ امت کے لئے حکم نہیں۔

بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ ہی جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ ﷺ نے پردہ کرا دیا اور میرے اور آپ کے درمیان حجاب ہو گیا اور پردہ کی آیتیں اتریں اور صحابہ کو نصیحت کی گئی اور فرما دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بے اجازت نہ جاؤ۔

مسلم وغیرہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت زینبؓ اور ازواج مطہرات سے فخراً کہا کرتیں تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے کئے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کرا دیا۔ سورہ نور کی تفسیر میں ہم یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ حضرت زینبؓ نے کہا کہ میرا نکاح آسمان سے اترا اور ان کے مقابلے میں حضرت عائشہ نے فرمایا: میری برأت کی آیتیں آسمان سے اتریں۔ جن کا حضرت زینبؓ نے اقرار کیا۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت زینبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کہا: مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں۔ جو آپ کی اور بیویوں میں نہیں۔ ایک تو یہ کہ میرا اور آپ کا دادا ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مجھے آپ کے نکاح میں دیا۔ تیسرے یہ کہ ہمارے درمیان سفیر حضرت جبریلؑ تھے۔

پھر فرماتا ہے: ہم نے ان سے نکاح کرنا تیرے ساتھ جائز کر دیا۔ تاکہ مسلمان پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں جب انہیں طلاق دے دی جائے کوئی حرج نہ رہے۔ یعنی وہ اگر چاہیں تو ان سے نکاح کر سکیں[1]۔ حضور صلی اللہ علی وسلم نے نبوت سے پہلے حضرت زید کو اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا۔ عام طور پر انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ قرآن نے اس نسبت سے بھی ممانعت کر دی اور حکم دیا کہ انہیں اپنے حقیقی باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو۔

پھر حضرت زیدؓ نے جب زینب کو طلاق دے دی تو اللہ پاک نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے کر یہ بات بھی ختم کر دی۔ جس آیت میں حرام عورتوں کا ذکر آیا ہے۔ وہاں بھی یہی فرمایا کہ تمہارے اپنے صلبی لڑکوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ تاکہ لے پالک لڑکوں کی بیویاں اس حکم سے خارج رہیں۔ کیونکہ ایسے لڑکے عرب میں بہت تھے۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہو چکا تھا۔ اس کا ہونا حتمی، یقینی اور ضروری تھا اور حضرت زینبؓ کو یہ شرف ملنا پہلے ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ وہ ازواج مطہرات امہات المومنین میں داخل ہوں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾

اور ان پیغمبر کیلئے جو بات (تکوینیا یا تشریعاً) اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی۔ اس میں ان کو کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے ○

کوئی مضائقہ نہیں:

فرماتا ہے کہ جب اللہ کے نزدیک اپنے لے پالک متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرنا طلاق کے بعد حلال ہے۔ پھر اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حرج ہے۔ اگلے نبیوں پر جو حکم اللہ نازل ہوتے تھے۔ ان پر عمل کرنے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا۔ اس سے غرض منافقوں کے

[1] کیونکہ اس سے پہلے عرب کے دستور کے مطابق لے پالک کی مطلقہ بیویوں یا ان کے مر جانے کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح حرام سمجھا جاتا ہے۔

اس قول کا رد کرنا ہے کہ دیکھو اپنے آزاد کردہ غلام اور لے پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس اللہ کے مقرر کردہ امور ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

یہ سب (پیغمبران گزشتہ) ایسے تھے کہ اللہ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور (اس باب میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر ختم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ○

رسول اللہ اور خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم):

ان کی تعریف ہو رہی ہے جو اللہ کی مخلوق کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور امانت خداوندی کی ادائیگی کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کسی سوا کا خوف نہیں کرتے۔ کسی سطوت و شان سے مرعوب ہو کر پیغام اللہ پہنچانے میں خوف نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و امداد کافی ہے۔ اس منصب کی ادائیگی میں سب کے پیشوا بلکہ ہر ہر امر میں سب کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خیال فرمایئے کہ مشرق و مغرب ہر ہر بنی آدم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی تبلیغ کی اور جب تک اللہ کا دین چاردانگ عالم میں پھیل نہ گیا' آپ برابر اللہ کے دین کی اشاعت میں مصروف رہے آپ سے پہلے تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قوم ہی کی طرف آتے رہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف اللہ کے رسول بن کر آئے تھے۔ قرآن میں فرمان اللہ ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' سلام علیہ۔ پھر آپ کے بعد منصب تبلیغ آپ کی امت کو ملا۔ ان سب کے سردار آپ کے صحابہ ہیں رضوان اللہ علیہم۔ جو کچھ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا' سب کچھ بعد والوں کو سکھا دیا۔ تمام اقوال و افعال و احوال دن اور رات کے سفر اور حضر کے' ظاہر اور پوشیدہ دنیا کے سامنے رکھ دیئے۔ اللہ ان پر اپنی رضامندی نازل فرمائے۔ پھر ان کے بعد والے ان کے وارث ہوئے و راس طرح ہر بعد والے اپنے سے پہلے والوں کے وارث بنے اور اللہ کا دین ان سے پھیلتا رہا اور قرآن و حدیث لوگوں کے کانوں میں پڑتا رہا۔ ہدایت والے ان کی اقتداء سے منور ہوتے رہے اور توفیق خیر والے ان کے مسلک پر چلتے رہے۔ اللہ کریم سے ہماری دعا ہے کہ ہمیں بھی ان میں سے کر دے۔ آمین۔

مسند احمد میں ہے کوئی خود کو ذلیل نہ کرے۔ لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے؟ فرمایا: خلاف شرع دیکھ کر لوگوں کے مارے خاموش نہ رہے۔ ورنہ قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ تو کیوں خاموش رہا؟ یہ کہے گا کہ لوگوں کے ڈر سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سب سے زیادہ خوف رکھنے کے قابل تو میری ذات تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ کے والد نہیں۔ یہی ہوا بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد بلاغت کو نہیں پہنچی۔ قاسم' طیب اور طاہر تین بچے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہوئے۔ لیکن تینوں بچپن میں ہی میں انتقال کر گئے۔ پھر حضرت ماریہ قبطیہؓ سے

ایک بچہ ہوا۔ جس کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن یہ بھی شرح خوارگی کے زمانے میں ہی انتقال کر گئے۔ آپ کی لڑکیاں حضرت خدیجہ سے چار تھیں۔ زینب' رقیہ' ام کلثوم' اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان میں تین تو آپ کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئیں۔ صرف حضرت فاطمہ کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ ماہ بعد ہوا۔

پھر فرماتا ہے۔ بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ جیسے فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے جس کو اپنا رسول بنانا ہوتا ہے۔ یہ آیت نص ہے اس امر پر کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب نبی ہی نہیں تو رسول کہاں؟ کوئی نبی رسول آپ کے بعد نہیں آئے گا۔ رسالت تو نبوت سے بھی خاص چیز ہے۔ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ متواتر حدیثوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہے۔ بہت سے صحابہؓ سے یہ حدیثیں روایت کی گئیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' جہاں کچھ نہ رکھا۔ لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے۔ لیکن کہتے کہ کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔ امام ترمذی بھی اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے حسن صحیح کہا جاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رسالت اور نبوت ختم ہو گئی۔ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ بات گراں گزری تو آپ نے فرمایا: لیکن خوشخبریاں دینے والے صحابہؓ نے پوچھا: خوشخبریاں دینے والے کیا ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کے خواب جو نبوت کے اجزا سے ایک جز ہے۔ یہ حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے اور امام ترمذیؒ اسے صحیح غریب کہتے ہیں۔ محل کی مثال والی حدیث ابوداؤد طیالسی میں بھی ہے۔ اس کے آخر میں یہ ہے کہ میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ مجھ پر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کیا گیا۔ اسے بخاری' مسلم اور ترمذی بھی لائے ہیں۔ مسند کی اس احادیث کی سند میں ہے کہ میں آیا اور اس خالی اینٹ کی جگہ پُر کر دی۔ مسند میں ہے میرے بعد نبوت نہیں مگر خوش خبری دینے والے۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اچھے خواب یا فرمایا: نیک خواب۔ عبدالرزاق وغیرہ میں محل کی اینٹ کی مثال والی حدیث میں ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر محل والے سے کہتے ہیں کہ تو نے اس اینٹ کی جگہ کیوں چھوڑ دی۔ پس میں وہ اینٹ ہوں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے تمام انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئیں۔ مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں (۱) صرف رعب سے میری مدد کی گئی۔ (۲) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں (۳) میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو بنائی گئی ہے (۴) میں ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور (۵) مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی محل کی مثال والی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ کو پورا کر دیا۔

مسند میں ہے اللہ کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا تھا' اس وقت جب کہ آدمؑ پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں میں احمدؐ ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں' تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا اور میں عاقب ہوں' جس کے بعد کوئی نبی نہیں (صحیحین)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے گویا کہ آپ رخصت کر رہے ہیں اور تین دفعہ فرمایا: میں امی نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں فاتح کلمات دیا گیا ہوں اور نہایت جامع اور پورے طور پر میں جانتا ہوں کہ جہنم کے داروغے کتنے ہیں

اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ میرا اپنی امت سے تعارف کرایا گیا ہے۔ جب تک میں تم میں ہوں میری سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ۔ جب میں رخصت ہو جاؤں تو کتاب اللہ کو تھام لو۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔ (مسند امام احمد)

اس بارے اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت پر اس کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے رحم و کرم سے ایسے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف بھیجا اور انہیں ختم المرسلین اور خاتم النبیین بنایا اور یکسوئی والا انسان سچا اور سہل دین آپ کے ہاتھوں کمال کو پہنچایا۔ رب العالمین نے اپنی کتاب میں اور رحمۃ العالمین نے اپنی متواتر حدیثوں میں یہ خبر دے دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں[1]۔ پس جو شخص بھی آپ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری دجال گمراہ کرنے والا ہے' گو وہ شعبدے دکھائے اور جادوگری کرے اور بڑے بڑے کمالات اور عقل کو حیران کر دینے والی چیزیں پیش کرے اور طرح طرح کی نیرنگیاں دکھائے۔ لیکن عقل مند جانتے ہیں کہ یہ سب فریب دھوکہ اور مکاری ہے۔ یمن کے مدعی نبوت کو اور یمامہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو دیکھ لو کہ دنیا نے انہیں جیسے وہ تھے سمجھ لیا اور ان کی اصلیت سب پر ظاہر ہوگئی۔ یہی حال ہوگا ہر اس شخص کا جو قیامت تک اس دعوے سے مخلوق کے سامنے آئے گا کہ اس کا جھوٹ اور اس کی گمراہی سب پر کھل جائے گی یہاں تک کہ سب سے آخری دجال مسیح دجال آئے گا۔ اس کی علامتوں میں سے بھی ہر عالم اور ہر مومن اس کا کذاب ہونا جان لے گا۔ پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ ایسے جھوٹے دعویداروں کو یہ نصیب ہی نہیں ہوتا کہ وہ نیکی کے احکام دیں اور برائی سے روکیں۔ ہاں جن احکام سے ان کا اپنا مقصد ہوتا ہے' ان پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کے اقوال ان کے افعال افترا اور فجور والے ہوتے ہیں۔

جیسے فرمان باری ہے: ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴾ (سورۂ شعراء: ۲۲۱-۲۲۲) یعنی کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن کے پاس آتے ہیں؟ ہر ایک گنہگار بہتان باز کے پاس اتے سچے نبیوں کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ نہایت نیکی والے بہت سچے ہدایت والے استقامت والے قول و فعل کے اچھے نیکیوں کا حکم دینے والے برائیوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ کی طرف سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ معجزوں اور خارق عادت چیزوں سے ان کی سچائی اور زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور اس قدر ظاہر واضح اور صاف دلیلیں ان کی نبوت پر ہوتی ہیں کہ قلب سلیم ان کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب نبیوں پر قیامت تک اپنے درود و سلام نازل فرماتا رہے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

(اور) اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہو وہ ایسا رحیم ہے

[1] نہ ظلی اور نہ بروزی' غلام احمد قادیانی ملعون اور اس کا ناخلف وغیر مسعود بیٹا محمود لعن اللہ علیہما کبھی خود کو ظلی نبی کہتے ہیں اور کبھی بروزی جس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اصل نبی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ اور ظل ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ یہ سب دھوکہ ہے۔ ہر طرح کی نبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لئے ختم ہو گیا۔

کہ وہ (خواہ بھی) اوراس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے۔ وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ نے ان کے لئے عمدہ صلہ (جنت میں) تیار کر رکھا ہے○

ذکر اللہ:

بہت سی نعمتوں کے انعام کرنے والا اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ہمیں اس کا بہ کثرت ذکر کرنا چاہئے اور اس پر بھی ہمیں نعمتوں اور بڑے اجر وثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہارے بہتر عمل اور بہت ہی پاکیزہ کام اور سب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کو راہ اللہ خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی زیادہ افضل کام نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ عزوجل کا ذکر (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)۔ یہ حدیث پہلے ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ احزاب: ۳۵) کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے اپنا شکر گزار فرمانبردار بہ کثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ (ترمذی وغیرہ) دو اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک نے پوچھا: سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو عمر پائے اور نیک اعمال کرے۔ دوسرے نے پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام اسلام تو بہت سارے ہیں۔ مجھے کوئی ایسا حکم بتا دیجئے کہ اس کو اپنا وظیفہ حیات بناؤں۔ آپ نے فرمایا: ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ (ترمذی)۔ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تجھے مجنوں کہنے لگیں[1] (مسند احمد) فرماتے ہیں: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں۔ وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت وافسوس کا باعث بنے گی[2] (مسند)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ہر فرض کام کی کوئی حد ہوتی ہے۔ پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے۔ لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں۔ نہ وہ کسی وقت ساقط ہوتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے بیٹھے رات کو دن کو خشکی میں تری میں سفر میں حضر میں غنا میں فقر میں، صحت میں بیماری میں، پوشیدگی میں ظاہر میں، غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہئے۔ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنی چاہئے۔ تم جب یہ کرلو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث وآثار ہیں۔ اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ بزرگوں نے ذکر اللہ اور وظائف کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے امام نسائی، امام معمری وغیرہ۔ ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ جیسے فرمایا: ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ (سورۂ روم: ۱۷) اللہ کیلئے پاکی ہے جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اسی کے لئے حمد ہے آسمانوں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت۔ پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے۔ وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے۔ یعنی جب وہ تمہاری یاد رکھتا ہے تو کیا وجہ کہ تم

[1] ظاہر ہے کہ منافقین اپنے نفاق کی وجہ سے ہر خوبی اور اچھائی کو ریاکاری برائی ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے جب وہ مخلص مسلمانوں کو ذکر اللہ کی کثرت میں مصروف پائیں گے تو اپنی مذموم عادت کی وجہ سے اس کو بھی ریاکاری یا جنون سے تعبیر کریں گے۔

[2] کہ اپنی مہلت اور فرصت کو بھی بیکار مشغلہ میں کیوں صرف کیا۔

اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا: ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ (سورۂ بقرہ:۱۵۱) جس طرح ہم نے تم میں خود تمہیں میں سے رسول بھیجا' جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ سکھاتا ہے' جسے تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو' میں تمہاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے' میں اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔

صلوٰۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد اس سے رحمت ہے۔ اگرچہ دونوں قولوں کا مفاد ایک ہی ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ ان کی دعا اور استغفار ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ ﴾ (سورۂ مؤمن:۷) عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس والے اپنے رب کی حمد تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمن بندوں کیلئے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو انہیں بخش دے جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں۔ انہیں عذاب جہنم سے نجات دے۔ انہیں جنتوں میں لے جا۔ جن کا تو ان سے وعدہ کر چکا ہے اور انہیں بھی ان کے ساتھ پہنچا دے۔ جو ان کے باپ داداؤں' بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں' انہیں برائیوں سے بچالے الخ۔ وہ اپنی رحمت کو تم پر نازل فرما کر اپنے فرشتوں کی دعا کو تمہارے حق میں قبول فرما کر تمہیں جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے نکال کر ہدایت و یقین کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ دنیا اور آخرت میں مؤمنوں پر رحیم و کریم ہے۔ دنیا میں حق کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے اور روزیاں عطا فرماتا ہے اور آخرت میں گھبراہٹ اور ڈر خوف سے بچالے گا۔ فرشتے انہیں بشارت دیں گے کہ تم جہنم سے آزاد ہو اور جنتی ہو۔ کیونکہ فرشتوں کے دل مؤمنوں کی محبت و الفت سے پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ راستے میں تھا۔ اس کی ماں نے جب ان کی جماعت کو آتے دیکھا تو میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور بچہ کو گود میں لے کر ایک طرف ہٹ گئی۔ ماں کی اس محبت کو دیکھ کر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال تو فرمائیے کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے: قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا (مسند احمد)۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ اس نے اپنے بچے کو دیکھتے ہی اٹھا لیا اور اپنے کلیجے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی۔ آپ نے فرمایا: بتلاؤ: اگر اس کے اختیار میں ہو تو کیا یہ اپنی خوشی سے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔ اللہ کی طرف ان کا تحفہ جس دن یہ اس سے ملیں گے' سلام ہوگا۔ جیسے فرمایا: ﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴾ (سورۂ یٰسین:۵۸)۔ قتادہ فرماتے ہیں: آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اس کی تائید بھی آیت ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا ﴾ (سورۂ یونس:۱۰) سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر عظیم یعنی جنت مع اس کی تمام نعمتوں کے تیار کر رکھی ہے۔ جس میں سے ہر نعمت کھانا پینا پہننا اوڑھنا عورتیں لذتیں منظر وغیرہ ایسے ہیں کہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتے۔ چہ جائے کہ دیکھنے میں یا سننے میں آئیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ

وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٤٨﴾

اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنوں کو) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار) کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ کو ایک روشن چراغ ہیں اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اللہ کافی کارساز ہے ۝

آفتابِ درخشاں:

عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تورات میں کیا ہیں: فرمایا: جو صفات آپ کی قرآن میں ہیں۔ انہیں میں سے بعض اوصاف آپ کے تورات میں بھی ہیں۔ تورات میں ہے: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تجھے گواہ خوشی سنانے والا ڈرانے والا اور امتیوں کا بچاؤ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو بدگو اور فحش کلام نہیں ہے۔ نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتا بلکہ درگزر کرتا ہے اور معاف فرماتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ موت نہیں دے گا۔ جب تک لوگوں کے ٹیڑھا کر دیئے ہوئے دین کو اس کی ذات سے بالکل سیدھا کر دے اور وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جس سے اندھی آنکھیں نہ روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے والے نہ بن جائیں اور پردوں والے دلوں کے زنگ چھٹ نہ جائیں۔ (بخاری)

ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو۔ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا میں امیوں میں سے ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں۔ جو نہ بدخلق ہے نہ بدگو نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا۔ اس قدر سکینت والا ہے کہ اگر چہ چراغ کے پاس سے چلے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اسے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جوحق گو ہوگا۔ میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھیں کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو سنوا کر دوں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی رہبری کروں گا اور ہر نیک خصلت اس میں موجود رکھوں گا۔ دل جمعی اس کا لباس ہوگی۔ نیکی اس کا وطیرہ ہوگا۔ تقویٰ اس کا دل ہوگا۔ حکمت اس کی گویائی ہوگی۔ صدق ووفا اس کی عادت ہوگی۔ عفو درگزر اس کا تعلق ہوگا۔ گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علما بنادوں گا۔ تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا۔ غیر معروف لوگوں کو مشہور کر دوں گا۔ حق اس کی شریعت ہوگی۔ بدل اس کی سیرت ہوگی۔ ہدایت اس کی امام ہوگی۔ اسلام اس کا دین ہوگا۔ احمدؐ اس کا نام ہوگا۔ قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے فقیری کو امیری سے' افتراق کو الفت سے' اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا۔ لوگوں کی مختلف خواہشات کو متحد کر دوں گا۔ دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچالوں گا۔ تمام امتوں سے اس کی امت کو اعلیٰ وافضل بنادوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ وہ موحد ہوں گے۔ مومن ہوں گے۔ اخلاص والے ہوں گے۔ رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے' سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مجلسوں

مسجدوں اور بستروں پر چلتے پھرتے بیٹھتے اٹھتے میری تسبیح حمد وثنا بزرگی و بڑائی بیان کرتے رہیں گے۔ کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمنان اللہ سے صفیں باندھ کر حملے کر کر کے جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں اپنا گھربار چھوڑ نکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے تہبند آدھی پنڈلی تک باندھیں گے۔ میری راہ میں قربانیاں دیں گے۔ میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ راتوں کی عابد اور ان کے اوقات میں مجاہد ہوں گے۔ میں اس نبی کے اہل بیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق' شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا۔

اس کی امت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی اور حق کے ساتھ عدل واحسان کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو ملانے والوں کی میں مدد کروں گا۔ ان کے مخالفین اور ان کے باغی اور ان کے بدخواہوں پر میں برے دن لاؤں گا۔ میں انہیں ان کے نبی کا وارث کردوں گا' جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ نیکیوں کی دعوت دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔ نماز ادا کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے' وعدے پورے کریں گے۔ اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پوری کروں گا' جو ان سے شروع ہوئی تھی۔ یہ میرا فضل جسے چاہوں' دوں اور میں بہت بڑے فضل وکرم کا مالک ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے' جب یہ آیت اتری۔ تو آپ نے ان سے فرمایا: جاؤ خوشخبریاں سنانا' نفرت نہ دلانا۔ آسانی کرنا' سختی نہ کرنا۔ دیکھو مجھ پر یہ آیت اتری ہے' طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تجھے تیری امت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں' گواہ ہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا﴾ (سورۂ نساء: ۴۱) یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔ آپ مؤمنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافرین کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ اللہ کا حکم ہے' اس کی بجا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے' جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو۔ یہ جو ایذا پہنچاتے ہیں' انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور اللہ پر پورا بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دے دو۔ تو تمہاری ان پر کوئی عدت واجب نہیں' جس کو تم شمار کرنے لگو تو ان کو کچھ (مال) متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو ۝

مسائل ☆ اس آیت میں بہت سے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں' اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب وقبول کے لئے ہے؟ یا صرف جماع کے لئے ہے؟ یا ان دونوں کے مجموعے کے لئے؟ قرآن کریم میں اطلاق عقد ووطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔ لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہم بستری سے پہلے' بھی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مؤمنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے۔ ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔ سلف کی ایک بڑی جماعت نے آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے' جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو۔ اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح نہ وہ واقع ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ مالکؒ اور ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا تو طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالکؒ اور ابوحنیفہؒ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے' جو کہے کہ جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں: جس سے وہ نکاح کرے گا' اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی۔ کیونکہ خاص عورت کو مقرر کر کے اس نے یہ نہیں کہا۔ جمہور جو اس کے خلاف ہیں' ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں گا' اس پر طلاق ہے تو کیا ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا: اس صورت میں طلاق نہیں ہو گی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں[1]۔ مسند احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ابن آدم جس کا مالک نہ ہو' اس میں طلاق نہیں اور حدیث میں ہے[2] جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ)

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم عورتوں کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر کوئی عدت نہیں بلکہ وہ جس سے چاہیں اس وقت نکاح کر سکتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی حالت میں اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو یہ حکم نہیں' اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی پڑے گی۔ علما کا اس پر اتفاق ہے۔ پس نکاح کے بعد ہی میاں نے بیوی کو چھونے سے پہلے ہی اگر طلاق دے دی ہے' تو اگر مہر مقرر ہو چکا ہو' تو اس کا آدھا دینا پڑے گا' ورنہ تھوڑا بہت دے دینا کافی ہے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۷) یعنی اگر مہر مقرر ہو چکا ہے اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی تو آدھے مہر کی وہ مستحق ہے اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۶) یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو' تو یہ کچھ گناہ کی بات نہیں' اگر ان کا مہر مقرر نہ ہوا' ہو تو تم انہیں کچھ نہ کچھ دے

---

[1] یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ نکاح سے پہلے کسی طلاق دینا قطعاً ایک غیر معقول اور احمقانہ فعل ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کا بھی مطلب ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے قبل یوں کہہ دیا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں اور پھر اس سے نکاح بھی کر لیا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اب وقوع طلاق ہوگا اور بالکل سیدھی سی بات ہے کہ طلاق' نکاح کے بعد ہی واقع ہو رہی ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جو عقل ونقل کے خلاف ہو۔ ہاں صرف اتنا ہوا کہ ان کے خیال کے مطابق وہ طلاق جو کسی عورت سے متعلق کی گئی ہو' نکاح سے پہلے وہ معلق ہے اور نکاح کے بعد واقع ہو جائے گی۔ جیسا کہ کوئی اپنی منکوحہ ہی کو کہہ دے کہ اگر تو گھر کے اندر داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق۔ یہ طلاق فوراً واقع نہ ہوگی۔ بلکہ جب گھر میں داخل ہوگی تو واقع ہوگی۔ جس طرح یہاں طلاق کو سب معلق سمجھتے ہیں ایسے ہی پہلی صورت میں امام اعظم معلق تصور کرتے ہیں۔

[2] یعنی فوراً طلاق واقع ہوا ایسا نہیں وہی تعلیق' سو اس کی ممانعت حدیث میں موجود نہیں ہے۔

دو۔ اپنی اپنی طاقت کے مطابق امیر وغریب دستور کے مطابق ان سے سلوک کرے۔ بھلے لوگوں پر یہ ضروری ہے چنانچہ ایسا ایک واقعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گزارا کہ آپ نے امیمہ بنت شرجیل سے نکاح کیا۔ یہ رخصت ہو کر آ گئیں۔ آپ گئے ہاتھ بڑھایا' تو گویا اس نے اس پسند نہ کیا۔ آپ نے حضرت ابو اسید کو حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کر دیں اور دو کپڑے ارزقیہ کے انہیں دے دیں۔ پس سراح جمیل یعنی اچھائی سے رخصت کر دینا یہی ہے کہ اس صورت میں اگر مہر مقرر ہے تو آدھا دے دے اور مقرر نہیں تو اپنی طاقت کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کر دے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيٓ اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱) ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیبیاں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں۔ (۲) اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دلوادی ہیں (۳) آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو (۴) اور وہ مسلمان عورت بھی جو بلاعوض اپنے آپ کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں (۵) اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں۔ تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی واقع نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

کچھ اور احکام:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی جن بیویوں کو مہر دیئے ہیں وہ سب آپ پر حلال ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا' جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ ہاں ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا مہر حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے چار سو دینار دیا تھا اور اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر صرف ان کی آزادی تھی۔ خیبر کے قیدیوں میں آپ بھی تھیں۔ پھر آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور اسی آزادی کا مہر قرار دیا اور نکاح کر لیا اور حضرت جویریہ بنت حارثہ مصطلقیہ نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا وہ پوری رقم آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو ادا کر کے ان سے

عقد باندھا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ازواج مطہرات پر اپنی رضامندی نازل فرمائے۔ اسی طرح جو لونڈیاں غنیمت میں آپ کے قبضہ میں آئیں، وہ بھی آپ پر حلال ہیں۔ صفیہؓ اور جویریہؓ کے مالک آپ ہو گئے تھے۔ پھر آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔ ریحانہ بنت شمعون نصریہ اور ماریہ قبطیہ بھی آپ کی ملکیت میں آئی تھیں۔ حضرت ماریہؓ سے آپ کا فرزند بھی ہوا۔ جن کا نام ابراہیمؑ تھا۔ چونکہ نکاح کے بارے میں نصرانیوں نے افراط اور یہودیوں تفریط سے کام لیا تھا۔ اس عدل وانصاف والی سہل اور صاف شریعت نے درمیانہ راہ حق کو ظاہر کر دیا۔ نصرانی تو سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو ان کا نکاح جائز جانتے تھے اور یہودی بہن بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ پس اسلام نے بھانجی اور بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا اور چچا کی لڑکی پھوپھی کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا۔ اس آیت کے الفاظ کی خوبی پر نظر ڈالئے کہ عم اور خال اور چچا اور ماموں کے لفظ کو واحد لائے اور عمات اور خالات یعنی پھوپھی اور خالہ کے لفظ کو جمع میں لائے۔ جس میں مردوں کی ایک قسم کی فضیلت عورتوں پر ثابت ہو رہی ہے۔ جیسے ﴿يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۵۷) اور جیسے ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾ (سورۂ انعام: ۱) یہاں بھی چونکہ ظلمات اور نور یعنی اندھیرے اور اجالے کا ذکر تا اور اجالے کو اندھیرے پر فضیلت ہے۔ اس لئے لفظ ظلمات جمع لائے اور لفظ نور مفرد لائے۔ اس کی اور بھی بہت سی وجوہ بیان کی جا سکتی ہیں۔

پھر فرمایا: جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ (منگنی) آیا تو میں اپنی معذوری ظاہر کی۔ جسے آپ نے تسلیم کر لیا اور یہ آیت اتری۔ میں ہجرت کرنے والیوں میں نہ تھی۔ بلکہ فتح بعد ایمان لانے والیوں میں تھی۔ مفسرین نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے مدینے کی طرف آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ قتادہؒ سے ایک روایت میں اس سے مراد اسلام لانا بھی منقول ہے۔ ابن مسعود کی قرأت میں وَالَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ ہے۔ پھر فرمایا اور وہ مؤمنہ عورت جو اپنا نفس نبی کے لئے ہبہ کر دے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو بے مہر دیئے اسے نکاح میں لا سکتے ہیں۔ پس یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ ہے۔ جیسے آیت: ﴿وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ﴾ (سورۂ ہود: ۳۴) میں۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں: اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس نصیحت سے مستفید نہ کرنا چاہے تو میری نصیحت تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان میں: ﴿يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ﴾ (سورۂ یونس: ۸۴) یعنی اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اگر مسلمان ہو گئے ہو تو تمہیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے پس جیسے ان دونوں آیتوں میں دو دو شرطیں ہیں، اسی طرح اس آیت میں بھی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو اس کا اپنا نفس ہبہ کرنا، دوسرے آپ کا بھی اسے نکاح میں لانے کا ارادہ کرنا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میں اپنا نفس آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں[1]۔ پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، تو ایک صحابی نے کھڑے ہو کر کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو میرے نکاح میں دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ

[1] نفس کو ہبہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے بارے میں اختیار کامل دے رہی ہوں۔ چاہے آپ خود نکاح کر لیں یا کسی سے میرا نکاح کر دیں بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا: یعنی خود نکاح نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسرے صحابیؓ سے کر دیا۔ اس سے تائید ہوتی ہے کہ ہبہ کرنے کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ آپ ہی مجھ سے نکاح کریں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ پھر ان کا نکاح کسی دوسرے سے نہ کراتے بلکہ اپنی طرف سے صرف معذرت وانکار فرما کر قصہ ختم کر دیتے۔ حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔

ہے بھی؟ جو انہیں مہر میں دیں۔ جواب دیا کہ اس تہبند کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ اگر تم انہیں دے دو گے تو خود بغیر تہبند کے رہ جاؤ گے۔ کچھ اور تلاش کرو۔ اس نے کہا: میں اور کچھ نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا: تلاش کرو گو لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ انہوں نے ہر چند دیکھ بھال کی لیکن کچھ بھی نہ پایا۔ آپ نے فرمایا: قرآن کی کچھ سورتیں بھی تمہیں یاد ہیں؟ اس نے کہا: ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں؟ آپ نے فرمایا: بس تو انہی سورتوں پر میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دے دیا۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ حضرت انسؓ جب یہ واقعہ بیان کرنے لگے تو ان کی صاحبزادی بھی سن رہی تھیں۔ کہنے لگیں اس عورت میں بہت ہی کم حیا تھی۔ تو آپ نے فرمایا: تم سے وہ بہتر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رغبت کر رہی تھیں[1] اور آپ پر اپنا نفس پیش کر رہی تھیں۔ (بخاری)

مسند احمد میں ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنی بیٹی کی بہت سی تعریفیں کر کے کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری مراد یہ ہے کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ وہ پھر بھی تعریف کرتی رہیں یہاں تک کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ وہ کبھی بیمار پڑی ہیں نہ سر میں درد ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: پھر مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی بیوی صاحبہ حضرت خولہ بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور روایت میں ہے یہ بڑی نیک بخت عورت تھیں اور روایت میں ہے یہ قبیلہ بنو سلیم میں سے تھیں اور روایت میں ہے یہ بڑی نیک بخت خاتون تھیں۔ ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری کوئی عورت ہوں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا۔ جن میں سے چھ تو قریشیہ میں تھیں۔ خدیجہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ اور ام سلمہؓ اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر قریشیہ میں سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ۔ یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی کنیت ام المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے۔ یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی اور عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں صفیہ بنت حییؓ بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن معطلق خزاعیہ۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینبؓ جن کی کنیت ام المساکین تھی، یہ زینب بنت خزیمہ تھیں۔ قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا واللہ اعلم۔

مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا، وہ بہت سی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ میں ان عورتوں پر غیرت کیا کرتی تھی، جو اپنا نفس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیتی تھیں اور مجھے بڑا تعجب معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں اپنا نفس ہبہ کرتی ہیں۔ جب یہ آیت اتری کہ ﴿تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ تو ان میں سے جسے چاہے اس سے نہ کر اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور جن سے تو نے یکسوئی کر لی ہے انہیں بھی اگر تم لے آؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں تو میں نے کہا: بس تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر خوف وسعت و کشادگی کر دی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور ﷺ کے پاس نہ تھی۔ جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ نہ کر دیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں: گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اسے اپنے گھر میں رکھ لیں۔ لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں۔ کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے

[1] جی ہاں یہ خواہش مقدم تھی۔ لیکن آپ کے ہاتھوں سے نکاح کرانا بھی ان صحابیہ کی ایک تمنا تھی۔

لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو بے شک جائز ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واشق کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا۔ جب اس کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے۔ جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے۔ اسی طرح صرف ہم بستری سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا۔ گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو۔ اس لئے کہ آپ کو بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا۔ جیسے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے قصے میں ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ خود کو بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے۔ ہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تھا اور مؤمنوں پر ہم نے جو مقرر کر دیا ہے اسے ہم خوب جانتے ہیں۔ یعنی وہ چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کے گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس امت کے لئے تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندی نہیں۔ تاکہ آپ پر حرج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو دور کر رکھا ہے ان میں پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی اور اللہ تعالیٰ کو تم لوگوں کے دلوں کی سب باتیں معلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ جاننے والا ہے بردبار ہے ۝

ایک مخصوص حکم:

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ان عورتوں پر عار کیا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کریں اور کہتی تھیں کہ عورتیں بغیر مہر کے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرنے میں شرماتی نہیں ہیں؟ یہاں تک کہ یہ آیت اتری تو میں نے کہا کہ آپ کا رب آپ کے لئے کشادگی کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت سے مراد یہی عورتیں ہیں۔ ان کے بارے میں نبی اللہ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں قبول کریں اور جسے چاہیں قبول نہ فرمائیں۔ پھر اس کے بعد یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے کہ جنہیں قبول نہ فرمائیں انہیں جب چاہیں نواز دیں۔ عامر شعبیؒ سے منقول ہے کہ جنہیں مؤخر کر رکھا ہے۔ ان میں حضرت ام شریک تھیں۔ ایک مطلب اس جملہ کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں کے بارے میں آپ کو اختیار تھا کہ اگر چاہیں تقسیم کریں چاہیں نہ کریں جسے چاہیں مقدم کریں جسے چاہیں مؤخر کریں۔ اسی طرح خاص بات چیت میں بھی لیکن یہ یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری عمر برابر اپنی ازواج مطہرات کے عدل کے ساتھ چلتے رہے اور برابری کی تقسیم کرتے رہے۔ بعض فقہاء شافعیہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم واجب تھی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم ہم سے اجازت لیا کرتے تھے۔ مجھ سے تو جب پوچھتے' میں کہتی اگر میرے بس میں ہو تو میں کسی اور کے پاس ہرگز نہ جانے دوں۔ پس صحیح بات جو بہت اچھی ہے اور جس سے ان کے اقوال میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آیت عام ہے' اپنے نفس سونپنے والیاں اور آپ کی بیویاں سب شامل ہیں۔ ہبہ نہ کرنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے نہ کرنے کا اور نکاح والیوں میں تقسیم کرنے نہ کرنے کا آپ کو اختیار تھا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہی حکم بالکل مناسب ہے اور ازواج رسول کے لئے سہل ہے جب وہ جان لیں گی کہ آپ باریوں کے مکلّف نہیں ہیں۔ پھر بھی مساوات قائم رکھتے ہیں تو انہیں بہت خوشی ہوگی اور ممنون و مشکور ہوں گی اور آپ کے انصاف کی داد دیں گی۔ اللہ تعالیٰ دلوں کی حالتوں سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسے کس طرف زیادہ رغبت ہے۔

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طور پر صحیح تقسیم اور پورے عدل کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے کہ الٰہ العالمین جہاں تک میرے بس میں تھا' میں نے انصاف کر دیا۔ اب جو میرے بس میں نہیں' اس پر تو مجھے ملامت مت کرنا۔ یعنی دل کے رجوع کرنے کا اختیار مجھے نہیں۔ اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کا عالم ہے۔ لیکن حلم و کرم کرنے والا ہے۔ چشم پوشی کرتا ہے' معاف فرماتا ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں (۷) اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کرلیں۔ اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کو مملوک ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت اور آغاز و مصالح کا پورا نگران ہے ○

یہ حکم:

پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو آپ سے علیحدہ ہو جائیں۔ لیکن امہات المؤمنین نے دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ اس پر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینوی بدلہ ایک یہ بھی ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں حکم ہوا کہ اب ان کے سوا آپ کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ نہ آپ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کے بدلے دوسری لا سکتے ہیں۔ گو وہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو؟ ہاں لونڈیوں اور کنیزوں کی بات اور ہے۔ اس کے بعد رب العالمین نے یہ تنگی آپ پر سے اٹھا لی اور نکاح کی اجازت دے دی۔ لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور نکاح کیا ہی نہیں۔ اس حرج کے اٹھانے اور پھر عمل کے نہ ہونے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ احسان اپنی بیویوں پر ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ آپ کی وفات سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں بھی حلال کر دیں (ترمذی نسائی وغیرہ) حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے۔ حلال کرنے والی آیت: ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ﴾ ہے یعنی جو اس آیت سے پہلے گزر چکی ہے' بیان میں وہ پہلے ہے اور اترنے میں وہ پیچھے ہے۔ سورہ بقرہ میں بھی اسی طرح عدت وفات کی پچھلی آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت اس کی ناسخ ہے (واللہ اعلم)۔

اس آیت کے ایک اور معنی بھی بہت سے حضرات سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں' مطلب اس سے یہ ہے کہ جن عورتوں کا ذکر اس سے پہلے ہے' ان کے سوا اور حلال نہیں۔ ابی بن کعبؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بیویاں تھیں اگر وہ آپ کی موجودگی

میں انتقال کر جاتیں تو آپ اور عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے تھے؟ آپ نے فرمایا: یہ کیوں؟ تو سائل نے لَا یَحِلُّ والی آیت پڑھی۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ نے فرمایا: اس کا مطلب تو یہ ہے کہ عورتوں کی جو قسمیں اس سے پہلے بیان ہوئی ہیں یعنی منکوحہ عورتیں' لونڈیاں' چچا کی' پھوپھیوں کی' ماموں کی' خالاؤں کی بیٹیاں' ہبہ کرنے والی عورتیں ان کے سوا جو اور قسم کی ہوں' جن میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ آپ پر حلال نہیں ہیں (ابن جریر)۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سوائے ان مہاجر مومنات اور عورتوں کے نکاح کرنے کی آپ کو ممانعت کر دی گئی۔ غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام کر دیا گیا۔ قرآن میں ہے: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ (سورۂ مائدہ: ۵) یعنی ایمان کے بعد کفر کرنے والے کے اعمال غارت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا میں عورتوں کی جن قسموں کا ذکر کیا۔ وہ تو حلال ہیں۔ ان کے علاوہ اور حرام ہیں۔

مجاہد فرماتے ہیں ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں خواہ مسلمان ہوں خواہ یہودیہ ہوں' خواہ نصرانیہ سب حرام ہیں۔ ابوصالح فرماتے ہیں کہ اعرابیہ اور انجان عورتوں کے نکاح سے روک دیئے گئے۔ لیکن جو عورتیں حلال تھیں' ان میں سے اگر چاہیں سینکڑوں کر لیں' حلال ہیں۔ الغرض آیت عام ان عورتوں کو جو آپ کے گھر تھیں اور ان عورتوں کو جن کے اقسام بیان ہوئے' سب کو شامل ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف منقول ہے ان سے اس کے مطابق بھی نقل ہے۔ لہٰذہ کوئی منافات نہیں۔ ہاں اس پر ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی۔ پھر ان سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت سودہؓ کے فراق کا بھی ارادہ کیا تھا جس پر انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا تھا۔ اس کا جواب امام ابن جریرؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے بات یہی ہے لیکن ہم کہتے ہیں اس جواب کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت میں ان کے سوا دوسری عورتیں کرنے اور انہیں نکال کر اوروں کو لانے کی ممانعت ہے نہ کہ طلاق دینے کی واللہ اعلم۔ حضرت سودہؓ کے معاملے میں آیت ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ﴾ (سورۂ نساء: ۱۲۸) اتری ہے اور حضرت حفصہؓ والا واقعہ ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے۔

ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس ایک دن آئے' دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ پوچھا کہ شاید تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔ سنو اگر رجوع ہو گیا اور پھر یہی موقعہ پیش آیا تو قسم اللہ کی میں مرتے تک تم سے کلام نہ کروں گا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں میں اضافہ کرنے سے اور کسی کو نکال کر اس کے بدلے دوسری کو لانے سے منع کیا ہے۔ مگر لونڈیاں حلال رکھی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک غلط رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا۔ اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ عیینہ بنت حسن فزاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی جاہلیت کی عادت کے مطابق بغیر اجازت چلے آئے۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپ نے فرمایا: تم بے اجازت کیوں چلے آئے؟ اس نے کہا: واہ! میں نے تو آج تک قبیلہ مضر کے خاندان کے کسی شخص سے اجازت مانگی ہی نہیں۔ پھر کہنے لگا یہ آپ کے پاس کون سی عورت بیٹھی ہوئی تھیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ تھیں۔ تو کہنے لگا' حضور انہیں چھوڑ دیں۔ میں ان کے بدلے اپنی بیوی آپ کو دیتا ہوں' جو خوبصورتی میں بے مثل ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنا حرام کر دیا ہے۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے دریافت فرمایا: کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ایک احمق سردار تھا۔ تم نے اس کی باتیں سنیں؟ اس پر بھی یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس روایت کا ایک راوی اسحٰق بن عبداللہ نہایت

نا قابل اعتبار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿۵۳﴾ إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵۴﴾

اے ایمان والو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو۔ مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے۔ ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نا گواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں کے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو جائز نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ○

پردہ کا حکم:

اس آیت میں پردے کا حکم ہے اور شرعی آداب واحکام کا بیان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق جو آیتیں اتری ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بخاری مسلم میں آپ سے روایت ہے کہ تین باتیں میں نے کہیں جس کے مطابق ہی رب العالمین کے احکام نازل ہوئے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ مقام ابراہیمؑ کو قبلہ بنائیں تو بہتر ہوگا اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم اترا کہ ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۲۵)۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ گھر میں ہر کہہ ومہ آجائے۔ آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیں تو اچھا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردے کا حکم نازل ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات غیرت کی وجہ سے کچھ کہنے سننے لگیں تو میں نے کہا: کسی غرور میں نہ رہنا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تمہیں چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دلوائے گا۔ چنانچہ یہی آیت قرآن میں نازل ہوئی۔ صحیح مسلم میں ایک چوتھی روایت موافقت بھی مذکور ہے۔ وہ بدر کے قیدیوں کا فیصلہ ہے اور روایت میں ہے کہ ۵ ھ ماہ ذیقعدہ میں جبکہ رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کیا۔ جو نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کرایا تھا۔ تو اسی صبح کو پردے کی آیت نازل ہوئی۔ بعض حضرات کہتے ہیں یہ واقعہ ۳ ھ کا ہے واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ سے نکاح کیا تو لوگوں کی دعوت کی۔ وہ کھانی کر باتوں میں بیٹھے رہے۔ آپ نے اٹھنے کی تیاری بھی کی۔ پھر بھی وہ نہ اٹھے۔ یہ دیکھ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ہی کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے۔ لیکن پھر بھی تین شخص وہیں بیٹھے رہ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ پھر لوٹ گئے۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ اب آپ گھر میں تشریف لائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے بھی جانا چاہا تو اپنے اور میرے درمیان پردہ کر دیا اور یہ آیت اتری اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر گوشت روٹی کھلائی تھی اور حضرت انس کو بھیجا تھا کہ لوگوں کو بلا لائیں۔ لوگ آتے تھے کھاتے تھے اور واپس جاتے تھے۔ جب ایک بھی ایسا نہ بچا کہ جسے حضرت انس بلاتے تو آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: اب دستر خوان بڑھا دو۔ لوگ سب چلے گئے۔ مگر تین شخص باتوں میں لگے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے نکل کر حضرت عائشہ کے پاس گئے اور فرمایا: السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیوی صاحبہ سے خوش تو ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تمہیں برکت دے۔ اسی طرح اپ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور سب جگہ یہی باتیں ہوئیں۔ اب لوٹ کر جو آئے تو دیکھا کہ وہ تینوں صاحب اب تک گئے نہیں۔ چونکہ آپ میں شرم حیا' لحاظ و مروت بے حد تھا' اس لئے آپ کچھ فرما نہ سکے اور پھر سے حضرت عائشہ کے حجرے کی طرف چلے اب نہ جانے میں نے خبر دی یا آپ کو کہیں اور سے اطلاع ملی کہ وہ تینوں بھی چلے گئے۔ تو آپ پھر آئے اور چوکھٹ میں ایک قدم رکھتے ہی آپ نے پردہ ڈال دیا اور پردہ کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں بجائے تین شخصوں کے دو کا ذکر ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ کے کئی نئے نکاحوں پر حضرت ام سلیمؓ نے مالیدہ بنا کر ایک لگن میں رکھ کر حضرت انسؓ سے کہا: اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاؤ اور کہہ دینا یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمایئے اور میرا اسلام بھی کہہ دینا۔ اس وقت لوگ تھے تنگی میں۔ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور ان کا سلام پہنچایا اور پیغام بھی۔ آپ نے اسے دیکھا اور فرمایا: اچھا اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا: جاؤ فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ۔ بہت سے لوگوں کے نام لئے اور فرمایا ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے۔ میں نے یہی کیا۔ جو ملا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا۔ واپس لوٹا تو دیکھا کہ گھر اور انگنائی اور بیٹھک سب لوگوں سے پر ہے۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اب مجھ سے آپ نے فرمایا: جاؤ وہ پیالہ اٹھا لاؤ۔ میں اٹھا لایا تو آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کی اور جو اللہ نے چاہا' آپ نے زبان سے کہا۔ پھر فرمایا: چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاو اور بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو۔ اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپ نے فرمایا: پیالہ اٹھا لاؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا تھا' اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟ چند لوگ آپ کے گھر ٹھہر گئے۔ ان میں باتیں ہو رہی تھیں اور ام المؤمنین دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا اتنی دیر

تک نہ ہٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزر رہا تھا۔ لیکن شرم وحیا ولحاظ کی وجہ سے کچھ فرماتے نہ تھے۔ اگر انہیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بے فکری سے بیٹھے رہے۔ آپ گھر سے نکل کر اور ازواج مطہرات کے حجروں میں چلے پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اب تو یہ بھی سمجھ گئے بڑے نادم ہوئے اور جھٹ سے نکل چلے۔ آپ اندر آئے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں بھی حجرے میں ہی تھا۔ جو یہ آیت اتری اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے۔ سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے اول ان کا سننے والا ہوں۔ پہلے حضرت زینب کے پاس آپ کے رشتہ (منگنی) لے جانے کی روایت آیت: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ﴾ (سورۂ احزاب) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اس کے آخر میں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر لوگوں کو نصیحت کی گئی اور ہاشم کی اس حدیث میں اس آیت کا بیان بھی ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ رات کے وقت ازواج مطہراتؓ قضائے حاجت کے لئے جنگل جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس طرح نہ جانے دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلیں تو چونکہ فاروق اعظم کی منشا یہ تھی کہ کسی طرح ازواج مطہرات کا یہ نکلنا بند ہو۔ اس لئے انہیں ان کے قد وقامت کی وجہ سے پہچان کر بہ آواز بلند کہا کہ ہم نے تمہیں اے سودہ پہچان لیا۔ اس کے بعد پردے کی آیتیں اتریں۔ اس روایت میں یوں ہی ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ واقعہ نزول حجاب کا ہے۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہ نکلیں الخ۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ اس وقت واپس آ گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے ایک ہڈی ہاتھ میں تھی آ کر واقعہ بیان کیا۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی جب ختم ہوئی اس وقت بھی وہ ہڈی ہاتھ میں تھی۔ اسے چھوڑا ہی نہ تھا۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ضرورتوں کی بنا پر باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عادت سے روکتا ہے جو جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں تھیں کہ بلا اجازت دوسرے کے گھر میں چلے جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ اس امت کا اکرام کرتے ہوئے اسے یہ ادب سکھاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون ہے کہ خبردار عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مستثنیٰ کر لیا۔ جنہیں اجازت دے دی جائے۔ تو فرمایا: مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے کھانے کی طرف۔ اس طرح کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ کھانے کے پکنے اور اس کے تیار ہونے کے وقت ہی نہ پہنچو۔ جب سمجھا کہ کھانا تیار ہوگا جا گھسے۔ یہ خصلت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ دلیل ہے طفیلی بننے کی حرمت پر۔ امام خطیب بغدادی نے اس کی مذمت میں پوری ایک کتاب لکھی ہے۔

پھر فرمایا: جب بلائے جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل جاؤ۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اس دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ نکاح کی ہو یا اور کوئی اور حدیث میں ہے کہ اگر مجھے ایک کھر کی دعوت دی جائے تو بھی میں اسے قبول کروں۔ دستور دعوت میں یہ بھی بیان فرمایا کہ جب کھا چکو تو میزبان کے ہاں فالتو طور پر نہ بیٹھ جاؤ بلکہ وہاں سے چلے جاؤ۔ باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ جیسے ان تین شخصوں نے کیا تھا۔ جس سے حضور کو تکلیف ہوئی۔ لیکن مروت اور لحاظ سے کچھ نہ بولے۔ اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ تمہارا بے اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چلے جانا آپ پر شاق گزرتا ہے۔ لیکن آپ بوجہ شرم وحیا کے تم سے نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ وہ اللہ تعالیٰ حکم دینے سے حیا نہیں کرتا۔ تمہیں جس طرح بے اجازت آپ کی بیویوں کے پاس جانا منع ہے۔ اسی طرح ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگر تمہیں ان سے کوئی

ضروری چیز لینی دینی بھی ہو تو پس پردہ ہی لین دین ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مالیدہ کھا رہے تھے۔ حضرت عمر کو بھی بلا لیا۔ آپ بھی کھانے بیٹھ گئے۔ حضرت صدیقہؓ پہلے ہی کھانے میں شریک تھیں۔ حضرت عمرؓ ازواج مطہرات سے پردے کی تمنا میں تھے۔ کھاتے ہوئے انگلیوں سے انگلیاں لگ گئیں۔ تو بے ساختہ فرمانے لگے کاش کہ میری مان لی جاتی اور پردہ کرایا جاتا تو کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی۔ اس وقت پردے کا حکم اترا۔

پھر پردے کی تعریف فرما رہا ہے کہ مردوں عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی کا یہ ذریعہ ہے۔ کسی شخص نے آپ کی بیوی سے آپ کے بعد نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس آیت میں یہ حرام قرار دیا گیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں زندگی میں اور جنت میں آپ کی بیویاں ہیں اور جملہ مسلمانوں کی وہ مائیں ہیں۔ اس لئے مسلمانوں پر ان سے نکاح محض حرام ہے۔ یہ حکم ان بیویوں کے لئے ہے جو آپ کے گھر میں آپ کے انتقال کے وقت تھیں' سب کے نزدیک اجماعا ہے۔ لیکن جس بیوی کو آپ نے اپنی زندگی میں طلاق دے دی اور اس سے میل ہو چکا ہے تو اس سے کوئی اور نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو مذہب ہیں۔ جس سے ہم بستری نہ ہوا اور اس کو طلاق دے دی ہو اس سے دوسرے نکاح کر سکتے ہیں۔ قبیلہ بنت اشعث بن قیس حضور کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد اس نے عکرمہ بن ابو جہل سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ پر یہ گراں گزرا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی نہ تھی۔ نہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا نہ اسے پردے کا حکم دیا اس کی ردت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بری کر دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق کا اطمینان ہو گیا۔ پس یہ ان دونوں باتوں کی برائی بیان فرماتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا' ان کی بیوی سے ان کے بعد نکاح کر لینا یہ دونوں گناہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں۔ تمہاری چھپی اور علانیہ باتیں سب اللہ پر ظاہر ہیں۔ اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں' آنکھوں کی خیانت کو سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو وہ جانتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے ○

کیا مضائقہ ہے:

چونکہ اوپر کی آیتوں میں اجنبیوں سے پردے کا حکم ہوا تھا۔ اس لئے جن قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ تھا' ان کا بیان اس آیت میں کر دیا سورہ نور میں بھی اسی طرح فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ مگر اپنے خاوند باپ' سسر' لڑکوں' خاوند کے لڑکوں' بھائیوں' بھتیجوں' بھانجوں' عورتوں اور ملکیت جن کی ان کے ہاتھ میں ہو' ان کے سامنے کام کرنے والے غیر خواہشمند مردوں یا بچوں کے سامنے اس کی پوری تفسیر اسی آیت کے تحت میں گزر چکی ہے۔ چچا اور ماموں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔ حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ تو ان دونوں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ جانتے تھے۔ نسائھن سے مراد

مؤمن عورتیں ہیں۔ ماتحت سے مراد لونڈی غلام ہیں۔ جیسے کہ پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے اور حدیث بھی ہم وہیں ذکر کر چکے ہیں۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۔ چھپا کھلا سب اس کو معلوم ہے۔ اس موجود اور حاضر کا خوف رکھو اور اس کا لحاظ کرتی رہو۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اس پیغمبر پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ○

ان پر لاکھوں سلام:

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہؒ سے روایت ہے کہ اللہ کا اپنے نبی پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثناء صفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اللہ کا درود رحمت ہے۔ فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ عطا فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سبوح قدوس سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي ہے۔ مقصود اس آیت شریفہ سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت عزت اور مرتبت لوگوں کی نگاہوں میں قائم ہو جائے اور وہ جان لیں کہ خود اللہ تعالیٰ آپ کا ثنا خواں ہے اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کی یہ خبر دے کر اب زمین والوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجا کرو۔ تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے لوگوں کا اس پر اجماع ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا اللہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں پر رحمت بھیجتا رہتا ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہی رحمت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بھی نازل فرماتا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۳) یعنی ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرتے رہا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہ خود تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اور آیت میں ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۵۵) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو جنہیں جب بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے درود نازل ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے داہنی طرف والوں پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں۔ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شخص کے لئے یہ دعا منقول ہے کہ خدایا! ابی اوفی پر اپنی رحمت نازل فرما۔ حضرت جابرؓ کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے صلوٰۃ بھیجئے۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے خاوند پر درود نازل فرمائے درود شریف کے بیان کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ جن سے تھوڑی سی یہاں ذکر کرتے ہیں وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ بخاری شریف میں ہے آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو سلام کرنا تو جانتے ہیں۔ صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے اَلتَّحِيَّاتُ کے بعد دونوں درود بتلائے۔ لیکن دونوں میں وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ کا لفظ نہیں۔ ایک اور روایت میں عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ کا لفظ نہیں اور روایت میں پہلا درود تو پورے لفظوں کے ساتھ ہے اور دوسرا کچھ تغیر کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ آخر میں وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ بھی کہتے تھے۔ (ترمذی)

جس سلام کا اس میں ذکر ہے۔ وہ التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ہے۔ یہ التحیات آپ مثل

قرآن کی سورت کے سکھایا کرتے تھے۔ایک روایت میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ بھی ہے اور پچھلے درود میں قدرے تغیر ہے۔ایک روایت میں درود کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔بعض روایتوں میں عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ کے بعد فِی الْعَالَمِیْنَ کا لفظ بھی ہے۔ایک روایت میں سوال میں یہ لفظ بھی ہیں کہ دو دو نماز میں ہم کس طرح پڑھیں الخ۔امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ نماز کے آخری تشہد میں اگر کسی نے درود نہیں پڑھا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔درود کا پڑھنا اس جگہ واجب ہے۔بعض متاخرین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف انہی کا قول ہے اور اس کے خلاف اجماع ہے۔حالانکہ یہ غلط ہے صحابہ کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے۔مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابومسعود بدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہ تابعین میں بھی اس مذہب کے لوگ گزرے ہیں۔جیسے شعبی، ابوجعفر باقر، مقاتل بن حیان وغیرہ اور شافعیہ کا سب کا یہی مذہب ہے۔امام احمد کا بھی آخری قول یہی ہے۔جیسے ابوزرعہ دمشقی کا بیان ہے۔اسحٰق بن راہویہؒ، امام محمد بن ابراہیم فقیہہ بھی یہی کہتے ہیں۔بلکہ بعض ائمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں کہنا واجب ہے۔جیسے کہ صحابہؓ کے سوال پر آپ نے تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے آپ کی آل پر درود بھیجنا بھی واجب کہا ہے۔الغرض درود کا نماز میں واجب ہونے کا قول بہت ظاہر ہے اور حدیث میں اس کی دلیل بھی موجود ہے اور سلف اور خلف میں امام شافعی کے علاوہ اور بھی اس کے قائل رہے ہیں۔پس یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ امام صاحب ہی کا یہ قول ہے اور یہ خلاف اجماع ہے۔اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جو مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن عباس وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ایک شخص نے بغیر اللہ کی حمد وثنا کئے اور بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اپنی نماز میں دعا کی تو آپ نے فرمایا: اس نے جلدی کی۔پھر اسے بلا کر فرمایا یا کسی اور کو فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کرے۔پھر درود پڑھے۔پھر جو چاہے دعا مانگے۔ابن ماجہ میں ہے جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔جو وضو میں بسم اللہ نہ کہے اس کا وضو نہیں۔لیکن اس کی سند میں عبدالمہیمن نامی راوی متروک ہے۔

طبرانی میں یہ روایت ان کے بھائی سے نقل ہے لیکن اس میں بھی تامل ہے اور معروف روایت پہلی ہی ہے۔واللہ اعلم۔مسند میں ہے کہ ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر سلام کہنا تو جانتے ہیں، درود سکھا دیجئے۔تو آپ نے فرمایا یوں کہو: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَکَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اس کا ایک راوی ابوداؤد اعمی جس کا نام نفیع بن حارث ہے، وہ متروک ہے۔حضرت علیؓ کا لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی منقول ہے۔اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِیَ الْمَسْمُوْکَاتِ وَجَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِهَا شَقِیِّهَا وَسَعِیْدِهَا اجْعَلْ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِكَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِكَ وَفَضَائِلَ اٰلَائِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ کَمَا حُمِلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ بِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِكَ غَیْرَ نَکِلٍ فِیْ قَدَمٍ وَّلَا وَهْنٍ فِیْ عَزْمٍ وَاعِیًا لِّوَحْیِكَ حَافِظًا لِّعَهْدِكَ مَاضِیًا عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِّقَابِسٍ اٰلَاءُ اللّٰهِ تَصِلُ بِاَهْلِهٖ اَسْبَابُهٗ بِهٖ هُدِیَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْاَحْکَامِ وَمُنِیْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَهُوَ اَمِیْنُكَ الْمَاْمُوْنُ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَشَهِیْدُكَ یَوْمَ الدِّیْنِ وَبَعِیْثُكَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِیْ عَدْنِكَ وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَیْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهٗ مُهَنَّاٰتٍ غَیْرَ مُکَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُوْلِ وَجَزِیْلِ عَطَائِكَ الْمَحْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰی بِنَاءِ النَّاسِ بِنَآءَهٗ وَاَکْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَیْكَ وَنُزُلَهٗ

وَاٰتِہٖ لَہٗ نُوْرَہٗ وَاجْزِہٖ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَہٗ مَقْبُوْلَ الشَّھَادَۃِ مَرْضِیَّ الْمَقَالَۃِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَّخُطَّۃٍ فَصْلٍ وَّحُجَّۃٍ وَّبُرْھَانٍ عَظِیْمٍ۔

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں۔ اس کا راوی ابوالحجاج مزی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو بہت اچھا درود پڑھا کرو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے۔ لوگوں نے کہا: پھر آپ ہمیں کوئی ایسا درود سکھایئے۔ آپ نے فرمایا: بہتر ہے یہ پڑھو: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكٰتِكَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ اس کے بعد التحیات کے بعد کے دونوں درود ہیں۔ یہ روایت بھی موقوف ہے۔ ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن خباب نے اپنے فارسی کے ایک خطبے میں اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ اس کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی دعا میں کہا تھا۔ خدایا مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر اور ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر۔ تو آپ نے اس سے فرمایا: تو نے بہت ہی زیادہ چیز کو تنگ کر دیا[1]۔ قاضی عیاض نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا ہے۔ ابومحمد بن ابوزید بھی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تک کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے تب تک فرشتے بھی اس کے لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ کمی کرو یا زیادتی کرو۔ (ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے زیادہ قریب قیامت میں مجھ سے وہ ہوگا' جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا۔ (ترمذی)۔ فرمان ہے جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا: پھر میں اپنی دعا کا آدھا وقت درود ہی میں خرچ کروں گا۔ فرمایا: جیسے تیری مرضی۔ اس نے کہا: پھر میں دو تہائی کرلوں۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہے۔ اس نے کہا: پھر تو میں اپنا سارا ہی وقت اس کے لئے کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے دنیا کے غم سے نجات دے دے گا۔ (ترمذی)
ابی بن کعب کا بیان ہے کہ آدھی رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلتے اور فرماتے ہلا دینے والی آرہی ہے اور اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی بھی ہے۔ حضرت ابی نے ایک مرتبہ کہا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں رات کو کچھ نماز پڑھا کرتا ہوں تو اس کا تہائی حصہ آپ پر درود پڑھتا رہوں۔ آپ نے فرمایا: آدھا حصہ انہوں نے دو تہائی کرلیا؟ فرمایا: دو تہائی کہا' اچھا میں پورا وقت اسی میں گزاروں گا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ تیرے تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ (ترمذی)

اسی روایت کی ایک اور سند میں ہے تہائی رات گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو اللہ کی یاد کرو۔ لوگو ذکر اللہ کرو۔ دیکھو کپکپا دینے والی آرہی ہے۔ موت اپنے ساتھ کل کی مصیبتوں اور آفتوں کو لئے آرہی ہے موت اپنے ساتھ تمام چیزوں کو لئے ہوئے آرہی ہے۔ حضرت ابیؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں۔ پس کتنا وقت اس میں گزاروں؟ آپ نے فرمایا: جتنا تو چاہے' کہا چوتھائی؟ فرمایا: جتنا چاہو اور زیادہ کرلو تو اور اچھا ہے۔ کہا آدھا؟ تو یہی جواب دیا۔ پوچھا: دو تہائی؟ تو یہی جواب ملا۔ کہا تو بس میں سارا وقت ہی اس میں گزاروں گا۔ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تجھے تیرے تمام غموں سے بچالے گا اور تیرے

[1] یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت جو بالکل عام ہے تو اس کو یہ کہہ کر کہ صرف ہم دو پر کرنا اور کسی پر نہ کرنا تنگ کر دیا۔

گناہ معاف فرمادے گا۔ (ترمذی)

ایک شخص نے آپ سے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اپنی تمام تر صلوٰت آپ ہی پر کردوں تو؟ آپ نے فرمایا: دنیا اور آخرت کے تمام مقاصد پورے ہو جائیں گے (مسند احمد)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ایک مرتبہ گھر سے نکلے میں ساتھ ہولیا۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ میں گئے۔ وہاں جا کر سجدے میں گر گئے اور اتنا لمبا سجدہ کیا' اس قدر دیر لگائی کہ مجھے تو کھٹکا گزرا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو۔ قریب جا کر آپ کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں آپ نے سر اٹھایا' مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے اپنی حالت ظاہر کی' فرمایا: بات یہ تھی کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا: میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ جناب باری عز اسمہ فرماتا ہے: جو تجھ پر درود بھیجے گا' میں بھی اس پر درود بھیجوں گا اور جو تجھ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔

(مسند احمد بن حنبل)

روایت میں ہے کہ یہ سجدہ اس امر پر اللہ کے شکریے کا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کام کے لئے نکلے۔ کوئی نہ تھا جو آپ کے ساتھ جاتا تو حضرت عمرؓ جلدی سے پیچھے پیچھے گئے۔ دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں۔ دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدے میں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے[1]۔ سنو! میرے پاس جبریل آئے اور فرمایا: آپ کی امت میں سے جو ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں اتارے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا (طبرانی) ایک مرتبہ آپ اپنے صحابہؓ کے پاس آئے' چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: ایک فرشتے نے آ کر مجھے یہ بشارت دی کہ میرا اُمتی جب مجھ پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر اتریں گی اسی طرح ایک سلام کے بدلے دس سلام (نسائی) اور روایت میں ہے کہ ایک درود کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔ دس گناہ معاف ہوں گے۔ دس درجے بڑھیں گے اور اسی کے مثل اسی پر لوٹایا جائے گا۔ (مسند احمد) جو شخص مجھ پر درود بھیجے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (مسلم وغیرہ) فرماتے ہیں مجھ پر درود بھیجا کرو۔ وہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ وہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ جو ایک شخص کو ہی ملے گا' کیا عجب کہ وہ میں ہی ہوں (احمد)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو درود بھیجتا ہے' اللہ اور اس کے فرشتے اس پر ستر درود بھیجتے ہیں۔ اب جو چاہے کم کرے اور جو چاہے زیادتی کرے۔ سنو! ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے۔ ایسے کہ گویا کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ تین بار فرمایا کہ میں امی نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے نہایت کھلا' بہت جامع اور ختم کر دینے والا کلام دیا گیا ہے۔ مجھے جہنم کے داروغوں کی' عرش کے اٹھانے والوں کی گنتی بتلا دی گئی ہے۔ مجھ پر خاص عنایت کی گئی ہے اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا فرمائی گئی ہے۔ جب تک میں تم میں موجود ہوں' سنتے اور مانتے رہو۔ جب مجھے میرا رب لے جائے تو تم کتاب کو مضبوط تھامے رہنا۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا (مسند احمد) فرماتے ہیں کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اسے چاہئے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ ایک مرتبہ درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (ابو طیالسی) ایک درود پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس گناہ معاف کراتا ہے۔ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا (ترمذی) اور روایت میں ہے' ایسا شخص سب سے بڑا بخیل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ انسان کو یہ بخل کافی ہے کہ میرا نام سن کر درود نہ پڑھے۔ فرماتے ہیں: وہ شخص برباد ہوا جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ وہ بھی برباد ہوا جس کی زندگی

[1] ورنہ اگر تم مخل ہوتے تو یقیناً سجدے کی کیفیت میں فرق پڑتا اور وہ کیف محسوس نہ ہوتا۔ جواب حاصل ہوا۔

میں رمضان آیا اور نکل جائے تک اس کے گناہ معاف نہ ہوئے[1] وہ بھی برباد ہوا۔ جس نے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کو پالیا۔ پھر بھی انہوں نے اسے جنت میں نہ پہنچایا[2]۔

یہ حدیثیں دلیل ہیں اس امر پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے۔ علما کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ جیسے طحاوی حلیمی وغیرہ۔ ابن ماجہ میں ہے جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا اس نے جنت کی راہ سے خطا کی۔ یہ حدیث مرسل ہے، لیکن پہلی حدیثوں سے اس کی پوری تقویت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں، مجلس میں ایک دفعہ تو واجب ہے۔ پھر مستحب ہے۔ چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کے ذکر اور درود کے بغیر اٹھ کھڑے ہوں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر وبال ہو جائے گی۔ اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے معاف کر دے اور روایت میں ذکر اللہ کا ذکر نہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ گو وہ جنت میں جائیں گے لیکن محرومی ثواب کے باعث انہیں سخت افسوس رہے گا۔ بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود واجب ہے ۔ پھر مستحب ہے۔ تا کہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب۔ جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں، بہت سے ایسے اوقات ہیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے۔ لیکن بعض وقت واجب ہے اور بعض جگہ واجب نہیں۔

① چنانچہ اذان سن کر۔ دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو مؤذن کہہ رہا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ ایک کے بدلے دس درود تم پر اللہ تعالیٰ بھیجے گا۔ پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ سنو جو میرے وسیلہ کی دعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلی درود کی زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے: اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمُقَرَّبَ الْمُقْتَرَبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی (مسند)۔ ابن عباسؓ سے دعا منقول ہے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

② مسجد میں جانے اور مسجد سے نکلنے کے وقت۔ چنانچہ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے تو درود و سلام پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلتے تو درود و سلام کے بعد اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ حضرت علی کا فرمان ہے: جب مسجد جاؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو۔

③ نماز کے آخرت قعدہ میں التحیات کا درود۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے، ہاں اول تشہد میں اسے کسی نے واجب نہیں کیا۔ البتہ مستحب ہونے کا ایک قول شافعی کا ہے۔ گو وہ دوسرا قول اس کے خلاف بھی انہیں سے مقبول ہے۔

④ جنازے کی نماز میں آپ پر درود پڑھنا۔ چنانچہ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھے، دوسری میں درود پڑھے اور تیسری میں میت کے لئے دعا کرے۔ چوتھی میں اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ پڑھے۔ ایک صحابی کا قول ہے:

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا موقعہ دیا تھا کہ وہ روزے رکھتا اور اس کی عبادت کے نتیجے میں اپنے تمام گناہ معاف کرالیتا۔ لیکن بدقسمتی سے سارا رمضان گزر گیا اور وہ روزے نہ رکھ سکا۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی خدمت کرتا تو جنت کا مستحق ہو جاتا۔ لیکن اس بدنصیب نے نہ خدمت کی اور نہ جنت کا مستحق ثابت ہوا۔

مسنون نماز جنازہ یوں ہے کہ امام تکبیر کہہ کر آہستہ الحمد پڑھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور جنازے کے لئے مخلصانہ دعا کرے اور تکبیر میں کچھ نہ پڑھے پھر آہستہ سلام پھیر دے (نسائی)۔

⑤ عید کی نماز میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہؓ کے پاس آ کر ولید بن عصبہ کہتا ہے کہ عید کا دن ہے بتاؤ تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ عبداللہ نے فرمایا: تکبیر تحریمہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کر اپنے نبی پر درود بھیج۔ پھر دعا مانگ۔ (۲) پھر تکبیر کہہ کر یہی کر (۳) پھر تکبیر کہہ کر یہی کر (۴) پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر قرأت کر۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر کھڑا ہو کر پڑھ اور اپنے رب کی حمد بیان کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھ اور دعا کر اور تکبیر کہہ اور اسی طرح کر۔ پھر رکوع جا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

⑥ دعا کے خاتمے پر ترمذی میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ دعا آسمان وزمین میں معلق رہتی ہے یہاں تک کہ تو درود پڑھے۔ تب چڑھتی ہے۔ ایک روایت مرفوع بھی اسی طرح کی آئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دعا کے اوّل میں اور درمیان میں اور آخر میں درود پڑھ لیا کرو۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث میں ہے کہ مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ کرلو کہ وہ جب اپنی ضروری تمام چیزیں لے لیتا ہے تو پانی کا کٹورہ بھر لیتا ہے۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو وضو کرلیا۔ پیاس لگی تو پی لیا ورنہ پانی بہا دیا۔ دعا کی ابتدا میں دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں مجھ پر درود پڑھا کرو۔ خصوصاً دعائے قنوت میں درود کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں: مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات سکھائے۔ جنہیں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں: اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔ (اہل سنن) نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ۔

⑦ جمعہ کے اور جمعہ کی رات میں۔ مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے۔ اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے۔ اسی میں بے ہوشی ہے، پس تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ تو زمین میں دفنا دیئے جائیں گے۔ پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد ونسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھو۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا: موت کے بعد بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں[1] روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابوالدرداء کو پایا نہیں واللہ اعلم۔ بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بکثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی۔ جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی جمعہ کے دن اور رات میں بھی درود کی کثرت کا حکم ہے۔

---

[1] یہ حیات کیسی ہے آیا دنیوی یا برزخی؟ جھگڑا بہت ہے لیکن بالکل بیکار کیونکہ حیات کا عقیدہ اور اس کی کیفیت پر یقین وایمان نہ اسلام ورنہ ایمان کے لئے ضروری ہے پھر بیکار کی باتوں پر قوت گویائی تحریر وتقریر کرنا صرف حماقت ہے۔

⑧ اسی طرح خطیب پر بھی دونوں خطبوں میں درود واجب ہے۔اس کے بغیر خطبے صحیح نہ ہوں گے۔اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس میں ذکر اللہ واجب ہے پس ذکر رسول بھی واجب ہوگا جیسے اذان ونماز۔شافعیؒ اور احمدؒ کا ہی مذہب ہے۔

⑨ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے وقت۔

ابوداؤد میں ہے' جو مجھ پر مسلمان سلام پڑھتا ہے۔اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے۔یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ابوداؤد میں ہے اپنے گھروں کو قبریں[1] نہ بناؤ۔میری قبر پر عرس[2] میلہ نہ لگاؤ۔ہاں مجھ پر درود پڑھو۔گو تم کہیں بھی ہو لیکن تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق اپنی کتاب افضل الصلوٰۃ میں ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص ہر صبح روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا تھا۔ایک دن اس سے علی بن حسین بن علی نے کہا: تم روز ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنا مجھے بہت محبوب ہے۔آپ نے فرمایا: سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناؤں۔میں نے اپنے باپ سے انہوں نے میرے دادا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری قبر پر عید نہ مناؤ[3]۔نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔جہاں کہیں ہو تم' وہیں سے مجھ پر درود وسلام بھیجو۔وہ مجھے پہنچ جاتے ہیں۔اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے۔جس کا نام مذکور نہیں اور سند سے یہ روایت ہے' حسن بن حسن بن علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے آپ کی قبر کے پاس کچھ لوگوں کو دیکھ کر انہیں یہ حدیث سنائی کہ آپ کی قبر پر میلہ لگانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ممکن ہے ان کی کسی بے ادبی کی وجہ سے یہ حدیث آپ کو سنانے کی ضرورت پڑی ہو۔وہ بلند آواز سے بول رہے ہوں۔یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر پے در پے آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو اور جو شخص اندلس میں ہو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے اعتبار سے بالکل یکساں ہیں۔

طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ خاص راز ہے۔اگر تم مجھ سے نہ پوچھتے تو میں بھی نہ بتاتا۔سنو! میرے ساتھ فرشتے مقرر ہیں۔جب میرا ذکر کسی مسلمان کے سامنے لایا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: اللہ اسے بخشے اور خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے رہتے ہیں' میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے۔اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجتا ہے مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔یہ حدیث سنداً صحیح نہیں۔محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے۔

⑩ ہمارے ساتھیوں کا قول ہے کہ احرام والا جب لبیک کر لے' تو اسے بھی درود پڑھنا چاہئے۔دارقطنی وغیرہ میں قاسم بن محمد ابوبکر صدیق کا فرمان ہے کہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا تھا۔صحیح سند سے حضرت فاروق اعظم کا قول ہے کہ جب تم مکہ پہنچو تو سات مرتبہ طواف کرو۔مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرو۔پھر صفا پر چڑھو' اتنا کہ وہاں سے بیت اللہ نظر آئے۔وہاں کھڑے رہ کر سات تکبیریں کہو۔ان کے درمیان اللہ کی حمد وثنا بیان کرو اور درود پڑھو اور اپنے لئے دعا کرو۔پھر مروہ پر بھی اسی طرح کرو۔

⑪ ہمارے ساتھیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ذبح کے وقت بھی اللہ کے نام کے ساتھ درود پڑھنا چاہئے۔آیت: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (سورۃ الم نشرح:۴) سے انہوں نے تائید پیش کی ہے۔کیونکہ اس کی تفسیر میں ہے کہ جہاں اللہ کا ذکر کیا جائے۔وہیں آپ کا نام بھی لیا

---

[1] یعنی نماز تلاوت قرآن مجید ذکر اللہ درود کے گھر میں چرچے رہنے چاہئیں۔ایسا نہ ہو کہ گھر قبرستان کی طرح ایک ''ہو'' کا عالم پیش کرتا ہو۔

[2] اور عرس اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو آپ اس کو اپنے لئے پسند کرتے۔اچھی چیز نہیں اس لئے آپ نے منع کر دیا۔اس لئے اب ہر ایک کے لئے عرس بدعت اور ایک مذموم طریقہ قرار دیا جائے گا۔

[3] یعنی میری قبر پر عرس وغیرہ کا اہتمام نہ کرنا۔

جائے گا۔ جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں صرف ذکر اللہ کافی ہے۔ جیسے کھانے کے وقت اور جماع کے وقت وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان اوقات میں درود کا پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں پر بھی صلوٰۃ وسلام بھیجو وہ بھی میری طرح اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں۔ عمر بن ہارون اور ان کے استاد۔

⑫ کان کی سنسناہٹ کے وقت بھی درود پڑھنا ایک حدیث میں ہے۔ اگر اس کی اسناد صحیح ثابت ہو جائے تو صحیح ابن خزیمہ میں ہے' جب تم میں سے کسی کے کان میں سرسراہٹ ہو تو مجھے ذکر کر کے درود پڑھے اور کہے کہ جس نے مجھے بھلائی سے یاد کیا اسے اللہ بھی یاد کرے۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کے ثبوت میں کافی تامل ہے۔

مسئلہ ☆ اہل کتاب اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب حضور کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم لکھے۔ ایک حدیث میں ہے' جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے' اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے' جب تک وہ کتاب رہے۔ لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ امام خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب آداب الراوی والسامع میں کہتے ہیں' میں نے امام احمد کی دستی لکھی ہوئی کتاب میں بہت جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا' جہاں درود لکھا ہوا نہ تھا۔ آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے۔

فصل ☆ نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے' جیسے حدیث میں ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ۔ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے' بعض تو اسے جائز بتلاتے ہیں اور دلیل میں آیت: ﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۳) اور ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۵۷) اور ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۳) پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی ادفیٰ فرماتے ہیں: جب میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقہ کا مال لائے تو آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى۔ (صحیحین)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجئے' تو آپ ﷺ نے فرمایا: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ لیکن جمہور علما اس کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیا کے سوا اوروں پر خاصۃً صلوٰۃ بھیجنا ممنوع ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے لئے اس قدر بہ کثرت ہو گیا کہ سنتے ہی ذہن میں یہی خیال جاتا ہے کہ یہ نام کسی نبی کا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ غیر نبی کیلئے یہ الفاظ نہ کہے جائیں۔ مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم یا علی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا جائے۔ گو معنا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جیسے محمد عزوجل نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ ذی عزت اور ذی مرتبہ آپ ﷺ بھی ہیں۔ اس لئے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مشہور ہو چکے ہیں اور کتاب وسنت میں صلوٰۃ کا لفظ غیر انبیا کیلئے استعمال ہوا ہے۔ وہ بطور دعا کے ہے۔ اسی وجہ سے آل ابی اوفیٰ کو اسکے بعد کسی نے ان الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ نہ حضرت جابرؓ اور ان کی بیوی کو۔ یہی مسلک ہمیں بھی افضل معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

بعض ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں' یعنی یہ کہ غیر انبیا کے لئے یہ الفاظ صلوٰۃ استعمال کرنا بد دینوں کا شیوہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کے حق میں یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پس ان کی اقتدا ہمیں نہ کرنی چاہئے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مخالفت کس درجہ کی ہے۔ حرمت کے طور پر یا کراہیت کے طور پر یا خلاف اولیٰ۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے کہ بدعتیوں کا طریقہ ہے۔ جس پر کاربند ہونا ہمیں ٹھیک نہیں اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو۔ زیادہ تر اعتبار اس میں اسی پر ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ سلف میں نبیوں پر ہی بولا جاتا رہا۔ جیسے کہ عزوجل کا لفظ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بولا جاتا رہا۔ اب رہا سلام' سو اس کے بارے میں شیخ ابو محمد جوینی فرماتے ہیں

کہ یہ بھی صلوٰۃ کے معنی میں ہے۔ پس غائب پر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور جو نبی نہ ہو اس کے لئے خاصۃً اسے بولا بھی نہ جائے۔ پس علی علیہ السلام نہ کہا جائے۔ زندوں اور مردوں کا یہی حکم ہے۔ ہاں جو سامنے موجود ہو اس سے خطاب کر کے سَلَامٌ عَلَيْكَ یا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ یا عَلَيْكُمْ کہنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عموماً مصنفین کے قلم سے علی علیہ السلام نکلتا ہے یا علی کرم اللہ وجہہ نکلتا ہے گو معناً اس میں کوئی حرج نہ ہو۔ لیکن اس سے اور صحابہؓ کی جناب میں ایک طرح سوءادبی پائی جاتی ہے[1]۔ ہمیں سب صحابہ کے ساتھ حسن عقیدت رکھنی چاہئے۔ یہ الفاظ تعظیم و تکریم کے ہیں۔ اس لئے حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق ان کے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور عثمانؓ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہئے۔ ہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبہ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کو جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اور خلفا اور امرا کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے ہے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے جو چاہیں دعائے رحمت کرتے رہیں۔ حضرت کعب کہتے ہیں: ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر قبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہو گی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے (فرع) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام ایک ساتھ بھیجئے چاہیں صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں کا ہی حکم ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں ○

لعنت ان پر:

جو لوگ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے نہ رک کر اس کی نافرمانیوں پر جم کر اسے ناراض

---

[1] ابن کثیر نے جو کچھ لکھا ہے احتیاطاً تو اسی میں ہے کہ ایسا کوئی انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں باہمی طور پر کوئی امتیاز کرنا مقصود ہو۔ لیکن اصل ممانعت حضرت علیؓ کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کے استعمال کرنے کی اس وقت ہے جب کہ کوئی بدنیت حضرت علیؓ کے لئے اس دعائیہ کلمہ کو ان کی دوسرے اصحاب پر فضیلت اور ترجیح کے لئے استعمال کرتا ہے۔

کررہے ہیں اور اس کے رسول کے ذمہ طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں۔ وہ ملعون اور معذب ہیں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ صحیحین میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے۔ وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں[1]۔ میں ہی دن رات کا ہیر پھیر کررہا ہوں۔ مطلب یہ جاہلیت والے کہا کرتے تھے ہائے زمانے کی ہلاکی اس نے ہمارے ساتھ یہ کیا اور یوں کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے افعال کو زمانے کی طرف منسوب کر کے پھر زمانے کو بُرا کہتے تھے۔ تو گویا افعال کے فاعل یعنی خود اللہ کو بُرا کہتے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تو اس پر بھی بعض لوگوں نے باتیں بنانی شروع کی تھیں۔ بقول ابن عباسؓ یہ آیت اس بارے میں اتری ہے۔ آیت عام ہے کسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دے وہ اس آیت کے تحت ملعون اور معذب ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینی گویا اللہ کو ایذا دینی ہے۔ جس طرح آپ کی اطاعت عین اطاعت اللہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو اللہ کو درمیان میں رکھ کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحاب کو میرے بعد نشانہ نہ بنالینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا۔ ان سے بغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے۔ انہیں جس نے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی' یقین مانو کہ اللہ اس کی بھوسی اڑا دے گا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ جو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں' جن سے وہ بری ہیں' وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گناہ گار ہیں اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔

پھر رافضی یعنی وہ' جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اللہ نے جن کی تعریفیں کی ہیں یہ انہیں برا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ وہ انصار مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح و ستائش موجود ہے۔ لیکن یہ بے خبر بد باطن انہیں برا کہتے ہیں۔ ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان کے متعلق وہ کچھ کہتے ہیں' جس کے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ زبانیں بھی الٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کو مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں؟ تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب؟ آپ نے فرمایا: جبھی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے (ترمذی وغیرہ)۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے سوال کیا کہ سب سے بڑی سود خوری کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔ آپ نے فرمایا: سب سے بڑا سود اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹

[1] یعنی انقلاباتِ زمانہ تو میرے تصرف کا نتیجہ ہے۔ کسی کے لئے اچھے حالات کا پیدا ہونا کسی کے لئے برے حالات کا سامنے آنا۔ شادی' غمی' موت و حیات' رنج' غم' ترقی تنزل' یہ زمانے کی کرشمہ کاریاں تھوڑی ہیں۔ یہ تو میرے تصرفات ہیں۔ بس اس کو جاننے کے بعد اب اگر کوئی یوں کہتا ہے کہ میاں دنیا کا یہ حال ہے۔ زمانہ ایسا بگڑا کیا ہے تو گویا کہ وہ مجھ کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سرسے) نیچے کرلیا کریں اپنے تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑا دیا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردوبدل نہ پاویں گے ○

یہ حجاب شرعی:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً سے فرماتا ہے کہ آپ مؤمن عورتوں سے فرمادیں' بالخصوص اپنی بیویوں سے اور صاحبزادیوں سے کیونکہ دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدرے لٹکالیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہو جائیں۔ اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے گی۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈال لیتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اپنے کسی کام کے لئے باہر نکلیں تو جو چادر اوڑھتی ہیں۔ اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سوال پر حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتلا دیا کہ یہ مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی چادر سے اپنا گلا ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اس آیت کے اترتے کے بعد انصار کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح چھپی چلتی تھیں کہ گویا ان کے سروں پر پرند ہیں[1] سیاہ چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کرتی تھیں۔ جب زہری سے سوال ہوا کہ کیا لونڈیاں بھی چادریں اوڑھیں؟ خواہ خاوندوں والی ہوں یا بے خاوندوں کی ہوں' فرمایا: دوپٹیا تو ضرور اوڑھیں اگر وہ خاوند والیاں ہوں اور چادر نہ اوڑھیں۔ تاکہ ان میں اور آزاد عورتوں میں فرق رہے۔

حضرت سفیانؒ سے منقول ہے کہ ذمی کافروں کی عورتوں کی زینت کا دیکھنا صرف خوف زنا کی وجہ سے ممنوع ہے اور ان کی حرمت وعزت کی وجہ سے کیونکہ آیت میں مؤمنوں کا ذکر ہے۔ چادر کا لٹکانا چونکہ علامت ہے آزاد پاک دامن عورتوں کی۔ اس لئے یہ چادر کے

[1] اور ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو نہایت احتیاط سے چلتا ہے کیونکہ اس کو خطرہ ہوتا ہے کہ اگر چلنے میں تیز رفتاری اختیار کی تو جانور اس حقیقت پر مطلع ہو کہ یہ درخت نہیں بلکہ ایک متحرک مخلوق سے اڑ جائے گا۔

لٹکانے سے پہچان لی جائیں گی کہ یہ نہ بدکار عورتیں ہیں نہ لونڈیاں ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ فاسق لوگ اندھیری راتوں میں راستے سے گزرنے والی عورتوں پر آوازے کستے تھے۔ اسلئے یہ تمیز ہوگئی کہ گھر گرہست عورتوں اور لونڈیوں باندیوں وغیرہ میں تمیز ہو جائے اور ان پاک دامن عورتوں پر کوئی لب نہ ہلا سکے۔ پھر فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے میں جو بے پردگی کی رسم تھی تو جب تم اللہ کے اس حکم کے عامل بن جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمام اگلی خطاؤں سے درگزر فرمالے گا اور تم پر مہر و کرم کرے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر منافق لوگ اور بدکار لوگ اور جھوٹی افواہیں دشمنوں کی چڑھائی وغیرہ کی اڑانے والے اب بھی باز نہ آئے اور حق کے طرف دار نہ ہوئے تو ہم اے نبی! تجھے ان پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر تو وہ مدینہ میں ٹھہر ہی نہ سکیں گے۔ بہت جلد تباہ کر دیئے جائیں اور جو کچھ دن ان کے مدینے کی اقامت کے گزریں گے وہ بھی لعنت و پھٹکار میں گزریں گے۔ ہر طرف سے دھتکارے جائیں گے۔ راندۂ درگاہ ہو جائیں گے۔ جہاں پائے جائیں گے، گرفتار کئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ایسے کفار و منافقین پر جب کہ وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئیں۔ مسلمانوں کو غلبہ دینا یہ ہماری قدیمی سنت ہے۔ جس میں نہ کبھی تغیر تبدیل ہوا نہ ہوگا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

یہ (سن کر) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ دعا کیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر' عجب نہیں کہ قیامت ہی واقع ہو جائے بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور رکھا ہے اور ان کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ یوں کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا۔ سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستہ سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے ○

ٹائم بم (الساعۃ):

لوگ یہ سمجھ کر قیامت کب آئے گی' اسکا علم حضورؐ کو ہے۔ آپ سے سوال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنے نبیؐ کی زبانی معلوم کرادیا کہ اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق علم نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سورہ اعراف میں بھی یہ بیان ہے اور اس سورت میں بھی۔ پہلی سورت مکے میں اتری تھی۔ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدا سے انتہا تک قیامت کے صحیح وقت کی تعیین آپ کو معلوم نہ تھی۔ ہاں اتنا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معلوم کرادیا تھا کہ قیامت قریب ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: اِقْتَرَبَتِ

السَّاعَةُ ﴾ (سورۂ قمر:۱) اور آیت میں ہے: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ (سورۂ انبیاء:۱) اور ﴿اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ (سورۂ نحل:۱) وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ان پر اپنی ابدی لعنت نازل فرمائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے جہنم تیار ہے۔ جو بڑی بھڑ کنے والی چیز ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں۔ نہ کبھی نکل سکیں گے نہ چھوٹ سکیں گے اور وہاں نہ کوئی اپنا فریادرس پائیں گے نہ کوئی دوست و مددگار جو انہیں چھڑا لے یا بچا سکے۔ یہ جہنم میں منہ کے بل ڈالے جائیں گے۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم اللہ و رسول کے تابع ہوتے۔ میدان قیامت میں بھی ان کی تمنا یہی رہے گی۔ ہاتھوں کو بچاتے ہوئے کہیں گے کہ کاش ہم قرآن کے عامل ہوتے۔ کاش کہ میں نے فلاں کو دوست بنالیا ہوتا۔ اس نے تو مجھے قرآن و حدیث سے بہکا دیا۔ فی الواقع شیطان انسان کو ذلیل کرنے والا ہے۔

اور آیت میں ہے: ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴾ (سورۂ حجر:۲) عنقریب کفار آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ اس وقت کہیں گے کہ خدایا! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے علماء کی پیروی کی۔ امرا اور بڑے لوگوں اور مشائخ کے پیچھے لگے اور رسول کا خلاف کیا اور یہ سمجھا کہ ہمارے بڑے راہ راست پر ہیں۔ ان کے پاس حق ہے۔ آج ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ کچھ نہ تھے۔ انہوں نے تو ہمیں بہکا دیا۔ پروردگار تو انہیں دوہرا عذاب کر۔ ایک تو ان کے اپنے کفر کا' ایک ہمیں برباد کرنے کا اور ان پر بدترین لعنت نازل کر۔ ایک قرأت میں کبیرًا سے بدلے کثیرًا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

صحیحین میں ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی' جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّاِنَّهٗ وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ' یعنی خدایا! میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر سکتا۔ پس تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر' تو بڑا ہی رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اس حدیث میں بھی ظُلْمًا كَثِيْرًا اور كَبِيْرًا دونوں ہی ہیں' بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دعا میں كَثِيْرًا كَبِيْرًا دونوں لفظ ملائے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں بلکہ ٹھیک یہ ہے' کبھی کثیرًا کہے کبھی کبیرًا۔ دونوں لفظوں میں سے جسے چاہے اختیار ہے۔ جیسے کہ آیت میں دونوں قراءتوں میں سے جسے چاہے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن دونوں کو جمع نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔ حضرت علی کا ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم اللہ کے ہاں جا کر یہ کہو گے کہ ربنآ انا اطعنا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا' جنہوں نے (کچھ تہمت تراش کر) موسیٰ کو ایذا دی۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ نے بری ثابت کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز ہیں ○

موسیٰ علیہ السلام پر ایک تہمت:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ہی شرمیلے اور بڑے باحیا تھے۔ یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا کتاب التفسیر میں۔ تو امام صاحب اس حدیث کو اتنی ہی مختصر لائے ہیں۔ لیکن احادیث انبیا کے بیان میں اسے مطول لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ بوجہ شرم و حیا کے اپنا بدن ننگا نہیں کر سکتے تھے۔ بنو اسرائیل نے آپ کے ایذا کے درپے ہو گئے اور یہ اڑا دیا کہ چونکہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں یا ان کے بیضے بڑھ گئے ہیں یا کوئی آفت ہے۔ اس وجہ سے یہ اس قدر پردہ داری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا

ارادہ ہوا کہ یہ بدگمانی آپ سے دور کر دے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں ننگے نہا رہے تھے۔ ایک پتھر پر آپ نے کپڑے رکھ دیئے تھے۔ جب غسل سے فارغ ہو کر آئے' کپڑے لینے چاہے تو پتھر آگے کو سرک گیا۔ آپ اپنی لکڑی لئے اس کے پیچھے گئے' وہ دوڑنے لگا۔ آپ بھی اے پتھر میرے کپڑے' میرے کپڑے کہتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔ بنی اسرائیل کی جماعت ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جب آپ وہاں تک پہنچ گئے تو اللہ کے حکم سے پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے۔ بنو اسرائیل نے آپ کے تمام جسم کو دیکھ لیا اور جو غلط باتیں ان کے کانوں میں پڑی تھیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بری کر دیا۔ غصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین چار یا پانچ لکڑیاں پتھر پر ماری تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: واللہ ان کی لکڑیوں کے نشان اس پتھر پر پڑ گئے۔ اس براءت وغیرہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث مسلم میں نہیں۔ یہ روایت بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ بعض روایتیں موقوف بھی ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام پہاڑ پر گئے تھے۔ جہاں حضرت ہارونؑ انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کی طرف بدگمانی کی اور آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ پروردگار عالم نے فرشتوں کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا لائے اور بنو اسرائیل کی مجلس کے پاس سے گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زبان دی اور قدرتی موت کا اظہار کیا۔ ان کی قبر کا صحیح نشان نامعلوم ہے۔ صرف اس ٹیلے کا لوگوں کا علم ہے اور وہی ان کی قبر کی جگہ جانتے ہیں۔ لیکن بے زبان ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ایذا یہی ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ ایذا ہو' جس کا بیان پہلے گزرا۔ لیکن میں کہتا ہوں' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اور وہ دونوں ہوں بلکہ ان کے سوا اور بھی ایذائیں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ تقسیم کیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا: اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے جب یہ سنا تو میں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! میں تیری اس بات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے۔ لیکن صبر کیا۔ (بخاری و مسلم)

روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام ارشاد تھا کہ کوئی بھی میرے پاس کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں آ کر بیٹھوں تو میرے دل میں کسی طرف سے کوئی بات چبھتی نہ ہو۔ ایک مرتبہ کچھ مال آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ دو شخص اس کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ان کے پاس سے گزرے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ واللہ اس تقسیم سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی خوشی کا ارادہ کیا نہ آخرت کے گھر کا۔ میں ٹھہر گیا اور دونوں کی باتیں سنیں۔ پھر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ کسی کی کوئی بات میرے سامنے نہ لایا کرو۔ ابھی کا واقعہ ہے کہ میں جا رہا تھا' جو فلاں اور فلاں سے میں نے یہ باتیں سنیں۔ اسے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور آپ پر یہ بات بہت ہی ناگوار گزری۔ پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا: عبداللہ جانے دو۔ دیکھو موسیٰ اس سے زیادہ ستائے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر کیا۔ قرآن فرماتا ہے: موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے۔ مستجاب الدعوۃ تھے۔ جو دعا کرتے تھے' قبول ہوتی تھی۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوا۔ اس لئے کہ یہ طاقت انسانی سے خارج تھا۔ سب سے بڑھ کر ان کی وجاہت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بھی عطا فرمائی فرماتا ہے: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ (سورہ مریم: ۵۳) ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا ○

عظیم الشان کامیابی:

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کی ہدایت کرتا ہے۔ ان سے فرماتا ہے کہ اس طرح وہ اس کی عبادت کریں کہ گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور بات بالکل صاف سیدھی' اینچ پینچ بغیر سچی اور بھلی بولا کریں۔ جب وہ دل میں تقویٰ زبان پر سچائی اختیار کر لینگے۔ تو اسکے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں اعمال صالح کی توفیق دے گا اور انکے تمام گناہ معاف فرما دے گا بلکہ آئندہ کیلئے استغفار کی توفیق دے گا تا کہ گناہ باقی نہ رہ جائیں۔ اللہ رسول کے فرمانبردار سچے کامیاب ہیں' جہنم سے دور اور جنت سے سرفراز ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد مردوں کی طرف متوجہ ہو حضورؐ نے فرمایا: مجھے اللہ کا حکم ہوا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور سیدھی بات بولنے کا حکم دوں۔ پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر بھی یہی فرمایا (ابن ابی حاتم) ابن ابی الدنیا کی کتاب التقویٰ میں ہے کہ حضورؐ ہمیشہ منبر پر ہر خطبے میں یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس کی سند غریب ہے۔ ابن عباس کا قول ہے: جسے یہ بات پسند ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں۔ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ عکرمہ فرماتے ہیں: سیدھی بات قول سدید ہے' یہ سب قول سدید میں داخل ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو منزلہ امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمے لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات کو سزا دے گا اور مومنین و مومنات پر توجہ و (رحمت) فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ○

ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں:

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا۔ لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو لینے سے انکار کرتے ہیں۔ اب تم کہو۔ آپ نے پوچھا: خدایا! اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا: اگر بجا لاؤ گے تو ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا: میں تیار ہوں۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں۔ دوسروں پر جو پیش کیا تھا وہ بطور حکم کے نہ تھا۔ بلکہ جواب طلب کیا تھا۔ تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھی۔ بلکہ

اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے اللہ کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں۔ لیکن انسان جو کہ بھولا تھا' اس نے بار امانت کو خوشی خوشی اٹھا لیا۔ آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔ حضرت ابی کا بیان ہے کہ عورت کی پاک دامنی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ قتادہ کا قول ہے' دین فرائض حدود سب اللہ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض ہے۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں: تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں' غسل جنابت اور روزہ اور نماز۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں سب کی سب امانت اللہ تعالیٰ میں داخل ہیں۔ کل احکام کو بجالانے کل ممنوعات سے پرہیز کرنے کا انسان مکلف ہے جو بجالائے گا ثواب پائے گا۔ جہاں گناہ کرے گا' سزا پائے گا۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی اور زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے اللہ کی امانت برداشت نہ کر سکا۔ جب اس نے یہ معلوم کر لیا' کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہو گا۔ زمین باوجود صلابت اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کر دی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔ مقاتل فرماتے ہیں: پہلے آسمانوں نے جواب دیا اور کہا: یوں ہم مطیع ہیں لیکن ہاں بس کی یہ بات نہیں۔ کیونکہ عدم تعمیل کی صورت میں خطرہ بہت بڑا ہے۔ پھر زمین سے کہا گیا کہ اگر پوری اتری تو فضل و کرم سے نوازوں گا۔ لیکن اس نے کہا: یوں تو ہر طرح تابع فرمان ہوں۔ جو فرمایا جائے عمل کروں۔ میری وسعت سے تو یہ باہر ہے۔ پھر پہاڑوں سے کہا گیا: انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ نافرمانی تو ہم کرنے کے نہیں۔ امانت ڈال دی جائے تو اٹھا لیں گے۔ لیکن یہ بس کی بات نہیں۔ ہمیں معاف فرمایا جائے۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا گیا۔ انہوں نے کہا: خدایا! اگر پورا اتروں تو کیا ملے گا؟ فرمایا: بڑی بزرگی اور جنت ملے گی۔ رحم و کرم ہو گا اور اگر اطاعت نہ کی تو نافرمانی کی سخت سزا ہو گی اور آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے کہا: خدایا! منظور ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: آسمان نے کہا: میں نے ستاروں کو جگہ دی' فرشتوں کو اٹھا لیا' لیکن یہ نہیں اٹھا سکوں گا۔ یہ تو فرائض کا تحمل ہے جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ زمین نے کہا: مجھ میں تو نے درخت بوئے دریا جاری کئے۔ لوگوں کو بسائے گا لیکن یہ امانت میرے بس کی نہیں میں نے فرض کیا پابند ہو کر ثواب کی امید پر عذاب کے احتمال کو نہیں اٹھا سکتی۔ پہاڑوں نے بھی یہی کہا۔ لیکن انسان نے اسے بڑھ کر اٹھا لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک وہ گریہ وزاری کرتے رہے اور اپنی بے بسی بتلاتے رہے۔ لیکن انسان نے اسے ذمے لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: اب سن! اگر تو نیک نیت رہا' تو میری اعانت ہمیشہ تیرے شامل حال رہے گی۔ تیری آنکھوں پر میں دو پلکیں کر دیتا ہوں کہ میری ناراضگی کی چیزوں سے تو انہیں بند کر لے۔ میں تیری زبان پر دو ہونٹ بنا دیتا ہوں کہ جب وہ میری مرضی کے خلاف بولنا چاہے تو تو اسے بند کر لے۔ تیری شرم گاہ کی حفاظت کے لئے میں لباس اتارتا ہوں کہ میری مرضی کے خلاف تو اسے نہ کھولے۔ زمین و آسمان نے ثواب و عذاب سے انکار کر دیا اور فرمانبرداری میں مسخر رہے' لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ ایک بالکل غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ امانت اور وفا انسان پر نبیوں کی معرفت نازل ہوئیں۔ اللہ کا کلام ان کی زبانوں پر اترا۔ نبیوں کی سنتوں سے انہوں نے ہر بھلائی برائی معلوم کر لی۔ ہر شخص کی نیکی بدی کو جان گیا۔ یاد رکھو! سب سے پہلے لوگوں میں امانت داری تھی۔ پھر وفا اور عہد کی نگرانی اور ذمہ داری کو پورا کرنا تھا۔ امانتداری کے دھندلے سے نشان لوگوں کے دلوں پر رہ گئے۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ عالم عمل کرتے ہیں۔ جاہل جاتے ہیں' لیکن انجان بن رہے ہیں۔ اب یہ امانت و وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ یاد رکھو اللہ اسی کو ہلاک

کرتا ہے جو خود کو ہلاک کر لے۔ اسے چھوڑ کر غفلت میں پڑ جائے۔ لوگو! ہوشیار رہو۔ دیکھتے بھالتے رہو۔ شیطانی وسوسوں سے بچو۔ اللہ تمہیں آزما رہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص ایمان کے ساتھ ان چیزوں کو لائے گا' جنت میں جائے گا۔ پانچوں وقت کی نماز کی حفاظت کرتا ہو وضو رکوع' سجدہ اور وقت کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ دل کی خوشی کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہو۔ سنو! یہ اللہ پر بغیر ایمان کے ہو ہی نہیں سکتا اور امانت کو ادا کرے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ امانت کی ادائیگی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: جنابت کا غسل پس اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اپنے دین میں سے کسی چیز کی اس کے سوا امانت نہیں دی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کی راہ کا قتل تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ مگر امانت کی خیانت کو نہیں مٹاتا۔ ان خائنوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا۔ جاؤ ان کی امانتیں ادا کرو۔ یہ جواب دیں گے: خدایا! کہاں سے ادا کریں؟ دُنیا تو جاتی رہی۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوگا۔ پھر حکم ہوگا کہ انہیں ان کی ماں ہاویہ میں لے جاؤ۔ فرشتے دھکے دیتے ہوئے گرا دیں گے تلے تک پہنچیں گے تو پاؤں پھسل جائے گا۔ پھر گر پڑیں گے اور جہنم کے نیچے تک گرتے چلے جائیں گے۔ پھر لائیں گے پر گریں گے۔ ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے۔ امانت وضو میں بھی ہے نماز میں بھی ہے۔ امانت بات چیت میں بھی ہے اور ان سب سے زیادہ امانت ان چیزوں میں ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائیں۔ حضرت براءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعودؓ یہ کیا حدیث بیان فرما رہے ہیں تو آپ نے اس کی تصدیق کی کہ ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سنی ہیں۔ ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا انتظار ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا: امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی۔ پھر قرآن اترا' حدیثیں بیان ہوئیں۔ پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کی بابت فرمایا: انسان سوئے گا' جو اسکے دل سے امانت اٹھ جائیگی اور ایسا نشان رہ جائیگا' جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھک کر آ گیا ہو اور پھپھولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھایا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فرخت کیا کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا۔ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقل مند کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے۔ حالانکہ اُسکے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: دیکھو اس سے پہلے تو میں ہر ایک سے ادھار سدھار کر لیا کرتا تھا۔ کیونکہ اگر مسلمان ہے تو خود وہ میرا حق مجھے دے جائے گا اور یہود نصرانی ہے تو حکومت اسلام مجھے اس سے دلوائے گی۔ لیکن اب تو صرف فلاں فلاں کو ہی ادھار دیتا ہوں۔ باقی بند کر دیا۔ (مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں فرمانِ رسولؐ ہے کہ چار باتیں جب تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں۔ ① امانت کی حفاظت۔ ② بات چیت کی صداقت ③ حسن اخلاق اور ④ وجہ حلال کی روزی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد میں ہے کہ جب ابن حکیم حضرت زیاد کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے ان کے منہ سے باتوں ہی باتوں میں نکل گیا' قسم ہے امانت کی' اس پر حضرت زیاد رونے لگے اور بہت روئے۔ میں ڈر گیا کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا۔ میں نے کہا: کیا وہ اسے مکروہ جانتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت عمرؓ بن خطاب اسے بہت مکروہ جانتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہم سے نہیں جو امانت کی قسم کھائے۔ امانت داری جو حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ منافق مرد و عورت اور مشرک مرد و عورت' یعنی وہ جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر تھے اور وہ جو اندر باہر یکساں کافر تھے۔ انہیں تو سخت سزا ملے اور مؤمن مرد و عورت پر رحمت اللہ نازل ہو۔ جو اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کے رسول کو مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سچے فرماں بردار رہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

سُورَۃُ سَبَا

سُورَۃُ سَبَإٍ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۶ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۵۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ②

تمام تر حمد وثنا اس اللہ کو سزاوار ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کو حمد (ثنا) آخرت میں (بھی) سزاوار ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً) بارش اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) رحیم (اور) غفور (بھی) ہے ○

العفور الرحیم:

چونکہ دنیا اور آخرت کی سب نعمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ ساری حکومتوں کا حاکم وہی ایک ہے۔ اس لئے ہر قسم کی تعریف وثنا کا مستحق بھی وہی ہے۔ وہی معبود ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اس کے لئے دنیا اور آخرت کی حمد وثنا سزاوار ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی طرف سب لوٹائے جاتے ہیں۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اس کی ماتحتی میں ہے۔ جتنے بھی ہیں سب اس کے غلام ہیں۔ اس کے قبضے میں ہیں سب پر تصرف اسی کا ہے۔

جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی﴾ (سورۂ لیل: ۱۳) آخرت میں اسی کی تعریفیں ہوں گی۔ وہ اپنے اقوال و افعال اور تقدیر سب میں حکومتوں والا ہے اور ایسا خبردار ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔ جو اپنے احکام میں حکیم جو اپنی مخلوق سے باخبر جتنے قطرے بارش کے زمین میں جاتے ہیں۔ جتنے دانے اس میں بوئے جاتے ہیں۔ اس کے علم سے باہر نہیں۔ ہر چیز کی گنتی کیفیت اور صفت اسے معلوم ہے۔ آسمان سے جو بارش برستی ہے اس کے قطروں کی گنتی بھی اس کے علم میں محفوظ ہے۔ جو زمین سے نکلتا ہے اُگتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ اس کے محیط وسیع اور بے پایاں علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ جو رزق وہاں سے اترتا ہے اس کے لم سے نیک اعمال وغیرہ جو آسمان پر چڑھتے ہیں وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اس

وجہ سے ان کے گناہوں پر اطلاع رکھتے ہوئے بھی انہیں جلدی سے سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں اور برائیاں چھوڑ دیں۔ رب کی طرف رجوع کرلیں' پھر غفور ہے۔ ادھر بندہ جھکا' رویا پیٹا' ادھر اس نے بخش دیا معاف فرما دیا' درگزر کر دیا۔ توبہ کرنے والا دھتکارا نہیں جاتا۔ توکل کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں قسم ہے پروردگار عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آئے گی اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکور) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں (مرقوم ہے) تاکہ ان لوگوں کو صلہ نیک دے جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک کام کئے (سو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (بہشت میں) عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کی تھی ہرانے کے لئے' ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا اور جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے غالب محمود (کی رضا) کا رستہ بتلاتا ہے ○

ایک ایک ذرّہ کا نگران کار:

پورے قرآن میں تین آیتیں ہیں جہاں قیامت کے آنے پر قسم کھا کر بیان فرمایا گیا ہے ایک تو سورۂ یونس میں ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ (سورۂ یونس: ۵۳) لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا قیامت کا آنا حق ہی ہے تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ یقیناً حق ہی ہے اور تم اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے۔ دوسری آیت یہی ہے۔ تیسری آیت سورہ تغابن میں ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ﴾ (سورۂ تغابن: ۷) یعنی کفار کا کیال ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے

[1] یعنی بد آدمی کو خود اپنی فکر ہوتی ہے۔ اپنے آرام اور راحت کا کس درجہ خیال کرتا ہے۔ اپنی ترقی کے کتنے راستے نکالتا ہے۔ خوش حال ہونے کی کیا کیا تدبیر سوچتا ہے۔ مصائب سے محفوظ رہنے کے لئے کون کون سی راہیں تجویز کرتا ہے۔ گویا ہر خیر کو چاہتا ہے اور ہر شر سے محفوظ رہنا اس کا مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن وہ ارحم الراحمین اس انسان پر خود اس سے زیادہ رحیم ہے۔

جائیں گے تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر اپنے اعمال کی خبر دیئے جاؤ گے اور یہ تو اللہ پر بالکل ہی آسان ہے۔ پس یہاں بھی کافروں کے انکار قیامت کا ذکر کر کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جواب قسمیہ بتلا کر پھر اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو عالم الغیب ہے جس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں' سب اس کے علم میں ہے گو سڑ گل جائیں ان کے ریزے متفرق ہو جائیں' لیکن وہ کہاں ہیں؟ کتنے ہیں؟ سب وہ جانتا ہے۔ وہ ان سب کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے جیسا کہ ابتداء ان کے پیدا کرنے پر قادر تھا۔ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور تمام چیزیں اس کے پاس اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔

پھر قیامت کے آنے کی حکمت بیان فرمائی' تاکہ ایمان والوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے۔ وہ مغفرت اور رزق کریم سے نوازے جائیں اور جنہوں نے اللہ کی باتوں سے ضد کی' رسولوں کی نہ مانی' انہیں بدترین اور سخت سزائیں ہوں گی نیکوکار مومن جزا اور بدکار کفار سزا پائیں۔ جیسے فرمایا: جہنمی اور جنتی برابر نہیں۔ جنتی کامیاب اور فلاح یاب ہیں اور آیت میں ہے: ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (سورۂ ص:۲۸) یعنی مومن اور مفسد' متقی اور فاجر برابر نہیں۔

پھر قیامت کی ایک اور حکمت بیان فرمائی کہ ایماندار بھی قیامت کے دن نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل کر لیں گے اور اس وقت کہہ اٹھیں گے کہ ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے اور اس وقت کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ اللہ نے تو کہہ دیا تھا کہ تم قیامت تک رہو گے تو اب قیامت کا دن آ چکا۔ وہ اللہ عزیز ہے۔ یعنی بلند جناب والا' بڑی سرکار والا ہے۔ بہت عزت والا ہے۔ پورے غلبے والا ہے۔ نہ اس پر کسی کا بس نہ کسی کا زور ہر چیز اس کے سامنے پست اور عاجز۔ وہ قابل تعریف ہے اپنے اقوال و افعال شرح و فعل ان تمام میں اس کی ساری مخلوق اس کی ثنا خواں ہے۔ جل وعلا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۞

اور یہ کافر (آپس میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں جو کہ تم کو یہ عجیب خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت کو) ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ معلوم نہیں اس شخص نے اللہ پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہو گیا ہے بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہی) عذاب اور دور دراز گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔ تو کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی' جو انکے آگے بھی اور ان کے پیچھے بھی موجود ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس (دلیل مذکور) میں (قدرت الٰہی کی) پوری دلیل ہے (مگر) اس جذبے کے لئے جو (اللہ کی طرف) متوجہ (بھی) ہو ○

اریب عقل:

کافر اور ملحد جو قیامت کے آنے کو محال جانتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نبی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے کفریہ کلمات کا ذکر ہو

رہا ہے کہ وہ آپس میں کہتے تھے لو اور سنو! ہم میں ایک صاحب ہیں' جو فرماتے ہیں کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد بھی ہم زندہ کیے جائیں گے۔ اس شخص کی نسبت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ ہوش وحواس کی درستی میں وہ عمداً اللہ کے ذمے ایک جھوٹ بول رہا ہے اور جو اس نے نہیں فرمایا' وہ اس کی طرف نسبت کر کے یہ کہہ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو اس کا دماغ خراب ہے۔ مجنوں ہے' بے سوچے سمجھے جو جی میں آیا کہہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ نیک ہیں راہ یافتہ ہیں دانا ہیں صاحب بصیرت ہیں۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ منکر لوگ جہالت اور بے سمجھی سے کام لے رہے ہیں اور غور وفکر سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ایک انکار سیکھ لیا ہے۔ جسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حق بات اور سیدھی راہ ان سے چھوٹ جاتی ہے اور بہت دور نکل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کیا اس کی قدرت میں تم کوئی کمی دیکھ رہے ہیں۔ جس نے محیط آسمان اور بسیط زمین پیدا کر دی۔ جہاں جاؤ نہ آسمان کا سایہ چھوٹے نہ زمین کا فرش جیسے فرمان ہے: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ (سورۂ ذاریات:۱۸) ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں۔ زمین کو ہم نے ہی بچھایا اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ آگے دیکھو تو اور پیچھے دیکھو تو اسی طرح دائیں نظر ڈالو تو اور بائیں طرف التفات کرو تو' وسیع آسمان اور بسیط زمین نظر آئے گی۔ اتنی بڑی مخلوق کا خالق' اتنا بڑا زبردست قادر کیا تم جیسی چھوٹی سی مخلوق کو فنا کر کے پھر پیدا کرنے پر قدرت کھو بیٹھا؟ وہ تو قادر ہے۔ اگر چاہے تمہیں زمین میں دھنسا دے یا آسمان تم پر توڑ دے۔ یقیناً تمہارے ظلم اور گناہ اسی قابل ہیں۔ لیکن اللہ کا حلم اور عفو ہے کہ وہ تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جس میں عقل ہو۔ جس میں دور بینی ہو۔ جس میں غور وفکر کی عادت ہو۔ جس کی اللہ کی طرف جھکنے والی طبیعت ہو۔ جس کے سینے میں دل' دل میں حکمت اور حکمت میں نور ہو۔ وہ تو ان زبردست نشانات کو دیکھنے کے بعد اس قادر خالق اللہ کی اس قدرت میں شک کر ہی نہیں سکتا کہ مرنے کے بعد پھر جینا ہے۔ آسمانوں جیسے شامیانے اور زمینوں جیسے فرش جس نے پیدا کر دیئے۔ اس پر انسان کی پیدائش کیا مشکل ہے؟ جس نے ہڈیوں گوشت اور کھال کو ابتداء پیدا کیا۔ اسے ان کے سڑ گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر جھڑ جانے کے بعد اکٹھا کر کے اُٹھا بٹھانا کیا مشکل ہے؟

اسی کو اور آیت میں فرمایا: ﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ﴾ (سورۂ یٰسین:۸۱) یعنی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بے شک قادر ہے اور آیت میں ہے: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ مؤمن:۵۷) یعنی انسانوں کی پیدائش سے بہت زیادہ مشکل تو آسمان و زمین کی پیدائش ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے علم برتتے ہیں۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا

الْحَدِيدَ ﴿١٠﴾ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١﴾

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو۔ میں تمہارے سب کے اعمال دیکھ رہا ہوں ○

فضائل داؤد علیہ السلام ☆

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دینوی اور اُخروی رحمت نازل فرمائی۔ نبوت بھی دی۔ بادشاہت بھی' لاؤ لشکر بھی دیئے۔ طاقت وقوت بھی دی۔ پھر ایک پاکیزہ معجزہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمۂ داؤدی ہوا میں گونجا۔ ادھر پہاڑوں کو اور پرندوں کو بھی وجد آ گیا۔ پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد وثنا شروع کی۔ پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی اپنی قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے۔ دیر تک سنتے رہے۔ پھر فرمانے لگے: انہیں نغمۂ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے۔ ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ اَوِّبِی کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو۔ لیکن ہمارے نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے۔ لغت عرب میں یہ لفظ ترجیح کے معنی میں موجود ہے۔ پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت داؤدؑ کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملا لیا کریں۔ تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے سریٰ کے معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ لیکن یہ معنی یہاں کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتے۔ یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤد علیہ السلام کی تسبیح کی آواز میں تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا۔ نہ انہیں لوہے کی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑا مارنے کی حاجت۔ ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ نرم و نازک ریشم۔ اب اس لوہے سے بہ فرمان خداوندی آپ زرہیں بناتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپ ہی نے ایجاد کی۔ ہر روز ایک زرہ بناتے' چھ ہزار میں بک جاتی۔ دو ہزار گھر بار کے خرچ کے لئے رکھ لیتے' چار ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں' حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں' بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے۔ بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ان سے ملاقات ہوئی تو اوروں سے پوچھتے: ان سے بھی سوال کیا؟ انہوں نے کہا: داؤد ہے تو اچھا آدمی' لیکن اگر ایک کمی اس میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہے۔ خود بھی اس میں سے لیتا ہے اور اپنے اہل

عیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ خدایا مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھا دے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتا دے جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانی سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا سب سے پہلے زرہیں آپ نے ہی بنائی ہیں۔ ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے۔ ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کے لئے ایک صدقہ کے لئے ایک رکھ چھوڑنے کے لئے' تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو نغمہ دیا گیا تھا' وہ بے نظیر تھا۔ اللہ کی کتاب پڑھنے بیٹھتے' آواز نکلتے ہی چرند پرند وحوش طیور پہاڑ کنکر سب وجد میں آ جاتے اور ہر چیز صبر سکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ میں مشغول ہو جاتی۔ سارے باجے شیاطین نے نغمہ داؤدی سے نکالے ہیں۔ آپ کی بے مثل خوش آوازی کی یہ چڑاونی نقلیں ہیں۔

اپنی ان نعمتوں کو بیان فرما کر حکم دیتا ہے کہ اب تمہیں بھی چاہئے کہ نیک اعمال کرتے رہو۔ میرے فرمان کا خلاف نہ کرو۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں' اس کی فرماں برداری ترک کر دی جائے۔ میں تمہارے اعمال کا نگران ہوں۔ تمہارا کوئی عمل چھوٹا بڑا نیک و بد مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی راہ ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم سے اور ان میں سے جو شخص ہمارے (اس) حکم سے سرتابی کرے گا ہم (اس کو آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے۔ وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے ہیں جو ان کو بنوانا منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی ہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوئے ہیں ○

[1] حالانکہ داؤد علیہ السلام کے نغمے عبرت دلانے والے تھے' مگر شیطان نے ان سے بڑا کام لیا۔ ایسا ہے کہ کوئی نماز کو ریا کا ذریعہ' روزہ کو نمائش کا وسیلہ' زکوٰۃ کو داد و دہش کا باب' حج کو سیر و سیاحت کا طریقہ بنائے۔ پس جیسے اس جیسے اس شخص نے یہاں تریاق سے زہر کا کام لیا۔ اسی طرح ملعون شیطان نے نغمۂ داؤد سے برائیوں کی اشاعت کی۔

سلیمان علیہ السلام کا اُڑن کھٹولہ:

حضرت داؤد علیہ السلام پر جو نعمتیں رہیں۔ ان کا بیان کر کے پھر آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ پر جو نعمتیں کی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کے لئے ہوا کو تابع فرمان بنا دیا۔ مہینے بھر کی راہ صبح ہی صبح طے ہو جاتی اور اتنی ہی مسافت کا سر شام کو ہو جاتا۔ مثلاً دمشق سے تخت مع فوج و اسباب کے اڑا یا اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیا۔ جو تیز سوار کے لئے بھی مہینے بھر کا سفر تھا۔ اسی طرح شام کو وہاں سے تخت اڑا اور شام ہی کو کابل پہنچ گیا[1]۔ تانبے کو بطور پانی کے کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے چشمے بہا دیئے تھے[2]۔ کہ جس کام میں جس طرح جس وقت لانا چاہیں بلا دقت لایا کریں۔ تانبا انہی کے وقت سے کام میں آ رہا ہے۔ سدیؒ کا قول ہے کہ تین دن تک یہ بہتا رہا۔ جنات کو ان کی ماتحتی میں کر دیا۔ جو وہ چاہتے اپنے سامنے ان سے کام لیتے ان میں سے جو جن احکام سلیمانی کی تعمیل سے جی چراتا فوراً آگ سے جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنات کی تین قسمیں ہیں: ایک تو پردار ہے۔ دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں تیسری قسم وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اترتے ہیں وغیرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ابن نعم سے روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کے لئے تو عذاب ثواب ہے۔ ایک آسمان و زمین میں اڑتے رہتے ہیں۔ ایک سانپ و کتے ہیں۔ انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا۔ جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا اور ایک قسم مثل چوپایوں کی ہے بلکہ ان سے بدتر اور تیسری قسم انسانی صورتوں میں شیطانی دل رکھنے والے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں[3] اور انسان حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ دونوں میں مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی۔ عذاب ثواب میں دونوں شریک ہیں۔ دونوں کے ایماندار ولی اللہ ہیں اور دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں۔ محاریب کہتے ہیں بہترین عمارتوں کو۔ گھر کے بہترین حصے کو مجلس کی صدارت کی جگہ کو بقول مجاہد ان عمارتوں کو جو محلات سے کم درجہ کی ہوں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں: مسجدوں کو۔ قتادہ کہتے ہیں بڑے بڑے محل اور مسجدوں کو ابن زید کہتے ہیں گھروں کو۔ تماثیل کہتے ہیں تصویروں کو یہ تانبے کی تھیں۔ بقول قتادہ وہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔ جواب جمع سے جابیۃ کی۔ جابیہ اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ یہ مثل تالاب کے تھیں۔ بہت بڑے بڑے لگن تھے تاکہ سلیمانؑ کی بہت بڑی فوج کے لئے کھانا بیک وقت بہت سا تیار ہو سکے اور ان کے سامنے لایا جا سکے اور جمی ہوئی دیگیں جو بھاری اور بڑی ہونے کی وجہ سے ادھر اُدھر نہیں کی جا سکتیں تھیں۔ ان سے اللہ نے فرما دیا تھا کہ دین و دنیا کی جو نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں ان پر میرا شکر کرو۔ شکر مصدر ہے بغیر فعل کے یا مفعول لہٗ ہے اور دونوں تقدیروں پر اس میں دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور ارادہ سے ہوتا ہے، فعل سے بھی ہوتا ہے۔

اَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّیْ ثَلَاثَةً ☆ يَدِیْ وَلِسَانِیْ الضَّمِيْرُ الْمُحْجَبَا

اس میں بھی شاعر نعمتوں کا شکر تینوں طرح مانتا ہے۔ فعل سے زبان سے اور دل سے۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی سے منقول ہے کہ

---

[1] تیز رفتار جہازوں کی موجودگی میں اب اس معجزہ سلیمانی کا انکار کون کر سکتا ہے؟

[2] فولاد کو پگھلا کر پانی کی صورت میں منتقل کرنے کے جو رائج وسیع ترقیوں کے ساتھ آج دنیائے سائنس کا حیرت انگیز کارنامہ ہیں۔ ان کی ابتدا گویا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ پیغمبر پہلے ہی کر چکا تھا۔

[3] اور یہ شبہ ہو کہ شیطان کی اولاد ہیں اور مؤمن کیسے ہو گئے۔ کیونکہ اگر یہ معاملہ کچھ تعجب انگیز ہے تو پھر اس پر حیرت کیوں نہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں اور پھر کافر۔

نماز بھی شکر ہے اور روزہ بھی شکر ہے بھلا عمل' جسے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے' شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں: شکر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیک عمل ہے۔ آل داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتی تھی۔ قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ ثابت بنانی فرماتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا۔ صحیحین میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی۔ آپ آدھی رات سوتے' تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سورہتے۔ اسی طرح سب روزوں سے زیادہ محبوب روزے بھی اللہ تعالیٰ کو آپ ہی کے تھے۔ آپ ایک دن روزے سے رہتے اور ایک دن بے روزہ۔ ایک خوبی آپ میں یہ تھی کہ دشمن سے جہاد کے وقت منہ نہ پھیرتے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا کہ رات کو بہت سویا نہ کرو رات کی زیادہ نیند انسان کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مطول حدیث ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ رب العٰلمین تیرا شکر کیسے ادا ہو گا' شکر گزاری خود تیری ایک نعمت ہے۔ جواب ملا' داؤدؑ اب تو نے میری شکر گزاری ادا کر لی' جب کہ تو نے اسے جان لیا کہ کل نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔ پھر ایک واقعہ کی خبر دی جاتی ہے بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے ○

سلیمان علیہ السلام کی وفات اور شیاطین کی بے بسی:

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ جو جنات ان کے فرمان کے ماتحت کام کاج میں مصروف تھے' ان پر ان کی موت کیسے نامعلوم رہی۔ وہ انتقال کے بعد بھی لکڑی کو ٹیکے کھڑے رہے اور یہ انہیں زندہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے اپنے سخت کاموں میں مشغول رہے۔

مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ تقریباً سال بھر[1] اسی طرح گزرا۔ جس لکڑی کے سہارے آپ کھڑے تھے جب اسے دیمک چاٹ

[1] ممی لگا کر انسانی جسموں کو صدیوں محفوظ رکھنے کا طریقہ مشہور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت نے سلیمان علیہ السلام کی نعش مبارک کے ساتھ کوئی ایسا ہی معاملہ کیا ہو تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

☆ ''ممی لگا کر'' سے صاحب حواشی کا مقصد دراصل یہ کہنا ہے کہ مصر میں یہ رواج عام تھا کہ جب کوئی بڑا شخص وفات پا جاتا تو اُس کی نعش کو کچھ کیمیکلز لگا کر ایسے طریقے پر حنوط کر دیا جاتا تھا کہ وہ نعش صدیوں بعد بھی تقریباً ویسے ہی محفوظ ہیں اُنہی نعشوں کو (ممی) کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں ایک برطانوی نے مصریوں کے ہی اس طریقے کے مطابق جو کہ کتابوں میں مذکور ہے اپنی نعش کو ممی بنوانے کا کہا جو ابھی چند سال قبل ملی ہے اور بالکل محفوظ تھی۔ (ابوعبداللہ)

گئی اور وہ کھوکھلی ہوگئی تو آپ گر پڑے۔اب جنات اور انسان کو آپ کی موت کا پتہ چلا تب تو نہ صرف انسانوں کو بلکہ خود جنات کو بھی یقین ہو گیا کہ ان میں کوئی بھی غیب دان نہیں ۔ایک مرفوع منکر اور غریب حدیث میں ہے۔لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں۔فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ جب نماز پڑھتے تو ایک درخت اپنے سامنے دیکھتے۔اس سے پوچھتے تو کیسا درخت ہے تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتا دیتا' آپ اسے اسی استعمال میں لاتے ایک مرتبہ جب نماز کو کھڑے ہوئے اور اسی طرح ایک درخت دیکھا تو پوچھا تیرا نام کیا ہے؟اس نے کہا: ضروب۔پوچھا: کس لئے ہے؟ کہا: اس گھر کو اجاڑنے کے لئے تب آپ نے دعا مانگی کہ خدایا میری موت کی خبر جنات پر ظاہر نہ ہونے دے۔تاکہ انسانوں کو یقین ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔اب آپ لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور جنات کو نہایت مشکل کام سونپ دیئے۔آپ کا انتقال ہو گیا۔لیکن لکڑی کے سہارے آپ ویسے ہی کھڑے رہے۔جنات دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں۔اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔ایک سال کامل ہو گیا۔چونکہ دیمک آپ کی لکڑی کو چاٹ رہی تھی۔سال بھر گزرنے کے بعد وہ اسے کھا گئی اور اب حضرت سلیمانؑ گر پڑے اور انسانوں نے جان لیا کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ورنہ سال بھر تک اس مصیبت میں نہ رہتے۔لیکن اس کے راوی عطا بن مسلم خراسانی کی بعض حدیثوں میں نکارت ہوتی تھی۔

بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عادت تھی آپ سال سال دو دو سال یا کم و بیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے۔آخری مرتبہ انتقال کے وقت آپ بیت المقدس میں تھے۔ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا۔آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے وہ بتاتا۔آپ اسی کام میں لیتے۔بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا' جس نے اپنا نام ضروبہ بتایا۔کہا تو کس مطلب کیا ہے؟ کہا: اس مسجد کو اجاڑنے کے لئے۔حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے۔فرمانے لگے: میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہو گی نہیں۔البتہ تو میری موت اور ویرانی کے لئے ہے۔چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا۔مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی۔وہیں انتقال ہو گیا لیکن کسی کو علم نہ ہوا۔شیاطین سب کے سب اپنی ڈیوٹی بجالاتے رہے کہ ایسا نہ ہو' ہم سستی کریں اور اللہ کے رسولؑ آ جائیں تو ہمیں سزا دیں۔یہ محراب کے آگے پیچھے آئے۔ان میں جو ایک بہت بڑا شیطان تھا۔اس نے کہا دیکھو اس میں آگے اور پیچھے سوراخ ہیں۔اگر میں یہاں جا کر وہاں نکل آؤں تو میری طاقت مانو گے یا نہیں؟

چنانچہ وہ گیا اور نکل آیا۔لیکن اسے حضرت سلیمانؑ کی آواز نہ آئی۔دیکھ تو سکتے نہ تھے۔کیونکہ حضرت سلیمان کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتے ہی وہ مر جاتے تھے لیکن اس کے دل میں کچھ خیال سا گزرا۔اس نے پھر اور جرأت کی اور مسجد میں چلا گیا۔دیکھا کہ وہاں جانے کے بعد بھی وہ نہ جلا تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ گر پڑے ہیں اور انتقال فرما چکے ہیں۔اب آ کر سب کو خبر دی' لوگ آئے' محراب کو کھولا تو واقعی اللہ تعالیٰ کے رسولؑ کو زندہ نہ پایا۔آپ کو مسجد سے نکال لائے۔مدت انتقال کا علم حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اسی لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈال دیا۔ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا' اسے دیکھ کر اندازہ گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا ہے۔تمام لوگوں کو اس وقت یقین ہو گیا کہ جنات جو کہتے تھے کہ ہم غیب کی خبریں جانتے ہیں' یہ محض ڈھونگ تھا۔ورنہ سال بھر تک کیوں مصیبت پیٹتے رہتے اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں۔گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔کہا یہ بھی تھا کہ اگر تو کچھ کھاتا پیتا ہوتا تو ہم تجھے بہتر غذا پہنچاتے لیکن ہیں یہ سب باتیں بنی اسرائیل کے علماء کی ہیں ان میں سے جو مطابق حق ہوں قبول' خلاف حق ہوں مردود۔دونوں سے الگ ہوں' وہ تصدیق کے قابل نہ تکذیب کے۔واللہ اعلم۔

حضرت زید بن اسلم سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت سے مجھے کچھ پہلے بتا دینا۔ حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کر دی۔ یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا۔ حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر گئے۔ پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے۔ جنات ادھر اُدھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے۔ لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا۔ جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ سہار سکی اور آپ گر پڑے۔ جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بھی بہت سے سلف سے یہ منقول ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۭ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ⑮ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ⑯ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ⑰

سبا کے لوگوں کے لئے ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں نشانیاں موجود تھیں دو قطاریں تھیں۔ باغ کے دائیں اور بائیں اپنے رب کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار سو انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دے دیئے۔ جن میں دو چیزیں رہ گئیں۔ بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا ناسپاسی ہی کو دیا کرتے ہیں ○

قوم سبا:

قوم سبا یمن میں رہتی تھی۔ تبع بھی ان میں سے ہی تھے۔ بلقیس بھی ان ہی میں سے تھیں۔ یہ بڑی نعمتوں اور راحتوں میں تھے چین آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ کے رسول ان کے پاس آئے۔ انہیں شکر کرنے کی تلقین کی۔ رب کی وحدانیت کی طرف بلایا۔ اس کی عبادتیں سمجھائیں۔ تو کچھ زمانے تک یونہی رہے۔ لیکن پھر جب کہ انہوں نے سرتابی اور روگردانی کی۔ احکام اللہ بے پروائی سے ٹال دیئے تو ان پر زور کا سیلاب آیا اور تمام ملک اور باغات اور کھیتیاں وغیرہ ہلاک و برباد ہو گئیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ ایک مرد تھا' جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں۔ مذحج' کندہ، ازد، اشعری، انماد، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں۔ (مسند احمد)

فردو بن مسیک فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ نہ مانیں' تب جہاد کی تیاری کرنا۔ میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ اس

پر آپ نے جو جواب دیا وہ تقریباً وہی ہے جو مذکور ہوا۔اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ اسمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔ایک اور طویل روایت میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اسی کے ساتھ ہے کہ حضرت فردہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے زمانے میں قوم سبا کی عزت تھی، مجھے اب ان کے ارتداد کا خوف ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے جہاد کروں۔آپ نے فرمایا: ان کے بارے میں مجھے حکم نہیں دیا گیا۔پس یہ آیت اتری الخ۔لیکن اس میں غرابت ہے۔اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ آیت مدنی ہے۔حالانکہ سورت مکیہ ہے۔

محمد بن اسحق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔عبدشمس بن یعرب بن قحطان، اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کے قید کرنے کا رواج نکالا اور اسی نے سب سے پہلے مال غنیمت کو فوجیوں میں تقسیم کرنے کا رواج نکالا۔اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں۔مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔یہ بھی مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ کی پیش گوئی کی تھی کہ ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہوگا۔جو حرم کی عزت کرے گا۔اس کے بعد اس کے خلفاء ہوں گے جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی اور قحطان کے نیک بادشاہ بھی ہوں گے۔اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام احمد ہوگا۔کاش کہ میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پالیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔لوگو جب بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملاقات کرے، اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے۔(اکلیل ہمدانی) قحطان کے بارے میں تین قول ہیں۔ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے۔دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔تیسرا یہ کہ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔ان سب کو تفصیل کے ساتھ حافظ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانباہ میں ذکر کیا ہے۔بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ سبا عرب میں سے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی نسل سے عرب ہوئے، ان کا نسلِ ابراہیمی میں سے ہونا مشہور نہیں واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے، قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا: اے اولاد! اسمٰعیل تیراندازی کئے جاؤ، تمہارے والد بھی پورے تیرانداز تھے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسل خلیل الرحمٰن تک پہنچتا ہے۔اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے۔سبا کی اولاد ہیں۔یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے تھے۔جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہوگیا۔ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی۔دوسری شام چلی گئی۔انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس نام کی پانی والی ایک جگہ پر ٹھیرے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنوئیں کا نام غسان تھا۔یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں۔اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں۔کیونکہ بعض بعض دو دو تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے۔یہ شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے یہ بھی سیلاب آنے کے بعد کا ذکر ہے بعض وہیں رہے۔بعض ادھر ادھر چلے گئے۔

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے۔جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے۔اسی طرح نالے بھی اور دریا بھی ادھر اُدھر سے آتے تھے۔ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک

مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا۔ جس دیوار کی وجہ سے پانی اِدھر اُدھر ہو گیا تھا اور خوبصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات کھیتیاں لگادی تھیں۔ پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا ابھرا رہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ کوئی عورت اپنے سر پر جھلی رکھ کر چلتی تھی۔ کچھ دور جانے تک وہ جھلی پھلوں سے بالکل بھر جاتی تھی۔ درختوں سے جو پھل خود بخود جھڑتے تھے۔ وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔ یہ دیوار مارب میں تھی' جو صفا سے تین منزل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔ آب وہوا کی عمدگی' صحت مزاج اور اعتدال عنایت خداوندی سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی مچھر اور زہریلے جانور بھی نہ ہوتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور اس کی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔ یہ تھی وہ نشانی قدرت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آبادبستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں ان سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو۔ لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلا دیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسا کہ ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ ﴿جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ﴾ (سورۂ نمل:۲۲) یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے۔ جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں اور عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ متمکن ہے۔ شہزادی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ بے راہ ہو رہے ہیں۔

منقول ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبران کے پاس آئے تھے۔ بالآخر شامت اعمال رنگ لائی۔ جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی۔ اسے چوہوں نے اندر سے کھوکھلا کر دیا اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئی۔ پانی کی ریل پیل ہوگئی۔ ان دریاؤں کے' چشموں کے' بارش کے اور نالوں کے سب پانی آ گئے۔ ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ برباد ہوگئیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت اگتا ہی نہ تھا۔ پیلو کے جھاڑ کے کیکر کے ببول کے اور ایسے ہی بے میوہ بدمزہ بے کار درخت اگتے تھے۔

ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے۔ جو نسبتاً درختوں سے کار آمد تھے۔ لیکن وہ بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھلدار تھے۔ یہ تھا ان کے کفر وشرک' سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زحمتوں میں مبتلا ہو گئے۔ کافروں کو یہی اور اس جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابن خیرہؒ فرماتے ہیں: گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے۔ روزگار میں تنگی واقع ہو۔ لذتیں ختم ہو جائیں۔ یعنی جہاں کسی راحت کا مزہ دیکھا کہ کوئی زحمت آ پڑی مزہ تلخ ہو گیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

من یقنت (۲۲)

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا کہ بے خوف و خطر ان میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔ سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور (علاوہ) اس ناشکری کے انہوں نے (اور بھی نافرمانیاں کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو ہم نے انکو افسانہ بنا دیا اور انکو تتر بتر کر دیا۔ بے شک اس (قصہ) میں ہر صابر شاکر (مؤمن) کیلئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں ○

فراموش کردہ فسانہ:

ان پر جو نعمتیں تھیں ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قریب قریب آبادیاں تھیں۔ کسی مسافر کو اپنے سفر میں توشہ یا پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ہر منزل پر پختہ مزیدار تازہ میوے خوشگوار میٹھا پانی موجود۔ رات کسی بستی میں بھی گزار لیں اور راحت و آرام امن و امان سے جائیں آئیں۔ کہتے ہیں کہ بستیاں صنعا کے قریب و جوار میں تھیں۔ باعد کی دوسری قرأت بَعِّدَ ہے۔

اس راحت و آرام سے پھول گئے اور جس طرح بنو اسرائیل نے من و سلویٰ کے بدلے لہسن پیاز وغیرہ طلب کیا تھا۔ انہوں نے بھی دور دراز کے سفر طے کرنے کی تمنا کی۔ تاکہ درمیان میں جنگل بھی آئے غیر آباد جگہیں بھی آئیں۔ تو نئے بھتے کا لطف بھی آئے۔ قوم موسیٰ کی اس طلب نے ان پر ذلت و مسکنت ڈالی۔ اسی طرح انہیں بھی فراخی روزی کے بعد ہلاکت ملی۔ بھوک اور خوف میں آئے۔ اطمینان اور امن غارت ہوا۔ انہوں نے کفر کر کے خود اپنا ہی بگاڑا۔ اب ان کی کہانیاں رہ گئیں۔ لوگوں میں ان کے افسانے رہ گئے۔ تتر بتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ جو قوم تین تیرہ ہو جائے تو عرب میں انہیں سبائیوں کی مثل سناتے ہیں۔ عکرمہؒ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا۔ جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائداد بہت ساری تھی۔ اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے؟

آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آئی۔ اس کے سسرال کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی علاوہ جری ہونے کے مالدار تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا: سنو! کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے۔ میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا۔ میں تجھے برا کہوں گا۔ تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا۔ میں اٹھ کر تجھ کو تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا۔ اس نے کہا: ابا جی! مجھ سے یہ کام کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا: تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تجھے میرا حکم ماننا چاہئے۔ اس نے اقرار کیا۔ دوسرے دن جب کہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے۔ اس نے اپنے لڑکے سے کسی کام کو کہا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں۔ یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا۔ لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا اور غضب ناک ہوا اور کہنے لگا' چھری لاؤ۔ میں اسے ذبح کروں گا۔ تمام لوگ گھبرا گئے۔ ہر چند سمجھایا یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا۔ لوگ دوڑے بھاگے اور لڑکے کی ننھیال والوں کو خبر کی۔ وہ سب آ گئے۔ اول تو منت سماجت سے منوانا چاہا۔ لیکن یہ کب مانتا تھا۔ انہوں نے کہا: آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے۔ اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے سزا دیجئے۔ لیکن اس نے کہا: میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ ذبح کروں گا۔ انہوں نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے۔

اس نے کہا: اچھا' جب یہ یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں ایسے شہر میں رہنا نہیں چاہتا' جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں۔ مجھ سے میرے مکانات جائدادیں اور زمینیں خرید لیں۔ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سب کچھ

بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس سے اپنی قوم کو خبر دی کہ سنو عذاب اللہ آ رہا ہے' زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے۔ اب تم میں سے جو محنت کر کے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو' وہ تو عمان چلا جائے اور جو کچھ کھانے پینے کا شوقین ہو' وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو' وہ مدینے چلا جائے۔ قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا' جسے جو باتیں پسند آئیں' وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا۔ بعض عمان کی طرف بعض بصرہ کی طرف بعض مدینے کی طرف۔ اس طرف تین قبیلے چلے تھے: اوس، خزرج اور بنو عثمان۔ جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا: ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ اب ہم آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ یہیں بس جائیں گے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس اور خزرج مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا۔

یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے' جس کاہن کا اس میں ذکر ہے' اس کا نام عمر بن عامر ہے۔ یہ یمن کا ایک سردار ہے اور سبا کے بڑے لوگوں میں تھا اور ان کا کاہن تھا سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ سب سے پہلے یہی یمن سے نکلا تھا۔ اسلئے کہ سد مارب کو کھوکھلا کرتے ہوئے اس نے چوہوں کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اب یمن کی خیر نہیں۔ یہ دیوار گری اور سیلاب سب تہہ و بالا کر دے گا تو اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو وہ فریب سکھایا' جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اس نے اس وقت غصے میں کہا کہ میں ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ میں اپنی جائیدادیں اور زمینیں اسی وقت بیچتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: عمرو کے اس غصے کو غنیمت جانو۔ چنانچہ سستا مہنگا سب کچھ بیچ ڈالا اور فارغ ہو کر چل پڑا۔ قبیلہ اسد بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں ملکہ ان سے لڑے۔ برابر برابر کی لڑائی رہی۔ جس کا ذکر عباس بن مرداس اسلمی کے شعروں میں بھی ہے۔ پھر یہ یہاں سے چل کر مختلف شہروں میں پہنچ گئے۔ آل جفنتہ بن عمر بن عامر شام میں گئے۔ اوس اور خزرج مدینے میں۔ خزاعہ مرا میں۔ ازدِ سراۃ سراۃ میں۔ ازدِ عمان عمان میں۔ یہاں تند و تیز سیلاب آیا جس نے مارب کے بند کو توڑ دیا۔ سدی نے اس قصے میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مقابلے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ بھتیجے کو کہا تھا۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اس کی عورت جس کا نام ظریفہ تھا اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے سب کو بتلائی تھی اور روایت میں ہے کہ عمان میں غسانی اور ازد بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ باوجود میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ریل پیل پھلوں اور کھیتوں کی بے شمار روزی کے سیل عرم سے یہ حالت ہو گئی کہ ایک ایک لقمے کو اور ایک ایک بوند پانی کو ترس گئے۔ یہ پکڑ اور عذاب' یہ تنگی اور سزا' جو انہیں دی گئی' اس سے ہر صابر و شاکر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کس طرح انسان کو گھیر لیتی ہیں عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتی ہیں۔ مصیبتوں پر صبر نعمتوں پر شکر کرنے والے اس میں دلائل قدرت پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لئے حیرت ناک فیصلہ کیا ہے۔ اگر راحت ملے اور یہ شکر کرے تو اجر پائے اور اگر مصیبت پہنچے اور صبر کرے تو اجر پائے۔ غرض مؤمن کو ہر حالت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔ ان کا ہر کام نیک ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ساتھ جو لقمہ اٹھا کر یہ اپنی بیوی کے منہ میں دے۔ اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے (مسند احمد)۔

صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں: تعجب ہے کہ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے' اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ نعمت تو صرف مؤمن ہی کو حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت میں بہتری اور بھلائی ہوتی ہے۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں: صبر و شکر کرنے والا بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾

اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں اپنا گمان صحیح پایا کہ یہ سب اسی کی راہ پر ہو گئے ۔مگر ایمان والوں کا گروہ اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغواہے) اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ۔ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرتا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز کا نگراں ہے ○

فریبِ ابلیس:

سبا کے قصے کے بیان کے بعد شیطان کے فریب میں آئے ہوئے لوگوں کا عام طور پر ذکر فرماتا ہے کہ وہ ہدایت کے بدلے ضلالت بھلائی کے بدلے بُرائی لے لیتے ہیں۔ابلیس نے راندہ درگاہ ہو کر جو کہا تھا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو ہر طرح برباد کرنے کی کوشش کروں گا اور تھوڑی سی جماعت کے باقی سب لوگوں کو تیری سیدھی راہ سے بھٹکا دوں گا۔اس نے یہ کہہ کر کر دکھایا اور اولاد آدمؑ کو اپنے پنجے میں پھانس لیا۔جب حضرت آدمؑ وحوا اپنی خطا کی وجہ سے اتار دیئے گئے اور ابلیس لعین بھی ان کے ساتھ اترا۔اس وقت وہ بہت خوش ہوا تھا اور جی میں اٹھلا رہا تھا کہ انہیں میں نے بہکا لیا تو ان کی اولاد کو تباہ کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔اس خبیث کا قول تھا کہ میں ابن آدم کو سبز باغ دکھاتا رہوں گا۔غفلت میں رکھوں گا۔طرح طرح سے دھوکے دوں گا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھوں گا۔جس کے جواب میں جناب باری جل جلالہ نے فرمایا تھا: مجھے بھی اپنی عزت کی قسم موت کے غرغرے سے پہلے جب کبھی وہ توبہ کرے گا میں فوراً قبول کر لوں گا۔وہ مجھے جب پکارے گا میں اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔مجھ سے جب کبھی جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔مجھ سے جب وہ بخشش طلب کرے گا میں اسے بخش دوں گا۔(ابن ابی حاتم)

اس کا کوئی غلبہ حجت زبردستی' مار پیٹ انسان پر نہ تھی۔صرف دھوکہ فریب اور مکر بازی تھی۔جس میں یہ سب پھنس گئے۔اس میں حکمت خداوندی یہ تھی کہ مؤمن و کافر ظاہر ہو جائیں۔حجت اللہ ختم ہو جائے۔آخرت کو ماننے والے شیطان کو نہیں مانیں گے۔اس کی مان کر رحمٰن کی اتباع نہیں کریں گے۔اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔مؤمنوں کی جماعت اس کی حفاظت کا سہارا لیتی ہے۔اس لئے ابلیس ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور کافروں کی جماعت خود اللہ کو چھوڑ دیتی ہے۔اس لئے ان پر سے اللہ تعالیٰ کی نگہبانی ہٹ جاتی ہے اور وہ شیطان کے ہر فریب کا شکار بن جاتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ؀۲۳

آپ فرمایئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا (دخیل خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں کوئی اللہ کا کسی کام میں مددگار ہے اور اللہ کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی۔ مگر اس کے لئے جس کی نسبت (شفیع کو) اجازت دے دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا پروردگار نے کیا حکم فرمایا' وہ کہتے ہیں کہ (فلانی) حق بات کا حکم فرمایا ہے اور وہ عالیشان سب سے بڑا ہے ○

اللہ ایک ہے:

بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے واحد فرد ہے صمد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی نظیر نہیں۔ وہ شریک سے بری اور بے مثل ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ساتھی نہیں مشیر نہیں' وزیر نہیں مددگار و پشتیبان نہیں۔ پھر ضد کرنے والا اور خلاف کہنے والا تو کہاں؟ جن جن کو پکارا کرتے ہو پکار کر دیکھ لو۔ معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایک ذرے کے بھی مختار نہیں۔ محض بے بس اور بالکل محتاج و عاجز ہیں۔ نہ زمینوں میں ان کی کچھ چلے نہ آسمانوں میں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ (سورۂ مؤمن: ۱۳) کہ وہ ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں اور یہی نہیں کہ انہیں خود اختیاری حکومت نہ ہو نہ سہی شرکت کے طور پر ہی ہو' نہیں شرکت کے طور پر بھی نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لیتا ہے۔ بلکہ یہ سب کے سب فقیر محتاج ہیں۔ اس کے در کے غلام اور اس کے بندے ہیں۔ اس کی عزت و کبریائی' عظمت و بڑائی ایسی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی جرأت نہیں کہ اس کے سامنے کسی سفارش کے لئے بھی جرأت کر سکے جیسے فرمان ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۵۵) کون ہے جو اس کے سامنے کسی کی سفارش بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے اور آیت میں ہے: ﴿كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ (سورۂ نجم: ۲۶) یعنی آسمانوں کے کل فرشتے بھی اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لئے لب ہلا نہیں سکتے' مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی سے اجازت دے دے اور جگہ فرمان ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (سورۂ انبیاء: ۲۸) وہ لوگ ان کی سفارش کر سکتے ہیں' جن کے لئے اللہ کی رضامندی ہو۔ وہ تو خود ہی اس کے خوف سے تھرا رہے ہوں گے۔ تمام اولاد آدم کے سردار سب سے بڑے شفیع لے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئے اور مخلوق کے فیصلے کرے۔ اس وقت کی نسبت آپ فرماتے ہیں: میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک سجدے میں پڑا رہوں گا۔ اس سجدے میں اپنے رب کی اس قدر تعریف بیان کروں گا کہ اس وقت تو وہ الفاظ بھی مجھے معلوم نہیں۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھایئے' آپ بات کیجئے' آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ مانگئے آپ کو دیا جائے گا۔ آپ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔

رب کی عظمت کا ایک اور مقام بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی وحی میں کلام کرتا ہے اور آسمانوں کے مقرب فرشتے اسے سنتے ہیں' تو ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور غشی والے کی طرح ہو جاتے ہیں۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ ہٹ جاتی ہے۔ فُزِّعَ کی دوسری آیت فُرِّغَ بھی آئی ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے تو اب آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت رب کا کیا حکم

نازل ہوا؟ پس اہل عرش اپنے پاس والوں کو وہ یونہی درجہ بدرجہ حکم اللہ پہنچا دیتے ہیں۔ بلاکم و کاست ٹھیک ٹھیک اسی طرح پہنچا دیتے ہیں۔ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سکرات کا وقت آتا ہے اس وقت مشرک یہ کہتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن بھی جب اپنی غفلت سے چونکیں گے اور ہوش و حواس قائم ہو جائیں گے' اس وقت یہ کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب ملے گا: حق فرمایا اور جس چیز سے دنیا میں بے فکر تھے' آج ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ تو دلوں سے گھبراہٹ دور کر دیئے جانے کے یہ معنی ہوئے کہ جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ اس وقت سب شک و تکذیب الگ ہو جائے گی۔ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے۔ اس وقت رب کی مدتوں کی حقانیت تسلیم کریں گے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے قائل ہوں گے۔ پس نہ تو موت کے وقت کا اقرار نفع دے نہ قیامت کے میدان کا اقرار فائدہ پہنچائے۔ لیکن امام ابن جریر کے نزدیک پہلی تفسیر ہی راجح ہے یعنی مراد اس سے فرشتے ہیں اور یہی ٹھیک ہے اور اس کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ آسمان میں کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں اور رب کا کلام ایسا واقع ہوتا ہے جیسے اس زنجیر کی آواز جو پتھر پر بجائی جاتی ہے۔ جب ہیبت کم ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اس وقت کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو فرمایا: حق ہے اور وہ علی و کبیر ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کی غرض سے گئے ہوں گے اور جو تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں وہ کوئی کلمہ سن لیتے ہیں اور اوپر والا نیچے والے کو وہ اپنے سے نیچے والے کو سنا دیتا ہے اور وہ کاہنوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں ان کے پیچھے فوراً ان کے جلانے کو آگ کا شعلہ لپکتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی تو وہ آئے اس سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہنچا دیتا ہے اور کبھی پہنچائے' اس سے پہلے ہی جلا دیا جاتا ہے۔ کاہن اس ایک کلمے کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے۔ لوگ اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ دیکھو یہ بات اس کے کہنے کے مطابق ہی ہوئی۔

مسند میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ جھڑا اور زبردست روشنی ہوگئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے جھڑنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا؟ ہم اس موقع پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ زہریؒ سے سوال ہوا کہ کیا جاہلیت کے زمانے میں بھی ستارے جھڑے تھے۔ کہا: ہاں لیکن بہت کم اور آپ کی بعثت کے زمانے میں تو ان میں بہت زیادتی ہوگئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: سنو! انہیں کسی کی موت و حیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارا رب تبارک و تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملان عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر ساتویں آسمان والے پھر چھٹے آسمان والے' یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر عرش کے پاس کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتلاتے ہیں پھر ہر نیچے والا اوپر والے سے پوچھتا ہے اور وہ اسے بتلاتا ہے۔ یہاں تک آسمان اول والوں کو خبر پہنچتی ہے۔ کبھی اچک لے جانے والے جنات اسے سن لیتے ہیں۔ تو ان پر یہ ستارے جھڑتے ہیں۔ تاہم جو بات اللہ کو پہنچانی ہوتی ہے اسے وہ لے اڑتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت کچھ باطل اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شہرت دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے' اللہ تعالیٰ جب اس امر کی وحی کرتا ہے تو آسمان مارے خوف کے کپکپا اٹھتے ہیں اور فرشتے ہیبت زدہ ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور اللہ کا فرمان سنتے ہیں۔ پھر ان کی زبانی اور فرشتے

سنتے ہیں اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا۔ وہ بلندی اور بڑائی والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا امین فرشتہ جس طرف ہوا سے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ سے منقول ہے کہ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے نہ ہونے کے زمانہ میں بند ہو کر پھر ابتداً ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے بھی اس آیت کے تحت داخل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن آیت شامل ہے اسے اور اس کو سب کو۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ قُلِ اللّٰهُۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّاؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

آپ (تحقیق توحید کے لئے یہ بھی) پوچھئے کہ (اچھا بتلاؤ) تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے۔ آپ (ہی) کہہ دیجئے اللہ روزی دیتا ہے اور (یہ بھی کہئے کہ اس مسئلہ توحید میں بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا نرے گمراہی میں ہیں۔ آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ اگر ہم مجرم ہیں (تو) تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی (اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ (عملی) کر دے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔ آپ یہ بھی کہئے کہ مجھ کو وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز اس کا کوئی شریک نہیں بلکہ (واضح میں) وہی ہے اللہ زبردست حکمت والا ہے ○

رزق دہندہ:

اللہ تعالیٰ اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف وہی خالق رازق ہے اور صرف وہی الوہیت والا ہے۔ جیسے ان لوگوں کو اس کا اقرار ہے کہ آسمان سے بارشیں برسانے والا اور زمینوں سے اناج اگانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ایسے ہی انہیں یہ بھی مان لینا چاہئے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب ہم تم میں اتنا بڑا اختلاف ہے تو لامحالہ ایک ہدایت پر اور دوسرا ضلالت پر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں ضلالت پر ہوں۔ ہم موحد ہیں اور توحید کے دلائل کھلے کھلے اور بہت واضح ہم بیان کر چکے ہیں اور تم شرک پر ہو۔ جس کی کوئی دلیل تمہارے ہاتھوں میں نہیں۔ پس یقیناً تم ضلالت پر ہو۔ اصحاب رسول نے مشرکوں سے یہی کہا تھا کہ ہم فریقین میں سے ایک ضرور سچا ہے۔ کیونکہ اس قدر تضاد و تباین کے بعد دونوں کا سچ ہونا تو عقلاً محال ہے۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں اور تم ضلالت پر ہو۔ ہمارا تمہارا بالکل کوئی تعلق نہیں۔ ہم تم سے اور تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہیں۔ ہاں جس راہ پر ہم چل رہے ہیں اسی راہ پر تم بھی آ جاؤ تو بے شک تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں۔ ورنہ ہم میں اور تم میں کوئی تعلق نہیں اور آیت میں بھی ہے کہ اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دیں کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ تم میرے اعمال سے

جڑتے ہو اور میں تمہارے اعمال و کرتوت سے بیزار ہوں۔

سورۂ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سورۂ کافرون:۱) میں بھی اسی بے تعلقی کی براءت کا ذکر ہے۔رب العالمین تمام عالم کو میدان قیامت میں جمع کر کے سچے فیصلے کر دے گا۔ نیکوں کو ان کی جزا اور بدوں کو ان کی سزا دے گا۔اس دن تمہیں ہماری حقانیت و صداقت معلوم ہو جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے:﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ (سورۂ روم:۱۴) قیامت کے دن سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ایماندار جنت کے خوش گوار باغیچوں میں خوش وقت و فرحاں ہوں گے اور ہماری آیتوں میں آخرت کے دن جھٹلانے والے کفر کرنے والے دوزخ کے گڑھوں میں حیران و پریشان ہوں گے۔وہ حاکم و عادل ہے۔ حقیقت حال کا پورا عالم ہے۔تم اپنے معبودوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔لیکن کہاں سے ثبوت دے سکو گے۔ جب کہ میرا رب لاشریک بے نظیر اور عدیم المثل ہے۔ وہ اکیلا ہے وہ ذی عزت ہے۔ جس نے سب کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور ہر ایک پر غالب آ گیا ہے۔حکیم ہے اپنے اقوال و افعال میں' اسی طرح شریعت اور تقدیر میں بھی برکتوں والا پاک منزہ اور مشرکوں کی تمام تہمتوں سے بری ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ع ۳ ۹ ۹

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور یہ لوگ (ایسے مضامین سن کر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا۔اگر تم (یعنی نبی اور آپ کے اتباع) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر ہے کہ اس سے نہ ایک پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔○

بشیر و نذیر:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما سے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھے تمام کائنات کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جیسے اور جگہ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (سورۂ اعراف:۱۵۸) یعنی اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور آیت میں ہے:﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (سورۂ فرقان:۱) بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا۔تاکہ وہ تمام جہان کو ہوشیار کر دے یہاں بھی فرمایا کہ اطاعت گزاروں کو بشارت جنت دے اور نافرمانوں کو جہنم سے ڈرا۔لیکن اکثر لوگ اپنی جہالت سے نبی کی نبوت کو نہیں مانتے۔ جیسے فرمایا کہ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ یوسف:۱۰۳) گو تو ہر چند چاہے تاہم اکثر بے ایمان رہیں گے اور جگہ ارشاد ہوا: اگر بڑی جماعت کی مانے گا تو وہ خود تجھے بھی راہ راست سے ہٹا دیں گے۔پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام لوگوں کی طرف تھی۔عرب عجم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارا وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا تابع فرمان ہو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان والوں پر اور نبیوں پر سب پر فضیلت دی

ہے۔لوگوں نے اس کی دلیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا: دیکھو قرآن فرماتا ہے کہ ہر رسول کو اس کی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس میں تبلیغ کر دے اور آنحضرت کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے عام لوگوں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ بخاری و مسلم میں فرمان رسالت مآب ہے کہ مجھے صفتیں ایسی دی گئیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ مہینہ بھر کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔ میری امت میں سے جس کسی کو جس جگہ نماز کا وقت آ جائے وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہیں کیا گیا تھا۔ میرے لئے غنیمت حلال کر دی گئی۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ یعنی جن وانس عرب عجم سب کی طرف۔

پھر کافروں کا قیامت کو محال ماننا بیان ہو رہا ہے کہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ جیسے اور جگہ ہے بے ایمان تو اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور با ایمان اس سے کپکپا رہے ہیں اور اسے حق جانتے ہیں الخ جواب دیتا ہے کہ تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر، کمی زیادتی ناممکن ہے۔ جیسے ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (سورۂ نوح: ۴) اور فرمایا: ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ (سورۂ ہود: ۱۰۴) یعنی وہ مقررہ وقت پیچھے ہٹنے کا نہیں۔ تمہیں اس وقت مقررہ تک ڈھیل ہے۔ جب وہ دن آ گیا پھر کوئی لب بھی نہ ہلا سکے گا۔ اس دن بعض نیک بخت ہوں گے اور بعض بد بخت۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور یہ کفار (دنیا میں تو خوب خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر اور اگر آپ (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک منظر نظر آئے) جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ایک دوسرے پر بات ڈالتے ہوں گے (چنانچہ) ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے سبب برباد ہوئے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ (اس پر) یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجے کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت پر عمل کرنے سے زبردستی روکا تھا۔ بعد اس کے کہ وہ (ہدایت) تم کو پہنچ چکی تھی بلکہ خود قصوروار ہو اور (اس کے جواب میں) یہ کم درجے کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم زبردستی کو مانع نہیں رکھتے) بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم سے فرمائش کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں اور وہ لوگ (اپنی اس) پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) مخفی رکھیں گے جبکہ عذاب دیکھیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے۔ جیسے کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا ○

ایک حسرتناک مکالمہ:

کافروں کی سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گو قرآن کی حقانیت کی ہزار ہا دلیلیں دیکھ لیں' لیکن مان کر نہیں دیں گے' بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انہیں اپنے قول کا مزہ اس وقت آئے گا۔ جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے کھڑے چھوٹے بڑوں کو بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ اگر تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے۔ ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی' تم جانتے تھے کہ یہ بے دلیل ہے' دوسری جانب سے دلیلوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی۔ پھر تم نے اس کی پیروری چھوڑ کر ہماری کیوں مانی؟ یہ تو تمہاری بے عقلی تھی۔ تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے۔ رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گزرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہے۔ ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟

یہ بے دلیل اپنے بزرگوں کی مان لینے والے انہیں پھر جواب دیں گے کہ دن رات کی تمہاری دھوکے بازیاں جعل سازیاں فریب کاریاں' ہمیں اطمینان دلانا کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں۔ ہم سے بار بار کفر اور شرک کے نہ چھوڑنے کو پرانے دین کے نہ بدلنے کو۔ باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا' ہماری کمر تھپکنا۔ یہی سبب ہوا ہمارے ایمان سے رک جانے کا۔ تم ہی آ آ کر ہمیں عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے پھیرتے رہے۔ دونوں الزام بھی دیں گے۔ براءت بھی کریں گے لیکن دل سے اپنے کئے پر پچھتا رہے ہوں گے۔ ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق و زنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ اب ہر ایک کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک ایک کو پورا عذاب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس جائے گا اور پیروں پر آ پڑے گا۔ (ابن ابی حاتم) حسن بن یحییٰ خشنیؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے ہر غار ہر زنجیر ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب حضرت سلیمانؒ دارانی کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے: ہائے ہائے! پھر کیا حال ہوگا۔ اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں گے۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں' ہاتھوں میں ہتھکڑیاں' گردن میں طوق ہوں۔ پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ خدایا تو بچانا' پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ

أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰىٓ إِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کو عذاب نہ ہوگا کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے لیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں اور مال اولاد ایسی چیز نہیں جو درجہ میں تم کو ہمارا مقرب بنا دے (یعنی مؤثر و علت قرب کی بھی نہیں) مگر ہاں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دگنا صلہ ہے اور وہ (بہشت) کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے ایسے لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔ آپ (مؤمنین) سے فرما دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے اور جو چیز تم (مواقع راہ الٰہی میں) خرچ کرو گے سو وہ یعنی اللہ تعالیٰ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○

ایک فریب:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اگلے پیغمبروں کی سیرت اختیار کرنے کو فرماتا ہے کہ جس بستی میں جو رسول بھیجا گیا۔ اس کا مقابلہ ہوا۔ بڑے لوگوں نے کفر کیا۔ ہاں غربا نے تابعداری کی۔ جیسے قوم نوح نے اپنے نبی سے کہا تھا: ﴿أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُوْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۱۱) ہم تجھ پر کیسے ایمان لائیں، تیرے ماننے والے تو سب نیچے درجہ کے لوگ ہیں۔ یہی مضمون دوسری آیت ﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ﴾ (سورۂ ہود: ۲۷) میں ہے۔ قوم صالح کے متکبر لوگ ضعیفوں سے کہتے ہیں: ﴿أَتَعْلَمُوْنَ أَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (سورۂ اعراف: ۷۵) کیا تمہیں حضرت صالح کے نبی ہونے کا یقین ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم تو مؤمن ہیں، تو متکبرین نے صاف کہا کہ ہم نہیں جانتے اور آیت میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا﴾ (سورۂ انعام: ۵۳) یعنی اس طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے فتنے میں ڈالا۔ تا کہ وہ

کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب میں سے احسان کیا۔ اللہ کیا شکر گزاروں کو جاننے والا نہیں؟

فرمان ہے: ہر بستی میں وہاں کے بڑے لوگ مجرم اور مکار ہوتے ہیں اور فرمان ہے: ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۱۶) جب کسی بستی کی ہلاکت کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے سرکش لوگوں کو کچھ احکام دیتے ہیں۔ وہ نہیں مانتے۔ پھر ہم انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے جس بستی میں کوئی نبی رسول بھیجا۔ وہاں کے جاہ وحشمت شان و شوکت والے رئیسوں اور امیروں نے سرداروں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابورزینؒ فرماتے ہیں کہ دو شخص آپس میں شریک تھے۔ ایک تو سمندر پار چلا گیا۔ ایک وہیں رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس نے اپنے ساتھی سے لکھ کر دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب میں لکھا کہ چھوٹے لوگوں نے اس کی بات مانی ہے۔ شریف قریشیوں نے اس کی اطاعت نہیں کی۔ اس خط کو پڑھ کر وہ اپنی تجارت چھوڑ چھاڑ کر سفر کر کے اپنے شریک کے پاس پہنچا۔ یہ پڑھا لکھا تھا اور آسمانی کتابوں کا علم اسے حاصل تھا۔ اس سے پوچھا کہ بتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ معلوم کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کس طرف بلاتے ہیں آپ نے اسلام کے ارکان اس کے سامنے بیان فرمائے۔ وہ انہیں سنتے ہی ایمان لے آیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں اس کی تصدیق کیونکر ہوگئی؟ اس نے کہا: اس بات سے کہ تمام انبیاء کے ابتداءً ماننے والے ہمیشہ ضعیف مسکین لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر ان سے کہلوایا کہ تمہاری بات کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ اسی طرح ہرقل نے کہا تھا: جبکہ اس نے ابوسفیان سے ان کی جاہلیت کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا تھا کہ کیا شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیفوں نے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ضعیفوں نے اس پر ہرقل نے کہا کہ ہر رسول کی اولاً تابعداری کرنے والے یہی ضعیف لوگ ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا: یہ خوش حال لوگ مال و اولاد کی کثرت پر ہی فخر کرتے ہیں اور اسے دلیل بناتے ہیں اس بات کو کہ وہ پسندیدۂ اللہ ہیں اگر اللہ کی خاص عنایت و مہربانی اس پر نہ ہوتی تو انہیں یہ نعمتیں نہ دیتا اور جب یہاں رب مہربان ہے تو آخرت میں بھی وہ مہربان ہی رہے گا۔ قرآن نے ہر جگہ اس کا رد کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ﴾ (سورۂ مومنون:۵۵) کیا ان کا خیال ہے کہ مال و دولت میں اضافہ ان کے لئے بہتری ہے؟ نہیں بلکہ خرابی ہے۔ لیکن یہ بے شعور ہیں اور آیت میں ہے: ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ﴾ (سورۂ توبہ:۸۵) ان کا مال اور اولاد تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ اس سے انہیں دنیا میں بھی سزا ہوگی اور مرتے دم تک یہ کفر پر ہی رہیں گے اور آیت میں ہے: ﴿ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا﴾ (سورۂ مدثر:۱۱) یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دے جسے میں نے ممتاز کر دیا ہے اور بہ کثرت مال دے رکھا ہے اور حاضر باش فرزند دے رکھے ہیں اور ہر طرح کا عیش اس کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ تاہم اسے طمع ہے کہ میں اور زیادہ دوں ایسا نہیں یہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ کچھ ہی زمانہ جاتا ہے کہ اسے میں دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھاؤں گا۔ اس شخص کا واقعہ مذکور ہوا ہے جس کے دو باغ تھے۔ مال والا پھلوں والا اولاد والا تھا۔ لیکن کسی چیز نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ عذاب الٰہی سے سب چیزیں دنیا میں ہی تباہ اور خاک سیاہ ہوگئیں۔ اللہ جس کی روزی کشادہ کرنا چاہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی روزی تنگ کرنا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ دنیا تو وہ اپنے دوستوں دشمنوں سب کو دیتا ہے۔ غنی یا فقیر ہونا اس کی رضامندی یا ناراضگی کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس میں اور ہی حکمتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں اکثر لوگ جان نہیں سکتے۔ مال و اولاد کو ہماری عنایت کی دلیل بنانا غلطی ہے۔ یہ کوئی ہمارے پاس مرتبہ بڑھانے والی چیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے (مسلم) ہاں اس کے پاس درجات دلانے والی چیز

ایمان اور نیک اعمال ہیں ان کی نیکیوں کے بدلے انہیں بہت بڑھا چڑھا کر دیئے جائیں گے۔ایک ایک نیکی دس دس گنی بلکہ سات سات سو گنی کر کے دی جائے گی۔جنت کی بلند ترین منزلوں میں ہر ڈر خوف سے ہر کھٹکے اور غم سے پر امن ہوں گے نہ کوئی دکھ ہو گا نہ ایذا نہ صدمہ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنت میں ایسے بالا خانے ہیں' جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ایک اعرابی نے کہا: یہ بالا خانے کس کے لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو نرم کلامی کرے اور کھانا کھلائے اور بہ کثرت روزے رکھے اور لوگوں کی نیند کے وقت تہجد پڑھے (ابن ابی حاتم) جو لوگ اللہ کی راہ سے اوروں کو روکتے ہیں۔رسولوں کی تابعداری سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں۔اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہیں کرتے دیتے۔وہ جہنم کی سزاؤں میں حاضر کئے جائیں گے اور برابر بدلہ پائیں گے۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے مطابق جسے چاہے بہت ساری دنیا دیتا ہے اور جسے چاہے بہت کم دیتا ہے۔یہ سکھ چین کر رہا ہے وہ دکھ درد میں مبتلا ہے۔رب کی حکمتوں کو کوئی نہیں جانتا' اس کی مصلحتیں وہی خوب جانتا ہے۔جیسے فرمایا: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۲۱) تو دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور البتہ آخرت درجوں میں اور فضیلتوں میں بہت بڑی ہے۔یعنی جس طرح فقر و غنا کے ساتھ درجوں کی اونچ نیچ یہاں ہے۔اسی طرح آخرت میں اعمال کے مطابق درجات و درکات ہوں گے۔نیک لوگ تو جنتوں کے بلند و بالا بالا خانوں میں اور بدلوگ جہنم کے نیچے کے طبقے کے جیل خانوں میں ہوں گے۔دنیا میں سب سے بہتر شخص بہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جو سچا مسلمان ہے اور بقدر کفایت روزی پاتا ہو اور اللہ کی طرف سے اس کو قناعت بھی حاصل ہو (مسلم) اللہ کے حکم یا اس کی اباحت کے ماتحت جو کچھ تم خرچ کرو گے۔اس کا بدلہ وہ تمہیں دونوں جہان میں دے گا۔صحیح حدیث میں ہے تو خرچ کر تو تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ ہر صبح ایک فرشتہ دعا کرتا ہے' اے اللہ بخیل کے مال کو تلف اور برباد کر۔دوسرا دعا کرتا ہے' اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نیک بدلہ دے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہو گا۔لیکن مالدار گویا اپنے مال پر دانت گاڑے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت وَمَآ اَنْفَقْتُمْ کی تلاوت فرمائی اور حدیث میں ہے' بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں پر خریدتے پھریں۔یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے[1]۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے۔اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسروں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر۔ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا۔(ابویعلی موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں: کہیں اس آیت کا غلط مطلب نہ لے لینا۔اپنے مال کو خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا روزیاں بٹ چکی ہیں۔رزق مقسوم ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ

[1] گو شرعاً وہ بیع ہو جائے گی لیکن اس میں برکت ذرا بھی نہ ہو گی۔کیونکہ اس بے چارے نے انتہائی ضروریات میں اونے پونے فرخت کیا اور اس کی مجبوری سے تم نے بالکل غلط فائدہ اٹھایا۔بہر حال ایسی خرید و فروخت ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾

اور وہ دن قابل ذکر ہے جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (میدان قیامت میں) جمع فرمائے گا۔ پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں ہمارا تو آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے بلکہ یہ لوگ شیطان کی پوجا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔ سو کافروں سے کہا جائے گا' آج تم مجموعہ عابدین ومعبودین میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا اور (اس وقت) ہم ظالموں (یعنی کافروں) سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو ○

یوم الحشر:

مشرکین کو شرمندہ لاجواب اور بے عذر کرنے کے لئے ان کے سامنے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ جن کی مصنوعی شکلیں بنا کر یہ مشرک دنیا میں پوجتے رہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ سے ملا دیں کہ کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟

جیسے سورہ فرقان میں ہے: ﴿ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ (سورۂ فرقان: ۱۷) یعنی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود ہی بہکے ہوئے تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی سوال ہوگا۔ کیا تم لوگوں سے کہہ آئے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری ماں کی عبادت کرنا۔ آپ جواب دیں گے کہ خدایا تیری ذات پاک ہے۔ مجھے جو کہنا سزاوار نہ تھا' اسے میں کیسے کہہ دیتا۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنی براءت ظاہر کریں گے اور کہیں گے تو اس سے بہت بلند اور پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ ہم تو خود تیرے بندے ہیں' ان سے ہم بیزار رہے اور اب بھی ان سے الگ ہیں۔ یہ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شیطانوں نے ہی ان کے لئے بتوں کی پوجا کو مزین کر رکھا ہے اور انہیں گمراہ کر دیا تھا۔ ان میں کے اکثر کا اعتقاد شیطان ہی پر تھا۔

جیسے فرمان باری ہے: ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ (سورۂ نساء: ۱۱۷) یعنی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ جس پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پس جن جن سے تم اے مشرکو! لو لگائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی تمہیں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اس شدت و کرب کے وقت یہ سارے جھوٹے معبود تم سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہیں کسی کے کس طرح کے نفع وضرر کا اختیار تھا ہی نہیں۔ آج ہم خود مشرکوں سے فرمادیں گے کہ لو جس عذاب جہنم کو جھٹلا رہے تھے' آج اس کا مزہ چکھو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ

يَدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۠ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور ہادی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ پڑھنے والے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں کی (عبادت) سے باز رکھے جن کو (قدیم سے) تمہارے بڑے پوجتے تھے اور (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک تماشا ہے جھوٹ ہے اور یہ کافر اس امر حق (یعنی قرآن) کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہنچا یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور (اس طرح) ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی پیغمبر) نہیں بھیجا تھا اور ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ (مشرکین عرب) تو اس سامان کے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا' دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ غرض انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو (دیکھو) میرا ان پر کیسا عذاب ہوا○

تکذیب وتردید:

کافروں کی وہ شرارت بیان ہو رہی ہے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے ہیں کہ اللہ کا کلام تازہ بہ تازہ اس کے افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنتے ہیں۔ قبول کرنا ماننا' اس کے مطابق عمل کرنا تو ایک طرف' الٹا کہتے ہیں کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے اور سچے دین سے روک رہا ہے اور اپنے باطل خیالات کی طرف تمہیں بلا رہا ہے۔ یہ قرآن تو اس کا خود تراشیدہ ہے' آپ ہی گھڑ لیتا ہے اور یہ تو جادو ہے' اور اس کا جادو ہونا کچھ ڈھکا چھپا نہیں' بالکل ظاہر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان عرب کی طرف نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب بھیجی گئی ہے نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا ہے۔ اس لئے انہیں مدتوں سے تمنا تھی کہ اگر اللہ کا رسول ہم میں آتا۔ اگر کتاب ہم میں اترتی تو ہم سب سے زیادہ مطیع اور پابند ہو جاتے۔ لیکن جب اللہ نے ان کی دیرینہ آرزو پوری کی تو لگے جھٹلانے اور انکار کرنے۔ ان سے پہلی امتوں کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ وہ قوت وطاقت' مال و متاع' اسباب دینوی ان سے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ یہ تو انکے ابھی دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔ لیکن میرے عذابوں کے اترنے کے بعد مال کام آئے نہ اولاد اور کنبے قبیلے کام آئے نہ قوت وطاقت نے کوئی فائدہ دیا' برباد کر دیئے گئے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ (سورۂ احقاف: ۲۶) یعنی ہم نے انہیں قوت وطاقت دے رکھی تھی۔ آنکھیں اور کان بھی دے رکھے تھے۔ دل بھی تھے۔ لیکن میری آیتوں کے انکار پر جو عذاب آئے اس وقت کسی چیز نے کچھ فائدہ نہ دیا اور جس کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے۔ اس نے انہیں گھیر لیا۔ یہ لوگ زمین پر چل پھر کر اپنے سے اگلے لوگوں کا انجام دیکھتے نہیں' جو ان سے تعداد میں زیادہ اور طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے جھٹلانے کے باعث پیس دیئے گئے۔ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے۔ تم دیکھ لو' غور کر لو کہ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کی نصرت کی اور کسی طرح جھٹلانے والوں پر اپنا عذاب اتارا؟

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۟

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶

آپ کہئے کہ میں تو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں' وہ یہ کہ تم (محض) اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ اور دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون (تو) نہیں ہے وہ تم کو ایک سخت عذاب آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے ○

آپ ﷺ مجنوں نہیں ہیں:

حکم ہوتا ہے کہ یہ کافر جو تجھے مجنوں بتا رہے ہیں ان سے کہو کہ ایک تو کام کرو خلوص کے ساتھ۔ تعصب اور ضد کو چھوڑ کر ذرا سی دیر سوچو تو آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد مجنوں ہے؟ اور ایمانداری سے ایک دوسرے کو جواب دو۔ ہر شخص تنہا بھی غور کرے اور دوسرے سے بھی پوچھے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر' تمہیں خود معلوم ہو جائے تمہارے دل سے آواز اٹھے گی کہ حقیقت میں حضور کو جنون نہیں بلکہ آپ تم سب کے خیر خواہ ہیں' دردمند ہیں' ایک آنے والے خطرے سے' جس سے تم بے خبر ہو۔ وہ تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے کا مطلب سمجھا ہے اور اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو تین چیزیں دی گئی ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں' میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے۔ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے تھے۔ وہ مال غنیمت کو جمع کر کے جلا دیتے تھے اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی چیز بنا دی گئی ہے کہ اس کی مٹی سے تیمم کر لوں اور جہاں بھی ہوں اور نماز کا وقت آ جائے' نماز ادا کر لوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑے ہو جایا کرو' دو دو اور ایک ایک اور ایک مہینے کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے۔ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں آیت کا ذکر اور اسے جماعت یا نماز الگ پڑھ لینے کے معنی میں لے لینا' یہ راوی کا اپنا قول ہو اور اس طرح بیان کر دیا گیا ہو کہ بظاہر وہ الفاظ حدیث کے معلوم ہوتے ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کی حدیثیں بہ سند صحیح بہت سی منقول ہیں اور کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں۔ واللہ اعلم۔

آپ لوگوں کو اس عذاب سے ڈرانے والے ہیں' جو ان کے آگے ہے اور جس سے یہ بالکل بے خبر بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ کہہ کر آواز بلند کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے۔ عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری چڑھائی کرنے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح و شام ہی تم پر حملہ کر دے۔ تو کیا مجھے سچا مانو گے؟ سن نے یک زباں ہو کر جواب دیا کہ ہاں بے شک ہم آپ کو سچا جانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے۔ یہ سن کر ابولہب ملعون نے کہا: تیرے ہاتھ ٹوٹیں' کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا۔ اس پر سورہ تَبَّتْ يَدَا اتری۔ یہ حدیثیں ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء:۲۱۴) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ہمارے پاس آ کر تین مرتبہ آواز دی فرمایا: لوگو! میری اور اپنی مثال جانتے ہو۔ انہوں نے کہا: اللہ کو اور اس کے رسول کو پورا علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن پر

دشمن حملہ کرنے والا تھا۔ انہوں نے اپنا آدمی بھیجا کہ جا کر دیکھے اور دشمن کی نقل و حرکت سے انہیں مطلع کرے۔ اس نے جب دیکھا کہ دشمن ان کی طرف چلا آ رہا ہے اور قریب پہنچ چکا ہے تو وہ دوڑتا ہوا قوم کی طرف بڑھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری اطلاع پہنچانے سے پہلے ہی دشمن کا حملہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے راستے ہی میں اپنا کپڑا ہلانا شروع کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ' دشمن آ پہنچا۔ تین مرتبہ یہی کہا اور حدیث میں ہے' میں اور قیامت ایک ساتھ ہی بھیجے گئے۔ بہت متوقع تھی یہ بات کہ قیامت مجھ سے پہلے آ جاتی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰

آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا' میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات (یعنی ایمان) کو (کفر پر) غالب کر رہا ہے (اور) وہ علام الغیوب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ حق (دین) آ گیا (دین) باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا آپ کہہ دیجئے کہ اگر (مثلاً فرضاً) میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ پر (وبال ہوگی) اگر میں راہ راست پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے ۝

مشرکین سے دو دو باتیں:

حکم ہو رہا ہے کہ مشرکوں سے فرما دیجئے کہ میں جو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں' تمہیں احکام دینی پہنچا رہا ہوں۔ وعظ و نصیحت کرتا ہوں۔ اس پر میں تم سے کسی معاوضہ کا طالب نہیں۔ معاوضہ تو اللہ ہی دے گا۔ جو تمام چیزوں کی حقیقت سے مطلع ہے۔ میری اور تمہاری حالت اس پر خوب روشن ہے۔

پھر جو فرمایا اسی طرح کی آیت: ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ﴾ (سورۂ مومن: ۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمان سے حضرت جبریلؑ کو جس پر چاہتا ہے اپنی وحی کے ساتھ بھیجتا ہے۔ وہ حق کے ساتھ فرشتہ اتارتا ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ اس پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے حق اور مبارک شریعت آ چکی۔ باطل منتشر اور بودا ہو کر برباد ہو گیا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (سورۂ انبیاء: ۱۸) ہم باطل پر حق کو نازل فرما کر باطل کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں اور اس کی بھوسی اڑ جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے بتوں کو اپنی کمان کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور زبان سے فرماتے جاتے تھے۔ ﴿وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۸۱) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا وہ تھا ہی مٹنے والا (بخاری مسلم) باطل کا اور ناحق کا غلبہ ختم ہو گیا۔ بعض مفسرین سے منقول ہے کہ مراد یہاں باطل سے ابلیس ہے یعنی نہ اس نے کسی کو پہلے پیدا کیا نہ آئندہ کر سکے۔ نہ مردے کو جلا سکے نہ اسے کوئی اور قدرت اور بات تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن یہاں یہ

مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی وحی میں ہے۔ وہی حق ہے اور ہدایت و بیانِ رشد ہے۔ گمراہ ہونے والے آپ ہی بگڑ رہے ہیں اور اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب مفوضہ کا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا: اسے میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں۔ اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری الذمہ ہیں۔ وہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا ہے اور قریب ہے پکارنے والے کی ہر پکار کو ہر وقت سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے فرمایا تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے جسے تم پکار رہے ہو وہ سمیع ' قریب و مجیب ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع

اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں تو آپ کو حیرت ہو بلکہ یہ کفار گھبراتے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس (یعنی فوراً) پکڑ لئے جائیں گے اور کہیں ہم دین حق پر ایمان لے آئے اور اتنی جگہ دور سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے۔ حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے اور ان میں اور ان کی (قبول ایمان کی) آرزو میں ایک آڑ کر دی جائے گی۔ جیسا کہ ان کے مشرکوں کے ساتھ (بھی یہی) برتاؤ کیا جائے گا جو ان سے پہلے تھے کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا ○

وہ وقت بھی قابل دید ہوگا:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے نبی! کاش ان کافروں کی قیامت کے دن کی گھبراہٹ دیکھتے کہ ہر چند عذاب سے چھٹکارا چاہیں گے۔ لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔ نہ بھاگ کر نہ چھپ کر نہ کسی کی حمایت پر نہ کسی کی پناہ سے۔ بلکہ فوراً ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ ادھر قبروں سے نکلے ادھر پھانس لئے گئے۔ ادھر کھڑے ہوئے ادھر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دنیا میں عذاب میں پھنس گئے۔ چنانچہ بدر وغیرہ کے میدانوں میں قتل و اسیر ہوئے لیکن صحیح یہی ہے کہ مراد قیامت کے دن کے عذاب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بنو عباس کی خلافت کے زمانے میں مکے مدینے کے درمیان ان کے لشکروں کا زمین میں دھنسایا جانا مراد ہے۔ ابن جریر نے اسے بیان کر کے اس کی دلیل میں ایک حدیث بیان کی ہے جو بالکل ہی موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔ لیکن تعجب پر تعجب ہے کہ امام صاحب نے اس کا موضوع ہونا۔ بیان نہیں کیا۔ قیامت کے دن کہیں گے کہ ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی

[1] مفوضہ وہ لڑکی ہے جس نے اپنے نکاح کا اختیار دوسرے شخص کو دے دیا ہو۔ تفویض کے معنی سپرد کرنے کے آتے ہیں۔

کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

جیسے اور آیت میں ہے: ﴿ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (سورۂ سجدہ:۱۲) کاش کہ تو دیکھتا جب کہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں کھڑے اور شرمندگی سے کہہ رہے ہونگے کہ خدایا ہم نے دیکھ سن لیا ہمیں یقین آ گیا اب تو ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم دل سے مانیں گے لیکن کوئی شخص جس طرح دور کی چیز کو لینے کیلئے دور سے ہی ہاتھ بڑھاتا ہے اور وہ اسکے ہاتھ نہیں آ سکتی اسی طرح یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ آخرت میں وہ کام کرتے ہیں جو دنیا میں کرنا چاہئے تھا۔ تو آخرت میں وہ ایمان لانا بے سود ہے۔ اب نہ دنیا میں لوٹائے جائیں نہ اس وقت کی گریہ وزاری توبہ و فریاد ایمان و اسلام کچھ کام آئے گی۔ اس سے پہلے دنیا میں تو منکر رہے نہ اللہ کا مانا نہ رسول پر ایمان لائے نہ قیامت کے قائل ہوئے۔ یونہی بن دیکھے اندازے سے ہی نشانے پر تیر بازی کر رہا ہو۔ اسی طرح اللہ کو اپنی باتوں' اپنی گمان سے ہی رد کرتے رہے۔ نبی کو کبھی کاہن کہہ دیا' شاعر بتلا دیا' جادوگر کہا اور کبھی مجنوں۔ صرف اٹکل پچو سے قیامت کو جھٹلاتے رہے اور بے دلیل اوروں کی عبادت کرتے رہے جنت دوزخ کا مذاق اڑاتے رہے۔ اب ایمان اور ان میں حجاب آ گیا تو یہ اور ان میں پردہ پڑ گیا' دنیا ان سے چھوٹ گئی' یہ دنیا سے الگ ہو گئے۔ ابن ابی حاتم نے یہاں پر عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے: جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا۔ جس کے پاس مال بہت تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا۔ اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا وہ غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپے لے کر عین شجاہد کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا۔ ایک روز زور کی آندھی آئی۔ جس میں ایک بہت خوبصورت عورت اس کے پاس آ پڑی۔ اس نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: بنی اسرائیلی شخص ہوں۔ کہا: یہ محل اور مال آپ ہی کا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا: نہیں۔ پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ کہا: پھر مجھے قبول کرو۔ اس نے جواب دیا میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں۔ کل تم یہاں سے اپنے ساتھ دن بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ۔ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں۔ اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا۔ میل بھر دور جا کر ایک نہایت عالی شان محل دیکھا۔ دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان آیا۔ پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: بنی اسرائیلی ہوں۔ کہا: کیسے آئے ہو؟ کہا: اس مکان کی مالکہ نے بلوایا۔ پوچھا: راستے میں کچھ ہولناک خبریں بھی دیکھیں؟ جواب دیا: ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول و دہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا۔ میں چلا' ایک وسیع راستے پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک کتیا منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے وہ ہے اور اس کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا: تو اسے نہیں پائے گا۔ یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے اور بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا' ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں۔ ایک بچہ ہے جو دودھ پی رہا ہے جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ کچھ اور باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے گویا اور مانگ رہا ہے۔ اس نوجوان دربان نے کہا: تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ یہ مثال تجھے بتلائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے۔ لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے۔ یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا۔ تو وہ بھی ظلم و زیادتی کر کے منہ پھیلائے رہیں گے۔ اس نے کہا: میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے نہایت تر و تازہ' خوش رنگ و خوش وضع۔ میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی۔ تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندۂ خدا! میری ڈالی توڑ جا۔ پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی۔ دربان نے کہا: تو اسے بھی نہ پائے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے

عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں اُسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔ اس نے کہا: میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کے دے رہا ہے۔ پھر اپنی مشک میں ڈالتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا۔ دربان نے کہا: تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھا ئیں گے۔ بھلی باتیں بتلائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہونگے۔ بلکہ خود گناہوں میں مبتلا رہیں گے۔ پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے۔ بعض لوگوں نے تو اسے پاؤں سے پکڑ رکھا ہے۔ بعضوں نے دم تھام رکھی ہے۔ بعضوں نے سینگ پکڑ رکھے ہیں۔ بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں۔ اس نے کہا: یہ مثال ہے دنیا کی' جو اسکے پیر تھامے ہوئے ہیں' یہ تو وہ ہیں' جو دنیا سے مایوس ہو گئے ہیں جنہیں یہ نہ ملی جس نے سینگ تھام رکھے ہیں یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے دم پکڑنے والے وہ ہیں' جن سے دنیا بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔ سوار وہ ہیں جو از خود تارک دنیا ہو گئے ہیں۔ ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں' جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے ہوئے دیکھا۔ انہیں خوشی ہو' یہ مستحق مبارک باد ہیں اس نے کہا میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص کنوئیں میں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے اور حوض میں سے پانی پھر کنوئیں میں چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے۔ اس نے کہا: پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ اس شخص نے دانے زمین میں بوئے' اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے اور نفیس گیہوں نکل آئے۔ کہا: یہ وہ شخص ہے' جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس نے کہا: میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا ہوا ہے مجھ سے کہنے لگا' بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو۔ واللہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں بیٹھا ہی نہیں۔ میرے ہاتھ پکڑ کر ہی وہ کھڑا ہو گیا اور تیز دوڑا' یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ اس دربان نے کہا: یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہو گئی۔ میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا تھا' اسکی صورت میں تھا۔ اللہ کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس جگہ قبض کروں۔ پھر تجھے جہنم رسید کروں۔

اس کے بارے میں یہ آیت: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ نازل ہوئی۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت بھی محل نظر ہے۔ آیت کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ کافروں کی جب موت آتی ہے ان کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے۔ لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش کے اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتی ہے۔ جیسے اس شخص مغرور و مفتون کا حال ہوا کہ گیا تو عورت ڈھونڈنے کو اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے۔ امید پوری ہونے سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ پھر فرماتا ہے: ان سے پہلی امتوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ بھی موت کے وقت زندگی اور ایمان کی آرزو کرتے رہے' جو محض بے سود تھی۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (سورۂ مومن: ۸۴) جب انہوں نے ہمارے عذاب دیکھ لئے تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور جس جس کو ہم شریک اللہ بناتے تھے ان سب سے ہم انکار کرتے ہیں اور لیکن اس وقت ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا ان سے پہلوں میں بھی یہی طریقہ اللہ جاری تھا کہ کفار نفع سے محروم ہی ہیں۔ یہاں فرمایا کہ دنیا میں تو زندگی بھری شک و شبہ میں اور تردد میں ہی رہے۔ اسی وجہ سے عذاب کے معائنے کے بعد کا ایمان بیکار ہے۔ حضرت قتادہ کا آب زر سے لکھنے کے لائق یہ قول ہے' جو آپ فرماتے ہیں کہ شبہات اور شکوک[1] سے بچو۔ اس پر جس کی موت آئی' وہ قیامت کے دن بھی اسی پر اٹھایا جائے گا اور جو یقین پر مرا' اسے یقین پر ہی اٹھایا جائے گا: وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اسلام پر ایمان اور یقین کامل رکھو اور پھر اسلام کے بارے میں یا اللہ اور رسول کے بارے میں کوئی شبہ دل میں نہ آنے پائے اور اگر کوئی شبہ پیدا بھی ہو تو اسکو فوراً ختم کردو کسی اہل علم سے پوچھ کر اور اگر کوئی عالم نہ مل سکے تو سمجھ لو کہ قصور ہماری عقل کا ہے اسلام میں کوئی نقص نہیں۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی جو اولیائے امت' ابرار صالحین میں سے تھے اُنکے متعلق سنا ہے کہ ایک رات قرآن مجید کی کسی آیت کے بارے میں شبہ ہو گیا۔ اسی وقت دیوبند سے پیدل گنگوہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حل اشکال کیلئے روانہ ہو گئے۔ بے وقت اور اچانک گنگوہ پہنچے تو حضرت گنگوہی کو حیرت ہوئی۔ پوچھا اس طرح آنے کی کیا وجہ ہے؟ عرض کیا فلاں آیت پر یہ شبہ پیدا ہو گیا۔ خوف پیدا ہوا کہ اگر اسی شبہ پر موت آ گئی تو دنیا سے اس طرح اٹھوں گا کہ قرآن کی ایک آیت پر یقین نہ ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خسران نہیں سبحان اللہ یہ ہیں اولیاء امت کے مقامات۔ آج کل کے جدید تعلیم یافتہ شکوک شبہات کرتے ہیں اور جدید تعلیم کا لازمہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی کی طرف سے بے اختیاری ہو۔ العیاذ باللہ

سُوْرَةُ فَاطِر

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۵ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۴۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

تمام ترحمد (اسی) اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فاطر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبان سے سن کر معلوم کئے۔ وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا۔ ایک کنوئیں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا: اَنَا فَطَرْتُهَا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداء بے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ ضحاکؒ سے منقول ہے کہ فاطر کے معنی خالق کے ہیں۔ اپنے اور اپنے نبیوں کے درمیان قاصد اس نے اپنے فرشتوں کو بنایا ہے جو پروں والے ہیں۔ اڑتے ہیں تاکہ جلدی سے اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچا دیں۔ ان میں بعض دو پروں والے ہیں۔ بعض کے تین تین پر ہیں۔ بعض کے چار چار پر ہیں۔ بعض کے ان سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ تھا۔ یہاں بھی فرماتا ہے: رب جو چاہے اپنی مخلوق میں زیادتی کرے۔ جس کے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ پر کر دیتا ہے اور کائنات میں جو چاہے رچاتا ہے۔ اس سے مراد اچھی آواز بھی لی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شاذ قراءت فِي الْحَلْقِ "ح" کے ساتھ بھی ہے۔ واللہ اعلم

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اللہ جو رحمت (بارش وغیرہ) لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے (بند کرنے کے بعد) بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے ○

اُسی کا چاہا ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہو کر رہتا ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو وہ دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضول گوئی اور کثرت سوال اور مال کی بربادی سے منع فرماتے تھے اور آپ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور ماں کی نافرمانیاں کرتے' خود لینے اور دوسروں کو نہ دینے سے بھی روکتے تھے۔ (بخاری' مسلم وغیرہ)

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ کر فرماتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اسی آیت جیسی آیت: ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ (سورۃ الانعام) اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارش برستی تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے: ہم پر فتح کے تارے سے بارش برسائی گئی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے (ابن ابی حاتم)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو (شکر کرو اور غور کرو) کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین میں سے رزق پہنچاتا ہو۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم (شرک کر کے) کدھر الٹے جا رہے ہو ○

تذکیر نعمت:

اس بات کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ عبادتوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کیونکہ خالق و رازق صرف وہی ہے۔ پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا سخت غلطی ہے۔ دراصل اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں۔ پھر تم اس واضح دلیل اور ظاہر برہان کے بعد کیسے بہک رہے ہو؟ اور دوسروں کی عبادت کی طرف جھکے جاتے ہو؟ واللہ اعلم۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ﴿٦﴾

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو (آپ غم نہ کریں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں اور سب امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا (یہ) وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دینوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈال رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے۔ یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں O

فریبِ دنیا:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کفار آپ کا خلاف کریں اور آپ کی بتلائی ہوئی توحید اور خود آپ کی بچی رسالت کو جھٹلائیں۔ تو آپ شکستہ دل نہ ہو جایا کریں۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا۔ سب کاموں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہ سب کو ان کے تمام کاموں کے بدلے دے گا اور سزا جزا سب کچھ ہوگی۔ لوگو! قیامت کا دن حق ہے وہ یقیناً آنے والا ہے۔ وہ وعدہ اٹل ہے۔ وہاں کی نعمتوں کے بدلے یہاں کے فانی عیش پر ریجھ نہ جاؤ۔ دنیا کی ظاہری مسرتیں وہاں کی حقیقی خوشی سے کہیں تمہیں محروم نہ کر دیں۔ اسی طرح شیطان مکار سے بھی ہوشیار رہنا۔ اس کے چلتے پھرتے جادو میں نہ پھنس جانا۔ اس کی جھوٹی اور چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو مت چھوڑنا۔ سورہ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمایا ہے۔ پس غرور یعنی دھوکہ باز یہاں شیطان کو کہا گیا ہے۔ جب منافقوں اور مسلمانوں کے درمیان قیامت کے دن دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ جس میں دروازہ ہوگا۔ جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصے میں عذاب ہوگا۔ اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھی نہ تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ساتھ تو تھے لیکن تم نے تو خود کو فتنے میں ڈال دیا تھا اور سوچتے ہی رہے شک وشبہ دور ہی نہ کیا۔ خواہشوں کو پورا کرنے میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور دھوکے باز شیطان نے تمہیں فریب میں ہی رکھا۔ اس آیت میں بھی شیطان کو غرور کہا گیا ہے۔ پھر شیطان کی دشمنی کو بیان کیا کہ وہ تو تمہیں مطلع کر کے تمہاری دشمنی اور بربادی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔ پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آ جاتے ہو اور اس کے دھوکہ میں پھنس جاتے ہو؟ اس کی اور اس کی فوج کی تو عین تمنا ہے کہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔ اللہ تعالیٰ قوی وعزیز سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی رکھے اور اس کے مکر سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنتوں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے۔ جس طرح اس آیت میں شیطان کی دشمنی کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح سورہ کہف کی آیت ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ﴾ (سورہ کہف: ۵۰) میں بھی اس کی دشمنی کا ذکر ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٧﴾ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾

(پس) جولوگ کافر ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بخشش اور ایمان پر بڑا اجر ہے۔تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (یعنی کافر) اور ایسا شخص جو قبیح کو قبیح سمجھتا ہو (یعنی مؤمن) کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔سو اللہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔اللہ کو ان سب کاموں کی خبر ہے ○

عذابِ عظیم یا مغفرتِ کریم:

اوپر بیان ہوا تھا کہ شیطان کے تابعداروں کی جگہ جہنم ہے۔اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔اس لئے کہ یہ شیطان کے تابع اور رحمٰن کے نافرمان ہیں مؤمنوں سے جو گناہ بھی ہو جائیں' بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہیں معاف فرما دے اور جو نیکیاں ان کی ہیں' ان پر انہیں بڑا اجر و ثواب ملے گا۔کافر اور بدکار لوگ اپنی بداعمالیوں کو نیکیاں سمجھ بیٹھے ہیں۔تو ایسے گمراہ لوگوں پر تیرا کیا بس ہے؟ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔پس تمہیں ان پر غمگین نہ ہونا چاہئے۔مقدرات اللہ جاری ہو چکے ہیں۔مصلحت کو مالک الملک کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ہدایت و ضلالت میں بھی اس کی حکمت ہے کوئی کام اس سچے حکیم کا حکمت سے خالی نہیں۔لوگوں کے تمام افعال اس پر واضح ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔پس جس پر وہ نور پڑ گیا' وہ دنیا میں آ کر سیدھی راہ چلا اور جسے اس دن وہ نور نہ ملا وہ دنیا میں آ کر بھی ہدایت سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل کر خشک ہو گیا (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے کہ ہمارے پاس حضور آئے اور فرمایا: اللہ کے لئے سب تعریف ہے جو گمراہی سے ہدایت پر لاتا ہے اور جس پر چاہتا ہے گمراہی کا راستہ کھول دیتا ہے۔یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ﴿٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ

مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

اور اللہ ایسا (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے (پانی کے) ذریعے زمین کو زندہ کرتے ہیں۔اسی طرح قیامت میں آدمیوں کا جی اٹھنا ہے۔جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔اچھا کلام اسی تک پہنچا ہے اور اچھا کام اسی کو پہنچاتا ہے اور جو لوگ (اسی کے خلاف) بری بری تدبیریں کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست ونابود ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو (ضمناً) مٹی سے پیدا کیا ہے پھر (استقلالاً) نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور اس طرح نہ کسی کی عمر زیادہ (مقرر) کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم (مقرر) کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے یہ سب اللہ کو آسان ہے ○

کہ......جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا:

موت کے بعد زندگی پر قرآن کریم میں عموماً خشک زمین کے ہرا ہونے سے استدلال کیا گیا ہے جیسے سورہ حج وغیرہ میں ہے۔ بندوں کے لئے اس میں پوری عبرت اور مردوں کے زندہ ہونے کی پوری دلیل اس میں موجود ہے کہ زمین بالکل سوکھی پڑی ہے۔کوئی تروتازگی اس میں نظر نہیں آتی۔لیکن بادل اٹھتے ہیں۔پانی برستا ہے کہ اس کی خشکی تازگی سے اور اس کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔یا تو ایک تنکا بھی نظر نہ آتا تھا یا کوسوں تک ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔اسی طرح بنو آدم کے اجزاء قبروں وغیرہ میں بکھرے پڑے ہوں گے۔ایک سے ایک الگ ہوگا۔لیکن عرش کے نیچے سے پانی برستے ہی تمام جسم قبروں سے اگنے لگیں گے۔جیسے زمین سے دانے اُگتے ہیں۔چنانچہ صحیح حدیث میں ہے'ابن آدم تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی۔اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔یہاں بھی نشان بنا کر فرمایا: اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔سورہ حج کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ابو رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا دلیل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابورزینؓ! کیا تم اپنی بستی کے آس پاس کی زمین کے پاس سے اس حالت میں نہیں گزرے کہ وہ خشک پڑی ہوتی ہے۔پھر جو تم گزرتے ہو کہ وہ سبزہ زار بنی ہوئی ہے اور تازگی کے ساتھ لہلہا رہی ہے۔حضرت ابورزینؓ نے جواب دیا! ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دے گا۔

دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ساری عزتیں اسی کے قبضہ میں ہیں چنانچہ اور آیت میں ہے کہ جو لوگ مؤمنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہماری عزت ہو۔وہ عزت سے ہاتھ دھو رکھیں۔عزتیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور جگہ ارشاد ہے: تجھے ان کی باتیں غمناک نہ کریں' تمام عزتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔

آیت میں اللہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورہ منافقون:۸) یعنی عزتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے۔لیکن منافق بے علم ہیں۔حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: بتوں کی پرستش میں عزت نہیں۔عزتوں والا تو اللہ ہی ہے۔بقول قتادہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ طالب عزت کو احکام اللہ کی تعمیل میں مشغول رہنا چاہئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو یہ جاننا چاہتا ہو کہ کس کے لئے عزت ہے وہ جان لے کہ ساری عزتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے

ہیں۔ ذکر تلاوت دعا وغیرہ پاک کلمے اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم جتنی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں' سب کی تصدیق کتاب اللہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ سنو! مسلمان بندہ جب سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ پڑھتا ہے تو ان کلمات کو فرشتہ اپنے پر تلے لے کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے وہ مجمع ان کلمات کے کہنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ رب العالمین عزوجل کے سامنے یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں پھر آپ نے ﴿اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ﴾ کی تلاوت کی (ابن جریر)۔ حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اللّٰہُ اَکْبَرُ عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے ہیں' جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اپنے کہنے والے کا ذکر اللہ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:: جو لوگ اللہ کا جلال' اس کی تسبیح' اس کی حمد' اس کی عظمت' اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں' ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے۔ ابن عباس کا فرمان ہے کہ پاک کلموں سے مراد ذکر اللہ ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص ذکر اللہ اور ادائے فریضہ کرے اس کا عمل اس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھاتا ہے اور جو ذکر کرے لیکن فریضہ ادا نہ کرے' اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب کو عمل صالح لے جاتا ہے اور بزرگوں سے بھی یہی منقول ہے۔ بلکہ ایاس بن معاویہ قاضی فرماتے ہیں: اگر عمل صالح نہ ہو تو کلمہ طیبہ اوپر کو نہیں اٹھتا۔ حسن اور قتادہؒ فرماتے ہیں: قول بغیر عمل کے مردود ہے۔ برائیوں کی فکر میں لگنے والے وہ لوگ ہیں جو مکاری اور ریاکاری سے اعمال کرتے ہوں۔ لوگوں پر گو یہ ظاہر ہو کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ لیکن دراصل اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ برے ہیں' جو نیکیاں وہ کرتے ہیں وہ صرف دکھاوے کی ہیں۔ یہ ذکر اللہ بہت ہی کم کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: اس سے مراد مشرک ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ مشرک اس میں بہ طریق اولیٰ داخل ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہیں اور ان کا ذکر فاسد و باطل ہے۔ ان کا جھوٹ آج نہیں تو کل کھل جائے گا۔ عقلمند ان کے مکر سے واقف ہو جائیں گے' جو شخص جو کچھ کرے اس کا اثر اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان اسی رنگ سے رنگ دی جاتی ہے جیسا باطن ہوتا ہے۔ اس کا عکس ظاہر پر بھی پڑتا ہے۔ ریاکار کی بے ایمانی مدت تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہاں کوئی بے وقوف اس کے دام میں پھنس جائے تو اور بات ہے۔ مومن پورے عقل مند اور کامل دانا ہوتے ہیں۔ وہ ان دھوکے بازوں سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم الغیب اللہ پر تو کوئی بات بھی چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کی نسل کو ایک حقیر پانی یعنی قطرہ منی سے جاری رکھا۔ پھر تمہیں جوڑا بنایا' یعنی یہ بھی اس کا لطف و کرم و احسان ہے کہ مردوں کے لئے بیویاں بنائیں۔ جو ان کے سکون و راحت کا سبب ہیں۔ ہر حاملہ کے حمل کی اور ہر بچے کے تولد ہونے کی اسے خبر ہے۔ بلکہ ہر پتے کے جھڑنے اور اندھیرے میں پڑے ہوئے دانے سے اور ہر تر و خشک چیز سے وہ باعلم ہے۔ بلکہ اس کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اسی آیت جیسی ﴿اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی﴾ (سورۂ رعد: ۸) والی آیت بھی ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم الغیب کو یہ بھی علم ہے کہ کس نطفے کو لمبی عمر ملنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے پاس لکھا ہوا ہے ﴿وَمَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ﴾ میں ''ہٖ'' کی ضمیر لوٹتی ہے۔

جیسے عرب میں کہا جاتا ہے: ﴿عِنْدِیْ ثَوْبٌ وَنِصْفُہٗ﴾ یعنی میرے پاس ایک کپڑا ہے اور دوسرے کپڑے کا آدھا ہے۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جس شخص کے لئے میں نے طول عمر مقرر کی ہے وہ اسے پوری کر کے ہی رہے گا۔ لیکن وہ لمبی عمر اللہ کی کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے اور رب پر یہ سب کچھ آسان ہے۔ عمر کے ناقص ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو نطفہ تمام ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ بعض انسان سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ ساٹھ سال سے کم عمر میں مرنے والا ناقص عمر والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں طویل عمر یا کم عمر لکھ لی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی یکساں عمر نہیں ہوتی۔ کوئی لمبی عمر والا کوئی کم عمر والا۔ یہ سب اللہ کے ہاں لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ظہور میں آ رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اجل لکھی گئی ہے اور اس میں سے جو گزر رہی ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی کی اجل آ جانے کے بعد اس کو مہلت نہیں ملتی۔ زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہونا ہے۔ جس کی دعائیں اسے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں یہی زیادتی عمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اس کا علم اس کے پاس ہے۔ اس کا علم تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ہر ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس پر کچھ مخفی نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں (بلکہ) ایک تو شیریں پیاس بجھانے والا ہے۔ جس کا پینا بھی آسان اور ایک شور تلخ ہے۔ اور تم ہر ایک (دریا) سے (مچھلیاں نکال کر) ان کا تازہ گوشت کھاتے ہو (نیز) زیور (یعنی موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھتا ہے پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم (ان کے ذریعے سے) اس کی روزی ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر کرو ○

شیریں چشمے اور آبِ شور:

مختلف قسم کی چیزوں کی پیدائش بیان فرما کر اپنی زبردست قدرت کو ثابت کر رہا ہے۔ دو قسم کے دریا پیدا کر دیئے۔ ایک کا تو صاف ستھرا میٹھا اور عمدہ پانی، جو آبادیوں میں جنگلوں میں برابر بہہ رہا ہے اور دوسرے ساکن دریا جن کا پانی کھاری اور کڑوا ہے۔ جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز چل رہے ہیں اور دونوں قسم کے دریا میں سے قسم قسم کی مچھلیاں تم نکالتے ہو اور تر و تازہ گوشت کھاتے رہتے ہو۔ پھر ان میں سے زیور نکالتے ہو۔ یعنی لؤلؤ اور مرجان۔ یہ کشتیاں برابر پانی کو کاٹتی رہتی ہیں۔ ہواؤں کا مقابلہ کر کے چلتی رہتی ہیں۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کر لو۔ تجارتی سفر ان پر طے کرو۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکو اور تاکہ تم اپنے رب کا شکر کرو کہ اس نے یہ سب چیزیں تمہارے تابع فرمان بنا دیں۔ تم سمندر سے، دریاؤں سے کشتیوں سے نفع حاصل کرتے ہو۔ جہاں جانا چاہو پہنچ جاتے ہو۔ اس قدرت والے اللہ نے زمین و آسمان کی چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔ یہ صرف اس کا فضل و کرم ہے۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾ ع

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور مثلاً یہ کہ اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ (جس کی یہ شان ہے) تمہارا پروردگار ہے۔ اس کی ہی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو تمہاری پکار (اول تو) سنیں گے نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کریں گے اور قیامت کے روز وہ (خود) تمہارے شرک کی ممانعت کریں گے اور تجھ کو خبر رکھنے والے کی برابری کوئی نہیں بتلا دے گا○

گردشِ لیل و نہار:

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا ہے۔ کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن بڑے، کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑے ہیں، کبھی گرمیاں۔ اسی نے سورج چاند کو تھمے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے۔ مقدار معین پر اللہ کی طرف سے مقرر شدہ چال چلتے رہتے ہیں۔ پوری قدرتوں والے اور کامل علم والے اللہ نے یہ نظام قائم کر رکھا ہے جو برابر چل رہا ہے اور وقت مقررہ یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ جس اللہ نے یہ سب کیا ہے وہی دراصل لائق عبادت ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ جن بتوں کو اور اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں، خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن سب کے سب اس کے سامنے محض مجبور ہیں اور بالکل بے بس ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کے باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں۔ آسمان و زمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں، جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری آواز سنتے ہی نہیں۔ تمہارے یہ بت وغیرہ بے جان چیزیں کان والی نہیں جو سن سکیں۔ بے جان چیزیں بھی کہیں کسی کی سن سکتی ہیں اور بالفرض تمہاری پکار سن بھی لیں تو چونکہ ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ اس لئے وہ تمہاری حاجت برآئی کر نہیں سکتے قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے وہ منکر ہو جائیں گے۔ تم سے بیزار نظر آئیں گے۔

جیسے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ احقاف: ۵) یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک ان کی پکار کو نہ قبول کر سکیں بلکہ ان کی دعا سے وہ محض بے خبر اور غافل ہیں اور میدان محشر میں وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادتوں سے منکر ہو جائیں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ (سورۂ مریم: ۸۱) یعنی اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں۔ لیکن ایسا ہونے کا نہیں۔ بلکہ وہ ان کی عبادتوں سے بھی انکار کریں گے اور ان کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے۔ بھلا بتلاؤ اللہ جیسی سچی خبریں اور کون دے سکتا ہے؟ جو اس نے فرمایا: وہ

یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے اس سے اللہ تعالیٰ پورا باخبر ہے۔ اس جیسی سچی خبر کوئی اور نہیں دے سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اے لوگو! تم (ہی) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ (تو) بے نیاز ہے (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی گناہگار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا (بھی) تب بھی اس سے کچھ بوجھ نہ بٹایا جائے گا۔ اگرچہ وہ شخص قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○

تزکیہ نفس:

اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پرواہ ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اس کے سامنے ہر کوئی ذلیل ہے اور وہ عزیز ہے اور کسی قسم کی حرکت وسکون پر کوئی قادر نہیں۔ سانس تک لینا کسی کے بس میں نہیں۔ مخلوق بالکل ہی بے بس ہے غنی بے پرواہ اور بے نیاز صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام باتوں پر قادر وہی ہے وہ جو کرتا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت وتعریف سے خالی نہیں۔ اپنے قول اپنے فعل میں اپنی شرع میں اور تقدیروں کے مقرر کرنے میں۔ غرض ہر طرح وہ بزرگ اور لائق حمد وثنا ہے۔ لوگو! اللہ کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہے تو تم سب کو غارت وبرباد کر دے اور تمہارے عوض دوسرے لوگوں کو لائے۔ رب پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ قیامت کے دن کوئی دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ کوشش بھی پوری نہ ہوگی۔

کوئی نہ کہے گا کہ اس کا بوجھ اٹھائے عزیز واقارب بھی منہ موڑ لیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے گو ماں باپ ہو یا اولاد ہو۔ ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھو تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے وہ یاد کر کے کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے۔ باپ بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے دانے کے برابر مجھے اج اپنی نیکیوں میں سے دے دے۔ وہ کہے گا: ابا! آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں۔ لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے

بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بیوی کے پاس جائے گا۔ اس سے کہے گا: میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی: بہت ہی اچھے۔ یہ کہے گا: آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذاب سے چھوٹ جاؤں' جواب ملے گا کہ تمہارا سوال تو بہت معمولی ہے۔ لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے لگا ہوا ہے۔ میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: ﴿لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا﴾ (سورۂ لقمان ۳۳) یعنی آج نہ باپ بیٹے کے کام آئے نہ بیٹا باپ کے کام آئے اور فرمان ہے: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾ آج انسان اپنے بھائی سے بیوی سے چھپتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنے حال میں مست و بے خود ہوگا۔ ہر ایک دوسرے سے بے خود ہوگا ہر ایک دوسرے سے غافل ہو گا۔ تیرے وعظ و نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں' جو عقل مند اور صاحب فراست ہوں جو اپنے رب سے قدم قدم پر خوف کرنے والے اور اطاعت اللہ کرتے ہوئے نمازوں کو پابندی سے ادا کرنے والے ہیں۔ نیک اعمال خود تم ہی کو نفع دیں گے۔ جو پاکیزگیاں تم کرو ان کا نفع تم ہی کو پہنچے گا۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے' اُسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ حساب کتاب اس کے سامنے ہونا ہے۔ اعمال کا بدلہ وہ خود دینے والا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ⑲ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ⑳ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ㉑ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ㉒ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ㉓ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ㉔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ㉕ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ㉖

ع ۳ ۱۲ ۱۵

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور نہ روشنی اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور ان لوگوں کو آپ نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (مدفون) ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو (دین) حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہ ہوئی جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں گے تو جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا (اور) ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا ○

یہ سب برابر نہیں:

ارشاد ہوتا ہے کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا برابر نہیں۔ اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ جس طرح ان چیزوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح ایماندار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مؤمن آنکھوں والے کے اور اجالے اور سایہ کے اور زندے کے مثل ہے۔ برخلاف کافر کے وہ مثل ایک اندھیرے کے اور لو والی گرمی کے ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ (سورۂ انعام: ۱۲۲) یعنی جو مردہ تھا پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا۔ جسے لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکتا ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آیت میں ہے: ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ﴾ (سورۂ ہود: ۲۴) یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھتے سنتے کی سی ہے۔ مؤمن تو آنکھوں اور کانوں والا اجالے اور نور والا ہے۔ پھر راہ مستقیم پر ہے۔ جو صحیح طور پر سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا اور کافر اندھا بہرہ اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے۔ جن سے نکل ہی نہیں سکتا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا جو حرارت' تندی' تیزی اور گرمی والے آگ کا مخزن ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنائے۔ یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ سن کر قبول بھی کرتا جائے۔ تو قبروں والوں کو نہیں سنا سکتا۔ یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے کفار ہیں کہ ہدایت و دعوت ان کے لئے بے کار ہے۔ اسی طرح ان مشرکوں پر ان کی بدبختی چھا گئی اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو انہیں کسی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔ ہدایت وضلالت من جانب اللہ ہے' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں رسول آتا رہا۔ تاکہ ان کا عذر باقی نہ رہ جائے۔

جیسے اور آیت میں ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۂ رعد: ۷) اور جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (سورۂ نحل: ۳۶) وغیرہ۔ ان کا تجھے جھٹلانا کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ جو بڑے بڑے معجزات کھلی کھلی دلیلیں صاف صاف آیتیں لے کر آئے تھے اور نورانی صحیفے ان کے ہاتھوں میں تھے۔ آخر ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں عذاب وسزا میں گرفتار کر لیا۔ دیکھ لے کہ پھر میرے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ کس طرح تباہ وبرباد ہوئے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور اسی طرح پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعض) سفید (بعض) سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور (بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں

(اور) اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں واقعہ اللہ بڑا زبردست بخشنے والا ہے ○

اور یہ نشانیاں:

رب کی قدرتوں کے کمالات دیکھو کہ ایک قسم کی چیزوں میں گوناگوں نمونے نظر آتے ہیں۔ ایک پانی آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے مختلف قسم کے رنگ برنگ کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ سرخ' سفید' سبز وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایک کی خوشبو الگ الگ ہر ایک کا ذائقہ جداگانہ۔ جیسے اور آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرٰتٌ﴾ (سورۂ رعد: ۴) یعنی کہیں انگور ہے کہیں کھجور ہے کہیں کھیتی ہے وغیرہ۔ اسی طرح پہاڑوں کی پیدائش بھی قسم قسم کی ہے۔ کوئی سفید ہے کوئی سرخ ہے کوئی کالا ہے۔ کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں۔ کوئی لمبا ہے کوئی ناہموار ہے۔

ان بے جان چیزوں کے بعد جاندار چیزوں پر نظر ڈالو۔ انسانوں کو جانوروں کو چوپایوں کو دیکھو۔ ان میں بھی قدرت کی وضع وضع کی گلکاریاں پاؤ گے۔ بربر حبشی طماطم بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں صقالیہ رومی بالکل سفید رنگ۔ عرب درمیانہ' ہندی ان کے قریب قریب۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾ (سورۂ روم: ۲۲) تمہاری بول چال کا اختلاف تمہاری رنگتوں کا اختلاف بھی ایک عالم کے لئے تو قدرت کی کامل نشانی ہے۔ اس طرح چوپائے اور دیگر حیوانات کے رنگ روپ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بلکہ ایک ہی قسم کے جانوروں میں ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں اور ایک ہی جانور کے جسم پر کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ سب سے اچھا خالق اللہ کیسی کچھ برکتوں والا ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں' ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے۔ سرخ زرد اور سفید۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد ہی فرمایا کہ جتنا کچھ خوفِ خدا کرنا چاہئے اتنا خوف تو صرف علماء ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جاننے بوجھنے والے ہوتے ہیں۔ حقیقتاً جو شخص جس قدر ذات جلیلہ کی نسبت معلومات زیادہ رکھے گا اسی قدر اس عظیم قدیر علیم اللہ کی عظمت و ہیبت اس کے دل میں بڑھے گی اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہوگی جو جانے گا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا۔ اللہ کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کے حلال کئے ہوئے اور اس کے حرام بتائے ہوئے کاموں کو حرام جانے۔ اس کے فرمان پر یقین کرے اس کے احکام کی تعمیل کرے۔ اس کی ملاقات کو برحق جانے۔ اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔ خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ عالم کہتے ہی اُسے ہیں جو در پردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی رضامندی کی رغبت کرے اور اس کی ناراضی کے کاموں سے نفرت کرے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کثرت معلومات کا نام علم نہیں بلکہ علم نام ہے بہ کثرت اللہ سے ڈرنے کا۔ حضرت امام مالک کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں۔ علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت ابن صالح مصریؒ فرماتے ہیں: علم کثرت روایات کا نام نہیں' بلکہ علم نام ہے اس کا جس کی تابعداری اللہ کی طرف سے فرض ہے یعنی کتاب وسنت اور جو صحابہ اور ائمہ سے پہنچا ہو وہ روایات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نور جو بندے کے آگے آگے ہوتا ہے وہ عالم کو اور اس کے مطلب کو سمجھ لیتا ہے۔ نقل ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ عالم باللہ۔ عالم بامر اللہ اور عالم باللہ و بامر اللہ' عالم باللہ عالم بامر اللہ نہیں اور عالم بامر اللہ عالم باللہ نہیں۔ ہاں عالم باللہ بامر اللہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور حدود و فرائض جانتا ہو۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ لیکن حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو۔ عالم بامر اللہ وہ ہے حدود و فرائض کو تو جانتا ہو لیکن دل اس کا خشیت سے خالی ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تا کہ ان کو ان کی اجرتیں (بھی پوری پوری) دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دیں۔ بیشک وہ بخشنے والے قدردان ہیں ○

تلاوت' اقامت صلوٰۃ اور نفاق:

مؤمن بندوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں۔ عمل بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ نماز کے پابند زکوٰۃ خیرات کے عادی' پوشیدہ علانیہ اللہ کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے مال کے ثواب کے امیدوار اللہ سے ہوتے ہیں۔ جس کا ملنا یقینی ہے۔ جیسے کہ اس تفسیر کے شروع میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ ایسے شخص سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور تو تو سب تجارتوں کے پیچھے ہے۔ انہیں ان کے پورے ثواب ملیں گے۔ بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر ملیں گے جس کا خیال بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کا بخشنے والا اور چھوٹے اور تھوڑے عمل کا بھی قدردان ہے۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ تو اس آیت کو قاریوں کی آیت کہتے تھے۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اس پر بھلائیوں کی ثنا کرتا ہے جو اس نے کی نہ ہوں اور جب کسی سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح برائیوں کی۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ○

قرآن مجید:

قرآن اللہ کا سچا کلام ہے اور جس طرح اگلی کتابیں اس کی خبر دیتی رہیں۔ یہ بھی ان اگلی سچی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے۔ رب خبیر وبصیر ہے۔ ہر مستحق فضیلت کو بخوبی جانتا ہے۔ انبیا کو دوسرے انسانوں پر اس نے اپنے وسیع علم سے فضیلت دی ہے۔ پھر انبیا میں بھی آپس میں مرتبے مقرر کر دیئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے بڑا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاؑ پر درود وسلام بھیجے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا کے) بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں بڑا فضل ہے ○

مختلف کوششیں:

جن کتاب کا اوپر ذکر ہوا تھا' اس کتاب یعنی قرآن کریم کو ہم نے اپنے چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا۔ یعنی اس امت کے پھر ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے۔ بعض تو ذرا کچھ آگے پیچھے ہو گئے۔ وہ ظالم نفس کہلائے۔ ان سے کچھ غیر مناسب کام بھی سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانہ درجہ کے رہے۔ جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا۔ واجبات بجالاتے رہے۔ لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی سی نافرمانی بھی سرزد ہو گئی۔ بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات کے ساتھ مستحبات کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ کر مکروہات سے یکسر الگ رہے۔ بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد امت محمد ہے۔ جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ انہیں بخشا جائے گا اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں' ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا۔ طبرانی میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں والوں کے لئے ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: سابق بالخیرات لوگ تو بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ الغرض اس امت کے ہلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔ فالحمدللہ۔

گو اکثر سلف کا قول یہی ہے۔ لیکن بعض سلف نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ لوگ نہ تو اس امت میں داخل ہیں اور نہ چیدہ اور پسندیدہ ہیں۔ نہ وارثین کتاب ہیں' بلکہ مراد اس سے کافر منافق اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے لوگ ہیں۔ پس یہ قسمیں وہی ہیں جن کا بیان سورۂ واقعہ کے اوّل و آخر میں ہے۔ یعنی یہ جو تین اقسام گنائی گئی ہیں۔ یہ برگزیدہ بندوں کی نہیں۔ بلکہ بندوں کی ہیں۔ یعنی عبادنا کی۔ کہ وہ کن کن قسموں کے ہوتے ہیں۔ لیکن قول یہی صحیح ہے کہ یہ اسی امت میں ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتا ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ تینوں گویا ایک ہی اور تینوں ہی جنتی ہیں (مسند احمد)۔

یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی ہیں' جن کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں ہونے کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ وہ جنتی ہیں گویا ایک ہی ہیں۔ ہاں مرتبوں میں فرق ہونا لازمی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: سابقین تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے۔ پھر اللہ کی رحمت سے تلافی ہو جائے گی اور یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم ورنج دور کر دیا۔ ہمارا رب بڑا ہی غفور و شکور ہے۔ جس نے اپنے فضل و کرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی، جہاں ہمیں کوئی دکھ درد نہیں (مسند احمد)۔ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔ ابن جریر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے کہ حضرت ابو ثابت مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدایا میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر صحابی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تیرا ساتھی ہوں۔ سن میں تجھے آج وہ حدیث رسول سناتا ہوں۔ جسے میں نے آج تک کسی کو نہیں سنایا۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو جنت میں بے حساب جائیں گے اور مُقْتَصِدٌ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ کو اس مکان میں غم ورنج پہنچے گا۔ جس سے نجات پا کر کہیں گے اللہ کا شکر ہے، جس نے ہم سے غم ورنج دور کر دیا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت سے ہیں۔ چوتھی حدیث میں ہے، میری امت کے تین حصے ہیں، ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا[1]۔ دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشیں ہونے والا۔ تیسری وہ جماعت ہوگی جن سے باز پرس تو ہوگی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں لا الہ الا اللہ وحدہٗ کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اچھا میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا۔ جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں جہنمیوں پر لاد دو۔ اسی کا ذکر آیت: ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ﴾ (سورۂ روم: ۲۲) میں ہے۔ یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا، ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ پس ان میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بے حساب جنت میں جانے والی۔ ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی۔ ایک گنہگار جس کی نسبت اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے: خدایا ان کے بڑے بڑے گناہ ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا، انہیں میری رحمت میں داخل کر دو۔ پھر حضرت عبداللہ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر)

دوسرا اثر، حضرت عائشہؓ سے ہے۔ اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرمائی ہیں: بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں: سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ تو وہ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ جنہیں خود آپ نے جنت کی بشارت دی مُقْتَصِدٌ وہ ہیں، جنہوں نے

---

[1] جمعہ کا دن ہے اور قبل عصر جمعہ کے دن دعاؤں کے مقبول ہونے کی خاص بشارت۔ اے اللہ! اے گناہوں کے بخشنے والے اے غفور رحیم، اے رحمٰن اے احکم الحاکمین، ستار العیوب، مجیب الدعوات اس ظلوم و جہول گناہوں میں مبتلا نافرمان، عصیاں کوش، اپنے بندہ انظر کو محض اپنے فضل و کرم سے اس طبقہ میں شمار کرے جن کو بلا حساب اور بغیر عذاب تیری رحمت سرفراز فرمائے۔ اے اللہ تمام قارئین کو یہ مقام عطا فرما اور جناب کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ ہم جیسے گناہ گار اس بحر بیکراں میں تنکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اے معاف کرنے والے جو کچھ کیا جو کچھ کریں معاف فرما۔ تیری رحمت کے صدقے تیری ستاری پر قربان اور تیری شان غفار پر نثار۔

آپ کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ ان سے مل گئے[1] اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مجھ تجھ جیسے ہیں۔ (ابوداؤد طیالسی) خیال فرمائیے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجودیکہ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ میں سے بلکہ ان میں بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے آپ کو متواضع بناتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ تمام عورتوں پر ام المومنین حضرت عائشہ کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید[2] کو ہر قسم کے کھانوں پر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں اور مُقْتَصِدٌ ہمارے شہری لوگ ہیں اور سابق ہمارے مجاہد ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے لوگ اسی امت میں سے ہیں اور سب جنتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد کے جنت کا ذکر کر کے پھر فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ﴾ (سورۂ فاطر: ۳۶) پس یہ لوگ دوزخی ہیں (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: کعب کے اللہ کی قسم یہ سب ایک ہی زمرے میں ہیں۔ ہاں اعمال کے مطابق ان کے درجات کم و بیش ہیں۔ ابو اسحٰق سبیعی بھی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔

محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں یہ امت مرحومہ ہے ان کے گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا اور ان کے مقتصد اللہ کے پاس جنت میں ہوں گے اور ان کے سابق بلند درجوں میں ہوں گے۔ محمد بن علی باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جن لوگوں کو ﴿ظالم لنفسہ﴾ کہا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے گناہ بھی کئے تھے اور نیکیاں بھی ان احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر یہ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو یہ شامل ہے۔ پس علماء اس نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ رشک کے قابل ہیں اور اس رحمت کے زیادہ حقدار ہیں۔

جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابو درداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں: اس حدیث کو سننے کے لئے آیا ہوں۔ جو آپ بیان کیا کرتے ہیں۔ پوچھا: کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا: پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا: کوئی مقصد نہیں۔ پوچھا: پھر کیا حدیث کی طلب کے لئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ فرمایا: سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو طے کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے باغوں میں چلائے گا۔ اللہ کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کے لئے پر بچھا دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں۔ عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تاروں پر۔ علما نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دنیا نہیں چھوڑے۔ ان کا علم دین ہے۔ جس نے اسے لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) اس حدیث کے تمام طریق اور الفاظ اور شرح میں نے صحیح بخاری کتاب العلم کی شرح میں مفصل

---

[1] یا تو مطلب یہ ہے کہ اتباع اتنی کامل کی کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو آپ کے کامل متبع تھے یہ بی عادت و خصائل اتباع اور پیروں میں ان سے مل گئے۔ ان کے مقام پر پہنچ گئے۔ اتباع کا وہی درجہ حاصل کر لیا یا پھر مطلب یہ ہے کہ قدم اتباع میں اس طرح اٹھائے کہ انہی نشانات پر ان کے قسم پڑے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے تھے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ ان خوش نصیب لوگوں کو بتوفیق اللہ کامل اتباع کی دولت اور سعادت حاصل ہوئی۔

[2] ثرید عرب کا ایک مخصوص کھانا بس یوں سمجھئے کہ جیسے چری ہوئی روٹی ہو۔

بیان کر دی ہے۔ فالحمدللہ۔ سورہ طٰہٰ کے شروع میں وہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء سے فرمائے گا: میں نے اپنا علم و حکمت تمہیں اس لئے ہی دیا تھا کہ میں تمہیں بخش دوں۔ گو تم کیسے ہی ہو۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں[1]۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۙ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

وہ باغات ہمیشہ رہنے کے لئے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (اور) ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (رنج و) غم دور کیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا۔ جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی ○

یہ انعام و اکرام:

فرماتا ہے جن برگزیدہ لوگوں کو ہم نے وارث کتاب اللہ کیا ہے انہیں قیامت کے دن ہمیشگی اور دائمی اور ابدی نعمتوں والی جنتوں میں پہنچائیں گے۔ جہاں انہیں سونے اور موتیاں والے کنگن پہنائے جائیں گے حدیث میں ہے مؤمن کا زیور وہاں تک ہوگا۔ جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ اس کا لباس وہاں خالص ریشمی ہوگا۔ جس کی دنیا میں ان کو ممانعت کر دی گئی۔ حدیث میں ہے یہ ریشم کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور مؤمنوں کے لئے آخرت میں ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے زیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: انہیں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے جو موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہوں گے۔ ان پر درویاقوت کے تاج ہوں گے۔ بالکل شاہانہ ہوں گے۔ وہ نوجوان ہوں گے۔ بغیر بالوں کے سرمئی آنکھوں والے۔ وہ جناب باری عزوجل کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہم سے خوف ڈر زائل کر دیا اور دنیا میں آخرت کی پریشانیاں سے ہمیں نجات دنے دی۔ حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ والوں پر قبروں میں میدان محشر میں کوئی دہشت و وحشت نہیں۔ میں تو گویا انہیں اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں پر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا (ابن ابی حاتم)۔

طبرانی میں ہے موت کے وقت بھی انہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے: ان کی بڑی بڑی اور بہت سی

[1] بڑی بشارت ہے علماء دین کے لئے۔ لیکن اس سے مغرور ہو جانا اور عمل سے ہاتھ اٹھا لینا قطعاً مفہوم نہیں ہوتا۔ بلکہ حضرت علماء کرام کو تو اور زیادہ نیک زندگی نیک عمل نیک چین اختیار کرنا چاہئے کیونکہ وہ مقتدا ہیں نمونہ ہیں اسوہ ہیں۔

خطائیں معاف کر دی گئیں اور چھوٹی چھوٹی اور کم مقدار نیکیاں قدر دانی کے ساتھ قبول فرمائی گئیں۔ یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے یہ پاکیزہ بلند ترین مقامات عطا فرمائے۔ ہمارے اعمال تو اس قابل تھے ہی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے تم میں سے کسی کو اس کے اعمال جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے پوچھا: آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: نہ مجھے مگر اس صورت کہ اللہ کی رحمت میرا ساتھ دے۔ وہ کہیں گے یہاں تو ہمیں نہ کسی طرح کی مشقت و محنت ہے نہ تھکان اور کلفت۔ روح الگ خوش ہے جسم الگ راضی ہے۔ بدلہ ہے اس کا جو دنیا میں راہ اللہ میں تکلیفیں انہیں اٹھانی پڑی تھیں۔ آج راحت ہی راحت ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا ہے سہتا پچتا کھاتے پیتے رہو اس کے بدلے میں جو دنیا تم نے میری فرماں برداریاں کہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷

اور جو لوگ (برخلاف ان کے) کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو (یہاں سے) نکال لیجئے ہم (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا سو (اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا (یہاں) کوئی مددگار نہیں ○

کتنے خوفناک عذاب:

نیک لوگوں کا حال بیان فرما کر اب بُروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ دوزخ کی آگ میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ انہیں وہاں موت بھی نہیں آئے گی' جو مر جائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (سورۂ اعلیٰ:۱۳) نہ وہاں انہیں موت آئے گی نہ کوئی اچھی زندگی ہوگی۔ وہ تو کہیں گے: اے داروغۂ جہنم! تم ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت دے دے۔ لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے۔ پس وہ تو موت کو اپنے لئے راحت سمجھیں گے۔ لیکن وہ آئے گی ہی نہیں۔ نہ مریں نہ عذاب میں کمی دیکھیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ (سورۂ زخرف:۷۴) یعنی کفار ائمہ عذاب جہنم میں رہیں گے۔ جو عذاب کبھی بھی نہ ہٹیں گے نہ کم ہوں گے۔ یہ تمام بھلائی سے محض مایوس ہوں گے۔ ایک دوسری جگہ ہے: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۹۷) آگ جہنم ہمیشہ تیز ہی ہوتی رہے گی۔ فرماتا ہے: ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ (سورۂ نباء:۳۰) لو اب مزے چکھو عذاب ہی عذاب اب تمہارے لئے بڑھتے رہیں گے کافروں کا یہ بدلہ ہے۔ وہ چیخ پکار کریں گے۔ ہائے وائے کریں گے۔ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے۔ اقرار کریں گے کہ اب گناہ نہیں کریں گے۔ نیکیاں کریں

گے۔ لیکن رب العالمین خوب جانتا ہے کہ اگر یہ واپس بھی جائیں تو وہی سرکشی کریں گے۔ اسی لئے ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوگی۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ انہیں ان کے اس سوال کا جواب ملے گا کہ تم وہی ہو کہ جب اللہ کی وحدانیت کا بیان ہوتا تھا تو تم کفر کرنے لگتے تھے۔ وہاں اس کے ساتھ شرک کرنے میں تمہیں مزہ آتا تھا پس اگر تمہیں لوٹا دیا گیا تو وہی کرو گے جس سے روکا جاتا ہے۔ پس فرمایا: دنیا میں تم بہت جئے تم اس لمبی مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ مثلاً ستر سال جئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لمبی عمر بھی اللہ کی طرف سے حجت پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ہی انسان برائیوں میں بڑھتا چلا جائے۔ دیکھو تو یہ آیت جب اتری ہے اس وقت بعض لوگ صرف اٹھارہ سال کی عمر کے ہی تھے۔ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں: مراد بیس کی عمر ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں: چالیس سال کی عمر میں انسان کو ہوشیار ہو جانا چاہئے۔

ابن عباس فرماتے ہیں: اس عمر تک پہنچنا اللہ کی طرف سے عذر بندی ہو جاتا ہے۔ آپ ہی سے ساٹھ سال بھی مروی ہیں اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں بھی ہے۔ گو امام ابن جریرؒ اس کی سند میں کلام کرتے ہیں۔ لیکن وہ کلام ٹھیک نہیں۔ حضرت علیؓ سے بھی ساٹھ سال ہی مروی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قیامت کے دن ایک منادی یہ بھی ہوگی کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جانے والے کہاں ہیں؟ لیکن اس کی سند ٹھیک نہیں۔ مسند میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچا دیا۔ اس کا کوئی عذر بھی اللہ کے ہاں نہیں چلنے کا[1]۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے 'اس شخص کا عذر اللہ نے کاٹ دیا' جسے ساٹھ سال تک دنیا میں رکھا۔ اس حدیث میں اور سندیں بھی ہیں۔ لیکن اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم کا اسے اپنے صحیح میں وارد کرنا اس کی صحت کافی ثبوت ہے۔ ابن جریر کا کہنا کہ اس کی سند کی جانچ کی ضرورت ہے' امام بخاریؒ کے صحیح کہنے کے مقابلے میں ایک جو کی بھی قیمت نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگ کہتے ہیں: اطبا کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ ساٹھ سال تو انسان بڑھوتری میں رہتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس آیت میں اسی عمر کو مراد لینا اچھا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں (ترمذی وغیرہ)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تو اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں: اس کی اور کوئی سند نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ امام صاحب نے یہ کیسے فرما دیا۔ اس کی ایک دوسری سند ابن ابی الدنیا میں موجود ہے۔ خود ترمذی میں بھی یہ حدیث دوسری سند سے کتاب الزہد میں موجود ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے' میری امت میں ستر سال کی عمر والے بھی کم ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی امت کی عمر کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: پچاس سے ساٹھ سال تک کی عمر ہے۔ پوچھا گیا: ستر سال کی عمر والے؟ فرمایا: بہت کم۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور اسی سال والوں پر اپنا رحم فرمائے گا (بزار)۔ اس حدیث کا ایک راوی عثمان بن مطر قوی نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ ایک قول ہے کہ ساٹھ سال کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پینسٹھ برس کی تھی۔ واللہ اعلم۔

تمہارے پاس ڈرانے والے آ گئے۔ یعنی سفید بال یا خود رسول اللہ علیہ وسلم زیادہ صحیح قول دوسرا ہی ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾ (سورۂ نجم: ۵۶) یہ پیغمبر نذیر ہیں۔ پس عمر دے کر رسول بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی۔ چنانچہ قیامت کے دن میں

---

[1] عمر گویا کہ اس کو اتنی ملی تھی کہ اگر چاہتا تو اچھے کام' نیک زندگی اور اعمال صالحہ کر سکتا تھا۔ پس جب اتنی مدت میں بھی کوئی کام نہ کر سکا۔ عذر اپنی بدعملی کا کیا پیش کر سکے گا۔ خوب کہا ہے امیر مینائی نے

کیا کہوں گا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا امیر ☆ کیوں نہ بگڑی ہوئی تقدیر بنائے آئے

جب دوزخی تمنائے موت کریں گے تو یہی جواب ملے گا کہ تمہارے پاس حق آ چکا تھا۔ یعنی رسول کی زبانی ہم پیغام حق تمہیں پہنچا چکے تھے۔ لیکن تم نہ مانے اور آیت میں ہے: ﴿مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۵) ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔ سورہ تبارک میں فرمان ہے جب جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہاں کے داروغہ سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں آئے تھے لیکن ہم نے انہیں نہ مانا' انہیں جھوٹا جانا اور کہہ دیا کہ اللہ نے تو کوئی کتاب وغیرہ نازل نہیں فرمائی' تم یونہی بک رہے ہو۔ پس آج قیامت کے دن ان سے کہہ دیا جائیگا کہ نبیوں کی مخالفت کا مزہ چکھو۔ مدت العمر انہیں جھٹلاتے رہے اب آج بدلے اٹھالو' سن کر کوئی نہ کھڑا ہوگا جو تمہارے کام آ سکے تمہاری کچھ مدد کر سکے اور عذابوں سے بچا سکے یا چھڑا سکے۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

بے شک اللہ ہی جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا بے شک وہی جاننے والا ہے دل کی باتوں کا وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور (نیز) کافروں کے لئے ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے ○

اللہ تعالیٰ اپنے وسیع اور بے پایاں علم کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا عالم ہے۔ دلوں کے بھید سینوں کی باتیں اس پر عیاں ہیں۔ ہر عامل کو اس کے عمل کا وہ بدلہ دے گا۔ اس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔ کافروں کے کفر کا وبال خود ان پر ہے۔ وہ جوں جوں اپنے اپنے کفر میں بڑھتے ہوں اللہ کی ناراضگی ان پر بڑھتی ہے اور ان کا نقصان اور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ برخلاف مؤمن کے کہ اس کی عمر جس قدر بڑھتی ہے نیکیاں بڑھتی ہیں اور درجے پاتا ہے اور اللہ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

آپ کہیے کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو (یعنی) مجھ کو بتلاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا جزو بنایا ہے۔ یا ان کا آسمان بنانے میں کچھ ساجھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے بڑے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر (بالفرض) وہ موجودہ حالت کو بھی چھوڑ دیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ وہ حلیم غفور ہے ○

شرک کی ناپائیداری:

اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرمائیے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارا کرتے ہو تم مجھے بھی تو ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یا یہی ثابت کر دو کہ آسمانوں میں ان کا کون سا جھا ہے؟ جب کہ نہ وہ خالق نہ ساجھی۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر انہیں کیوں پکارو۔ وہ تو ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ اچھا یہ بھی نہیں تو کم از کم اپنے اس کفر و شرک کی کوئی دلیل ہی پیش کرو۔ لیکن تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اپنے نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو۔ دلیل کچھ بھی نہیں۔ باطل، جھوٹ اور دھوکے بازی میں مبتلا ہو۔ ایک دوسرے کو فریب دے رہے ہو۔ اپنے ان جھوٹے معبودوں کی کمزوری اپنے سامنے رکھ کر اللہ کی جو سچا معبود ہے قدرت و طاقت دیکھو کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ رکا ہوا ہے اور تھما ہوا ہے ادھر ادھر جنبش بھی تو نہیں کر سکتے۔ آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے اللہ روکے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں اسکے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اسکے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے روک سکے نظام پر قائم رکھ سکے۔ اس حلیم و غفور اللہ کو دیکھو کہ مخلوق و مملوک کی نافرمانی سرکشی کفر و شرک دیکھتے ہوئے بھی برد باری و بخشش سے کام لے رہا ہے ڈھیل اور مہلت دیئے ہوئے ہے گناہوں کو معاف فرماتا جاتا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب بلکہ منکر حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ جناب رسول اللہ نے ایک مرتبہ منبر پر بیان فرمایا کہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اللہ تعالیٰ کبھی سوتا بھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیج دیا۔ جس نے انہیں تین دن تک سونے نہ دیا۔ پھر ان کے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک بوتل دی اور حکم دیا کہ ان کی حفاظت کرو۔ یہ گریں نہیں ٹوٹیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ہاتھوں میں لے کر حفاظت کرنے لگے۔ نیند کا غلبہ تھا اونگھ آئی اور کچھ جھونکے تو ایسے آئے کہ آپ ہوشیار ہو ہو گئے اور بوتل گرنے نہ دی۔ لیکن آخر نیند غالب آ گئی اور بوتلیں ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئیں اور چورا چورا ہو گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ سونے والا دو بوتلیں بھی نہیں تھام سکتا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ سوتا تو زمین آسمان کی حفاظت اس سے کیسے ہوتی۔ لیکن یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی گھڑی ہوئی خرافات ہیں۔

بھلا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سو جاتا ہے۔ باوجود یکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں فرما چکا ہے کہ اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ زمین و آسمان کی کل چیزوں کا مالک صرف وہیں ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے نہ سونا اس کے شایان شان ہے۔ وہ ترازو کو اونچا نیچا کرتا رہتا ہے۔ دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اُس کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے یا آگ۔ اگر اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچی ہے سب مخلوق کو جلا دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا: شام سے۔ پوچھا: وہاں کس سے ملے؟ کہا: کعبؓ سے۔ پوچھا: کعبؓ سے کیا بات بیان کی؟ کہا: آسمان ایک فرشتے کے کندھے تک گھوم رہے ہیں۔ پوچھا: تم نے اسے سچ جانا یا جھٹلا دیا؟ جواب دیا کچھ بھی نہیں کیا۔ سنو! حضرت

کعبؓ نے غلط کہا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

دوسری سند میں آنے والا کا نام ہے کہ وہ حضرت جندب بجلیؓ تھے۔ حضرت امام مالک بھی اس کی تردید کرتے ہیں کہ آسمان گردش میں ہیں اور اسی آیت سے دلیل لیتے تھے اور اس حدیث سے بھی۔ جس میں ہے مغرب میں ایک دروازہ ہے جو توبہ کا دروازہ ہے وہ بند نہ ہوگا۔ جب تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اَعْلَمُ۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۝﴿۴۲﴾ اِۨسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

اور ان کفار (قریش) نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں پھر جب ان کے پاس ایک پیغمبر آ پہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اور ان کی بری تدبیروں کو اور بری تدبیروں کا وبال (حقیقی) ان تدبیر والوں والوں ہی پر پڑتا ہے سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ اللہ کے (اسی) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کچھ منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے ○

ایک ارادہ جو پورا نہ ہوسکا:

قریش نے اور عرب نے حضورؐ کی بعثت سے پہلے بڑی قسمیں کھا رکھی تھیں کہ اگر اللہ کا کوئی رسول ہم میں آئے تو ہم تمام دنیا سے زیادہ اسکی تابعداری کریں گے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ﴾ (سورۂ انعام: ۱۵۶) یعنی اسلئے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے کی جماعتوں پر تو البتہ کتابیں اتریں۔ لیکن تو ان سے بے خبر ہی رہے۔ اگر ہم پر یہ کتاب اترتی تو ہم ان سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہو جاتے۔ تو لو اب تو خود تمہارے پاس تمہارے رب کی بھیجی ہوئی دلیل آ پہنچی۔ ہدایت و رحمت خود تمہارے ہاتھوں میں دی جا چکی ہے۔ اب بتلاؤ کہ رب کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان سے منہ موڑنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور آیتوں میں ہے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اگلے لوگوں کے عبرتناک واقعات ہوتے تو ہم تو اللہ کے مخلص بندے بن جاتے لیکن پھر بھی انہوں نے اسکے انکے پاس آنے کے بعد کفر کیا۔ اب انہیں عنقریب اسکا انجام معلوم ہو جائیگا۔ انکے پاس اللہ کے آخری پیغمبر اور رب کی آخری اور افضل ترین کتاب آ چکی ہے۔ لیکن کفر میں اور بڑھ گئے۔ انہوں نے اللہ کی باتیں ماننے سے تکبر کیا۔ خود نہ مان کر پھر اپنی مکاریوں سے اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے روکا۔ لیکن انہیں باور کر لینا چاہئے کہ اسکا وبال خود ان پر پڑے گا یہ اللہ کا نہیں البتہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں مکاریوں سے پرہیز کرو مکر کا بوجھ مکار پر ہی پڑتا ہے اور اسکی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں: تین کاموں کا کرنے والا نجات

نہیں پا سکتا۔ ان کاموں کا وبال اس پر یقیناً آ پڑتا ہے۔ مکر اور بغاوت اور وعدوں کو توڑنا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ انہیں صرف اسکا انتظار ہے۔ جو ان جیسے کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسول کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آ گئے۔ پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے اور تو غور کر لے رب کی عادت بدلتی نہیں نہ پلٹتی ہے۔ جس قوم پر عذاب کا ارادۂ خداوندی ہو چکا پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ نہ عذاب ان پر سے ہٹے۔ نہ وہ ان سے بچیں نہ کوئی انہیں بچا سکے۔ واللہ اعلم۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز (قوت والی) اس کو ہرا دے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں (کیونکہ وہ علم والا اور) بڑی قدرو والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین (یعنی قیامت) تک مہلت دے رہا ہے۔ سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا ○

سیر کر دُنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں:

حکم ہوتا ہے کہ ان منکروں سے فرما دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں تو سہی کہ ان جیسے ان سے اگلے لوگوں کے کیسے عبرتناک انجام ہوئے۔ ان کی نعمتیں چھن گئیں۔ ان کے محلات اجاڑ دیئے گئے۔ ان کی طاقت ختم ہو گئی۔ ان کے مال تباہ کر دیئے گئے۔ ان کی اولاد ہلاک کر دی گئی۔ اللہ کے عذاب ان پر سے کسی طرح نہ ٹلے۔ آئی ہوئی مصیبت کو وہ نہ ہٹا سکے۔ نوچ لئے گئے۔ تباہ برباد ہو گئے۔ کچھ کام نہ آیا۔ کوئی فائدہ کسی سے نہ پہنچا۔ اللہ کو کوئی ہرا نہیں سکتا۔ اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اس کا کوئی ارادہ مراد سے جدا نہیں کر سکتا۔ اس کا کوئی حکم کسی سے ٹل نہیں سکتا۔ وہ تمام کائنات کا عالم ہے۔ وہ تمام کاموں پر قادر ہے۔ اگر وہ اپنے بندوں کے تمام گناہوں پر پکڑ کرتا ہے تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو جاتے۔ جانور اور رزق تک برباد ہو جاتے۔ جانوروں کو ان کے گھونسلوں اور آشیانوں میں بھی عذاب پہنچ جاتا۔ زمین پر کوئی جانور باقی نہ بچتا۔ لیکن اب ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ عذابوں کو مؤخر کئے ہوئے ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ قیامت قائم ہو جائے اور حساب کتاب شروع ہو جائے۔ طاعت کا بدلہ ثواب ملے۔ نافرمانی کا عذاب اور اس پر سزا ہو۔ اجل آنے کے بعد پھر تاخیر نہیں ملنے کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ بخوبی دیکھنے والا ہے۔

سُوْرَةُ یٰسٓ

سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ وَّهِیَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَةً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۵ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — کُل آیات: ۸۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰسین ہے۔ سورہ یٰسین کے پڑھنے والے کو دس قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی مجہول ہے۔ اس باب میں اور روایتیں بھی ہیں۔ لیکن سنداً وہ بھی کچھ بہت مضبوط نہیں اور حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو سورہ یٰسین پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اسکی اسناد بہت قوی ہیں۔ مسند کی حدیث میں ہے۔ سورہ بقرہ قرآن کی کوہان اور اسکی بلندی ہے۔ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے اترتے ہیں۔ اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرش کے نیچے سے لائی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ اسے جو شخص نیک نیتی سے اللہ کی رضا جوئی کے لئے پڑھے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے ان لوگوں کے سامنے پڑھو جو سکرات کی حالت میں ہوں، بعض علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اسے آسان کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور روح آسانی سے نکلتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مشائخ نے بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورہ یٰسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے، بزار میں فرمان رسول ہے کہ میری تمنا ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷

یٰسین قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بے شک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں (اور) سیدھے رستے پر ہیں۔ یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے کہ آپ (اولاً) ایسے لوگوں کو ڈرا دیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے سو اسی سے یہ بے خبر ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات (تقدیری) ثابت ہو چکی ہے۔ سو یہ لوگ (ہرگز) ایمان نہ لائیں گے ○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں:

حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں۔ جیسے یہاں یٰسٓ ہے۔ ان کا پورا بیان ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ لہٰذا اب یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ''یٰسٓ'' سے مراد ''اے انسان'' ہے۔ بعض کہتے ہیں: حبشی زبان میں اے انسان کے معنی میں یہ لفظ ہے۔ کوئی کہتا ہے: یہ اللہ کا نام ہے۔ پھر فرماتا ہے قسم ہے محکم اور مضبوط قرآن کی جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا کہ بالیقین اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ سچے اچھے مضبوط اور عمدہ سیدھے اور صاف دین پر آپ ہیں یہ صراط مستقیم خدائے رحمٰن ورحیم کی ہے۔ یہ دین اسی کا اتارا ہوا ہے۔ جو عزت والا اور مؤمنوں پر خاص مہربانی کرنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (سورۂ شوریٰ: ۵۲) تو یقیناً راہ راست کی راہبری کرتا ہے۔ جو اس اللہ کی سیدھی راہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور جس کی طرف تمام امور کا انجام ہے تاکہ تو عربوں کو ڈرائے جن کے بزرگ بھی ہوشیار نہیں کئے گئے۔ جو محض غافل ہیں۔ ان کا تنہا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ دوسرے اس تنبیہ سے الگ ہیں۔ جیسے کہ بعض افراد کے ذکر سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام تھی ساری دنیا کی طرف۔ اس کے دلائل بسط وتفصیل سے آیت: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (سورۂ اعراف: ۱۵۸) تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔ اکثر لوگوں پر اللہ کا قول ثابت ہو چکا ہے۔ انہیں تو ایمان نصیب نہیں ہونے کا' وہ تو تجھے جھٹلاتے ہی رہیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں جس سے ان کے سر اوپر کو گئے اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی۔ جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ ایمان نہ لائیں گے۔ پس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور اللہ سے بے دیکھے ڈرے سو آپ اس کی مغفرت اور عمدہ عوض کی خوش خبری سنا دیجئے بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں

اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر دیا تھا○

سامنے کھڑی دیواریں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدنصیبوں کا ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی طرح ہیں' جن کے ہاتھ گردن پر باندھ دیئے جائیں اور ان کا سر اونچا جا رہا ہو۔ گردن کے ذکر کے بعد ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا۔ لیکن مراد یہی ہے کہ گردن ملا کر ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور سر اونچے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ بولنے میں ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز کو جو اسی سے سمجھ لی جاتی ہے' اس کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں یہ بات موجود ہے۔ ''غل'' کہتے ہی دونوں ہاتھوں کو گردن تک پہنچا کر گردن کے ساتھ جکڑ کر بند کر دینے کو۔ اسی لئے گردن کا ذکر کیا اور ہاتھوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی کارِ خیر کی طرف ہاتھ بڑھا ہی نہیں سکتے۔ ان کے سر اونچے ہیں۔ ان کے ہاتھ ان کے منہ پر ہیں۔ وہ ہر بھلائی سے بے بس ہیں۔ گردنوں کے اس طوق کے ساتھ ہی ان کے آگے دیوار ہے۔ یعنی حق کے قبول کرنے سے رکاوٹ ہے۔ پیچھے بھی دیوار ہے یعنی حق سے رکاوٹ ہے۔ اس وجہ سے تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ حق کے پاس آ نہیں سکتے۔ ضلالتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ نہ حق کی طرف راہ پائیں۔ نہ حق سے فائدہ اٹھائیں۔ ابن عباس کی قراءت میں فَاَعْشَيْنٰهُمْ عین سے ہے۔ یہ ایک قسم کی آنکھ کی بیماری ہے جو انسان کو نابینا کر دیتی ہے۔

پس اسلام وایمان اور ان کے درمیان ہر طرف سے رکاوٹ ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جن پر تیرے رب کا کلمہ حق ہو چکا ہے۔ وہ تو ایمان لانے کے ہی نہیں۔ گو تو انہیں سب آیتیں بتا دے۔ یہاں تک کہ وہ دردناک عذابوں کی خود دیکھ لیں۔ جسے اللہ رد کر دے۔ وہ کہاں سے روک ہٹا سکے۔ ایک مرتبہ ابوجہل ملعون نے کہا کہ اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوں گا تو یہ کروں گا اور وہ کروں گا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ لوگ اس سے کہتے تھے یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن آپ اسے دکھائی نہیں دیتے تھے اور پوچھتا تھا: کہاں ہیں؟ ایک مرتبہ اسی ملعون نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ دیکھو یہ کہتا ہے کہ اگر تم اس کی تابعداری کرو گے تو تم بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد خلد نشین ہو جاؤ گے اور اگر تم اس کے خلاف کرو گے تو یہاں ذلت کی موت مارے جاؤ گے اور وہاں عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ آج آنے تو دو۔ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کی مٹھی میں خاک تھی۔

آپ ابتداء سورہ یٰسین سے لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ اللہ نے ان سب کو اندھا کر دیا اور آپ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس کے بہت بعد ایک صاحب گھر سے نکلے۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہیں۔ آج اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا: واہ واہ وہ تو گئے بھی اور تم سب کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے۔ یقین نہ ہو تو اپنے سر جھاڑو۔ اب جو سر جھاڑا تو واقعی خاک نکلی[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ابوجہل کی یہ بات دہرائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے ٹھیک کہا فی الواقع میری تابعداری ان کے لئے دونوں جہان کی عزت کا باعث ہے اور میری نافرمانی ان کے لئے ذلت کا موجب ہے اور یہ ہو گا۔ ان پر مہر خداوندی لگ چکی ہے۔ یہ نیک بات کا اثر نہیں لیتے۔ سورہ بقرہ میں بھی اس مضمون کی ایک آیت گزر چکی ہے اور آیت میں

[1] گویا کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک معجزہ تھا۔ جیسا کہ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں دست مبارک میں لے کر کفار کی فوجوں پر پھینکیں تو کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کی آنکھ میں جا کر وہ نہ بیٹھی ہو۔

ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ﴾ (سورۂ یونس:۹۶) یعنی جن پر کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔ گو تو انہیں تمام نشانیاں دکھا دے۔ یہاں تک کہ وہ خود عذاب الٰہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ہاں تیری نصیحت ان پر اثر کر سکتی ہے۔ جو بھلی بات کو ماننے والے ہیں۔ قرآن کی ماننے والے ہیں۔ بن دیکھے اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ایسی جگہ بھی خوف اللہ رکھتے ہیں۔ جہاں کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ ہمارے حال پر مطلع ہے اور ہمارے افعال کو دیکھ رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو تو گناہوں کی اجر عظیم وجمیل کی خوشخبری پہنچا دیجئے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جو لوگ پوشیدگی میں بھی خوف اللہ رکھتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور ثواب کبیر ہے۔ ہمیں ہیں جو مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ ہم قیامت کے دن انہیں نئی زندگی میں پیدا کرنے پر قادر ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ مردہ دلوں کے زندہ کرنے پر بھی اس اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے۔ وہ گمراہوں کو بھی راہ راست پر ڈال دیتا ہے۔ جیسے اور مقام پر مردہ دلوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم نے فرمایا: ﴿اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ﴾ (سورۂ حدید:۱۷) جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے بہت کچھ بیان کر دیا ہے اور ہم ان کے پہلے بھیجے ہوئے اعمال لکھ لیتے ہیں اور ان کے آثار بھی۔ یعنی جو یہ اپنے بعد باقی چھوڑ آئے۔ اگر خیر باقی چھوڑ آئے ہیں تو جزا اور نہ سزا پائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو شخص اسلام میں نیک طریقہ جاری کرے۔ اس کا اور اسے جو کریں ان سب کا بدلہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے بدلے کم ہو کر نہیں اور جو شخص کسی برے طریقے کو جاری کرے اس کا بوجھ اس پر ہے اور ان کا بھی جو اس پر اس کے بعد کاربند ہوں۔ لیکن ان کا بوجھ گھٹ کر نہیں۔ (مسلم)

ایک لمبی حدیث میں اس کے ساتھ ہی قبیلۂ مضر کے چادر پوش لوگوں کا واقعہ بھی ہے اور آخر میں وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین عمل، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اور وہ صدقہ جاریہ جو اس کے بعد بھی باقی رہے۔ مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ گمراہ لوگ جو اپنی گمراہی باقی چھوڑ جائیں۔ سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے کہ وہ ہر نیکی اور بدی جسے اس نے جاری کیا اور اپنے بعد چھوڑ گیا۔ بغوی بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں۔ اس جملہ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ مراد آثار سے نشان قدم ہیں جو اطاعت یا معصیت کی طرف اٹھیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی فعل سے غافل ہوتا تو تیرے نشان قدم سے غافل ہوتا۔ جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ قدم سے اور تیرے کسی بھی عمل سے غافل نہیں۔ تیرے جتنے قدم اس کی اطاعت میں اٹھتے ہیں، سب اس کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔ تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اللہ کی فرماں برداری کی طرف قدم بڑھا لے۔ اس معنی کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ پہلی حدیث مسند احمد میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قدم بڑھا لے۔ اسی معنی کی بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ پہلی حدیث مسند احمد میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مسجد نبوی کے آس پاس کچھ مکانات خالی ہوئے تو قبیلۂ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے محلہ سے اٹھ کر یہیں مسجد کے قریب مکانات میں آ بسیں۔ جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: مجھے بات معلوم ہوئی ہے، کیا ٹھیک ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ اے بنو سلمہ! اپنے مکانات میں ہی رہو۔ تمہارے قدم اللہ کے ہاں لکھے جاتے ہیں[1]۔

[1] تو مسجد میں جانے کے لئے جتنے قدم زیادہ اٹھیں گے اور فاصلہ طے کیا جائے گا، اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اپنی قریب کی مساجد چھوڑ کر دور دراز کی مسجدوں میں جا کر نماز پڑھی جائے، ہرگز نہیں۔ محلہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے۔ ہاں! اگر محلہ کی مسجد ہی دور ہو تو پھر وہاں پہنچنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔

دوسری حدیث۔ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں ہے کہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس قبیلہ نے اپنا اردہ بدل دیا۔ بزار کی اسی روایت میں ہے کہ بنوسلمہ نے مسجد سے اپنے گھر دور ہونے کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ اس پر یہ آیت اتری اور پھر وہ وہیں رہتے رہے۔ لیکن اس میں غرابت ہے۔ کیونکہ اس میں اس آیت کا اس بارے میں نازل ہونا بیان ہوا ہے اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری حدیث ابن جریر میں ابن عباسؓ سے موجود ہے کہ جن بعض انصار کے گھر سے مسجد نبوی دور تھی۔ انہوں نے مسجد کے قریب کے گھروں میں آنا چاہا۔ اس پر یہ آیت اتری تو انہوں نے کہا اب ہم ان گھروں کو نہیں چھوڑیں گے۔ یہ حدیث موقوف ہے۔

چوتھی حدیث مسند احمد میں ہے کہ ایک مدنی صحابی کا مدینہ شریف میں انتقال ہوا تو آپ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھا کر فرمایا: کاش کہ یہ اپنے وطن کے سوا کسی اور جگہ فوت ہوتے۔ کسی نے کہا: یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ جب کوئی مسلمان غیر وطن میں فوت ہوتا ہے تو اس کے وطن سے لے کر وہاں تک کی زمین کے ناپ کے برابر اسے جنت میں جگہ ملتی ہے۔ ابن جریر میں حضرت ثابت سے روایت ہے کہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا۔ میں لمبے لمبے قدم اٹھا کر چلنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکے ہلکے قدموں سے لے جانے لگے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد میں جا رہا تھا اور تیز قدم چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے انسؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔ اس قول سے پہلے قول کی مزید تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب نشان قدم لکھے جاتے ہیں تو پھیلائی ہوئی برائی بھلائی کیوں نہ لکھی جاتی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا: کل کائنات جمیع موجودات' مضبوط کتاب لوح محفوظ میں درج ہے۔ جوام الکتاب ہے۔ یہی تفسیر بزرگوں سے آیت: ﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۷۱) کی تفسیر میں بھی منقول ہے کہ ان کا نامۂ اعمال جس میں خیر وشر درج ہے۔ جیسے آیت قرآن: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (سورۂ کہف:۴۹) اور آیت: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ ﴾ (سورۂ زمر:۶۹) میں ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ یعنی ایک بستی والوں کا قصہ اس وقت کا بیان کیجئے جب کہ اس بستی میں کئی رسول آئے یعنی جب کہ ہم نے ان کے پاس (اول) دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول) دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے (رسول) سے تائید کی سو ان تینوں نے

کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم جاری طرح (محض) معمولی آدمی ہو اور اللہ رحمٰن نے تو کوئی چیز نازل (ہی) نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہو۔ ان رسولوں نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صرف واضح طور پر حکم کا پہنچا دینا تھا○

ایک بستی کا واقعہ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے ان لوگوں کا قصہ بیان فرمائیے۔ جنہوں نے ان سے پہلے اپنے رسولوں کو ان کی طرح جھٹلایا تھا۔ یہ واقعہ شہر انطاکیہ کا ہے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام انطیخس تھا۔ اس کے باپ اور دادا کا نام بھی یہی تھا۔ یہ سب راجہ پرجابت پرست تھے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے تین پیغمبر آئے۔ صادق، صدوق اور شلوم، اللہ کے درود و سلام ان پر نازل ہوں۔ لیکن ان بدنصیبوں نے سب کو جھٹلا دیا۔ عنقریب یہ بیان بھی آ رہا ہے کہ بعض بزرگوں نے اسے نہیں مانا کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا ہے۔ پہلے تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر آئے انہوں نے انہیں نہ مانا۔ ان دو کی تائید میں پھر تیسرے نبی آئے۔ پہلے دو رسولوں کا نام شمعون تھا اور یوحنا تھا اور تیسرے رسول کا نام بولص تھا ان سب نے کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس نے ہماری معرفت تمہیں حکم بھیجا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ حضرت قتادہ بن دعامہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں بزرگ جناب مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے۔ بستی کے ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم ہم جیسے ہی انسان ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تمہاری طرف اللہ کی وحی آئے اور ہماری طرف نہ آئے۔ ہاں اگر تم رسول ہوتے تو چاہیے تو تھا کہ تم فرشتے ہوتے۔ اکثر کفار نے یہی شبہ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کے سامنے پیش کیا تھا۔ جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ (سورۂ مؤمن: ۲۲) یعنی لوگوں کے پاس رسول آئے اور انہوں نے جواب دیا کہ انسان ہادی بن کر آئے اور آیت میں ہے: ﴿قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (سورۂ ابراہیم: ۱۰) یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو۔ تمہاری کوشش صرف یہ ہے کہ ہمیں اپنے باپ دادوں کے معبودوں سے روک دو۔ جاؤ کوئی دلیل کھلی لے آؤ۔

اور جگہ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَلَىٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ (سورۂ مؤمنون: ۳۴) یعنی کافروں نے کہا کہ اگر تم نے اپنے جیسے انسانوں کی تابعداری کی تو تم یقیناً بڑے ہی ٹوٹے میں پڑ گئے۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آیت ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۹۴) میں اس کا بیان ہے۔ یہی ان لوگوں نے بھی ان تینوں نبیوں سے کہا کہ تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اور حقیقت میں اللہ نے تو کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ہے۔ تم یونہی غلط کہہ رہے ہو۔ پیغمبروں نے جواب دیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کے سچے رسول ہیں۔ اگر ہم جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کی سزا ہمیں اللہ تعالیٰ دے دیتا۔ لیکن تم دیکھو گے کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں عزت عطا فرمائے گا۔ اس وقت تم پر روشن ہو جائے گا کہ کون شخص باعتبار انجام اچھا رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا﴾ (سورۂ عنکبوت: ۵۲) میرے تمہارے درمیان اللہ کی شہادت کافی ہے۔ وہ تو آسمان و زمین کے غیب جانتا ہے۔ باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہی نقصان میں ہیں۔ سنو! ہمارے ذمے تو صرف تبلیغ ہے۔ مانو گے تمہارا بھلا ہے نہ مانو گے خود پچھتاؤ گے۔ ہمارا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ کل اپنے کئے کا خمیازہ بھگتو گے۔

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم (خود) حد (عقل وشرع) سے نکل جانے والے لوگ ہو ○

عناد اور عداوت کی انتہا:

ان کافروں نے رسولوں سے کہا کہ تمہارے آنے سے ہمیں کوئی برکت وخیریت تو ملی نہیں۔ بلکہ اور برائی اور بدی پہنچی۔ تم ہو ہی بدشگون لوگ۔ جہاں جاؤ گے بلائیں برسیں گے۔ سنو! اگر تم اپنے اس طریقے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے رہے۔ تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت المناک سزائیں دیں گے۔

رسولوں نے جواب دیا کہ تم خود شری ہو' تمہارے اعمال ہی برے ہیں اور یہی وجہ تم پر مصیبت آنے کی ہے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہی بات فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے مؤمنوں سے کی تھی۔ جب انہیں کوئی راحت ملتی تو کہتے ہم تو اس کے مستحق ہی تھے اور اگر کوئی رنج پہنچتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مؤمنوں کی بدشگونی پر اسے محمول کرتے تھے۔ جس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۳۱) یعنی ان کی مصیبتوں کی وجہ ان کے اعمال بد ہیں۔ جن کا وبال ہماری جانب سے انہیں پہنچ رہا ہے۔ قوم صالح نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا اور یہی جواب پایا تھا۔ خود جناب پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی کہا گیا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ نساء: ۷۸) یعنی اگر ان کافروں کو کوئی نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ تو کہہ دے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان سے بات بھی نہیں سمجھی جاتی۔ پھر فرماتا ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی۔ تمہاری خیر خواہی کی۔ تمہیں بھلی راہ سمجھائی۔ تمہاری اللہ کی توحید کی طرف رہنمائی کی۔ تمہیں اخلاص وعبادت کے طریقے سکھائے تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے اور ہمیں اس طرح ڈرانے دھمکانے لگے اور خوف زدہ کرنے لگے اور مقابلے پر اتر آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم مسرف لوگ ہو' حدود خداوندی سے تجاوز کر جاتے ہو۔ ہمیں دیکھو کہ تم ہم سے برائی سمجھو بتلاؤ تو بھلا یہ کوئی انصاف کی بات ہے۔ افسوس تم انصاف کے دائرے سے نکل گئے۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ایک شخص (مسلمان) اس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو (ضرور) ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں ○

شہر کے اس کنارے سے:

نقل ہے کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انہوں نے خفیہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کیا۔ ایک مسلمان شخص جو اس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا۔ جس کا نام حبیب تھا اور اسی کا کام کرتا تھا۔ تھا بھی بیمار۔ جذام کی بیماری تھی۔ بہت سخی آدمی تھا۔ جو کماتا تھا اس کا آدھا حصہ راہ اللہ خیرات کر دیا کرتا تھا۔ دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر عبادت اللہ کیا کرتا تھا۔ اس لئے جب اپنی قوم کے اس بدارادے کو کسی طرح معلوم کر لیا۔ تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ دوڑتا بھاگتا آیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بڑھئی تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ دھوبی تھے۔ عمر بن حکم فرماتے ہیں کہ جوتی گانٹھنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے آ کر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا کہ تم ان رسولوں کی اطاعت کرو ان کا کہا مانو۔

ان کی راہ چلو۔ دیکھو تو یہ اپنا کوئی فائدہ نہیں کر رہے۔ یہ تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اپنی خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کر رہے۔ درد دل سے تمہیں اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور سیدھے اور سچے راستے کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ خود بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تمہیں ضرور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہئے اور ان کی اطاعت کرنی چاہئے لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہٗ۔

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿۲۳﴾ إِنِّيٓ إِذًا لَّفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ ﴿۲۵﴾

اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس (معبود) کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر اور ایسے ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کام آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا۔ سو تم بھی میری بات مان لو ○

اعلانِ حق:

وہ نیک بخت شخص جو اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب وتردید اور توہین ہوتی دیکھ کر دوڑا ہوا آیا تھا اور جس نے اپنی قوم کو انبیاء کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی۔ وہ اب اپنے عمل اور عقیدے کو ان کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہے اور ایمان کی دعوت دے رہا ہے۔ کہتا ہے کہ میں تو صرف اپنے خالق مالک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہی عبادت کرتا ہوں۔ جب اسی نے مجھے پیدا کیا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں۔ پھر یہ نہیں کہ اب ہم اس کی قدرت سے نکل گئے ہوں؟ اس سے اب ہمیں کوئی تعلق نہ رہا ہو؟ بلکہ سب کے سب لوٹ کر پھر اس کے سامنے جمع ہونے والے ہیں۔ اس وقت وہ ہر بھلائی اور برائی کا بدلہ دے گا۔

یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق وقادر کو چھوڑ کر اوروں کو پوجوں۔ جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ سے ٹال دیں۔ نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اس کو رفع نہیں کر سکتے روک نہیں سکتے مجھے اس سے بچا نہیں سکتے۔ اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ اور بہکا ہوا کون ہوگا؟ پھر تو نہ صرف مجھ پر بلکہ دنیا کے ہر بھلے انسان پر میری گمراہی کھل جائے گی۔

میری قوم کے لوگو! اپنے جس حقیقی معبود اور پروردگار سے تم منکر ہوئے ہو سنو! میں اس کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ معنی بھی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ اس باخدا مرد صالح نے اب اپنی قوم سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کے ان رسولوں سے یہ کہا ہو کہ اللہ کے پیغمبرو! تم میرے ایمان کے گواہ رہنا۔ میں ذات اللہ پر ایمان لایا جس نے تمہیں برحق رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پس گویا یہ اپنے ایمان پر اللہ کے رسولوں کو گواہ بنا رہا ہے۔ یہ قول بہ نسبت پہلے قول کے زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا کہنے پائے تھے جو تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے۔ کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاء۔ یہ بندۂ اللہ اور یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے۔ لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے ہے کہ خدایا میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ جانتے نہیں۔

قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ

الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾

سوئم (بھی) میری بات سن لو ارشاد ہوتا کہ جا جنت میں داخل ہو۔ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا اور ہم نے اس (شہید) کی قوم پر اسکے بعد کوئی لشکر (فرشتوں کا) آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی ضرورت تھی وہ سزا بس ایک آواز سخت تھی اور وہ سب اسی دم (اس سے) بجھ کر (یعنی مرکر) رہ گئے ○

مردِ حق آگاہ فردوسِ بریں کے صحن میں:

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کفار نے اس مؤمن کامل کو بری طرح مارا پیٹا۔ اس کو گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت اللہ کی طرف سے اس کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے رنج و غم سے آزاد کر دیا اور امن وچین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا۔ ان کی شہادت سے اللہ خوش ہوا۔ جنت ان کے لئے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی۔ اپنے ثواب واجر کو عزت واکرام کو دیکھ کر پھر ان کی زبان سے نکل گیا۔ کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا۔ فی الواقع مؤمن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں، وہ دھوکے باز اور بدخواہ نہیں ہوتے۔ دیکھئے اس باخدا شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی ان کے خیر خواہ ہی رہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس باعث میرے رب نے بخشا اور کیوں میری عزت کی۔ تو لامحالہ وہ بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی اللہ پر ایمان لاتی اور رسولوں کی پیروی کرتی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان سے خوش رہے۔ دیکھو تو قوم کی ہدایت کے کس قدر خواہش مند تھے۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کے لئے جاؤں اور انہیں دعوت اسلام دوں؟ آپ نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں۔ جواب دیا کہ حضور اس بات کا تو احتمال ہی نہیں۔ کیونکہ انہیں مجھ سے اس قدر الفت وعقیدت ہے کہ اگر میں سویا ہوا ہوں تو مجھے جگائیں گے بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا پھر جایئے۔ یہ چلے۔ جب لات وعزیٰ کے بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے: اب تمہاری شامت آ گئی۔ اس بات پر پورا قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان بتوں کو چھوڑ دو۔ یہ لات عزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں۔ اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہوگی۔ اے میرے بھائی یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ ساری بھلائی اسلام میں ہے وغیرہ۔ ابھی تو تین ہی مرتبہ اس کلمہ کو دہرایا تھا کہ ایک بدنصیب جلے تن نے دور سے ہی ایک تیر چلایا، جو رگ اکحل پر لگا اور آپ اسی وقت شہید ہو گئے۔ آنحضرت کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۂ یٰسین والا جس نے کہا تھا: کاش! میری قوم میری مغفرت عزت کو جان لیتی۔[1]

[1] گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغفور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت اونچا اور اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا ہے۔ ان کو اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا وہی جذبہ ہے جو سورہ یٰسین میں مذکور مؤمن کو تھا اور آج فردوس بریں میں عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان تمناؤں میں ہیں، جو اس شہید کو تھیں یعنی اپنے اعزاز واکرام کی قوم کو اطلاع، تا کہ وہ بدبخت انہیں نعمتوں کے تصور پر ایمان لے آئے۔

حضرت کعب احبار کے پاس جب حبیب بن زید عاصم کا ذکر کیا گیا۔ جو قبیلہ بنو مازن بن بخار سے تھے۔ جن کو جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ حبیبؓ بھی اسی حبیب کی طرح تھے۔ جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ ان سے اس کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ان کی سچی رسالت کو مانتا ہوں۔ اس نے پھر پوچھا: میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نہیں سنتا۔ اس ملعون نے کہا: اس کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد پوچھتا اور ان کے جواب پر ایک عضو بدن کٹوا دیتا۔ پھر پوچھتا اور یہی جواب پاتا اور ایک عضو بدن کٹواتا۔ اسی طرح ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا وہی آخر تک رہا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ اس کے بعد ان لوگوں پر جو غضب اللہ نازل ہوا اور جس عذاب سے وہ غارت کر دیئے گئے۔ اس کا ذکر ہو رہا ہے چونکہ انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا۔ اللہ کے ولی کو قتل کر دیا۔ اس لئے ان پر عذاب آیا اور ہلاک کر دیئے گئے۔ لیکن انہیں برباد کرنے کے لئے اللہ نے کوئی لشکر آسمان سے بھیجا' نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا۔ نہ کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے اسے اس کی ضرورت۔ اس کا تو صرف حکم کر دینا کافی ہے۔ نہ انہیں اس کے بعد کوئی تنبیہ کی گئی۔ نہ ان پر فرشتے اتارے گئے۔ بلکہ بلا مہلت عذاب میں پکڑ لئے گئے اور بغیر اس کے کہ کوئی نام لیوا پانی دیوا ہو' اول سے آخر تک ایک ایک کر کے سب کے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جبریلؑ آئے اور ان کے شہر انطاکیہ کے دروازے کی چوکھٹ تھام کر اس زور سے ایک آواز لگائی کہ کلیجے پاش پاش ہو گئے۔ دل دہل گئے اور روحیں پرواز کر گئیں۔

حضرت قتادہؒ سے منقول ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو تینوں رسولؑ آئے تھے' یہ حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے قاصد تھے۔ لیکن اس میں قدرے کلام ہے۔ اولاً تو یہ کہ ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستقل رسول تھے۔ فرمان ہے: ذ ارسلنا جب کہ ہم نے ان کی طرف دو رسولؑ بھیجے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھیجا۔ پھر اللہ کے رسول اہل انطاکیہ سے کہتے ہیں: اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ یعنی ہم تمہاری طرف رسول ہیں الخ۔ پس اگر یہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوتے ہوئے تو انہیں یہ کہنا مناسب نہ تھا بلکہ وہ کوئی ایسا جملہ کہتے' جس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ کفار انطاکیہ ان کے جواب میں کہتے ہیں: ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (سورۂ ابراہیم ۱۰) تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو[1]۔ تو یہ کلمہ کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے' تب تو ان کا دعویٰ مستقل رسالت کا تھا ہی نہیں۔ پھر انہیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ ثانیاً اہل انطاکیہ کی طرف حضرت مسیح کے قاصد گئے تھے اور اس وقت اس بستی کے لوگ ان پر ایمان لائے تھے۔ بلکہ یہی پہلی وہ بستی ہے جو ساری کی ساری جناب مسیح پر ایمان لائی تھی۔ اسی لئے نصرانیوں کے دو چار شہر جو مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان میں یہ بھی ایک ہے۔ بیت المقدس کی بزرگی کے وہ قائل اس لئے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کا شہر ہے اور انطاکیہ کو حرمت والا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہیں کے لوگ حضرت مسیح پر ایمان لائے اور اسکندریہ کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہوں نے اپنے مذہبی عہدیداروں کے تقرر پر اجماع کیا اور رومیہ کی حرمت کے قائل اس وجہ سے ہیں کہ شاہ قسطنطین کا شہر یہی ہے اور اسی بادشاہ نے ان کے دین کی امداد کی تھی اور یہیں ان کے تبرکات تھے۔ پھر جب اس نے قسطنطنیہ شہر بسایا تو ان تبرکات کو رومیہ سے یہاں لایا۔

[1] یہ دلیل بے حد مضبوط ہے اور اس کے بعد ان کی رسالت کا مسئلہ بڑی حد تک بے غبار ہو جاتا ہے۔

سعد بن بطریق نصرانی مؤرخین کی تاریخوں میں یہ سب واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مؤرخین نے بھی یہی لکھا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انطاکیہ والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کی تو مان لی تھی اور یہاں بیان ہے کہ انہوں نے نہ مانی اور ان پر عذاب الٰہی آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اور ہے۔ یہ رسول مستقل رسالت پر مامور تھے اور انہوں نے نہ مانا جس پر انہیں سزا ہوئی اور وہ بے نشان کر دیئے گئے اور چراغ سحری کی طرح بجھا دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

ثالثاً انطاکیہ والوں کا قصہ جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے ساتھ پیش آیا۔ وہ قطعاً تورات کے اترنے کے بعد کا ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ اور سلفؒ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ تورات کے نزول کے بعد کسی بستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بالکل برباد نہیں کیا۔ بلکہ مؤمنوں کو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے کر کفار کو نیچا دکھایا۔ جیسا کہ آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا﴾ (سورۂ قصص: ۴۳) کی تفسیر میں ہے اور اس بستی کی آسمانی عذاب سے ہلاکت پر آیات قرآنی شاہد ہیں جن سے عدل واضح ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا نہیں جیسے کہ بعض سلف کے اقوال بھی اسے تعین مقام سے آزاد کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے۔ اس سے مراد یہ مشہور شہر انطاکیہ نہیں۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی شہر اور بھی ہو اور یہ واقعہ وہاں کا ہو۔ اس لئے کہ جو انطاکیہ مشہور ہے۔ اس کا عذاب اللہ سے نیست و نابود ہونا مشہور نہیں ہے۔ نہ تو نصرانیت کے زمانے میں اور نہ اس سے پہلے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ یہ بھی یاد رہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے تو حضرت یوشع بن نون تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے وہ تھے۔ جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگے بڑھنے والے حضرت علی ابن ابی طالبؓ تھے یہ حدیث بالکل منکر ہے اور صرف حسین اشغر اسے روایت ہے اور وہ شیعہ ہے اور متروک ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

افسوس (ایسے بندوں) کے حال پر بھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے ہیں کہ وہ (پھر) ان کی طرف (دنیا میں) لوٹ کر نہیں آتے اور ان میں کوئی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جائے ○

آہ! یہ کیسی روش:

بندوں پر حسرت و افسوس ہے۔ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔ وہ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے تو خود اپنا کیا۔ بعض قراءتوں میں يٰحَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر دیکھ کر ہاتھ ملیں گے انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور کیوں اللہ کے حکم کے خلاف کیا؟ دنیا میں تو ان کا حال یہ تھا کہ جب کبھی جو رسول آیا۔ انہوں نے تامل جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی کی اور توہین کی وہ اگر یہاں تامل کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی

مانی تھی۔ وہ غارت و برباد کر دیئے گئے۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا نہ اس دار آخرت سے واپس کوئی پلٹا۔ اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے۔ جو دھر لئے تھے۔ جن کا خیال تھا کہ یونہی دنیا میں مرتے جیتے چلے جائیں گے۔ لوٹ لوٹ کر اس دنیا میں آئیں گے۔ تمام گزرے ہوئے موجود اور آنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اور وہاں ہر ہر بھلائی اور برائی کا بدلہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا: ﴿وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۱) یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تیرا رب عطا فرمائے گا۔ ایک قراءت میں ان لَمَا ہے۔ تو ان اثبات کے لئے ہوگا اور لَمَّا پڑھنے کے وقت ان نافیہ ہوگا اور لَمَّا معنی اِلَّا کے ہوگا۔ تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ نہیں ہیں سب مگر کہ سب کے سب ہمارے حاضر شدہ ہیں۔ دوسری قرائت پر بھی مطلب یہی رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۚ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے مردہ زمین ہے۔ ہم نے اس بارش سے زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ کھاتے ہیں اور نیز ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور (نیز) اس میں چشمے جاری کئے۔ تاکہ لوگ باغ کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس (پھل اور غلہ) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا سو کیا شکر نہیں کرتے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا' نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور (خود) ان آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو عام لوگ نہیں جانتے ○

بنجر زمین' لہلہاتے ہوئے کھیت:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے وجود پر اور میری زبردست قدرت پر اور مردوں کو جلانے پر ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مردہ زمین جو بنجر خشک پڑی ہوتی ہے جس میں کوئی روئیدگی' تازگی' ہریالی اور گھاس وغیرہ نہیں ہوتی۔ میں اس پر آسمان سے پانی برساتا ہوں اور وہ مردہ زمین جی اٹھتی ہے۔ لہلہانے لگتی ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے اور قسم قسم کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس میں قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں۔ بعض کو تم کھاتے ہو اور بعض تمہارے جانور کھاتے ہیں۔ ہم اس میں کھجوروں کے انگوروں کے باغات وغیرہ تیار کر دیتے ہیں۔ نہریں جاری کر دیتے ہیں' جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب سرسبز و شاداب کرتی رہتی ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان درختوں کے میوے دنیا کھائے۔ کھیتوں اور باغات سے منافع حاصل کرے اور اپنی ضرورت پوری کرے۔ یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں۔ یہ تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں۔ نہ تم میں ان کو اگانے کی طاقت' نہ تم میں ان کو بچانے کی قدرت نہ ان کو

وَمَالِیَ ۲۳

پکانے اور تیار کرنے کا تمہیں اختیار، صرف اللہ کے ہاں یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور اس کے احسان کے ساتھ ہی ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں۔ پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ جو شکر گزاری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟

ایک مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ باغات کے پھل یہ کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی قراءت میں وَمِمَّا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ہے۔ پاک اور برتر اور تمام نقصانات سے بری وہ اللہ ہے۔ جس نے زمین کی پیداوار کو اور خود تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کی مخلوق کے جوڑے بنائے ہیں۔ جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (سورۂ ذاریات:۴۹) ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۴۰﴾

اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں۔ سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور (ایک) نشانی آفتاب (ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس (اللہ) کا جو زبردست علم والا ہے اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں ○

اندھیری رات اور پھر سپیدہ سحر:

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی بیان ہو رہی ہے اور وہ دن رات ہیں جو اجالے اور اندھیرے والے ہیں اور برابر ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا﴾ (سورۂ اعراف:۵۴) رات سے دن کو چھپاتا ہے، رات دن کو جلدی جلدی ڈھونڈنی آتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا: رات میں سے ہم دن کو کھینچ لاتے ہیں۔ دن تو ختم ہوا اور رات آ گئی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ حدیث میں ہے: جب ادھر سے رات آ جائے اور دن ادھر سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزے افطار کر لے۔ ظاہر آیت تو یہی ہے لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مثل آیت: ﴿يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ (سورۂ حج:۶۱) یعنی اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

حضرت امام ابن جریرؒ اس قول کو ضعیف بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس آیت میں جو لفظ ایلاج ہے۔ اس کے معنی ایک کی کمی کے دوسری میں زیادتی کرنے کے ہیں اور یہ مراد اس آیت میں نہیں۔ امام صاحب کا یہ قول ٹھیک ہے۔ مُسْتَقَرٍّ سے مراد مستقر مکانی جائے قرار ہے اور وہ عرش تلے کی وہی سمت ہے۔ پس ایک سورج ہی نہیں بلکہ کل مخلوق عرش کے نیچے ہی ہے۔ اس لئے کہ عرش سا

مخلوق کے اوپر ہی ہے اور سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ کرہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہیئت داں کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مثل قبے کے ہے۔ جس کے پائے ہیں اور جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ انسانوں کے سروں کے اوپر اوپر والے عالم میں ہے پس جب کہ سورج فلکی قبے میں ٹھیک ظہر کے وقت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ عرش سے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اسی مقام کے بالمقابل آ جاتا ہے۔ یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے' جب کہ وہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے جیسے کہ حدیثوں میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں سورج کے غریب ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں تھا۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا: جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں: آپ نے فرمایا: وہ عرش تلے جا کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَالشَّمْسُ الخ تلاوت کی۔

حدیث میں ہے کہ آپ سے حضرت ابو ذرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس کی قرار گاہ عرش کے نیچے ہے۔ مسند احمد میں اس سے پہلے کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واپس ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ تو وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کے ابتدائی فقرے کو پڑھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اجازت دی نہ جائے۔ بلکہ کہا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ پس وہ مغرب ہی سے طلوع کرے۔ یہی اس آیت کریمہ کے معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو اسے انسانوں کے گناہ لوٹا دیتے ہیں۔ وہ غروب ہو کر سجدہ میں گر پڑتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اجازت مل جاتی ہے۔ ایک دن یہ غروب ہو کر بہ عاجزی سجدہ کرے گا اور اجازت طلب کرے گا۔ لیکن اجازت نہ دی جائے گی۔ وہ کہے گا کہ راہ دور ہے اور اجازت ملی نہیں۔ اس لئے پہنچ نہیں سکوں گا۔ پھر کچھ دیر روک رکھنے کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا' وہیں سے طلوع ہو جا۔ یہی قیامت کا دن ہوگا۔ جس دن ایمان لانا محض بے سود ہوگا اور نیکیاں کرنی بھی ان کے لئے جو اس سے پہلے ایمان دار اور نیکو کار نہ تھے' بے کار ہوں گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے۔ پوری بلندی جو گرمیوں میں ہوتی ہے اور پوری پستی جو جاڑوں میں ہوتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کے اس لفظ مستقر سے مراد اس کی چال کا خاتمہ ہے۔ قیامت کے دن اس کی حرکت باطل ہو جائے گی۔ یہ بے نور ہو جائے گا اور یہ عالم کل کا کل ختم ہو جائے گا۔ یہ مستقر زمانی ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: وہ اپنے مستقر پر چلتا ہے۔ یعنی اپنے وقت اور اپنی میعاد پر جس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ جو اس کے راستے جاڑوں اور گرمیوں کے مقرر ہیں۔ ان ہی راستوں سے آتا جاتا ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قراءت لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا ہے۔ یعنی اس کے لئے سکون و قرار نہیں۔ بلکہ دن رات بحکم اللہ گردش کرتا رہتا ہے۔ نہ رکے نہ تھکے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ﴾ (سورۂ ابراہیم: ۳۳) یعنی اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے۔ جو نہ تھکیں نہ ٹھہریں۔ قیامت تک چلتے پھرتے رہیں گے۔ انداز ہ اس اللہ کا ہے جو غالب ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ ہر ہر حرکت و سکون کو جانتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کی رفتار مقرر کی ہے۔ جس میں نہ اختلاف واقع ہو سکے نہ اس کے خلاف ہو سکے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ (سورۂ انعام: ۹۶) صبح کا نکالنے والا جس نے رات کو راحت کا وقت بنایا اور سورج چاند کو حساب سے مقرر کیا۔ یہ ہی اندازہ غالب ذی علم کا ہے۔ حٰمٓ سجدہ کی آیت

وَمَالِيَ (۲۳)

کو بھی اسی طرح ختم کیا۔

پھر فرماتا ہے: چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ وہ ایک جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم ہو جائیں۔ جیسے سورج کی چال رات دن معلوم ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب دے کہ وقتوں اور حج کے موسم کو بتلانے کے لئے اور آیت میں فرمایا: اس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور دیا ہے اور اس کی منزلیں ٹھہرا دی ہیں۔ تاکہ تم برسوں کو اور حساب کو معلوم کر لو الخ۔ ایک آیت میں ہے، ہم نے رات کو دو نشانیاں بنا دیا۔ رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے۔ تاکہ تم اس میں اپنے رب کی نازل کردہ روزی کو تلاش کر سکو اور برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ پس سورج کی چمک دمک اس کے ساتھ مخصوص ہے اور چاند کی روشنی اسی میں ہے۔ اس کی رفتار بھی مختلف ہے سورج ہر دن طلوع غروب ہوتا ہے۔ اسی جوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہاں اس کے طلوع و غروب کی جگہیں جاڑے اور گرمی میں الگ الگ ہوتی ہیں۔ اسی سبب سے دن رات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ سورج دن کا ستارہ اور چاند رات کا ستارہ ہے۔ اس کی منزلیں مقرر ہیں۔

مہینے کی پہلی رات میں طلوع ہوتا ہے۔ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ روشنی کم ہوتی ہے۔ دوسری شب روشنی اس سے بڑھ جاتی ہے اور منزل بھی ترقی کر جاتی ہے۔ پھر جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے۔ روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ گو نورانیت سورج سے ملی ہوتی ہے۔ آخر چودھویں رات کو چاند کامل ہو جاتا ہے اور اس کی چاندنی بھی کامل ہو جاتی ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ بتدریج گھٹتا ہوا مثل کھجور کے خوشے کی ٹہنی کے ہو جاتا ہے۔ جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں اور وہ خشک ہو کر بل کھا گئی ہوں۔ پھر اسے نئے سرے سے اللہ تعالیٰ دوسرے مہینے کی ابتداء میں ظاہر کرتا ہے۔ عرب میں چاند کی روشنی کے اعتبار سے مہینے کی راتوں کے نام رکھ لئے گئے ہیں۔ مثلاً پہلی تین راتوں کے نام غرر ہے۔ (۲) اس کے بعد کی تین راتوں کا نام نفل ہے (۳) اس کے بعد کی تین راتوں کا نام تسع ہے۔ اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے (۴) اس کے بعد کی تین راتوں کا نام عشر ہے۔ اس لئے کہ ان کا شروع دسویں سے ہے۔ (۵) ان کے بعد کی تین راتوں کا نام بیض ہے۔ اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی کی روشنی آخر تک رہا کرتی ہے (۶) اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ان کے درع ہے۔ یہ لفظ درعا کی جمع ہے۔ ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ سولہویں کو چاند ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک اندھیر یعنی سیاہی رہتی ہے اور عرب میں اس بکری کو جس کا سر سیاہ ہو شاۃ درعا کہتے ہیں۔

اس کے بعد کی تین راتوں کو ظلم کہتے ہیں (۸) پھر تین کو صادس (۹) پھر تین کو دراری (۱۰) پھر تین کو محاق اس لئے کہ اس میں چاند ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ بھی ختم ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ ان میں سے تسع اور عشر کو قبول نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو کتاب غربت المصنف۔ سورج اور چاند کی حدیں اس نے مقرر کی ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی حد سے ادھر یا ادھر ہو جائے یا آگے پیچھے ہو جائے۔ اس کی باری کے وقت وہ گم ہے۔ اس کی باری کے وقت یہ خاموش ہے۔

حسنؒ کہتے ہیں یہ چاند رات کو ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے ہوا کے پر ہیں اور چاند پانی کے غلاف تلے جگہ کرتا ہے[1]۔ ابو صالح فرماتے ہیں: اس کی روشنی اس کی روشنی کو پکڑ نہیں سکتی۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں: رات کو سورج طلوع نہیں ہو سکتا۔ نہ رات دن سے سبقت کر سکتی

[1] یہ بات نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ قرآن میں کہیں اس کا ذکر۔ اگر آپ کسی خارجی اور تحقیق کی بنا پر یہ جان گئے کہ ہوا کے پر نہیں تو ابن مبارک کے اس قول کو مردود قرار دینے میں مضائقہ کچھ بھی نہیں۔

ہے۔یعنی رات کے بعد ہی رات نہیں آ سکتی۔بلکہ درمیان میں دن آ جائے گا۔پس سورج کی سلطنت دن کو ہے اور چاند کی بادشاہت رات کو ہے۔رات ادھر سے جاتی ہے ادھر سے دن آ تا ہے۔ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں۔لیکن نہ تصادم کا ڈر ہے نہ بے نظمی کا خطرہ ہے۔نہ یہ کہ دن ہی دن چلا جائے رات نہ آئے نہ اس کے خلاف۔ایک خلاف جاتا ہے دوسرا آتا ہے۔ہر ایک اپنے اپنے وقت پر غائب وحاضر ہوتا رہتا ہے۔سب کے سب یعنی سورج' چاند' دن رات' فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھومتے پھر رہے ہیں۔زید بن عاصم کا قول ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان فلک میں یہ سب آ جا رہے ہیں۔لیکن یہ بہت غریب بلکہ منکر قول ہے۔بعض کہتے ہیں وہ فلک مثل چرخے کے تکلے کے ہیں۔بعض کہتے ہیں: مثل چکی کے پاٹ کے لوہے کے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور یہ خلاصی دیئے جائیں مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا (منظور) ہے○

بحری جہاز:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بتلا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے۔جس میں کشتیاں برابر آمد ورفت کر رہی ہیں۔سب سے پہلے کشتی حضرت نوح کی تھی۔جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے۔باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا۔ہم نے اس زمانے کے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا۔جو بالکل بھری ہوئی تھی۔کیونکہ اس میں ضرورت کا کل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے۔جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لئے گئے تھے۔ہر قسم کے جانور کا ایک ایک جوڑا تھا۔بڑا باوقار مضبوط اور بوجھل تھا۔یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح کی خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لئے پیدا کر دی ہیں۔مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی کام دیتی ہے۔اسی طرح دیگر چوپائے جانور بھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشتی نوح نمونہ بنی اور پھر اس نمونہ پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔اس مطلب کی تائید آیت ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً﴾ (سورۂ حاقہ:۱۲) سے بھی ہوتی ہے۔یعنی جب پانی نے طغیانی کی' ہم نے تمہیں کشتی پر سوار کر لیا۔تاکہ اسے تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ہمارے اس اعلان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا۔اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے۔کشتی کی کشتی ڈوب جاتی۔کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرے۔نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکے۔لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم بہ آرام و راحت طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو وہ اصلاً پرواہ نہیں کرتے اور ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آئی جس سے وہ سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو یہ کفار ان مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر اللہ چاہے تو (بہتیرا کچھ) کھانے کو دے دے تم صرف صریح غلطی میں (بڑے) ہو ○

چند ہدایات:

کافروں کی سرکشی' بے سمجھی اور عناد و تکبر بیان ہو رہا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کچھ کر چکے ان پر نادم ہو اور ان سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان سے احتیاط کرو۔ اس کے نتیجے میں اللہ تم پر رحم کرے گا اور تمہیں عذاب سے بچا لے گا تو وہ اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف اور منہ پھلا لیتے ہیں۔ قرآن نے اس جملے کو بیان نہیں فرمایا۔ کیونکہ جو آیت ہے وہ اس صاف طور سے دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ یہی ایک بات کیا؟ ان کی تو عادت ہوگئی ہے کہ اللہ کی ہر بات سے منہ پھیر لیں۔ نہ اس کی توحید کو مانتے ہیں نہ رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔ نہ ان میں غور و خوض کی عادت' نہ ان میں قبولیت کا مادہ۔ نہ نفع کا حاصل کرنے کا ملکہ۔ ان کو جب کبھی راہ اللہ میں خیرات کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس میں فقراء مساکین اور محتاجوں کا حصہ بھی ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا منشا ہوتا تو غریبوں کو خود ہی دیتا۔ جب اللہ ہی کا ارادہ نہیں تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں؟ تم جو ہمیں خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پچھلا جملہ کفار کی تردید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کفار سے فرما رہا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ لیکن اس سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کفار کے جواب کا حصہ ہو۔ واللہ اعلم

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور یہ لوگ (بطور انکار) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔ سو نہ تو انہیں وصیت کرنے کی فرصت ہوگی اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے ○

ایک خوفناک چیخ:

کافر چونکہ قیامت کے قائل نہ تھے۔ اسلئے وہ نبیوں سے اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ پھر قیامت کو لاتے کیوں نہیں؟ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ کب آئیگی؟ اللہ جواب دیتا ہے کہ اسکے آنے کیلئے ہمیں کچھ سامان نہیں کرنے پڑینگے۔ صرف ایک مرتبہ صور پھونک دیا جائیگا۔ دنیا کے لوگ روزمرہ کی طرح اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ وہیں لوگ ادھر ادھر گرنے پڑنے شروع ہو جائیں گے۔ اس آسمانی تیز و تند آواز سے سب کے سب محشر میں اللہ کے سامنے جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس چیخ کے بعد کسی کو اتنی بھی تو مہلت نہیں ملنے کی کہ کسی کو کچھ کہہ سن سکے۔ کوئی وصیت اور نصیحت کر سکے اور نہ پھر انہیں اپنے گھر والوں کی طرف واپس جانے کی طاقت رہے گی۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار اور حدیثیں موجود ہیں۔ جن کو ہم دوسری جگہ ذکر کر چکے ہیں۔ اس پہلے نفخے کے بعد دوسرا نفخہ ہو گا جس سے سب کے سب مر جائیں گے کل جہان فنا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے جس کو فنا نہیں۔ اس کے بعد پھر دوبارہ اٹھنے کا نفخہ ہو گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾

اور پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے (نکل نکل کر) اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھا دیا یہ وہی (قیامت) جس کا ہم سب سے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔ پس وہ ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہو گا اور تم کو بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا' جو تم کیا کرتے تھے ○

صور کی زہرہ گداز آواز:

ان آیتوں میں دوسرے نفخے کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے مردے جی اٹھیں گے: يَنْسِلُوْنَ کا مصدر نَسْلَان ہے اور اس کے معنی تیز چلنے کے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا﴾ (سورۂ معارج: ۴۳) جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس تیزی سے چلیں گے کہ گویا وہ کسی نشان کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ چونکہ دنیا میں انہیں قبروں سے اٹھنے کا ہمیشہ انکار رہا تھا۔ اس لئے آج یہ حالت دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے افسوس ہمارے سونے کی جگہ سے کس نے اٹھایا۔ اس سے قبر کے عذاب کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جس ہول و شدت کو جس تکلیف اور مصیبت کو یہ اب دیکھیں گے۔ اس کی نسبت تو قبر کے عذاب بے حد ہلکے تھے۔ گویا کہ وہ وہاں بے حد آرام میں تھے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ذرا سی دیر کے لئے فی الواقع انہیں نیند آ جائے گی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: پہلے نفخے اور اس کے دوسرے نفخے کے درمیان یہ سو جائیں گے۔ اس لئے اب اٹھ کر یوں کہیں گے۔ اس

کا جواب ایماندار لوگ دیں گے کہ اس کا وعدہ اللہ کا تھا اور یہی اللہ کے سچے رسولؐ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے یہ جواب دیں گے۔ دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ مؤمن بھی کہیں گے اور فرشتے بھی کہیں گے۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں کہ یہ کل قول کافروں کا ہی ہے۔ لیکن صحیح بات وہ ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔ جیسے کہ سورۂ صافات میں ہے کہ یہ کہیں گے: ہائے افسوس ہم پر یہ جزا کا دن ہے۔ یہی فیصلے کا دن ہے جسے ہم جھٹلاتے تھے اور آیت میں ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ (سورۂ روم: ۵۵) جس دن قیامت برپا ہو گی، گنہگار قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ صرف ایک ساعت ہی رہے ہیں۔ اسی طرح وہ ہمیشہ حق سے پھرے رہے۔ اس وقت باایمان اور علما فرمائیں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے مطابق قیامت کے دن تک رہے۔ یہی قیامت کا دن ہے۔ لیکن تم محض بے علم ہو۔ تم تو اسے ان ہونی جانتے تھے۔ حالانکہ وہ ہم پر بالکل سہل ہے ایک آواز کی دیر ہے کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے موجود ہو جائے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ہی سب میدان میں جمع ہو جائیں گے اور فرمایا: امر قیامت تو مثل آنکھ جھپکنے کے ہے بلکہ اس سے بھی قریب ہے اور جیسے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۵۲) جس دن وہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم مدت رہے۔ الغرض حکم کے ساتھ ہی سب حاضر موجود۔ اس دن کسی کو کوئی اکارت نہ جائے گا۔ ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

إِنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ ٱلْيَوْمَ فِى شُغُلٍ فَٰكِهُونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَٰجُهُمْ فِى ظِلَٰلٍ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔونَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيهَا فَٰكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿۵۷﴾

اہل جنت بے شک اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے وہاں (ہر طرح) کے میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا۔ ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا ○

ہشاش بشاش:

جنتی لوگ میدان قیامت سے فارغ ہو کر جنتوں میں بصد اکرام و بہ ہزار تعظیم پہنچائے جائیں گے اور وہاں کی گوناگوں نعمتوں اور راحتوں میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ دوسری جانب نہ التفات ہو گا نہ کسی اور طرف کا خیال۔ یہ جہنم والوں سے بےفکر ہوں گے۔ اپنی لذتوں اور راحتوں میں اس قدر مسرور ہوں گے کہ اور ہر ایک چیز سے بے خبر ہو جائیں گے۔ نہایت ہشاش بشاش ہوں گے۔ کنواری حوریں انہیں ملی ہوئی ہوں گی جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ طرح طرح کے راگ اور راگنیاں اور خوش آوازیاں دل فریبی سے ان کے دلوں کو لبھا رہی ہوں گی۔ اس کے ساتھ اس لطف و سرور میں ان کی بیویاں اور ان کی حوریں بھی شامل ہوں گی۔ جنتی میوے دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں بہ آرام تختوں پر تکیوں سے لگے بےغمی اور بےفکری کے ساتھ اللہ کی مہمان داری سے مزے اٹھا رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے بکثرت ان کے پاس موجود ہوں گے اور بھی جس چیز کو جی چاہے گا، جو خواہش ہو گی پوری کی جائے گی۔ سنن ابن ماجہ کی کتاب الزہد میں اور ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس جنت میں جانے کا خواہش مند ہے اور اس کے لئے تیاریاں کرنے والا مستعدی ظاہر کرنے والا ہے۔ جس میں کوئی خوف خطر نہیں۔ رب کعبہ کی قسم

وہ سراسر نور ہی ہے۔ اس کی تازگیاں بے حد ہیں۔ اس کا سبزہ لہلہا رہا ہے۔ اس کے بالا خانے مضبوط بلند اور پختہ ہیں۔ اس کی نہریں لبریز اور رواں ہیں۔ اس کے پھل ذائقہ دار اور پکے ہوئے اور بکثرت ہیں۔ اس میں خوبصورت نوجوان حوریں ہیں۔ ان کے لباس ریشمی اور بیش قیمت ہیں۔ ان کی نعمتیں ابدی اور لازوال ہیں۔ وہ سلامتی کا گھر ہیں۔ وہ سبز اور تازے پھلوں کا باغ ہے۔ اس کے محلات بلند و بالا اور مزین ہیں۔ یہ سن کر جتنے صحابہ تھے سب نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس کے لئے تیاریاں کرنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انشاء اللہ کہو چنانچہ انہوں نے کہا: انشاء اللہ۔ اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہی سلام ہے۔ خود اللہ اہل جنت کے لئے سلام ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۴) ان کا تحفہ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے سلام ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا۔ یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائے گا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ۔ یہی معنی ہیں اس آیت سَلٰمٌ قَوْلًا کے جنتی صاف طور پر اللہ کو دیکھیں گے اور اللہ ان کو دیکھے گا کسی نعمت کی طرف وہ اس وقت آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے۔ یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور و برکت ان کے پاس باقی رہ جائے گا یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ لیکن سند کمزور ہے۔ ابن ماجہ میں کتاب السنہ میں یہ روایت موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جب دوزخیوں اور جنتیوں سے فارغ ہوگا تو ابر کے سائے میں متوجہ ہوگا۔ فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے جنتیوں کو سلام کرے گا اور جنتی جواب دیں گے۔[1]

قرظی فرماتے ہیں: یہ اللہ کے فرمان سَلٰمٌ قَوْلًا میں موجود ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھ سے جو چاہو مانگو۔ یہ کہیں گے پروردگار! سب کچھ تو موجود ہے کیا مانگیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں ٹھیک ہے پھر بھی جو جی میں آئے طلب کرو۔ یہ کہیں گے؟ بس تیری رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ تو میں تمہیں دے چکا اور اسی کی بنا پر تم میرے اس مہمان خانے میں آئے اور میں نے تمہیں اس کا مالک کر دیا۔ جنتی کہیں گے: پھر خدایا ہم تجھ سے کیا مانگیں؟ تو نے ہمیں اتنا دے رکھا ہے کہ اگر تو حکم دے تو ہم میں سے ایک شخص کل انسان اور جنوں کی دعوت کر سکتا ہے اور انہیں پیٹ بھر کر کھلا پلا اڑھا سکتا ہے بلکہ ان کی سب ضروریات پوری کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کی ملکیت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی میرے پاس اور کچھ ہے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس اللہ کی طرف سے نئے نئے تحفے لائیں گے۔ امام ابن جریرؒ اس روایت کو بہت سی سندوں سے لائے ہیں۔ لیکن یہ روایت ہے غریب۔ واللہ اعلم۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اے مجرمو! آج (اہل ایمان سے) الگ ہو جاؤ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا یہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور وہ شیطان تم میں ایک کثیر تعداد گمراہ کر چکا ہے سو کیا تم نہیں سمجھتے ہو ○

[1] یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

اور اے مجرمین:

فرماتا ہے کہ نیک کاروں سے بدکاروں کو علیحدہ کر دیا جائے گا۔ کافروں سے کہہ دیا جائے گا کہ مؤمنوں سے دور ہو جاؤ۔ پھر ہم ان میں امتیاز کر دیں گے۔ انہیں الگ الگ کر دیں گے۔ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ (سورۂ روم: ۱۴) اس روز قیامت قائم ہو گی' اس روز سب کے سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے دو گروہ بن جائیں گے۔ سورۂ والصافات میں ہے: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ (سورۂ الصافات: ۲۲) یعنی ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ جمع کرو اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جنتیوں پر جس طرح' طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی۔ اسی طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی۔ ان کو بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا' وہ تمہارا دشمن ہے۔

لیکن اس کے باوجود تم نے میری نافرمانی کی اور اس شیطان کی فرماں برداری کی۔ خالق' مالک' رازق میں اور فرماں برداری کی جائے میرے راندۂ درگاہ کی۔ میں تو کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا اور صرف مجھ ہی کو پوجنا اور مجھ تک پہنچنے کا سیدھا قریب کا اور صحیح راستہ یہی ہے۔ لیکن تم الٹے چلے' یہاں بھی الٹے جاؤ۔ ان نیک بختوں کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ یہ جنتی ہیں تم دوزخی ہو۔ جبلاً سے مراد خلق کثیر بہت سی مخلوق۔ لغت میں جبل بھی کہا جاتا ہے اور جبل بھی کہا جاتا ہے۔ شیطان نے تم میں سے بکثرت لوگوں کو بہکایا اور صحیح راہ سے ہٹایا۔ تم میں اتنی عقل بھی نہ تھی کہ تم اس کا فیصلہ کر سکتے؟ کہ رحمٰن کی مانیں یا شیطان کی؟ اللہ کو پوجیں یا مخلوق کو۔ ابن جریر میں ہے' قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی۔ جس میں سخت اندھیرا ہو گا اور بالکل ظاہر ہو گی وہ بھی' کہے گی کہ انسانو' کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔ اس نے تم میں سے اکثر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے۔ ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا۔ ہر ایک کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج وہ ہی بدلے پاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ آج اپنے کفر کے بدلے میں اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور انکے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور انکے پاؤں شہادت دیں گے' جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں) انکی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے پھر یہ رستہ کی طرف دوڑتے پھرتے سو انکو کہاں نظر آتا اور اگر ہم چاہتے تو انکی صورتیں بدل ڈالتے۔ اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے۔ جس سے یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ○

ایک حیرت انگیز معاملہ:

جہنم بھڑکتی ہوئی اور شعلے مارتی ہوئی چیختی ہوئی اور چلاتی ہوئی سامنے ہوگی اور کفار سے کہا جائے گا کہ یہی جہنم ہے جس کا ذکر میرے رسول کیا کرتے تھے۔ جس سے وہ ڈرایا کرتے تھے اور تمہیں وہ بلاتے تھے۔ تو اب اس کفر کا مزہ چکھو۔ اٹھو اس میں کود پڑو۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ (سورۂ طور: ۱۳) جس دن یہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا' یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم انکار کرتے رہے۔ بتلاؤ یہ جادو ہے' آیا تم اندھے ہوگئے ہو؟ قیامت کے دن جب کفار اور منافقین اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور اس پر قسمیں کھالیں گے' تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں کو بند کردے گا اور ان کے بدن کے اعضاء سچی سچی گواہی دینا شروع کردیں گے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جو آپ یکایک ہنسے اور اس قدر کہ مسوڑھے کھل گئے۔ پھر ہم سے دریافت کرنے لگے کہ جانتے ہو کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا: جو بندہ اپنے رب سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا۔ اس پر وہ کہے گا کہ باری تعالیٰ کیا تو نے مجھے ظلم سے بچایا نہ تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں۔ تو یہ کہے گا: بس پھر میں کسی گواہ کی گواہی اپنے خلاف منظور نہیں کروں گا۔ بس میرا اپنا بدن تو میرا ہے۔ باقی میرے سب دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اچھا یونہی سہی' تو ہی اپنا گواہ سہی اور میرے بزرگ فرشتے گواہ سہی۔ چنانچہ اس وقت زبان پر مہر لگادی جائے گی اور اعضائے بدن سے فرمایا جائے گا: بولو تم خود ہی گواہی دو' کہ تم سے اس نے کیا کام لئے؟ وہ صاف صاف کھول کھول سچ سچ ایک ایک بات بتلادیں گے۔ پھر اس کی زبان کھول دی جائے گی۔ تو یہ اپنے جسم کے جوڑوں اور اعضاء سے کہے گا: تمہارا ستیاناس ہوجائے' تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے۔ میں تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کررہا تھا اور تمہارے ہی فائدے کی خاطر حجت بازی کررہا تھا (نسائی وغیرہ)۔

نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں اللہ کے سامنے بلایا جائے گا۔ جب کہ زبان بند ہوگی۔ سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہوگا۔ قیامت کی ایک طویل حدیث میں کہ پھر تیسرے موقع پر اس سے کہا جائے گا کہ تو کیا ہے؟ یہ کہے گا کہ میں تیرا بندہ ہوں' تجھ پر تیرے نبی پر۔ تیری کتاب پر ایمان لایا تھا۔ روزے نماز زکوٰۃ وغیرہ کا پابند تھا اور بھی بہت سی نیکیاں بیان کرجائے گا۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا' اچھا ٹھہر جا' ہم گواہ لاتے ہیں۔ یہ سوچتا ہی ہوگا کہ کیسے گواہی میں پیش کیا جائے گا۔ یکایک اس کی زبان بند کردی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو گواہی دے۔ اب ران اور ہڈیاں اور گوشت بول اٹھے گا اور اس منافق کے سارے نفاق کو اور تمام چھپی ہوئی باتوں کو کھول کر رکھ دے گا۔ یہ سب اس لئے ہوگا کہ پھر اس کی حجت باقی نہ رہے اور اس کا عذر ٹوٹ جائے۔ چوں کہ رب اس پر ناراض تھا۔ اس لئے اس سے سختی سے باز پرس ہوئی (ابوداؤد)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ منہ پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی ران بولے گی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مؤمن کو بلا کر اس کے گناہ اس کے سامنے پیش کرکے فرمائے گا۔ کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ کہے گا: ہاں خدایا سب درست ہے۔ بے شک مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اچھا ہم نے سب بخش دیں۔ لیکن یہ گفتگو اس طرح ہوگی کہ کسی ایک کو بھی اس کا مطلق علم نہ ہوگا۔ اس کا ایک گناہ بھی مخلوق میں سے کسی پر ظاہر نہ ہوگا۔ اب اس کی نیکیاں لائی جائیں گی اور انہیں کھول کھول کر ساری مخلوق کے سامنے جتا جتا کر رکھا جائے گا۔

(اے ستار العیوب! اے غفار الذنوب! تو ہم گنہگاروں کی پردہ پوشی کر اور ہم مجرموں سے درگزر فرما۔ خدایا! اس دن ہمیں رسوا اور ذلیل نہ کر۔ اپنے دامن رحمت میں ہمیں ڈھانپ لے۔ اے ذرہ نواز اپنی بے پایاں بخشش کو موسلا دھار بارش کا ایک قطرہ ادھر بھی برسا

دے اور ہمارے تمام گناہوں کو دھو ڈال۔ پروردگار ایک نظر رحمت ادھر بھی۔ مالک الملک ہم بھی تیری رحمت کے منتظر ہیں۔ اے غفور رحیم اللہ! کیا تیرے در سے بھی کوئی سوالی خالی جھولی لے کر نا امید ہو کر آج تک لوٹا ہے؟ رحم کر رحم کر اے مالک وخالق رحم کر۔ اپنے انتقام سے بچا۔ اپنے غصے سے نجات دے اپنی رحمتوں سے نواز دے۔ اپنے عذاب سے چھٹکارا دے۔ اپنی جنت میں پہنچا دے۔ اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ آمین آمین)

کافر و منافق کو بلایا جائے گا۔ اس کے برے اعمال اس کے سامنے رکھے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا! کہو! ٹھیک ہے؟ یہ صاف انکار کر جائے گا اور قسمیں کھانے لگے گا کہ خدایا تیرے ان فرشتوں نے جھوٹی تحریر لکھی ہے۔ میں نے ہرگز یہ گناہ نہیں کیے۔ فرشتہ کہے گا! ارے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں کام نہیں کیا؟ یہ کہے گا: خدایا! تیری عزت کی قسم یہ محض جھوٹ ہے' میں نے ہرگز نہیں کیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس کی زبان بند کر دے گا۔ غالباً سب سے پہلی اس کی داہنی ران اس کے خلاف شہادت دے گی۔ یہی مضمون اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔

پھر فرماتا ہے: اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کبھی ہدایت حاصل نہ کر سکتے۔ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے تو یہ یونہی بھٹکتے پھرتے۔ ادھر اُدھر راستے ٹٹولتے۔ حق کو نہ دیکھ سکتے۔ نہ صحیح راستہ پر پہنچ سکتے اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کے مکانوں میں ہی مسخ کر دیتے ان کی صورتیں بدل دیتے۔ انہیں ہلاک کر دیتے۔ انہیں پتھر بنا دیتے۔ ان کی ٹانگیں توڑ دیتے۔ پھر نہ وہ چل سکتے۔ یعنی آگے کو نہ وہ لوٹ سکتے' یعنی پیچھے کو۔ بلکہ بت کی طرح ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے۔ آگے پیچھے نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور ہم جس کی زیادہ عمر کر دیتے ہیں تو اس کی طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں۔ سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے شایان ہی نہیں۔ یہ تو محض نصیحت (کا مضمون) اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام ظاہر کرنے والی ہے تا کہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور تا کہ کافروں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جائے ○

نبوت شاعری نہیں:

انسان کی جوانی جوں جوں ڈھلتی جاتی ہے۔ پیری' ضعیفی کمزوری اور ناتوانی آتی جاتی ہے۔ جیسے سورہ روم کی آیت میں ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ (سورۂ روم: ۵۴) اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر ناتوانی کے بعد طاقت عطا فرمائی۔ پھر طاقت کے بعد ضعف اور بڑھاپا عطا کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا پوری قدرت رکھنے والا ہے اور آیت میں ہے تم میں سے بعض بہت بڑی بڑی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تا کہ علم کے بعد وہ بے علم ہو جائیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا رواں اور انتقال کی جگہ ہے۔ یہ پائیدار اور قرار گاہ نہیں پھر بھی کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اپنے بچپن پر پھر جوانی پر پھر بڑھاپے پر غور کریں اور اس سے نتیجہ نکالیں کہ اس دنیا کے بعد آخرت آنے والی اور اس زندگی کے بعد نئی زندگی میں دوبارہ پیدا ہونا ہے۔ پھر فرمایا: نہ تو ہم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سکھائی نہ شاعری اس کے شایانِ شان ہے نہ اسے شعر گوئی سے محبت نہ شعر اشعار کی طرف اس کی طبیعت کا میلان۔ اس کا ثبوت آپ کی زندگی میں ملتا ہے۔ کسی کا شعر پڑھتے تھے' تو بھی صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا

تھا۔ یا پورا یاد نہیں ہوتا تھا۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں: اولاد عبدالمطلب کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کوسوں دور تھے۔ (ابن عساکر)

ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے پڑھا: کَفٰی بِالْاِسْلَامِ وَالشَّیْبُ لِلْمَرْءِ نَاھِیًا اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس طرح نہیں' بلکہ یوں ہے: کَفٰی الشَّیْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاھِیًا پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی یا حضرت عمرؓ نے فرمایا: سچ سچ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ (ابن ابی حاتم) دلائل بیہقی میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ عباس بن مرداس اسلمیؓ سے فرمایا: تم نے ہی تو یہ شعر کہا ہے: اَتَجْعَلُ نَھْبِیْ وَنَھْبَ الْعُبَیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَعُیَیْنَةَ انہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! شعر دراصل یوں ہے: بَیْنَ عُیَیْنَةَ وَالْاَقْرَعِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چلو سب برابر ہے۔ مطلب تو فوت نہیں ہوتا۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ۔ سہیل نے رواض الانف میں اس تقدیم تاخیر کی ایک عجیب توجیہہ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع کو پہلے عیینہ کو بعد میں اس لئے ذکر کیا کہ عیینہ خلافت صدیق میں مرتد ہو گیا تھا۔ بخلاف اقرع کے کہ وہ ثابت قدم ہو رہے تھے۔ واللہ اعلم۔ مغازی اموی میں ہے کہ بدر کے مقتول کافروں کے درمیان گشت لگاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا نُفَلِّقُ ھَامًا آگے کچھ نہ فرما سکے۔ اس پر جناب ابوبکر صدیق نے پورا شعر پڑھ دیا

مِنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ عَلَیْنَا ☆ وَھُمْ کَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

یہ کسی عرب شاعر کا شعر ہے۔ حماسہ میں موجود ہے۔ مسند میں ہے' کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفہ کا یہ بیت پڑھتے تھے: وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے: سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاھِلًا یعنی زمانہ تجھ پر وہ امور ظاہر کر دے گا جن سے تو بے خبر ہے اور تیرے پاس ایسا شخص خبریں لائے گا جسے تو نے توشہ نہیں دیا۔ حضرت عائشہؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعر پڑھتے تھے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ بغض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعروں سے تھا۔ ہاں ہاں کبھی کبھی بنو قیس کے کوئی شعر پڑھتے' لیکن اس میں غلطی کرتے۔ تقدیم و تاخیر کر دیا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ تو آپ فرماتے: نہ میں شاعر ہوں نہ شعر گوئی میرے شایانِ شان ہے۔ (ابن ابی حاتم) دوسری روایت میں ہے شعر اور آگے پیچھے کا ذکر بھی ہے۔ یعنی وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوِّدِ کو آپ نے: مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ بِالْاَخْبَارِ پڑھا تھا اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ پورا شعر آپ نے کبھی نہیں پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک مصرعہ پڑھ لیتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھے' سو یاد رہے کہ آپ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا۔ وہ اشعار یہ ہیں

اَللّٰھُمَّ لَوْلَآ اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ☆ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا ☆ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقِیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ☆ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ اَبَیْنَا کو کھینچ کر پڑھتے اور ساتھ ہی بلند آواز سے پڑھتے۔ ترجمہ اشعار کا یہ ہے۔ کوئی غم نہیں اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔ نہ صدقے دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ اب تو ہم پر سکون نازل فرما اور جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے۔ تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔ یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں۔ ہاں جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اسی طرح ثابت ہے کہ حنین والے دن آپ نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے پایا

اِنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ ☆ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

اسکے بارے میں یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ کی زبان سے نکل گیا۔ جو وزن شعر پر پورا اترا' نہ کہ قصداً آپ نے شعر کہا ہو۔ حضرت عبداللہ بن جندب فرماتے ہیں، ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ کی انگلی زخمی ہو گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ ☆ وَفِیْ سَبِیْلِ اللهِ مَا لَقِیْتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے اور تو راہ اللہ میں خون آلودہوئی ہے۔ یہ بھی اتفاقیہ ہے قصداً نہیں۔ اسی طرح ایک حدیث الا الممّ کی تفسیر میں آئے گی۔ آپ نے فرمایا ۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا ☆ وَاَیُّ عَبْدٍ لَّکَ مَا اَلَمَّا

یعنی خدایا تو جب بخشے تو ہمارے تمام گناہ بخش دے۔ ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔ پس یہ سب کے سب اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ اللہ کی تعلیم تھی کوئی شعر گوئی نہیں تھی۔ بلکہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو قرآن عظیم کی تعلیم کی تھی جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا۔ قرآن حکیم کی یہ پاک نظم شاعری سے منزلوں دور تھی۔ اسی طرح کہانت سے اور گھڑ لینے سے اور جادو کے کلمات سے۔ جیسے کہ کفار کے مختلف گروہ مختلف بولیاں بولتے تھے آپ ﷺ کی طبیعت تو ان صناعتوں سے معصوم تھی۔ ابوداؤد میں ہے' حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ تینوں باتیں برابر ہیں۔ تریاق کا پینا' گنڈے کا لٹکانا اور شعر بنانا۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں: شعر گوئی سے آپ ﷺ کو طبعاً نفرت تھی۔ دعا میں آپ ﷺ کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اسکے سوا چھوڑ دیتے تھے۔ (احمد)

ابوداؤد میں ہے' پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک حدیث غریب میں ہے' جس نے عشا کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرعہ بھی باندھا' تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔ یہ یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں۔ مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہؓ نے کفار کی ہجو میں شعر کہے۔ بعض اشعار نصیحت' ادب اور حکمت کے لئے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ جاہلیت کے زمانے میں شعرا کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ امیہ بن صلت کے اشعار کی بابت فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اس کے اشعار تو ایمان لائے ہیں لیکن اس کا دل کافر ہی رہا۔ ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کے ایک سو بیت سنائے۔ ہر بیت کے بعد آپ فرماتے تھے اور کہو۔ ابوداؤد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض بیان مثل جادو کے ہے اور بعض شعر سراسر حکمت والے ہیں[1]۔

پس فرمان ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں سکھایا وہ سراسر ذکر و نصیحت اور واضح صاف اور روشن قرآن ہے۔ جو شخص ذرا بھی غور کرے اس پر یہ کھل جاتا ہے تاکہ روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں' یہ ان سب کو آگاہ کر دے اور ڈرا دے۔ جیسے فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (سورۂ انعام: ۱۹) تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈرادوں اور جسے بھی یہ پہنچ جائے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ یعنی جماعتوں میں سے جو بھی اسے نہ مانے وہ سزاوار دوزخ ہے۔ ہاں اس قرآن سے اور نبی کے فرمان سے اثر وہی لیتا ہے' جو زندہ دل اور صاف باطن ہو۔ عقل و بصیرت رکھتا ہو اور قول عذاب تو کافروں پر ثابت ہی ہے۔ پس قرآن مؤمنوں کے لئے

[1] اور افسوس آج کی مشاعرہ بازیوں پر کہ ہزار ہا بے ہودگیوں کے ساتھ رات گئے تک شعر و شاعری کے چرچے' حسن و عشق کی داستان' مے خوشی کے قصے اور صبح دم محو خواب نماز نہ روزہ اور اس پر ملت کی غم خواری کے دعوے۔

رحمت اور کافروں پر اتمام حجت ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے (نفع کے) لئے اپنے ہاتھ کی ساخت چیزوں میں سے معاش پیدا کئے پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں اور ہم کو ان کا تابع بنا دیا سو ان میں بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی دودھ) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ○

یہ نشانیاں:

اللہ تعالیٰ اپنے انعام و احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے خود ہی یہ چوپائے پیدا کئے اور انسان کی ملکیت میں دے دیئے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے۔ اونٹ جیسا قوی اور بڑا جانور اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ سو اونٹوں کی ایک قطار ہو۔ ایک بچے کے ہانکنے سے سیدھی چلتی رہتی ہے۔

اس ماتحتی کے علاوہ بعض لمبے لمبے مشقت والے سفر بآسانی جلدی جلدی طے ہوتے ہیں، وہ خود سوار ہوتے ہیں، اسباب لادتے ہیں، بوجھ ڈھونے کے کام آتے ہیں اور بعض کے گوشت کھائے جاتے ہیں۔ پھر صوف، اون، بالوں اور کھالوں وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دودھ پیتے ہیں اور طرح طرح کے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ کیا پھر ان کو نہ چاہئے کہ ان نعمتوں کے منعم، ان احسانوں کے محسن، ان چیزوں کے خالق، انکے حقیقی مالک کا شکر بجالائیں؟ صرف اسی کی عبادت کریں۔ اسکو ایک جانیں اور اسکے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں اس امید پر کہ ان کو مدد ملے (لیکن) وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان لوگوں کے حق میں ایک فریق (مخالف) ہو جائیں گے جو حاضر کئے جائیں گے تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے، بے شک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں ○

پھر یہ شرک:

مشرکین کے اس باطل عقیدے کی تردید ہو رہی ہے۔ جو وہ سمجھتے تھے کہ جن جن کی سوائے اللہ تعالیٰ کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد و نصرت کریں گے۔ ان کی روزیوں میں برکت دیں گے اور اللہ سے تقرب حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرنے سے عاجز ہیں۔ ان کی مدد تو کجا وہ تو از خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ بت تو اپنے دشمن کے نقصان سے بھی خود کو نہیں بچا سکتے۔ کوئی آئے اور توڑ مروڑ کر بھی چلا جائے تو یہ اس کا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ بول چال پر قادر نہیں۔ سمجھ بوجھ نہیں۔ یہ بت قیامت کے دن جمع شدہ حساب کے وقت اپنے عابدوں کے سامنے لاچاری اور بے کسی کے ساتھ موجود ہوں گے۔ تاکہ مشرکین کی پوری ذلت و خواری ہو اور ان پر

حجت تمام ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ بت تو ان کی کسی طرح امداد نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی یہ بے سمجھ مشرکین ان کے سامنے اس طرح موجود رہتے ہیں۔ جیسے کوئی حاضر باش لشکر ہو۔ وہ نہ انہیں کوئی نفع پہنچا سکیں نہ کسی نقصان کو دفع کر سکیں۔ لیکن یہ ہیں کہ ان کے نام پر مرے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے خلاف آواز سننا نہیں چاہتے اور غصے سے بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اے نبی! ان کفار کی باتوں سے آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم پر ان کا ظاہر اور باطن روشن ہے۔ وقت آ رہا ہے کہ گن گن کر ہم انہیں بدلے دیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (خصوص) جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں جن کو زندہ کرتا ہے؟ آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے اور ایسا قادر ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو ○

زود فراموشی:

ابی بن خلف معلون ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں ایک بوسیدہ کھوکھلی سڑی گلی ہڈی لے کر آیا اور اس کو اپنی چٹکی میں ملتے ہوئے جبکہ اس کے ریزے ہوا میں اڑ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: آپ کہتے ہیں کہ ان ہڈیوں کو اللہ زندہ کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ تجھے ہلاک کر دے گا۔ پھر زندہ کر دے گا۔ پھر تیرا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔ اس موقعہ پر اس سورت کی آخری آیات نازل ہوئیں اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عاص بن وائل تھا اور اس آیت سے لے کر ختم سورت تک کی آیتیں نازل ہوئیں اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی سے ہوا تھا۔ لیکن یہ غور طلب ہے۔ اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی تو مدینہ میں تھا۔ بہر صورت خواہ ابی کے سوال پر یہ آیتیں اتری ہوں یا عاص کے سوال پر، ہیں عام لفظ انسان پر جو الف لام ہے وہ جنس کا ہے۔ جو شخص بھی دوسری زندگی کا منکر ہے، اسے یہ جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو چاہئے کہ اپنی شروع پیدائش پر غور کریں۔ جس نے ایک حقیر و ذلیل قطرے سے انسان کو پیدا کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا۔ اس کی قدرت پر اعتراض کے کیا معنی۔ اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ جیسے: ﴿أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ (سورۂ مرسلات: ۲۰) اور جیسے ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ﴾ (سورۂ دہر: ۲) وغیرہ۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر تھوکا۔ پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! کیا تو مجھے بھی عاجز کر سکتا ہے؟ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا۔ پھر جب ٹھیک ٹھاک درست اور چست کر دیا اور تو ذرا کس بل والا ہو گیا تو تو نے مال جمع کرنا اور مسکینوں سے روکنا شروع کر دیا۔ ہاں جب دم نرخرے میں اٹکا تو کہنے لگا: اب میں اپنا تمام مال راہ اللہ میں صدقہ کرتا ہوں بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ الغرض نطفے سے پیدا کیا ہوا انسان حجت بازیاں کرنے لگا اور اپنا دوبارہ اٹھنا محال جاننے لگا۔ اس نے اللہ کی قدرت سے نظریں ہٹا لیں۔ جس نے آسمان زمین کو اور تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ یہ اگر

غور کرتا تو علاوہ اس عظیم الشان مخلوق کی پیدائش کے خود اپنی پیدائش کے بھی دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کا ایک نشان عظیم پاتا۔ لیکن اس نے تو عقل کی آنکھوں پر پتھر رکھ لیا۔ اس کے جواب میں کہہ دو کہ اول مرتبہ ان ہڈیوں کو جواب گلی سڑی ہیں جس نے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا۔ جہاں جہاں بھی یہ ہڈیاں ہوں وہ خوب جانتا ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے عقبہ بن عمرو نے کہا کہ آپ ہمیں رسول اللہؐ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنائیے تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص پر جب موت کی حالت طاری ہوئی تو اس نے اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا کر خاک کر دینا۔ پھر اسے سمندر میں بہا دینا۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ جمع کر کے جب اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے ڈر سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے راہ چلتے چلتے یہ حدیث بیان فرمائی۔ جسے میں نے خود آپ کی زبان مبارک سے اپنے کانوں سے سنا۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی بہت سے الفاظ سے روایت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا تھا: میری راکھ ہوا کے رخ اڑا دینا۔ کچھ تو ہوا کچھ دریا میں بہا دینا۔ سمندر نے بحکم اللہ جو راکھ اس میں تھی۔ اس کو جمع کر دیا اور اسی طرح ہوا نے بھی۔ پھر اللہ کے فرمان سے وہ کھڑا کر لیا گیا۔ پھر اپنے قدرت کے مشاہدے کے لئے اور اس بات کی دلیل قائم کرنے کے لئے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہیئت کو وہ منقلب کر سکتا ہے۔ فرمایا: تم غور کرو کہ پانی سے میں نے درخت اگائے جو سرسبز اور شاداب ہرے بھرے پھل والے ہوئے۔ پھر وہ سوکھ گئے اور ان لکڑیوں میں سے آگ نکالی۔ کہاں وہ تری اور ٹھنڈک کہاں یہ خشکی اور گرمی؟ پس مجھے کوئی چیز کرنی دشوار نہیں۔ تر کو خشک کرنا خشک کو تر کرنا زندہ کو مردہ کرنا اور مردے کو زندہ کرنا میری قدرت میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں۔ ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے۔ چنانچہ عرب میں ایک مثل مشہور ہے کہ لِکُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ اور حکما کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے۔ ضرور وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ تو اسکی پاک ذات ہے۔ جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ○

ایک سوال:

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور ان کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ زمین کو اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق پیدا کرنے سے عاجز آ جائے۔ یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (سورۂ غافر: ۵۷) یعنی آسمانوں و زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش

سے بہت بڑی اور اہم ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا وہ کیا انسانوں جیسی کمزور مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے گا؟ اور جب وہ قادر ہے تو یقیناً انہیں مار ڈالنے کے بعد پھر وہ زندہ کر دے گا۔ جس نے ابتداءً پیدا کیا ہے اس پر اعادہ بہت آسان ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ﴾ (سورۂ احقاف: ۳۳) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے زمین وآسمان کو بنایا اور ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا نہ تھکا۔ تو کیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بے شک قادر ہے بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور بنانے والا ایجاد کرنے والا اور خالق ہے۔ ساتھ ہی دانا بین اور رتی رتی سے واقف ہے۔ وہ تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کا صرف حکم کافی ہے۔ مسند میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو مگر جسے معاف کر دوں تم مجھ سے معافی طلب کرو۔ میرا وعدہ ہے کہ معاف کر دوں گا۔ تم سب فقیر ہو۔ مگر جسے میں غنی کر دوں میں جواد ہوں میں ماجد ہوں میں واحد ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی ایک کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں کہتا ہوں کہ "ہو جا" وہ ہو جاتی ہے۔ ہر برائی سے اسی حی وقیوم کی ذات پاک ہے۔ جو زمین وآسمان کا بادشاہ ہے جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب کا خالق ہے۔ وہی اصلی حاکم ہے۔ اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے اور وہی عادل منعم اللہ انہیں سزا وجزا دے گا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے وہ اللہ جسکے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور آیت میں ہے۔ کون ہے جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ فرمان ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (سورۂ ملک: ۱) پس ملک وملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے رحمت ورحموت اور رہبت ورہبوت اور جبر وجبروت۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ملک سے مراد جسموں کا عالم اور ملکوت سے مراد روحوں کا عالم ہے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے۔ حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں تہجد کی نماز میں اللہ کے رسول کی اقتدا میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سات لمبی سورتیں (یعنی پونے دس پارے) سات رکعتوں میں پڑھیں۔ سمع اللہ لمن حمدہٗ کہہ کر رکوع سے سر اٹھا کر آپ یہ پڑھتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَةِ پھر آپ کا رکوع قیام کے مناسب ہی لمبا تھا اور سجدہ بھی رکوع کے تھا۔ میری تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ پیر ٹوٹنے سے لگے (ابوداؤد وغیرہ)۔ ان ہی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو آپ نے رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے یہ دعا پڑھ کر پھر قراءت شروع کی: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَةِ پھر پوری سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا اور رکوع میں بھی قریب قریب اتنی ہی دیر ٹھہرے رہے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور تقریباً اتنی ہی دیر کھڑے رہے اور لِرَبِّیَ الْحَمْدُ پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ میں گئے وہ بھی تقریباً قیام کے برابر تھا اور سجدہ میں حضور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھتے رہے پھر سجدے سے سر اٹھایا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے جتنی دیر سجدوں میں لگاتے تھے اور رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ پڑھتے رہتے۔ چار رکعتیں آپ نے ادا کیں۔ سورۂ بقرہ آل عمران نساء مائدہ کی تلاوت کی۔ حضرت شعبہ کو شک ہے کہ سورۂ مائدہ کہا یا سورۂ انعام؟ نسائی وغیرہ میں ہے عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضرت کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی۔ آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی۔ ہر اس آیت پر جس میں رحمت کا ذکر ہوتا آپ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے اور ہر اس آیت پر جس میں عذاب کا ذکر ہوتا آپ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ وہ بھی قیام سے کچھ کم نہ تھا اور رکوع میں یہ فرماتے تھے: سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَةِ پھر آپ نے سجدہ کیا۔ وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا اور سجدہ میں بھی یہی پڑھتے رہے۔ پھر دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی۔ پھر اسی طرح ایک ایک سورت ایک ایک رکعت میں پڑھتے رہے۔

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۵ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۸۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مختصر نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سورۂ والصافات سے نماز پڑھاتے تھے۔

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾

قسم ہے ان فرشتوں کی' جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں۔ پھر ان کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا ۞

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ان تینوں قسموں سے مراد فرشتے ہیں اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: فرشتوں کی صفیں آسمانوں میں ہیں۔ مسلم میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: ① ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں ② ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے ③ اور پانی نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔ مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے' جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا وہ کس طرح؟ آپؐ نے فرمایا: اگلی صفوں کو پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں بالکل ملایا کرتے ہیں۔ تو زجر کرنے والوں سے مراد سدی وغیرہ کے نزدیک ابر اور بادل کو ڈانٹ کر احکام دے کر ادھر سے اُدھر لے جانے والے فرشتے ہیں۔ ربیع بن انس وغیرہ فرماتے ہیں: قرآن جس چیز سے روکتا ہے وہ اسی سے بندش کرتے ہیں ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والے فرشتے وہ ہیں' جو اللہ کے پیغام بندوں کے پاس لاتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ یعنی وحی اتارنے والے فرشتے کی قسم جو عذر کو ٹالنے یا آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہے[1]۔ ان

[1] یعنی آنے سے پہلے یہ عذر کر سکتے تھے کہ خدایا ہم کو ہدایت ہی نہیں پہنچی۔ اگر پہنچتی تو ہم یقیناً اس کی اتباع کرتے اور اس کو قبول کرتے پس جب اس نصیحت کی وحی آ گئی تو بدعملی سے لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں۔

قسموں کے بعد جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی تھیں۔اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔وہی آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک و متصرف ہے۔اسی نے آسمان پر ستارے اور چاند سورج کو مسخر کر رکھا ہے۔جو مشرق سے ظاہر ہوتے ہیں۔مغرب میں غروب ہوتے ہیں۔مشرقوں کا ذکر کر کے مغربوں کا ذکر اس کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔دوسری آیت میں ذکر بھی دیا ہے:﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ یعنی جاڑے اور گرمیوں کی طلوع و غروب کی جگہ کا ربّ وہی ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ○

چمکتے تارے:

آسمان دنیا کو دیکھنے والی نگاہوں کے لئے جو زینت دی گئی ہے اس کا بیان فرمایا۔یہ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بدلیت کے ساتھ بھی معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں۔اس کے ستاروں کی اس کے سورج کی روشنی زمین کو جگمگا دیتی ہے۔جیسے اور آیت میں ہے:﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ (سورۂ ملک:۵) ہم نے آسمان دنیا کو زینت دی۔ستاروں کے ساتھ اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے آگ کے جلا دینے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

آیت میں ہے:ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں کھب جانے والی چیز بنائی اور ہر شیطان رجیم سے اسے محفوظ رکھا۔جو کوئی کسی بات کو لے اڑنا چاہتا ہے وہیں ایک تیز شعلہ اس کی طرف اترتا ہے اور ہم نے آسمان کی حفاظت کی ہر سرکش شریر شیطان سے۔اس کا بس نہیں کہ فرشتوں کی باتیں سنے۔وہ جب یہ کرتا ہے تو ایک شعلہ لپکتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے۔یہ آسمانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔اللہ کی شریعت تقدیر کے امور کی کسی گفتگو کو وہ سن ہی نہیں سکتے۔اس بارے کی حدیثیں ہم نے آیت:﴿حَتّٰىٓ إِذَا فُزِّعَ﴾ (سورۂ سبا:۲۳) کی تفسیر میں بیان کر دی ہیں۔جدھر سے بھی یہ آسمان پر چڑھنا چاہتے ہیں۔وہیں سے ان پر آتش بازی کی جاتی ہے۔انہیں پست و ذلیل کرنے' روکنے اور نہ آنے دینے کے لئے یہ سزا بیان کی ہے اور آخرت کے دائمی عذاب ابھی باقی ہیں۔جو بڑے المناک و دردناک اور دائمی ہوں گے۔ہاں کبھی کسی جن نے کوئی کلمہ کسی فرشتے کی زبان سے سن لیا اور اسے اس نے اپنے نیچے والے سے کہہ دیا اور اس نے اپنے نیچے والے سے۔وہیں اس کے پیچھے ایک شعلہ لپکتا ہے۔کبھی تو اس سے پہلے کہ وہ دوسرے کو پہنچائے' شعلہ اسے جلا ڈالتا ہے۔کبھی وہ دوسرے کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے۔یہی وہ باتیں ہیں' جو کاہنوں کے کانوں تک شیاطین کے ذریعہ پہنچ جاتی ہیں۔

ثاقب سے مراد سخت تیز، بہت زیادہ روشنی والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے۔ اس وقت ان پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے۔ یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں تک پھونکتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی۔ پھر شیطانوں کا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا۔ اب یہ جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں اور انہیں جلا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس نو پیدا امر کی خبر جب ابلیس کو دی تو اس نے کہا: کسی اہم نئے کام کی وجہ سے اس قدر احتیاط و حفاظت کی گئی ہے۔ چنانچہ خبر رسانوں کی جماعتوں کی جماعتیں اس نے رُوئے زمین پر پھیلا دیں۔ جو جماعت حجاز کی طرف گئی اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں۔ اس نے جا کر ابلیس کو یہ خبر دی۔ اس نے کہا: پس یہی وجہ ہے جو تمہارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا۔ اس کی پوری تحقیق اللہ نے چاہا تو آیت: ﴿وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ﴾ (سورۂ جن: ۸) میں آئے گی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

تو آپ ان سے پوچھئے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا ہوئی یہ چیزیں (کیونکہ) ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں اور ان کو سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو خود اس کی ہنسی اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے (کیونکہ) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور زندہ ہوں گے) اور تم ذلیل بھی ہو گے۔ پس قیامت تو بس ایک للکار ہو گی (یعنی نفخہ ثانیہ) سب یکایک دیکھنے بھالنے لگیں گے۔ ○

دریافت کیجئے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ ان منکرین قیامت سے پوچھو تو کیا تمہارا پیدا کرنا ہم پر مشکل ہے یا آسمان اور زمین، جن فرشتے وغیرہ کا۔ ابن مسعودؓ کی قراءت اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا اقرار تو انہیں بھی ہے۔ پھر مر کر جینے کا انکار کیوں کر رہے ہو؟ اور آیت میں ہے کہ انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری پیدائش آسمان و زمین کی ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے عملی برتتے ہیں۔ پھر انسان[۱] کی پیدائش کی کمزوری بیان فرماتا ہے کہ یہ چکنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس میں لیس تھا اور جو ہاتھوں میں چپکتی تھی۔ تو چونکہ حقیقت کو پہنچ گیا ہے ان کے انکار پر تعجب کر رہا ہو۔ کیونکہ اللہ کی قدرتیں تیرے سامنے ہیں اور اس کے فرمان بھی۔ لیکن یہ تو اسے سن کر ہنسی اڑاتے ہیں اور جب کبھی کوئی واضح دلیل سامنے آ جاتی ہے تو مسخراپن کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہیں ہم کسی طرح اسے نہیں ماننے کے، کہ مر کر

[۱] یعنی حضرت آدم علیہ السلام۔

مٹی ہو کر پھر جی اٹھنا ہوگا۔ بلکہ ہمارے باپ دادا بھی دوسری زندگی میں آ جائیں گے۔ ہم تو اس کے قائل نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان سے کہہ دو کہ ہاں تم یقیناً دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔ تم ہو کیا چیز؟ اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہو اس کی وہ ذات ہے کہ کسی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔ فرماتا ہے: ﴿كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ (سورۂ نمل: ۸۷) ہر اس شخص کے سامنے عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے۔ ایک آیت میں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (سورۂ غافر: ۶۰) میری عبادت سے سرکشی کرنے والے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے تم مشکل سمجھتے ہو وہ مجھ پر تو بالکل ہی آسان ہے۔ صرف ایک آواز لگتے ہی ہر ایک زمین سے نکل کر دہشت ناکی کے ساتھ اہوال و احوال قیامت کو دیکھنے لگے گا۔ واللہ اعلم

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا (معلوم ہوتا ہے ارشاد ہوگا کہ ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جمع کر لو ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ پھر ان سب کو دوزخ کا رستہ بتلاؤ اور (اچھا) ان کو ذرا ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا کہ اب تم کو کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب اس روز سر افگندہ کھڑے ہوں گے ○

ہائے حسرت:

قیامت کے دن کفار کا خود کو ملامت کرنا اور پچھتانا اور افسوس کرنا بیان ہو رہا ہے کہ وہ نادم ہو کر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے ہائے یہی تو روز جزا ہے تو مؤمن اور فرشتے بطور ڈانٹ ڈپٹ اور ندامت بڑھانے کے ان سے کہیں گے۔ ہاں یہی تو وہ فیصلے کا دن ہے، جسے تم حق نہیں جانتے تھے۔ اس دن اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ظالموں کو ان کے جوڑوں کو ان کے بھائی بندوں کو اور ان جیسوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ، سود خوار سود خواروں کے ساتھ۔ شرابی شرابیوں کے ساتھ وغیرہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ظالموں کو اور ان کی عورتوں کو لیکن یہ غربت ہے۔ ٹھیک مطلب یہی ہے کہ انہی جیسوں کو اور ان کے ساتھ ہی جن بتوں کو اور جن جن کو شریک اللہ یہ مقرر کئے ہوئے تھے۔ سب کو جمع کرو۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۹۷) یعنی انہیں ان کے منہ کے بل اندھے، بہرے، گونگے کر کے ہم جمع کریں گے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جس کی آگ جب ہلکی ہو جائے، ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ انہیں جہنم کے پاس کچھ دیر ٹھہرا دو۔ تاکہ ہم ان سے پوچھ کچھ کر لیں۔

ان سے حساب لے لیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں: جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلا لے[1] وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائیگا' نہ بے وفائی ہوگی نہ جدائی ہوگی[2]۔ گو ایک ہی کو بلایا ہو پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ عثمان بن زائدہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے انسان سے اسکے ساتھیوں کے بابت سوال کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں آج دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ تم دنیا میں کہتے پھرتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں' یہ تو کہاں؟ بلکہ آج تو یہ ہتھیار ڈال چکے۔ اللہ کے فرمانبردار بن گئے۔ نہ اللہ کے کسی فرمان کا خلاف کریں نہ کرسکیں۔ نہ اس سے بچ سکیں نہ وہاں سے بھاگ سکیں۔ واللہ اعلم

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب سوال (یعنی اختلاف) کرنے لگیں گے چنانچہ تابعین کہیں گے کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی۔ متبوعین کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں۔ بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے۔ سو ہم سب پر ہی ہمارے رب کی یہ ازلی بات تحقیق ہو چکی تھی کہ ہم سب کو مزہ چکھنا ہے۔ تو ہم نے تم کو بہکایا ہم خود ہی گمراہ تھے۔ تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں (بھی) شریک رہیں گے (اور) ہم ایسے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے بلکہ یہ تو ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں ○

ایک دوسرے کو لعنت کریں گے:

کافر لوگ جس طرح جہنم کے طبقوں میں جلتے ہوئے آپس میں جھگڑا کریں گے اسی طرح قیامت کے میدان میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے کمزور لوگ زور آوروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع فرمان تھے۔ کیا آج ہمیں تم تھوڑے بہت عذاب

[1] مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نیک شخص نے کسی دوسرے کو نیکی کی طرف بلایا تو قیامت میں یہ دونوں اجر نیک میں شریک ہوں گے اور اسی طرح جس کسی نے کسی کو برائی پر آمادہ کیا ہوگا تو دونوں برائی کی سزا میں شریک ہوں گے۔

[2] یعنی نیک نیک سے بے وفائی نہ کرے اور برے کو برے سے جدا نہ کیا جائے گا۔

سے بچالو گے؟ وہ کہیں گے ہم تو خود تمہارے ساتھ ہی اس جہنم میں جل رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے فرما چکا اور جیسے اور جگہ ان کی یہ بات چیت اس طرح منقول ہے کہ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے۔وہ جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روک دیا۔نہیں بلکہ تم خود ہی بدکار تھے۔یہ کہیں گے بلکہ یہ سزا ہے دن رات کے مکر کی۔جب کہ تم ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک مقرر کریں۔عذاب کو دیکھتے ہی یہ سب کے سب نادم و پشیمان ہوں گے لیکن اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ان تمام کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے۔

ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو صرف اس کی بھرنی پڑے گی۔پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہماری داہنی جانب سے آتے تھے۔یعنی چونکہ ہم کمزور کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی۔اس لئے تم ہمیں دبا کر حق سے ناحق کی طرف پھیر دیتے تھے۔یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان یہ بات جنات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے۔گناہ کو مزین اور شیریں دکھاتے تھے اور نیکی کو ایک بری چیز اور مشکل راہ بتاتے تھے۔حق سے روکتے تھے اور باطل پر جما دیتے تھے جب کبھی نیکی کا خیال ہمارے دل میں آتا تھا تو تم کسی نہ کسی فریب سے اس سے روک دیتے تھے۔اسلام ایمان خوبی و نیکی اور سعادت مندی سے تم نے ہمیں محروم کر دیا تھا۔توحید سے دور ڈال دیا۔ہم تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے رہے۔راز دار بنائے رہے۔تمہاری باتیں مانتے رہے اور تمہیں بھلا آدمی سمجھتے رہے۔اس کے جواب میں جنات اور انسان جتنے بھی سردار ذی عزت اور بڑے لوگ تھے ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں تم خود ہی ایسے تھے۔تمہارے دل ایمان سے بھاگتے تھے اور کفر کی طرف دوڑ کر جاتے تھے ہم نے تمہیں جس چیز کی طرف بلایا وہ کوئی حق بات نہ تھی۔نہ اس کی بھلائی پر کوئی دلیل تھی۔لیکن تم طبعاً برائی کی طرف مائل تھے۔خود تمہارے دلوں میں سرکشی اور برائی تھی۔اس لئے تم نے ہمارا کہا مان لیا۔اب تو ہم سب پر اللہ کا قول ثابت ہو گیا کہ ہم یقیناً عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔یہ بڑے لوگ چھوٹوں سے یہ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے: ہم تو خود ہی بہکے ہوئے تھے۔ہم نے تمہیں بھی اپنی ضلالت کی طرف بلایا تم دوڑے ہوئے آ گئے۔بتلاؤ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم نے تم پر کوئی جبر وظلم تو نہیں کیا؟ کیا تم نے ہماری بات مان لی؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: پس آج کے دن یہ سب لوگ جہنم کے عذابوں میں شریک ہیں۔ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔مجرموں کے ساتھ ہم اس طرح کرتے ہیں۔

یہ مؤمنوں کی طرح اللہ کی توحید کے قائل نہ تھے۔بلکہ توحید کی آواز سے تکبر و نفرت کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ لیں جو اسے کہہ لے اس نے اپنا مال اور اپنی جان بچالی مگر اسلامی فرمان سے اور اس کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی یہی مضمون ہے اور ایک متکبر قوم کا ذکر ہے کہ وہ اس کلمہ سے روگردانی کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ابوالعلا سے منقول ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ کی اور عزیر کی۔ان سے کہا جائے گا: اچھا بائیں طرف آؤ۔پھر نصرانیوں سے یہی سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: اللہ کی اور مسیح کی۔تو ان سے بھی یہی کہا جائے گا۔پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور ان سے لا الٰہ الا اللہ کہا جائے تو وہ تکبر کریں گے۔تین مرتبہ ایسا ہی ہوگا پھر حکم ہوگا کہ نہیں بائیں طرف لے چلو۔فرشتے انہیں پرندوں سے بھی جلدی پہنچا دیں گے۔پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ یہ کہیں گے: صرف اللہ تعالیٰ

کی۔ تو ان سے کہا جائے گا: کیا تم اسے دیکھ کر پہچان سکتے ہو؟ یہ کہیں گے: ہاں۔ پوچھا جائے گا: تم کیسے پہچان لو گے؟ حالانکہ تم نے کبھی اسے دیکھا نہیں۔ یہ جواب دیں گے؟ ہاں یہ تو ٹھیک ہے، ہم جانتے ہیں کہ اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے تئیں انہیں پہنچوائے گا اور ان کو نجات دے گا۔ یہ کلمہ توحید اور رد شرک سن کر جواب دیتے تھے کہ بھلا اس شاعر و مجنوں کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں سے دستبردار ہو جائیں گے؟ ماننا تو ایک طرف، الٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر و مجنوں بتاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتا ہے اور فرماتا ہے: یہ تو بالکل سچے ہیں۔ سچ لے کر آئے ہیں۔ ساری شریعت سراسر حق ہے۔ خبریں ہوں تب اور احکام ہوں تب یہ رسولوں کو بھی سچا جانتا ہے۔ ان رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں۔ ان کے صحیح مصداق آپ ہی ہیں۔ یہ بھی وہی احکام بیان کرتے رہے۔ جو اگلے انبیاء نے کئے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (سورۂ حم سجدہ:۴۳) یعنی تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں سے کہا جاتا رہا۔

إِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾

تم سب کو عذاب چکھنا پڑے گا اور تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر جو اللہ کے خالص برگزیدہ بندے ہیں ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں، جن کا حال (دوسری سورتوں) میں معلوم ہو چکا ہے۔ یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہو گا سفید ہو گی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہو گی نہ اس میں دردسر ہو گا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں ○

دو جماعتیں، ایک شقاوت کے آہنی پنجہ میں اور دوسری انعام و اکرام سے شادکام:

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم المناک عذاب چکھنے والے ہو اور صرف اسی کا بدلہ تم کو دیا جائے گا جسے تم نے کیا دھرا ہے۔ پھر اپنے مخلص بندوں کو اس سے الگ کر لیتا ہے۔ جیسے وَالْعَصْرِ (سورۂ عصر:۱) میں فرمایا کہ تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر ایماندار، نیک اعمال اور سورۂ وَالتِّيْنِ (سورۂ تین:۴) میں فرمایا: ہم نے انسان کو بہت اچھی پیدائش میں پیدا کیا۔ پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا۔ مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور سورہ مریم میں فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ (سورۂ مریم:۷۱) تا آخر آیت، تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے تو تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ ضروری چیز ہے۔ لیکن پھر ہم متقیوں کو نجات

دیں گے اور ظالموں کو اس میں گرتا پڑا چھوڑ دیں گے سورہ مدثر میں ارشاد ہوا ہے: کُلُّ نَفْسٍ (سورۂ مدثر: ۳۸) ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے۔ مگر وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال آ چکا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی اپنے خاص بندوں کا استثناء کر لیا کہ وہ المناک عذابوں سے حساب کے شدید مصائب سے علیحدہ ہیں۔ بلکہ ان کی برائیوں سے درگزر فرما لیا گیا ہے اور ان کی نیکیاں بڑھا کر ایک کی دس دس گنی کر کے بلکہ سات سات سو گنی کر کے' بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر انہیں دی گئی ہیں۔ ان کے لئے مقررہ روزی ہے اور وہ قسم قسم کے میوہ جات سے پر ہیں۔ وہ مخدوم ہیں' ذی عزت ہیں' ذی اکرام ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں۔ بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ بڑا ادب لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ نعمتوں سے پر جنتوں میں ہیں۔ وہاں کے تختوں پر اس طرح بیٹھتے ہیں کہ کسی کی پیٹھ کسی کی طرف نہیں۔

ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی یہ ہے کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا: ہر ایک کی نگاہیں دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس شراب کے دوران پر چل رہے ہوں گے جو جاری ہے جس کے ختم ہو جانے اور کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں۔ جو ظاہر و باطن میں آراستہ ہے۔ خوبیاں ہیں برائیاں نہیں۔ رنگ کی سفید' مزے کی طرح بہت اچھی لذیذ نہ اس کے پینے سے درد سر ہو نہ سکر و مستی طاری ہو کر ہرزہ سرائی کرے۔ دنیا کی شراب میں یہ نقصان اور خرابی ہے کہ درد شکم' درد سر' بے ہوشی اور بدحواسی وغیرہ طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن جنت کی شراب میں ان میں سے ایک برائی بھی موجود نہیں ہو گی۔ دیکھنے میں خوش رنگ' پینے میں لذیذ' فوائد میں اعلیٰ سرور و کیف میں عمدہ۔ لیکن عقل و فہم کو معطل کر دینے والی اور بدمست بنا دینے والی نہیں۔ نہ بدبودار نہ بدرنگ نہ قابل نفرت' بلکہ خوشبودار خوش رنگ' خوش ذائقہ اور فائدہ مند۔ اس کے پینے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اور اس کی کثرت ضرر رساں نہیں' خلافِ طبع نہیں' سر بھاری نہیں ہو جاتا' چکر نہیں آتے' گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ ہوش و حواس جاتے نہیں رہتے' کوئی ایذا تکلیف (قے متلی) بے عقلی نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب میں چار برائیاں ہیں: نشہ' درد سر' قے اور پیشاب۔ مگر جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے۔ ان کے پاس نیچی نگاہوں والی' شرمیلی نظروں والی' پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں۔ جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑے گی۔ بڑی بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں۔ حسن سیرت' حسن صورت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں۔ جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ میں دونوں خوبیاں دیکھیں۔ عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھا لیا اور حضرت یوسفؑ کا پوری طرح بناؤ سنگار کرا کر بلایا' تمام عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہے۔ زلیخا نے کہا: یہی تو وہ شخص ہے کہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں واللہ میں نے اس کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ لیکن یہ پاک دامن ہی رہا۔ یہ جمال ظاہری' حسن باطنی بھی رکھتا ہے۔ بڑا پاک باز' امین' پارسا' متقی اور پرہیزگار ہے۔ اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔

پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کی گوری گوری پنڈلیاں اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکدار' دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی' جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ جو سیپ سے نکلا ہو' جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو۔ جو اپنی آب داری میں بے مثل ہو۔ ایسے ہی ان کی اچھوتی پنڈلیاں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں۔ انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے نازک چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حور عین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی' سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں۔ پھر پوچھا: بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: انڈے کے اندر کی سفید جھلی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ

ﷺ فرماتے ہیں: جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جب کہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا بنوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا' جب کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے۔ حمد کا جھنڈا اُس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرام وعزت والا میں ہوں۔ یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں' میرے آگے پیچھے قیامت کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا نادر موتیوں کے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ملاقاتی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بعث کے معتقدین میں سے ہے' کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم کیا جزا سزا دیئے جائیں گے ارشاد ہوگا کہ کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو؟ سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو وسط جہنم میں دیکھے گا۔ کہے گا کہ اللہ کی قسم تو تو مجھ کو تباہ ہی کرنے کو تھا اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا کیا ہم پہلی بار مرنے کے اب نہیں مریں گے اور نہ ہم کو عذاب ہوگا یہ بے شک بڑی کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے ○

ایک عجیب منظر:

جب جنتی لوگ مزے اُڑاتے ہوئے بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند بالا خانوں میں عیش وعشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہزار ہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمربستہ خدمت پر مامور ہوں گے۔ حکم واحکام دے رہے ہوں گے۔ قسم قسم کے کھانے' پینے پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں میں مصروف ہوں گے۔ شراب طہور کا دَور چل رہا ہوگا وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا حال گزرے' کیسے کیسے دن کٹے؟ اس پر ایک شخص کہے گا۔ میری سنو! میرا شیطان ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب ہے' تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے ہم کھوکھلی' بوسیدہ گلی سڑی ہڈی ہو جائیں گے' اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب' جزا سزا کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر پڑتا نہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ جہنم میں گیا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کہ جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے۔ اب جھانکتے

ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سرتاپا جل رہا ہے۔خود وہ آگ بن رہا ہے۔بیچ جہنم کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ پھک رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا' بلکہ اس کو نظر آئے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم پُر ہے۔کعب احبار فرماتے ہیں کہ جنت سے جنتی لوگ جب بھی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں' دیکھ سکتے ہیں۔وہ اپنے دشمنوں کو جلتے جھلتے دیکھ کر خوش ہو کر شکر اللہ کرتے ہیں۔جنتی اسے دیکھتے ہی کہے گا: تو نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتا۔لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تیرے پنجے سے چھڑا دیا۔اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری بنتی اور میں بھی تیرے ساتھ کھچا کھچ یہیں جہنم میں آ جاتا اور جلتا رہتا۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی اور چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا۔تو نے تو فسوں سازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔اب مؤمن ایک بات اور کہتا ہے۔جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا۔اب دارِ آخرت ہے۔نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف' نہ عذاب ہے نہ وبال اور یہی بہترین کامیابی اور فلاحِ ابدی ہے۔حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے میں خوب مزے سے کھاؤ پیو۔اس میں اشارہ ہے اس اَمر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں۔تو وہ یہ سن کو سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی۔کسی وقت عذاب تو نہیں آئے گا؟ تو جواب ملے گا؟ نہیں ہر گز نہیں۔چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آ کر یہ لذتیں فوت نہ کر دے۔جب یہ اندیشہ جاتا رہا' تو وہ سکون کا سانس لے کر کہیں گے۔شکر ہے یہ تو بڑی کامیابی ہے۔اس کے بعد فرمایا: ایسی ہی جزا اور انعام کے لئے عالموں کو عمل کرنا چاہئے۔قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اہل جنت کا مقولہ ہے۔امام ابن جریر فرماتے ہیں: فرمان اللہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو دنیا میں پوری رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہئے۔تاکہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔اسی آیت سے ملتا جلتا ایک قصہ ہے اسے بھی سن لیجئے۔دو شخص آپس میں شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں۔ایک چونکہ پیٹے خرے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا۔اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے۔آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جائیے۔آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے اور جدا جدا ہو گئے۔پھر اس خرے والے نے بادشاہ کے مرجانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خرید لیا اور اپنے ساتھی کو بلا کر دکھا اور کہا بتلاؤ میں نے کیسی چیز خریدی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا۔اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: خدایا! اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں۔میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں۔چنانچہ اس نے ایک ہزار راہ اللہ میں خرچ کر دیئے۔پھر اس دنیا دار شخص نے ایک زمانے کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا۔دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔اس نے اس کی بھی بہت تعریف کی۔باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے بارالٰہی! میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی ایک عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے ایک حورعین کا طالب ہوں اور پھر وہ رقم راہ اللہ میں صدقہ کر دی۔پھر کچھ مدت کے بعد اس دنیادار نے اس کو بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ یہاں میں نے خرید کئے ہیں۔دیکھو تو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری میں عرض کی کہ خدایا! میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں۔میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں۔چنانچہ اس رقم کو مستحقوں میں تقسیم کر دیا۔پھر جب فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا' اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے محل میں پہنچایا گیا جہاں ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ نعمتیں بھی' جنہیں

بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا۔ فرشتے نے بتلایا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔ تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو۔ اس نے جب اسے جہنم کے اندر جلتا دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ بات کچھ بعید نہیں تھی کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہے کہ میں بچ گیا۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں: یہ تعدیہ والی قراءت کی مزید تائید کرتی ہے اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے۔ ایک کافر اور ایک مؤمن تھا۔ جب مؤمن اپنی کل رقم راہ اللہ پر خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لئے چلا۔ اسے ایک شخص ملا اور کہا: اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دوں گا۔ اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا۔ لیکن وہ شخص بڑا بے رحم اور بدگمان تھا جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار' کمزور دیکھا تو اس مسکین ملازم کی گردن توڑتا' خوب مارتا پیٹیا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرالیتا ہوگا۔ اس مسلمان سے یہ بے جا سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں۔ اس کی کھیتی ہے' باغات ہیں میں وہاں کام کاج کروں گا اور وہ مجھے روٹی کا ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ایک بلند و بالا محل ہے۔ دربان اور پہرے دار ڈیوڑھی پر اور چوکی دار غلام اور لونڈیاں سب موجود ہیں۔ یہ ٹھٹھکا اور دربانوں نے اسے روکا اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کر دو۔ انہوں نے کہا: اب وقت نہیں۔ تم ایک کونے میں پڑے رہو۔ صبح جب وہ نکلیں گے تو خود سلام کر لینا۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان لیں گے۔ ورنہ پھر ہمارے ہاتھوں تمہاری مرمت ہو جائے گی۔ اس مسکین کو یہی کرنا پڑا جو کمبل کا ٹکڑا جسم سے لپیٹے ہوئے تھا' اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑا رہا۔ صبح کے وقت اس کے راستے میں جا کھڑا ہوا۔ جب وہ نکلا اور اس کی نگاہ پڑی تو متعجب ہو کر پوچھا کہ ہیں اب کیا حالت ہے' مال کیا ہوا؟ اُس نے کہا: یہ کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت تو میرا کام جو ہے اسے پورا کر دو۔ یعنی مجھے موقع دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل نوکروں کے انجام دوں اور مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل بوسیدہ ہو کر پھٹ جائے تو ایک کمبل خرید دینا۔ اس نے کہا: نہیں نہیں میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کو تیار ہوں لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ جواب دیا کہ میں نے وہ رقم ایک شخص کو قرض دی ہے۔ اس نے سوال کیا کہ کسے؟ کہا: ایسے کو جو رقم لے کر نہ دینے سے انکار کرے۔ اس نے کہا: وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے اس مسلمان سے ہاتھ چھڑا لیا اور سے کہا: احمق ہوا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم مر کر جب مٹی ہو جائیں تو پھر دوبارہ زندہ ہو سکیں اور اللہ ہمیں بدلے دے۔ جا! جب تو ایسا ہی بودا ہے اور ایسے عقیدے والا ہے' تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ پس وہ کافر تو مزے اڑاتا رہا اور یہ مؤمن سختی سے دن گزارتا رہا؟ یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی۔ مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں۔ وہ اندازہ اور شمار سے زائد تھیں۔ اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلند ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں۔ پوچھا: یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا کہ یہ سب آپ کا ہے۔ کہا: سبحان اللہ! یہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے۔ اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی۔ پوچھا: یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا: یہ سب آپ کے ہیں۔ اسے اور زیادہ تعجب اور خوشی ہوئی۔ پھر جو آگے بڑھتا ہے تو سرخ یاقوت کے محل اور ہر محل میں کئی کئی حورعین۔ ساتھ ہی اطلاع ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ بھی آپ ہی کا ہے۔ پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگا کہ اللہ جانے میرا کافر ساتھی کہاں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے دکھائے گا کہ وہ جہنم میں جل رہا ہوگا۔ اب ان میں دو تین باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ پس مؤمن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں' انہیں وہ یاد کرے گا۔ تو موت سے بھاری زیادہ بلا اسے نظر نہ آئے گی۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا۔ پھر اخیر ٹھکانا دوزخ ہی کی طرف ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی ان ہی کے قدم بقدم تیزی کے ساتھ چلتے تھے ○

زقوم کا درخت:

جنت کا ذکر فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اب لوگ خود فیصلہ کر لیں کہ وہ جگہ اور وہ نعمتیں بہتر ہیں؟ یا زقوم کا درخت جو جہنمیوں کا کھانا ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد خالص ایک ہی درخت ہو اور وہ تمام جہنم میں پھیلا ہوا ہو جیسے طوبیٰ کا ایک درخت ہے۔ جو جنت کے ایک ایک محل میں پہنچا ہوا ہے اور ممکن ہے کہ مراد زقوم کے درخت کی جنس ہو۔ اس کی تائید اس آیت: ﴿لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ﴾ (سورۂ واقعہ: ۵۲) سے ہوتی ہے ہم نے اسے ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: شجر زقوم کا ذکر گمراہوں کے لئے فتنہ ہو گیا۔ وہ کہنے لگے: لو اور سنو! آگ میں اور درخت۔ آگ تو درخت کو جلا دینے والی ہے۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں: جہنم میں درخت اُگے گا۔ تو اللہ نے فرمایا: ہاں یہ درخت آگ ہی میں ہوگا اور اس کی غذا بھی آگ ہی ہوگی۔ ابو جہل ملعون اسی پر ہنسی اُڑاتا تھا اور کہتا تھا: میں تو خوب مزے سے کھجور اور مکھن کھاؤں گا۔ اسی کا نام زقوم ہے۔ الغرض یہ بھی ایک امتحان ہے۔ نیک لوگ تو اس سے ڈر گئے اور بروں نے اس کا مذاق اڑایا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۶۰) جو ہم نے تجھے دکھایا تھا۔ وہ صرف اس لئے ہی کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے اور اسی لئے اسی لئے اس نامبارک درخت کا ذکر بھی کیا۔ ہم تو دھمکا رہے ہیں مگر یہ سرتابی میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اس درخت کی اصل جڑ جہنم میں ہے۔ اس کے پتے، خوشے، شاخیں بھیانک، ڈراؤنی، لمبی چوڑی، دُور دُور شیطانوں کے سروں کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ گو شیطان کو بھی کسی نے دیکھا نہیں۔ لیکن اس کا نام سنتے ہی اس کی بدصورتی اور خباثت سامنے آ جاتا ہے یہی حال اس درخت کا ہے کہ دیکھنے اور چکھنے میں ظاہر اور باطن میں بری چیز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سانپوں کی ایک قسم ہے جو بدترین بھیانک اور خوفناک شکل کے ہوتے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جنات کی ایک قسم ہے جو بہت بری طرح پھیل جاتی ہے۔ لیکن یہ دونوں احتمال درست نہیں۔ ٹھیک بات وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر

کیا۔اسی بدمنظر بدبو بدذائقہ بدمزہ تھور کر انہیں جبراً کھانا پڑے گا اور ٹھونس ٹھونس کر انہیں کھلایا جائے گا کہ یہ بجائے خود ایک زبردست عذاب ہے اور آیت میں ہے: ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴾ (سورۂ غاشیہ:) ان کی خوراک وہاں صرف کانٹوں دار تھور ہوگا جو انہیں نہ فربہ کرے گا نہ بھوک رفع کر سکے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار آیت: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۰۲) کی تلاوت کر کے فرمایا: اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں پڑ جائے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کی خوراک خراب ہو جائے۔اس کا کیا حال ہوگا۔جس کی خوراک ہی یہی ہوگی۔(ترمذی وغیرہ)

پھر زقوم کے کھانے کے ساتھ ہی انہیں جہنم کا کھولتا گرم پانی پلایا جائے گا۔یا یہ مطلب ہے کہ اس جہنمی درخت کو جہنمی پانی کے ساتھ ملا کر انہیں کھلایا پلایا جائے گا اور یہ گرم پانی وہ ہوگا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہوگا اور جو ان کی آنکھوں سے اور قضائے حاجت کے راستے نکلا ہوگا۔حدیث میں ہے کہ جب یہ پانی ان کے سامنے لایا جائے گا تو انہیں سخت سزا ایذا ہوگی اور بڑی کراہت ہوگی۔پھر جب وہ ان کے منہ کے پاس لایا جائے گا تو اس کی بھاپ سے ان کے چہرے کی کھال جھلس جائے گی[1] اور جب ان کا گھونٹ پیٹ میں جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کر مقعد کے راستے سے باہر آ جائیں گی[2]۔(ابن ابی حاتم)

حضرت سعد بن جبیر فرماتے ہیں: جب جہنمی بھوک کی شکایت کریں گے تو زقوم کھلایا جائے گا۔جس سے ان کے چہروں کی کھالیں بالکل الگ ہو کر گر پڑیں گے۔اس طرح انہیں پہچاننے والا اس میں ان کے منہ کی پوری کھال دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔پھر پیاس کی شدت سے بے تاب ہو کر وہ ہائے وائے پکاریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا گرم پانی دیا جائے گا جو چہرے کے سامنے آتے ہی چہرے کے گوشت کو جھلس دے گا اور تمام گوشت گر پڑے گا اور پیٹ میں جا کر آنتوں کو کاٹ دے گا اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے مارے جائیں گے اور ایک ایک عضو بدن الگ الگ جھڑ جائے گا بری طرح چیختے پیٹتے ہوں گے۔فیصلہ ہوتے ہی ان کا ٹھکانا جہنم ہو جائے گا۔جہاں ان پر طرح طرح کے عذاب ہوتے رہیں گے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ﴾ (سورۂ رحمٰن:۴۴) وہ جہنم اور آگ کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہؓ کی قراءت: ثُمَّ اِنَّ مَقِيْلَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ہے۔حضرت کا فرمان ہے کہ واللہ! آدھے دن سے پہلے ہی پہلے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے اور وہیں قیلولہ یعنی دوپہر کا آرام کریں گے قرآن بتاتا ہے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ (سورۂ فرقان:۲۴) جنتی باعتبار جائے قیام بہت بہتر ہوں گے اور باعتبار آرام گاہ کے بھی بہت اچھے ہوں گے۔الغرض قیلولے کا وقت دونوں کا اپنی اپنی جگہ ہوگا۔آدھے دن سے پہلے پہلے اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے۔اس بنا پر یہاں ثُمَّ کا لفظ خبر پر خبر کے عطف کے لئے ہوگا۔یہ اس کا بدلہ ہوگا کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا۔لیکن ان ہی کے نقش قدم پر دوڑتے پھرتے اور مجبوروں اور بے وقوفوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع

[1] اب بھی مشاہدہ ہے کہ تیز گرم پانی کے قریب ہونے سے جسم اذیت پاتا ہے اور کھال متاثر ہوتی ہے۔

[2] زہر کا اثر آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں کہ آنتوں کو کاٹ کاٹ کر نکال دیتا ہے۔

اوران سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ہاں مگر اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے ○

گمراہی کی تاریخ بہت پرانی ہے:

گزشتہ اُمتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے' شرک کرتے تھے' ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے تھے۔ جنہوں نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا' ڈرا دھمکا دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ ان کے شرک و کفر اور تکذیب رسول سے اللہ ناراض ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں عذاب ہوگا۔ پھر بھی جب انہوں نے نبیوں کی بات نہ مانی اور اعمال بد سے باز نہ آئے تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ تہس نہس کر دیئے گئے۔ ان نیک کار خلوص والے اللہ کے موقد بندے بچا لئے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں اور ہم نے ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رہنے دیا اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں) کو غرق کر دیا ○

صدائے نوح علیہ السلام:

اوپر کی آیتوں میں لوگوں کی گمراہی کا اجمالاً ذکر کیا تھا۔ ان آیتوں میں تفصیلی بیان ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے۔ لیکن پھر بھی قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے۔ آخر اللہ کے رسول نے تنگ آ کر دعا کی[1] کہ اللہ میں عاجز آ گیا تو میری مدد کر۔ غضب اللہ ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہ آب غرق کر دیا۔ تو فرماتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ہماری جناب میں دعا کی۔ ہم ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے' فوراً ان کی دعا قبول فرمائی اور اس تکذیب وایذا سے جو انہیں کفار سے روزمرہ پہنچ تھی' ہم نے بچا لیا اور ان ہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی۔ کیونکہ وہی باقی بچے تھے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: تمام لوگ حضرت نوح کی اولاد

[1] سڑے ہوئے عضو کو جسم سے کاٹ کر علیحدہ پھینک دینا کون کہتا ہے کہ ظلم ہے؟ ظلم یہ ہے کہ اس مفلوج اور گندے عضو سے تمام صحیح وسالم جسم کو نقصان پہنچ جائے۔ نوح علیہ السلام نے جب یہ باور کر لیا تھا کہ اب ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی تو پوری کائنات پر یقیناً یہ ظلم ہوتا کہ اس سرکش قوم کی بقا وتحفظ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی۔ حضرت نوح کی دعا سے اس بدبخت قوم سے پوری دنیا محفوظ ہوگئی۔

میں سے ہیں۔ ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام حام اور یافث کی پھر اولاد پھیلی اور باقی رہی۔
مسند میں یہ بھی ہے کہ سام پورے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے۔ اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اوّل یعنی یونانی ہیں۔ جو رومی لعیطی بن یونان بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں حضرت سعید بن مسیب کا ارشاد ہے کہ حضرت نوحؑ کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب، فارسی اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی سودانی اور بربر ہیں واللہ اعلم۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا۔ تمام انبیا کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں کرتے رہیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو۔ یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے۔
یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہرامت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے۔ ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت و اطاعت پر جم جائے۔ ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام یقین و ایمان رکھنے والوں اور توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور دعوت نوح کو قبول کرنے والوں کا تو یہ انجام بخیر۔ لیکن نوح علیہ السلام کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے۔ ہاں ان کی بدیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے بدچلن افسانے چڑھ گئے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کسی (واہیات) چیز کی عبادت کیا کرتے ہو۔ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ تو تمہارا رب العالمین کے ساتھ کیا خیال ہے ○

صاحب قلب سلیم، ابراہیم علیہ السلام:

ابراہیم بھی نوح کے دین پر تھے۔ انہیں کے طریقے اور مسلک پر تھے۔ اپنے رب کے پاس سلیم دل لے کر آئے۔ یعنی توحید والا جو اللہ تعالیٰ کو حق جانتا ہو۔ قیامت کو آنے والی مانتا ہو۔ مردوں کو دوبارہ جینے والا سمجھتا ہو۔ شرک و کفر سے بیزار ہو۔ دوسروں پر لعن طعن کرنے والا نہ ہو۔ خلیل اللہ نے اپنی تمام قوم سے اور اپنے باپ سے صاف فرمایا کہ تم یہ کس کی پوجا کر رہے ہو؟
اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی چھوڑ دو اور اپنے ان باطل معبودوں کی اراوت ترک کر دو۔ ورنہ جان لو کہ خداوند عالم تمہارے ساتھ کیا کچھ کرے گا اور تمہیں کیسی کچھ سخت ترین سزائیں دے گا۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ

اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

سوابراہیم نے ستاروں کوایک نگاہ بھر کر دیکھااور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو تم کو کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں ہو پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے فرمایا کہ کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تعمیر کرو اور ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی سو ہم ان کو ہی نیچا دکھایا ○

نگاہِ حق جو:

حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جب اپنے میلے میں چلے جائیں تو یہ ان کے عبادت خانے میں تنہا جائیں اور ان کے بتوں کو توڑنے کا موقعہ مل جائے۔ اس لئے کہ ایک ایسی بات کہی جو درحقیقت سچی تھی۔ لیکن ان کی سمجھ میں جو مطلب اس کا آیا' اس سے آپ نے اپنا دینی کام نکال لیا۔ وہ تو اپنے اعتقاد کے بموجب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واقعی بیمار سمجھ بیٹھے اور انہیں چھوڑ کر چلتے بنے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: جو شخص کسی اَمر میں غور وفکر کرے تو عرب کہتے ہیں' اس نے ستاروں پر نظریں ڈالیں مطلب یہ ہے کہ غور وفکر کے ساتھ تاروں کی طرف نگاہ اٹھائی اور سوچنے لگے کہ میں انہیں کسی طرح ٹالوں؟ سوچ سمجھ کر فرمایا کہ میں سقیم ہوں۔ یعنی ضعیف ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین ہی جھوٹ بولے ہیں۔ جن میں سے دو مرتبہ تو اللہ کے دین کے لئے یعنی ایک بار ان کا فرمانا: ﴿اِنِّىْ سَقِيْمٌ﴾ اور دوسرے ان کا فرمانا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ (سورۂ انبیاء: ۶۳) اور ایک الخ حضرت سارہ کو اپنی بہن کہنا تو یاد رہے کہ دراصل ان میں حقیقی جھوٹ ایک بھی نہیں ہے۔ انہیں تو صرف مجازاً جھوٹ کیا گیا ہے۔ کلام میں ایسی تعریض کسی شرعی مقصد کے لئے کرنا جھوٹ میں داخل نہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ تعریضیں جھوٹ سے الگ ہے اور اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حضرت خلیل کے تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے حکمت عملی کے ساتھ اللہ کے دین کی بھلائی مقصود نہ ہو۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں: میں بیمار ہوں [1] سے مطلب مجھے طاعون ہو گیا اور وہ لوگ مریض سے بھاگتے تھے۔ حضرت کا یہ

[1] گھڑیاں تو ایجاد اس زمانے کی ہیں وہ زمانہ جس میں گھڑیاں ایجاد نہیں وہی تھیں ظاہر ہے کہ تحقیق وقت کے لئے نظر ستاروں ہی پر رکھنا ہوتی تھی آج جہاں گھڑیاں نہیں پہنچ سکیں یا دستیاب نہیں ہوتیں کام اوقات کا ستاروں ہی سے لیا جاتا ہے اور پھر اہل کلدانیہ (باطل) تو ستاروں سے شگون وفال لینے کے گویا

ہے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ ان کے جھوٹے معبودوں کی تردید کے لئے اللہ کے خلیل کی یہ حکمت عملی تھی کہ ایک ستارہ کو طلوع ہوتے دیکھ کر فرمادیا کہ میں سقیم ہوں اوروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی یقیناً ایک مرتبہ مرض الموت آنے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مریض ہوں۔ یعنی میرا دل تمہارے ان بتوں کی عبادت سے بیمار ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: جب آپ کی قوم میلے میں جانے لگی تو آپ کو بھی مجبور کرنے لگی۔ آپ ہٹ گئے اور فرمادیا کہ سقیم ہوں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ جب وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو آپ نے بہ فراغت ان کے معبودوں کے ٹکڑے کر دیئے وہ تو سب اپنی عید میں لگے اور آپ چپکے چپکے اور جلدی جلدی ان کے بتوں کے پاس آئے۔ پہلے تو فرمایا: کیوں جی تم کھاتے کیوں نہیں؟ یہاں آ کر اللہ کے خلیل نے دیکھا کہ جو چڑھاوے ان لوگوں نے ان بتوں پر چڑھا رکھا تھے وہ سب رکھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے تبرک کی غرض سے جو قربانیاں یہاں کی تھیں وہ سب یونہی پڑی ہوئی تھیں۔ یہ بت خانہ بہت بڑا وسیع اور مزین تھا دروازے کے متصل ایک بہت بڑا بت تھا اور اس کے ارد گرد اس سے چھوٹے، پھر ان سے چھوٹے۔ یونہی تمام بت خانہ بھرا ہوا تھا۔ ان کے پاس مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے کہ یہاں رہنے سے متبرک ہو جائیں گے۔ پھر ہم کھالیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پھر فرمایا: یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ بولتے کیوں نہیں؟ اب تو پوری قوت سے دائیں ہاتھ سے مار مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہاں بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ تاکہ اس پر بدگمانی کی جا سکے۔

جیسے سورہ انبیا میں گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے۔ بت پرست جب اپنے میلے سے واپس ہوئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کے سب اللہ ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں۔ کسی کا ہاتھ نہیں۔ کسی کا پاؤں نہیں۔ کسی کا سر نہیں کسی کا دھڑ نہیں، حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ آخر سوچ سمجھ کر بحث مباحثہ کے بعد معلوم کر لیا ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم کا ہے۔ اب سارے کے سارے مل جل کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام والغفر ان کے پاس دوڑتے بھاگتے "دانت پیستے" بنتے بگڑتے آئے۔ خلیل اللہ کو تبلیغ کا اور انہیں قائل معقول کرنے کا اور سمجھانے کا اچھا موقعہ ملا۔ فرمانے لگے: کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو، جنہیں تم خود بناتے ہو۔ اپنے ہاتھوں سے گھڑتے ہو اور تراشتے ہو۔ حالانکہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے ممکن کہ اس آیت میں ما مصدریہ ہو اور ممکن ہے کہ اَلَّذِیْ کے معنی ہیں۔ لیکن دونوں معنی میں تلازم ہے۔ گو پہلے معنی زیادہ واضح ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ پھر بعضوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ چونکہ اس پک وصاف بات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا تو تنگ آ کر دشمنی پر اور سفلہ پن پر اتر آئے اور کہنے لگے ایک احاطہ بناؤ، اس میں آگ جلاؤ اور اس کو اس میں ڈال دو۔

چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خود انہیں ذلیل کیا۔ اس کا پورا بیان اور کامل تفسیر سورہ انبیاء میں گزر چکی ہے وہیں دیکھ لی جائے۔

......= عاشق تھے۔ نظر ابراہیم علیہ السلام کی ستاروں کی طرف اٹھی حسب عادت کلدانیہ والے سمجھے کہ ستاروں سے اپنا مستقبل دریافت کر رہے ہیں۔ انی سقیم پر اعتراض چلے آتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بیمار نہ تھے پھر بیمار کیسے ہو دیا۔ لیکن ایک سوال تو خود اس سوال پر ہی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں کہ ابراہیم بیمار نہ تھے۔ پھر بیمار نہ ہونے کا فیصلہ اور ابراہیم پر غلط بیانی کا الزام کہاں سے لگایا گیا۔ رہ جاتی ہے حدیث جس میں اس کا ذکر آیا ہے کہ ابراہیم نے جھوٹ بولا تو محدثین کا قول یہ ہے کہ ابراہیمؑ پر غلط بیانی کا الزام لگانے سے تو بہتر ہے کہ کسی راوی ہی کو جھوٹا سمجھ کر اس حدیث ہی کو نہ مانو اور انی سقیم کے معنی بعض مفسروں نے یہ بیان کئے ہیں کہ میں آئندہ بیمار ہونے والا ہوں جیسا کہ کشاف میں ہے کہ ای مشارف اسقم۔

وَمَالِیَ ۲۳

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھے اچھی جگہ پہنچا ہی دے گا۔ اے میرے رب! مجھ کو ایک نیک فرزند دے سو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو بارالٰہی ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے وہ بولا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے۔ آپ (بلا تامل) کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض جب دونوں نے اللہ کے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ پر لٹایا ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم! شاباش تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ وہ وقت بھی عجیب تھا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی صریح امتحان اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے عوض دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے اور ہم نے ایک انعام ان پر یہ کیا کہ ان کو اسحٰق کی بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر برکتیں نازل کیں اور (پھر آگے) ان دونوں کی نسل میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو (بدیاں کر کے) صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں○

ایک خواب:

خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے۔ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آ

ان سے علیحدہ ہو جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب ہجرت کر جاؤں گا۔ میرا رہنما میرا رب ہے۔ ساتھ ہی رب سے اولاد ہونے کی دعا مانگی' تا کہ وہ بھی توحید میں آپ کا ساتھ دے۔ اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی ہے۔ یہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے' یہی آپ کے پہلے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحٰق سے بڑے تھے۔ اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں۔ بلکہ ان کی کتاب بھی مانتے ہیں۔ بلکہ ان کی کتاب میں موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال کی تھی جس وقت حضرت اسحٰق تولد ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن صرف اس لئے کہ نبی اللہ حضرت اسحٰق کی اولاد میں سے یہ ہیں اور نبی اللہ وذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے عرب ہیں۔ انہوں نے واقعہ کی ا ا بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسمٰعیل سے ہٹا کر حضرت اسحٰق کو دے دیا اور بے جا تاویلیں کر کے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا اور کہا کہ ہماری کتاب میں لفظ وحیدك ہے۔ اس سے مراد اکلوتا نہیں' بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے۔ وہ ہے اس لئے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے۔ یہاں خلیل علیہ السلام کے ساتھ صرف اسحٰق علیہ السلام تھے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ وَحِيْدَكَ اسی کو کہا جاتا ہے' جو اکلوتا ہو اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو۔ پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے اور اس کے جو لاڈ چاؤ ہوتے ہیں عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر وہ باقی نہ رہتے۔ اس لئے اس کے ذبیحے کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے ہم اسے مانتے ہیں۔

بعض سلف بھی اس کے قائل ہوتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہؓ سے بھی منقول ہے لیکن یہ بات کتاب وسلف سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بے دلیل اپنے ہاں لے لیا۔ دور کیوں جائیں کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجئے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت غلام حلیم کہہ کر اعلان ہوا۔ پھر راہ اللہ میں ذبح کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہوا۔ اس تمام بیان کو ختم کر کے پر نبی صالح حضرت اسحٰق کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا اور فرشتوں نے بشارت اسحٰق کے موقعہ پر غلام علیم فرمایا تھا۔ اسی طرح قرآن میں ہے' کہ بشارت اسحٰق کے ساتھ ارشاد ہوا ہے: ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (سورۂ ہود: ۷۱) یعنی حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں ہی حضرت اسحٰق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوں گے۔ یعنی ان کی نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا ہے۔ اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا۔ اسے ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ البتہ حضرت اسمٰعیل کا وصف یہاں پر بردباری کو بیان کیا گیا ہے جو ذبیحے کے لئے نہایت مناسب ہے۔

اب حضرت اسمٰعیل بڑے ہو گئے۔ اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے۔ حضرت ابراہیم عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے۔ یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی بھی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے۔ لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے اس پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں۔ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے۔ پس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لئے اور اس لئے بھی کہ اچانک ذبح کرنے سے وہ گھبرا نہ جائیں' اپنا ارادہ اور رؤیا صادقہ ان پر ظاہر کیا۔ وہاں کیا تھا وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے۔ نبی ابن نبی تھے۔ جواب دیتے ہیں: ابا پھر دیر کیوں لگا رہے ہو۔ یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں؟ جو حکم ہوا ہے' اسے فوراً کر ڈالئے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینان کیا کراؤں' چھری رکھئے معلوم ہو جائے گا کہ کیسا کچھ صابر ہوں انشاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا۔ سبحان

اللہ جو کہا تھا' وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کی سند اللہ کی طرف سے حاصل کر ہی لی۔ آخر باپ بیٹا دونوں حکم اللہ کی اطاعت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ باپ بچے کو ذبح کرنے کے لئے اور بچہ راہ اللہ میں اپنے باپ کے ہاتھوں اپنا گلا کٹوانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور باپ اپنے نورِ چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں۔ تاکہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ ست نہ پڑ جائے۔

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم اپنے نورِ نظر کو ذبح کرنے کے لئے بحکم اللہ لے چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا۔ لیکن حضرت ابراہیم اس سے آگے بڑھ گئے۔ پر حضرت جبرئیل کے ساتھ آپ جمرۂ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو کنکریاں ماریں۔ پھر جمرۂ وسطیٰ کے پاس آیا۔ پھر وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے پچھاڑا اور ذبیح اللہ کے جسم پر اس وقت سفید چادر تھی کہنے لگے کہ اباجی اسے اتار لیجئے۔ تاکہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں۔ آہ! اس وقت خود اپنے بیٹے کو ننگا کرتے ہوئے باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی: بس ابراہیم! خواب کو سچا کر چکے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک بھیڑ سفید رنگ بڑے بڑے سینگوں والا اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اسی لئے ہم اس قسم کے بھیڑ چن چن کر قربانی کے لئے لیتے تھے۔ ابن عباسؓ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحٰق کا نام منقول ہے۔ تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں۔ لیکن اوّل ہی اولیٰ ہے اور اس کی دلیلیں آ رہی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا۔ اس کی بابت حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: یہ جنتی بھیڑ اتھا۔ جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے اپنے بچے کو چھوڑا' اس کے پیچھے ہو لئے۔ جمرہ اولیٰ آ کر سات کنکریاں پھینکیں پھر وہ بھاگ کر جمرہ وسطیٰ پر گیا۔ سات کنکریاں یہاں ماریں۔ پھر جمرہ کبریٰ کے پاس سات کنکریاں مایں اور وہاں سے منحر پر لا کر ذبح کیا۔ اس کے سینگ سمیت سر ابتدائے اسلام کے زمانہ تک کعبہ کے دروازہ پر تالے کے پاس لٹک رہے تھے۔ پھر سوکھ گئے۔ ایک دفعہ ابو ہریرہؓ اور حضرت کعبؓ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعب کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔ جو روز بروز قیامت ہوگی' تو حضرت کعب نے فرمایا: تم خود اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ فرمایا: ہاں حضرت کعب خوش ہوئے اور فرمانے لگے: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں۔

پھر حضرت کعب نے حضرت ابراہیم خلیل کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسحٰق کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا کہ اگر میں اس وقت ان کو نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لئے مایوس ہو جانا چاہئے۔ پہلے تو یہ حضرت سارہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں۔ وہ بولیں: وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا: وہ کہتے ہیں' اللہ کا انہیں حکم ہے۔ جواب ملا پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر یہ بچے کے پاس آیا اور کہا: تمہارے تمہیں کہاں لے جاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اپنے کام کے لئے۔ کہا: نہیں' بلکہ وہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ فرمایا: کیوں؟ کہا: اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے۔ کہا پھر تو واللہ انہیں کام میں بہت جلدی کرنی چاہئے۔ ان سے بھی مایوس ہو کر ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا: بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لئے۔ ملعون نے کہا: نہیں بلکہ تم اسے ذبح

کرنے کے لئے لے جارہے ہو۔ آپ نے فرمایا: یہ کیوں؟ بولا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم پھر تو میں اسے ضرور ہی ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس تمام واقعہ کے بعد جناب باری نے حضرت اسحٰق سے فرمایا کہ ایک دعا تم مجھ سے مانگو جو مانگو گے ملے گا۔ حضرت اسحٰق نے کہا: پھر میری یہ دعا ہے کہ جس نے تیرے ساتھ شریک نہ کیا ہو' اسے ضرور جنت میں لے جانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں ایک کو اختیار کرلوں یا تو یہ کہ میری نصف امت بخشی جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ تو میں نے شفاعت کرنے کو ترجیح دی' اس امید پر کہ وہ عام ہو گی۔ ہاں ایک دعا تھی کہ میں وہی کرتا۔ لیکن اللہ کا ایک نیک بندہ مجھ سے پہلے ہی اس دعا کو مانگ چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق سے ذبح ہونے کی تکلیف دور کر دی تو ان سے فرمایا گیا کہ مانگو' جو مانگو گے دیا جائے گا تو حضرت اسحٰق نے فرمایا: واللہ شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی میں اسے مانگ لوں گا۔ خدایا! جو شخص اس حالت میں مرا ہو کہ اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' تو اسے بخش دے اور جنت میں پہنچا دے۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ لیکن سنداً غریب اور منکر ہے اور اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں اور مجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ یہ الفاظ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق سے آخر تک ان کے اپنے ہوں۔ جو انہوں نے حدیث میں داخل کر دیئے ہوں۔

ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل ہیں۔ محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکہ میں ہے اور حضرت اسماعیل یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحٰق۔ وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام میں ہے۔ جب حضرت ابراہیم اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لئے لٹاتے ہیں تو جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیم تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔ سدی سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہو گئی اور نہ کٹی اور یہ آواز آئی: ہم اس طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی سختیوں سے بچا لیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نجات کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے اس طرح مدد پہنچاتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ اپنے کاموں کو پورا کر کے چھوڑتا ہے۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ کر سکتا ہے۔

ہاں معتزلہ اس کو نہیں مانتے۔ وجہ استدلال بہت ظاہر ہے۔ اس لئے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح سے پہلے ہی فدئے کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ قہر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے اسی لئے ارشاد ہوا: یہ تو صرف ایک آزمائش تھی۔ کھلا امتحان تھا کہ اِدھر حکم ہوا اُدھر تیاری ہوئی۔ اسی لئے جناب خلیل کی تعریف قرآن میں ہے کہ ابراہیم بڑا وفادار تھا۔ بڑے ذبیحے کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا۔ سفید رنگ' بڑی بڑی آنکھوں والا اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا بھیڑ فدیہ میں دیا گیا۔ جو ثبیر میں ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا۔ جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا۔ منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا۔ یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا۔ یہی وہ بھیڑا ہے جسے ہابیل نے راہ اللہ میں قربان کیا تھا۔ اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی۔ اس کا نام جریر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا اور کوئی کہتا ہے منیٰ میں منحر پر ایک شخص نے اپنے آپ کو راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑی ذبح کرنے کو کہتا' تب بھی کافی تھا۔ کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا

فدیہ اسی سے دیا گیا تھا[1]۔ اکثر لوگوں کا یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پہاڑی بکرا تھا۔ کوئی کہتا ہے: نر ہرن تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلہ کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں۔ جاؤ اسے ڈھک دو۔ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں: اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت المقدس میں آگ لگی۔ اس میں وہ جل گئے۔ یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر وراثتاً چلے آئے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ واللہ اعلم

اُن آثار کا بیان جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے ☆

ابو میسرہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا: کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے؟ میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ (عبید بن عمیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ! کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کے خدا کی قسم؟ تو جواب ملا کہ اس لئے کہ ابراہیم نے تو ہر چیز پر مجھ ہی کو ترجیح دی اور اسحٰق نے اپنے آپ میری راہ میں ذبح ہونے کے سپرد کر دیا۔ پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کرنا کیا مشکل تھیں؟ اور یعقوب کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا اس کا حسن ظن میرے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا: قابل فخر باپ دادے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے تھے۔

عکرمہ' ابن عباس اور خود عباس' علی' سعید بن جبیر' مجاہد' حسن' قتادہ' شعبی' عبید بن عمیر' ابو میسرہ' زید اسلم' عبداللہ بن شقیق' زہری' قاسم بن ابو برزہ' مکحول' عثمان بن ابی عاص' سدی' حسن' قتادہ' ابو الہذیل' ابن سابط' کعب احبار (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) ان سب کا یہی قول ہے اور بن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے۔ صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں۔ یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمر کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے۔ لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کر شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی۔ حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں۔

بغوی نے کچھ اور نام بھی صحابہ اور تابعین کے بتلائے ہیں۔ جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے اگر وہ صحیح حدیث ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے بھی یہ موقوف چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم

اب وہ آثار سنئے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے اور یہی ٹھیک ہے اور بالکل درست بھی ہے ابن عباسؓ

[1] حدیث میں ہے کہ یہ ایک دنبہ تھا۔ یہ کہنا چاہئے کہ جنت کی چیز پر فنا طاری کس طرح ہوئی۔ کیونکہ جب اس ناسوتی عالم میں وہ آیا' خواص بھی یہیں کے اس کے ساتھ لگے۔ جن میں سے ایک فنا کو قبول کرنا بھی ہے۔ ذبح اولاد کی نذر صحیح ہے یا غلط اس میں کافی اختلاف ہے۔ جواب پھر خود یہ دیتے ہیں کہ ابراہیم نے یہ امتثال امر کیا تھا۔ ایضاً عہد یعنی نذر نہیں تھی۔ اس لئے لڑکے کو ذبح کرنے کی نذر بالاتفاق ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی احمق ایسی نذر کر ہی بیٹھے تو امام مالک کے یہاں بکری قربان کرے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ معصیت ہے۔ ایسی نذر کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ دونوں کہتے ہیں کہ اس صورت میں بکرے کی قربانی دے۔ کیونکہ یہ حکم شریعت ابراہیم سے نسخ منقول ہے اور ابو یوسف شافعی الامام کیلاح اس نذر کو باطل ہی کہتے ہیں۔

یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحٰق کا نام غلط لیتے تھے۔ ابن عمرؓ، مجاہدؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ، محمد بن کعب قرظی، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے جب محمد بن قرظی نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کا ذکر کر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا۔ یعقوب نامی جب ان کی اور ان کے ہاں لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟

تو حضرت عمرؒ نے فرمایا: یہ بہت صاف دلیل ہے۔ میرا ذہن اس پر نہیں پہنچتا تھا۔ گو میں یہ بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی تھے۔ پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین سچ تو یہ ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل ہی تھے۔ لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے بارے یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحٰق کا نام لے دیا۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق دونوں ہی طاہر اور طیب اور اللہ کے سچے فرماں بردار تھے۔ کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے والد سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسمٰعیل ہی تھے۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، ابوالطفیل، سعید بن جبیر، سعید بن مسیّب، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابوجعفر محمد بن علی، ابوصالح رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

امام بغویؒ نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں۔ ایک غریب حدیث بھی اس کی تائید میں موجود ہے۔ اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہؓ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اچھا ہوا جو یہ معاملہ مجھ سے جیسے باخبر شخص کے پاس آیا۔ سنو! ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے دو راہ اللہ میں ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسول (ﷺ) مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے۔ اس پر آپ ﷺ مسکرائے۔ ایک تو ذبیح اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ تھے۔ دوسرے حضرت اسماعیل۔ جن کی نسل سے آپ ﷺ ہیں۔ عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کہ اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا۔ جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو نام اللہ پر ذبح کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا نام نکلا۔ ان کے ننھیال والوں نے کہا: آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ میں ذبح کر دیں۔ چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے اور اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہے ہی ہے[1]۔

ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے اور مغازی امویہ میں بھی۔ امام ابن جریر نے حضرت اسحٰق کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ کی دلیل تو یہ پیش کی ہے کہ جس حلیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت اسحٰق ہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ ہے: ﴿وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ (سورۂ ذاریات: ۲۸) اور حضرت یعقوب کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں: بہت ممکن ہے کہ یہ بالا

---

[1] مولانا حمید الدین مرحوم نے مستقل ایک تصنیف اس فیصلہ کے سلسلہ میں لکھی ہے کہ ذبیح اللہ کون تھے؟ اور اہل کتاب کے مسلمات سے ثابت کیا ہے کہ بجز حضرت اسمٰعیل تھے کوئی اور نہیں تھا۔

کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں اور بعض لوگوں سے حضرت اسحٰق کے نام کی صراحت بھی آئی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دُور ہیں۔ ہاں حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحٰق کی بشارت دی جا رہی ہے۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ نبیا حال مقدر ہے۔ یعنی وہ نبی صالح ہوگا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ذبیح اسمٰعیلؑ تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحٰق کی بشارت ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا۔ حالانکہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ سے بڑے تھے۔ تو یہاں بھی ان کی بشارت کی ضرورت ہے۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جب کہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی۔ پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل۔

حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان پر اور اسحٰق پر ہماری برکتیں نازل ہوئیں ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں، نیک بھی بد بھی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمان ہوا تھا کہ اے نوح! ہمارے سلام اور برکت کے ساتھ تو اترا، تو بھی اور تیرے ساتھ والے بھی اور ایسے بھی لوگ ہیں، جنہیں ہم فائدہ پہنچائیں گے۔ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی اور ہم نے ان سب کی (فرعون کے مقابلہ میں) مدد کی سو یہی لوگ غالب آئے اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے پر قائم رکھا اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایماندار بندوں میں تھے ○

کربِ عظیم سے نجات:

اللہ تعالیٰ موسیٰ و ہارونؑ پر اپنی نعمتیں شمار کرا رہا ہے کہ انہیں نبوت دی اور انہیں مع ان کی قوم کے فرعون جیسے طاقتور دشمن سے نجات دی۔ جس نے انہیں طرح پست و ذلیل کر رکھا تھا۔ ان کے بچوں کو قتل کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو رہنے دیتا تھا۔ ان سے ذلیل خدمات لیتا تھا اور بے حیثیت بنا رکھا تھا۔ ایسے بدترین دشمن کو ان کے سامنے ہلاک کیا۔ انہیں اس پر غالب کر دیا۔ ان کی زمین اور زر کے یہ مالک بن گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح اور جلی، روشن اور بین کتاب عنایت فرمائی۔ جو حق و باطل والوں میں فرق و فیصلہ کرنے والی اور ہدایت والی تھی اور ان کے اقوال و افعال میں انہیں استقامت عطا فرمائی اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثنا و صفت باقی رکھی

کہ ہر زبان ان پر سلام ہی پڑھتی رہے۔ ہم نیک کاموں کے یونہی اور ایسے ہی بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مؤمن بندے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور الیاس بھی (بنی اسرائیل کے) پیغمبروں میں سے تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اس کو چھوڑے بیٹھے ہو' جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے اور وہ معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جائیں گے۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تھے اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ ال یاسین پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں یہ وہ ہمارے کامل ایمانداروں میں سے تھے ○

سیدنا الیاس علیہ السلام:

بعض کہتے ہیں کہ الیاس نام تھا' حضرت ادریس کا (وہب کہتے ہیں) ان کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ الیاس بن نسی بن عبراز بن ہارون بن عمران علیہ السلام۔ حزقیل کے بعد یہ بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے۔ وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی۔ ان کے بادشاہ نے ان کی دعوت کو قبول بھی کر لیا۔ پھر مرتد بن گیا اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان کے لئے بددعا کی تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے۔ بارش ہوتے ہی سب آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے پانی برسا۔ لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے پھر گئے اور کفر پر اڑ گئے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی طرف اٹھا لیجئے۔ حضرت یسع بن اخطوب ان کے زیر پرورش تھے۔ حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ وہاں آپ گئے ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا جس پر سوار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے۔ اس واقعہ کے درست ہونے کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ بات اہل کتاب کی روایت سے ہے۔ حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ اہل یمن اور قبیلہ ازدشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے وہ ایک عورت تھی ان کے شہر کا نام بعلبک تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت الیاس فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خالق ہے' ایک بت کو پوج رہے ہو اور اس کو

پکارتے رہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے۔ وہی مستحق ہے۔ اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا' تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوگا۔ ہاں ان میں سے بھی جو توحید پر قائم تھے۔ وہ بچ رہیں گے۔ ہم نے الیاس کی ثناء جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درود وسلام بھیجا جاتا ہے۔ لفظ الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے۔ جیسے اسماعیل میں اسماعین ہو۔ میں اس طرح یہ لغت ہے۔ ایک تمیمی کے شعر میں بھی یہ لغت اسی طرح لایا گیا ہے۔ میکائیل کو میکال اور میکائین بھی کہا جاتا ہے۔ ابراہیم کو ابراہام۔ اسرائیل کو اسرائین۔ طور سینا کو طور سینین۔ غرض یہ لغت اس طرح لایا گیا ہے۔

عرب میں مشہور و رائج ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم اس طرح نیک کاروں کو نیک بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور بے شک لوط علیہ السلام پیغمبروں میں سے تھے۔ جب کہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی بجز اس بڑھیا (یعنی ان کی بیوی) کے کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور تم تو ان (کے دیار و مساکن) پر صبح ہوتے ہی رات میں گزرا کرتے ہو تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو ○

سیدنا لوط علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب برس پڑا اور اللہ نے اپنے پیارے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو مع ان کے گھر والوں کے نجات دے دی۔ لیکن ان کی بیوی غارت ہوئی۔ قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوئی اور ساری قوم بھی تباہ ہوئی۔ قسم قسم کے عذاب ان پر آئے اور جس جگہ وہ رہتے تھے وہاں ایک بدبودار جھیل بن گئی۔ جس کا پانی بدمزہ اور بدبودار' بدرنگ ہے۔ جو عین آمد و رفت کے راستے میں ہی پڑتی ہے۔ تم تو دن رات وہاں سے آتے رہتے ہو اور اس خوفناک منظر اور بھیانک مقام کو صبح دیکھتے رہتے ہو کیا اس معائنہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچتے سمجھتے نہیں ہو؟ کہ کس طرح یہ برباد کر دیئے گئے؟ ایسا کہ یہی عذاب تم پر بھی آ جائیں۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ

مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

بہ تحقیق یونس نبیوں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے پھر قرعہ اندازی ہوئی یہی ملزم ٹھہرے پھر ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور وہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگ گئے۔ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں نہ ہوتے قیامت تک اُسی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ پس اسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے اور ان پر سایہ کرنے والا بیلدار کی قسم کا ایک درخت ہم نے اگا دیا اور ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمی کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے بھی انہیں ایک زمانہ تک عیش وعشرت دی ○

حضرت یونس علیہ السلام:

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورہ یونس میں بیان ہو چکا ہے۔ بخاری ومسلم میں حدیث میں ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ مجھ کو یونس بن متی سے افضل کہے۔ یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد کا ہو۔ یہ بھاگ کر مال واسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے۔ وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے۔ کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا۔ یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو۔ جس کے نام قرعہ نکلے اس کو سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے۔ تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں دفعہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔ اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن کیا کرتے' بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور پھر آپ کپڑے اتار کر ان لوگوں کے روکنے کے باوجود سمندر میں کود پڑے۔ اسی وقت بحر خضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان صادر ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونس کو نگل لے۔ لیکن نہ تو ان کا جسم زخمی ہو اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر اللہ کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ جب حضرت یونس پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گزرا کہ میں مر چکا ہوں۔ لیکن ہاتھ پاؤں کو حرکت دی اور وہ ہلے جلے' تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار! میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے۔ جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا۔ تین دن یا سات دن یا چالیس دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے یعنی جب کہ فراخی اور کشادگی اور امن امان کی حالت میں تھے۔ اس وقت کہ ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں۔ ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ آرام وراحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو سختی اور پریشانی کے وقت تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ پابند نماز ہوتے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر یہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (سورۂ انبیاء:۸۷) کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے۔ چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہ کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم مؤمنوں کی نجات دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونس نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو دعا عرش خداوندی کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا: خدایا! یہ آواز کہیں بہت دور کی ہے۔ لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب بھی نہیں پہچانا' یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پہچانا۔ فرمایا: یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا: وہی یونس جن کے نیک اعمال اور قبول دعا میں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی ہے؟ خدایا ان پر تو ضرور رحم فرما۔ ان کی دعا قبول فرما لے۔ وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتے تھے ان کو بلا سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں اسے نجات دوں گا۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل دے اور اس نے اُگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی کمزوری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اُگا دی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا' جو صبح شام ان کے پاس آ جاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے واقعات مرفوع حدیثوں سے سورہ انبیاء کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔ ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا۔ جہاں سبزہ روئیدگی اور گھاس کچھ نہ تھا۔ دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ ڈال دیئے گئے تھے۔ یہ اس وقت اس کمزور تھے' جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی۔ یقطین کدو کی بیل کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تنا نہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ ہوتی۔ کدو میں بہت سے فوائد ہیں۔ یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے اور اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں اور یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو یعنی لوکی بہت پسند تھی اور برتن میں سے چن چن کر کھاتے تھے۔

پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اس سے پہلے آپ رسول نہ تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: مچھلی کے پیٹ[1] میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے اب دوبارہ بھی ان ہی کے پاس گئے تھے۔ یہاں "اوْ" "بلکہ" کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور وہ ایک تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر یا ایک چالیس ہزار سے زیادہ یا ستر ہزار سے بھی بڑھ کر۔ یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی زیادہ کا تھا۔ ابن جریر کا یہی مسلک ان کا آیت: اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (سورۂ بقرہ:۷۴) اور آیت اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (سورۂ نساء:۷۷) اور

[1] ہوا یہ کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی سرکش قوم کو عذاب کی خبر سنائی تھی اور پھر یہ سمجھ کر ان پر اب عذاب یقیناً آنے والا ہے۔ آپ شہر چھوڑ کر چلے گئے اور ان کے روانہ ہوتے ہی عذاب کا آنا شروع ہو گیا۔ قوم نے فوراً گریہ زاری سے استغفار و توبہ شروع کی تو اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب ٹل گیا۔ یونس علیہ السلام کو اس کی اطلاع پہنچی تو حیاء طبعی کی وجہ سے واپس تشریف لانے کے بجائے بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اللہ کے ایک بہت سے برگزیدہ پیغمبر کا یہ طرز کہ اللہ تعالیٰ کے ایماء کے بغیر قدم اٹھایا' بارگاہ اللہ میں عتاب کا باعث بنا اور مچھلی کے پیٹ میں مبتلا کئے گئے۔ شارک مچھلی کے متعلق اب بھی خبریں آتی ہیں کہ وہ آدمی نگل لیتی ہے۔ لاحب روح المعانی نے جو عراق کے رہنے والے ہیں' دجلہ کے متعلق لکھا ہے کہ ہم نے خود اس میں بہت بڑی مچھلیاں دیکھی ہیں۔

آیت اَوۡ اَدۡنٰی (سورۂ نجم:۹) میں ہے۔یعنی اس سے کم نہیں اس سے زائد ہی۔پس قوم یونس علیہ السلام سب کی سب مسلمان ہو گئی۔حضرت یونس کی تصدیق کی اور اللہ پر ایمان لے آئے ہم نے بھی ان کے مقررہ وقت یعنی موت کی گھڑی تک دینوی فائدے دیئے اور آیت میں ہے۔کسی بستی کے ایمان نے انہیں ایک میعاد معین تک بہرہ مند کیا۔

فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنٰتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصۡطَفَى الۡبَنٰتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمۡ لَكُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوۡا بَيۡنَهٗ وَبَيۡنَ الۡجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۱۶۰﴾

سوان لوگوں سے پوچھئے کہ اللہ کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لئے بیٹے ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا ہے اور وہ (اپنے بننے کے وقت) دیکھ رہے تھے۔خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کی ہیں۔تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو۔کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔تو جاؤ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب کو اب لے آؤ۔ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابتداری ٹھہرائی ہے اور حالانکہ خود جنات یقین رکھتے ہیں کہ اس عقیدے کے لوگ عذابوں کے سامنے یقیناً پیش کئے جائیں گے جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے ○

ان سے ذرا پوچھئے:

اللہ تعالیٰ مشرکوں کی بیوقوفی بیان فرما رہا ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں۔اگر لڑکی ہونے کی یہ خبر پائیں تو چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں۔پس فرماتا ہے: ان سے پوچھ تو سہی کہ یہ تقسیم کیسی ہے؟ کہ تمہارے لئے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں؟ پھر فرماتا ہے کہ فرشتوں کو لڑکیاں کس وجہ سے کہتے ہیں کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے۔قرآن کی اور آیت ﴿وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ﴾ (سورۂ زخرف:۱۹) میں یہی بیان ہے۔دراصل یہ قول ان کا محض غلط ہے کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔وہ اولاد سے پاک ہے۔پس ان لوگوں کے تین جھوٹ اور تین کفر ہوئے۔اوّل تو یہ کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں اور دوسرے یہ کہ اولاد بھی لڑکیاں۔تیسرے یہ کہ خود فرشتوں کی عبادت شروع کر دی۔

پھر فرماتا ہے کہ آخر کس چیز نے خدا کو مجبور کیا کہ اس نے لڑکے تو لئے نہیں اور لڑکیاں اپنی ذات کے لئے پسند فرمائیں۔جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہیں تو لڑکوں سے نوازے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنی لڑکیاں بنائے۔یہ تو تمہاری نہایت درجہ کی لغو بات ہے۔یہاں

فرمایا ہے: کیا تمہیں عقل نہیں، جو ایسی دور از قیاس باتیں بناتے ہو۔ تم سمجھتے نہیں ہو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا کیسا برا ہے؟ اچھا اگر کوئی دلیل تمہارے پاس ہو تو لاؤ، اسی کو پیش کرو۔ یا اگر کسی آسمانی کتاب سے تمہارے پاس قول کی سند ہو اور تم سچے ہو تو لاؤ، اسی کو سامنے لاؤ، یہ تو ایسی لچر اور فضول بات ہے۔ جس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو نہیں سکتی اور اتنے ہی پر بس نہ کیا، بلکہ جنات میں اور اللہ تعالیٰ میں بھی رشتہ داری قائم کی۔ مشرکوں کے اس قول پر کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے سوال کیا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جن سرداروں کی لڑکیاں حالانکہ خود جنات کو اس کا علم اور یقین ہے کہ اس قول کے قائل قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ان میں بعض دشمنان اللہ تو یہاں تک حماقت کرتے تھے کہ شیطان بھی اللہ کا بھائی ہے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اس سے بہت پاکیزہ و منزہ ہے اور بالکل دور ہے۔ جو یہ مشرک اس ذات پر اتہام لگاتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں۔ اس کے بعد کا استثنا منقطع ہے اور ہے یہ مثبت سے۔ مگر اس صورت میں کہ یَصِفُوْنَ کی ضمیر کا مرجع تمام لوگ قرار دیئے جائیں۔ پس ان میں سے ان لوگوں کو الگ الگ کر لیا۔ جو حق کے ماتحت ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں: یہ استثناء اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے ہے یعنی سب کے سب عذاب میں پھنسا لئے جائیں گے۔ مگر وہ بندگان اللہ جو اخلاص والے تھے۔ جو قول ذرا تامل طلب ہے۔ واللہ اعلم

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے سارے معبودِ باطل کسی کو بہکا نہیں سکتے مگر اسی کو جو کہ (علم الٰہی میں) جہنم رسید ہونے والا ہے فرشتوں کا قول ہے کہ ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے اور ہم تو زندگی اللہ میں صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں کفار تو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات ہوتے تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے چیدہ بندے بن جاتے لیکن پھر اس (قرآن) کے ساتھ کفر کر گئے۔ پس عنقریب جان لیں گے ○

ایک متعین مقام:

اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرما رہا ہے کہ تمہاری گمراہی اور کفر و شرک کی تعلیم وہی قبول کریں گے۔ جو جہنم کے لئے پیدا کئے ہوں۔ جو عقل سے خالی، کانوں سے بہرے اور آنکھوں کے اندھے ہوں۔ جو مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے بھی بدر جہا بدتر ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ اس سے وہی گمراہ ہو سکتے ہیں، جو عقل سے خالی اور باطل کے شیدائی ہوں۔ ازاں بعد فرشتوں کی براءت اور ان کی تسلیم رضا ایمان و اطاعت کا ذکر فرمایا کہ وہ کہتے ہم میں سے ہر اک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص[1] ہے جس سے نہ ہم ہٹ

[1] سب مضمون ادا فرشتوں کی زبان سے ہو رہا ہے۔ مقصود جاہلیت کے ان افکار و عقائد کی تردید ہے۔ جن میں فرشتوں کو اللہ کا درجہ دے گیا گیا تھا ......

سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آسمان چرچرا رہا ہے اور واقع میں اسے چرچرانا بھی چاہئے۔اس میں ایک قدم رکھنے کی بھی جگہ باقی نہیں۔یہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع، سجدے میں مصروف نہ ہو۔پھر آپ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔ایک روایت میں آسمان دنیا کا لفظ ہے۔ابن مسعود فرماتے ہیں: ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: پہلے تو مرد اور عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھا دیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت اللہ کیا کرتے ہیں۔آیت: ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ (سورۂ صافات:۱) کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ولید بن عبداللہ فرماتے ہیں: اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں[1] تھیں۔پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔حضرت عمرؓ اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے کہ صفیں پورے طور پر درست کرو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرف صف بندی چاہتا ہے۔جیسے کہ وہ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾ اے فلاں آگے اور اے فلاں پیچھے ہٹ۔پھر آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے (ابن ابی حاتم) صحیح مسلم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہم کو تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں۔جن میں اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں: ① ہماری صفیں فرشتوں جیسی بنائی گئی ہیں ② ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی ہے ③ اور ہمارے لئے زمین کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی ...... ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں۔اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔تمام نقصانوں سے اسے پاک مانتے ہیں۔ہم سب فرشتے اس کے غلام ہیں۔اس کے محتاج ہیں۔اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔پس یہ تینوں اوصاف فرشتوں کے ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ تسبیح کرنے والوں سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں۔

آیت میں ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ﴾ (سورۂ انبیاء:۲۶) یعنی کفار نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔البتہ فرشتے اس کے محترم بندے ہیں۔اس کے فرمان سے آگے نہیں بڑھتے۔اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔وہ ان کا مقام بخوبی جانتا ہے۔وہ کسی کی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے۔اس کے جس کے لئے رحمٰن راضی ہو۔وہ تو خوف اللہ سے تھرتھراتے ہیں۔ان میں سے جو خود کو لائق عبادت[2] کہے۔ہم اسے جہنم میں جھونک دیں۔ظالموں کی سزا ہمارے پاس یہی ہے۔نبی ان کے پاس آئیں۔اس سے پہلے تو یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی آتا۔جو ہمیں راہ اللہ کی تعلیم دیتا اور ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات بطور نصیحت پیش کرتا اور ہمارے پاس کتاب اللہ لے آتا۔تو یقیناً ہم مخلص مسلمان بن جاتے۔جیسے اور آیت میں: ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ (سورۂ انعام:۱۰۹) یعنی بڑی پختہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ کوئی اللہ کا نبی ہماری موجودگی میں آ جائے تو ہم اطاعت قبول کر لیں گے اور راہ ہدایت کی طرف سب سے پہلے دوڑیں گے۔لیکن جب اللہ کے نبی آ گئے تو بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک آیت میں فرمایا: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ

...... = اور ان کی بھی تردید ہے جو فرشتوں کو نافرمان اور عصیان کوش سمجھتے تھے۔مقام معلوم سے بعض محققین نے استنباط کیا ہے کہ فرشتے اپنا ایک مقام رکھتے ہیں نہ اس سے آگے ترقی کر سکیں اور نہ نیچے گر سکیں۔بخلاف انسان کے کہ اس کا مقام متعین نہیں۔گرے تو اسفل السافلین میں جائے۔اٹھے تو فرشتوں سے بھی آگے ہو۔مقام اسفل روح المعانی میں ہے کہ یشیران الملك لا یتعدی مقامه الی مافوقه ولا یهبط الی مادونه وهذا بخلاف نوع الانسان فان من افراده من اسری الی مقام قاب قوسین بل علا ولی الثری او ادنی۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اچھی بات ہر نوع اور مخلوق سے لی جا سکتی ہے اور اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحکمة ضالة المؤمن یعنی عمدہ باتیں اور خصائل مؤمن کا گم شدہ سرمایہ ہیں جہاں سے ملیں اس کو لے لینا چاہئے۔

[2] یعنی خود خدائی کا مدعی ہو۔

انۡزِلَ ﴾ (سورۂ انعام: ۱۵۶) پس یہاں فرمایا کہ جب یہ تمنا پوری ہوگئی تو کفر کرنے لگے۔ اب انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سے کفر کرنے کا اور نبی کو جھٹلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے[1]۔

وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۷۱ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ۝۱۷۲ وَاِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۝۱۷۳ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۝۱۷۴ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ۝۱۷۵ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ۝۱۷۶ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ۝۱۷۷ وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۝۱۷۸ وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ۝۱۷۹

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے۔ بے شک وہی لوگ غالب کئے جائیں گے اور ہمارا تو (قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے تو آپ (تسلی رکھئے اور) تھوڑے زمانہ تک صبر کیجئے اور ان کی مخالفت اور ایذارسانی کا خیال نہ کیجئے اور (ذرا) ان کو دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ہمارے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں سو تقاضا کرتے ہیں سو وہ (عذاب) جب انکے روبرو نازل ہوگا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہوگا (ٹل نہ سکے گا) اور تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہئے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ۝

ایک فیصلہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم تو اگلی کتابوں میں بھی لکھ آئے ہیں۔ پہلے نبیوں کی زبانی بھی دنیا کو سنا چکے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسول اور ایماندار ہی دونوں جہان میں غالب رہیں گے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ رسولوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ منصور ہیں۔ ہم خود ان کی مدد کریں گے۔ دیکھتے چلے آؤ کہ ان دشمن کس طرح خاک میں ملا دیئے گئے۔

یاد رکھو! ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور غلبہ و تسلط ان کا ہی رہے گا۔ تو ایک وقت مقررہ تک صبر و استقامت سے ان کا معاملہ دیکھتا رہ۔ ان کی ایذارسانی پر صبر کر۔ ہم تجھے ان سب پر غالب کر دیں گے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا۔ نیز تو انہیں دیکھتا رہ کہ کس طرح اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوتی ہے اور کس طرح یہ ذلت و توہین کے ساتھ پکڑ لئے جاتے ہیں؟ یہ خود ان تمام رسوائیوں کو ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔ تعجب ہے کہ یہ باوجود طرح طرح کے عذابوں کی گرفت کے ابھی تک بڑے عذاب کو محال جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گا؟ پس انہیں جواب ملتا ہے کہ عذاب ان کے میدانوں میں، محلوں میں انگنائیوں میں آئے گا۔ وہ دن ان پر بڑا ہی بھاری ہوگا۔ ہلاک اور برباد کر دیئے جائیں گے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ خیبر کے میدانوں میں حضور ﷺ کا لشکر صبح ہی صبح کفار کی بے خبری میں پہنچ گیا۔ وہ لوگ حسب عادت اپنے کھیتی کے آلات لے کر شہر سے نکلے اور اس خدائی فوج کو دیکھ کر رک بھاگے اور شہر والوں کو خبر کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے

[1] اور تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ سرکش نبی معصوم کے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہوئے۔ قوم نوح سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک یہی وہ حقیقت ہے جو تاریخ کے دریچوں سے صاف دیکھی جا سکتی ہے۔

یہی فرمایا: اللہ بہت بڑا ہے۔ خیبر خراب ہوا۔ ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں اس وقت ان کی درگت ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ پہلے حکم کی تائید کی کہ ان سے ایک مدت معین تک کے لئے بے پرواہو جا اور انہیں چھوڑ دے اور دیکھتا رہ یہ بھی دیکھ لیں گے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾

آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ کافر بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے ○

بڑی عزت والا:

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے اپنی براءت بیان فرماتا ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جیسے اولاد شریک وغیرہ۔ وہ بہت بڑی اور لازوال عزت والا ہے۔ ان جھوٹے اور مفتری لوگوں کے بہتان سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ کے رسولوں پر سلام ہے اور ان کی تمام باتیں ان عیوب سے سالم ہیں مشرکوں کی باتوں میں موجود ہیں۔ بلکہ نبیوں کی باتیں اور جو اوصاف وہ ذات اللہ کے بیان کرتے ہیں سب صحیح اور برحق ہیں اسی کی ذات کے لئے تمام حمد وثنا سزاوار ہے۔ دنیا اور آخرت میں ابتداً اور انتہاءً وہی سزاوار تعریف ہے۔ ہر حال میں قابل حمد وہی ہے۔ تسبیح سے ہر طرح کے نقصان کی اس ذات پاک سے دوری ثابت ہوتی ہے تو لازم ہے کہ ہر طرح کے کمالات اس کی ذات واحد میں ہوں۔ اسی کو صاف لفظوں میں حمد سے ثابت کیا تاکہ نقصانات کی نفی اور کمالات کا اثبات ہو جائے۔ ایسے ہی قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں تسبیح اور حمد کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔ حضرت قتادہؒ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب مجھ پر سلام بھیجو تو اور نبیوں پر بھی سلام بھیجو۔ کیونکہ میں بھی منجملہ اور نبیوں کے ایک نبی ہی ہوں۔ ابن ابی حاتم۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی موجود ہے۔ ابویعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے۔ جب حضور ﷺ سلام کا ارادہ کرتے تو وہ ان تینوں آیتوں کو پڑھ کر سلام کرتے۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ بھرپور پیمانے سے ناپ کر اجر پائے تو وہ جس کسی مجلس میں ہو وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ تینوں آیتیں پڑھ لے اور مسند میں یہ روایت حضرت علیؓ سے موقوفاً موجود ہے۔ طبرانی کی حدیث میں ہے: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ ان تینوں آیتوں کی تلاوت کرے۔ اسے بھرپور اجر پورے پیمانے سے ناپ کر ملے گا[1] مجلس کے کفارے کے بارے میں بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ پڑھے: سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُكَ وَاَتُوۡبُ اِلَيۡكَ۔ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

---

[1] امام رازی نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ فقرہ نہایت جامع ہے۔ عرفان باری کے تمام مراتب پورے اعجاز واختصار کے ساتھ اس آیت میں موجود ہیں "رب" میں حکمت ورحمت کی جانب اشارہ ہے۔ جب کہ "عزت" سے قدرت کے کمالات ظاہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے وہ فضائل ہیں جو کسی حد تک ابن کثیر کی پیش کردہ روایات سے معلوم ہوتے ہیں۔

سُوْرَةُ صٓ

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۵ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۸۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳

صٓ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے بلکہ خود یہ کفار (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں ہیں۔ان سے پہلے بہت سی اُمتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں۔سوانہوں نے ہلاکت کے وقت بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا○

اور یہ قرآن:

حروفِ مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ان کی پوری تفسیر سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔یہاں قرآن کی قسم کھائی اور اُسے پند و نصیحت کرنے والا فرمایا۔کیونکہ اس کی باتوں پر عمل کرنے والے کی دین و دنیا سنور جاتی ہیں اور آیت میں ہے: ﴿فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ (سورۂ انبیاء: ۱۰) اس قرآن میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن شرافت و بزرگی' عزت و عظمت والا ہے۔اب اس قسم کا جواب بعض کے نزدیک تو ﴿اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ (سورۂ ص: ۱۴) ہے۔بعض کہتے ہیں: ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ﴾ (سورۂ ص: ۶۴) ہے۔لیکن یہ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: اس کا جواب اس کی بعد کی آیت ہے۔ابن جریر اس کو مختار بتاتے ہیں۔بعض عربی دان کہتے ہیں: اس کا جواب صٓ ہے اور اس لفظ کے معنی صداقت اور حقانیت کے ہیں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ پوری سورت کا خلاصہ مضمون اس قسم کا جواب ہے۔واللہ اعلم۔پھر فرماتا ہے یہ قرآن تو سراسر عبرت و نصیحت ہے۔مگر اس سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں' جن کے دِل میں ایمان ہے۔کافر لوگ اس کے فائدے سے یوں محروم ہیں کہ وہ متکبر ہیں اور مخالف ہیں۔یہ پہلے کے لوگوں کے انجام پر نظر ڈالیں اور اپنے انجام سے ڈریں۔اگلی اُمتوں کو اس جرم پر ہم نے تہ و بالا کر دیا عذاب آپڑنے پر تو بڑے روئے پیٹے' خوب آہ و زاری کی لیکن اس وقت کی تمام باتیں بے سود ہیں۔جیسے فرمایا: ﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ﴾ (سورۂ انبیاء: ۱۲) ہمارے عذاب کو معلوم کر کے ان سے بچنا اور بھاگنا چاہا۔لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب بھاگنے کا وقت نہیں نہ فریاد کا وقت ہے۔اس وقت کوئی فریاد رسی نہیں کر سکتا۔چاہے کتنا ہی چیخو چلاؤ' محض بے سود ہے۔اب توحید کی قبولیت نہیں' توبہ بے کار۔یہ وقت کی پکار ہے لَاتَ معنی ہیں لَا کے۔اس میں "تَ" زائد ہے۔جیسے

"ثم" میں بھی "ت" زیادہ ہوتی ہے اور رب میں بھی یہ مفہوم ہے اور اس پر وقف ہے۔ امام ابن جریر کا قول ہے کہ یہ "ت" ولاحین ہے۔ لیکن مشہور اول ہی ہے۔ جمہور نے حین کو زبر سے پڑھا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ وقت آہ وزاری کا وقت نہیں۔ بعض نے یہاں زیر پڑھنا بھی جائز رکھا ہے۔ لغت میں "نوص" کہتے ہیں پیچھے ہٹنے کو اور "بوص" کہتے ہیں آگے بڑھنے کو۔ پس مقصد یہ ہے کہ یہ وقت بھاگنے اور نکل جانے کا نہیں۔ واللہ اعلم

وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

اور ان کفار (قریش) نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے ایک پیغمبر ڈرنے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص (خوارق میں) ساحر اور دعوئ نبوت میں جھوٹا ہے (اور) کیا اس شخص سچا ہوسکتا ہے کہ ایک ہی معبود رہنے دیا جائے واقعی یہ عجیب بات ہے اور (توحید کا مضمون سن کر) ان کفار میں کے رئیس یہ کہتے ہوئے چلے کہ یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر قائم رہو۔ یہ کوئی مطلب کی بات ہے۔ ہم نے تو یہ بات اپنے پچھلے مذہب میں نہیں سنی ہو نہ ہو یہ (اس شخص کی) من گھڑت ہے۔ کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا۔ بلکہ وہ لوگ (خود) میری وحی کی طرف سے شک (یعنی انکار) میں ہیں۔ بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں (جس میں نبوت بھی داخل ہے) یا کیا ان لوگوں کو آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں۔ اس مقام پر ان لوگوں کی لوگوں کی یونہی ایک بھیڑ ہے۔ منجملہ (مخالفین رسل کے) گروہوں کے شکست دیئے جائیں گے ○

کفار کی کچھ بیہودہ خیالیاں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کفار کے طاقت آمیز تعجب کا اظہار ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا﴾ (سورۂ یونس: ۲) کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ان میں سے ایک انسان کی طرف ہم نے وحی بھیجی کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کر دے

اور ایمانداروں کو اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ اس کے پاس ان کے لئے بہترین تیاری ہے۔ کافر لوگ تو ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کھلا جادوگر کہنے لگے۔ پس بات یہ ہے کہ ان ہی میں سے ان ہی جیسے ایک انسان کے رسول بن کر آنے پر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ اور سنو اتنے سارے خداؤں کے بدلے یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی کسی طرح شریک ہی نہیں۔ ان بیوقوفوں کو اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی جس شرک و کفر کی عادت تھی اس کے خلاف آواز سن کر ان کے دل دُکھنے اور رُکنے لگے اور توحید کو ایک انوکھی اور انجان چیز سمجھنے لگے۔ ان کے بڑوں اور سرداروں نے تکبر کے ساتھ منہ موڑتے ہوئے اعلان کیا کہ اپنے قدیمی مذہب پر جمے رہو۔ اِس کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ یہ تو اپنے مطلب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ اس بہانے اپنا سکہ جما رہا ہے کہ یہ تمہارا سب کا بڑا بن جائے[1] اور تم اس کے تابع فرمان بن جاؤ۔

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ قریشیوں کے شریف اور سردار اور رؤسا ایک مرتبہ جمع ہوئے۔ ان میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، اسود بن عبد یغوث وغیرہ بھی تھے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چل کر اب ابوطالب سے آخری فیصلہ کر لیں۔ وہ انصاف کے ساتھ ایک بات ہمارے ذمے ڈال دے اور ایک اپنے بھتیجے کے ذمے۔ کیونکہ یہ اب انتہائی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ چراغ سحری ہو رہے ہیں اگر مر گئے اور ان کے بعد ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچائی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ بڈھے کی موجودگی تک تو کچھ نہ چلی اور ان کی موت کے بعد بہادری آ گئی۔ چنانچہ یہ چلے ایک آدمی بھیج کر ابوطالب سے اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر سب گھر میں آ گئے اور کہا: سنیے جناب آپ ہمارے سردار ہیں، بزرگ ہیں بڑے ہیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے بہت تنگ آ گئے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہم میں اور اس میں فیصلہ کر دیجئے، ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور نہ ہم انہیں ستائیں۔ وہ مختار ہیں جس کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے خداؤں کو برا نہ کہیں۔ ابوطالب نے آدمی بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا جانِ پدر دیکھتے ہو آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ سب جمع ہوئے ہیں اور آپ سے صرف یہ چاہتے کہ آپ ان کے معبودوں کی توہین اور برائی نہ کریں اور یہ آپ کو آپ کے دین میں آزادی دے رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! کیا میں انہیں بہترین بڑائی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں؟ ابوطالب نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ ایک کلمہ کہہ دیں۔ صرف اس کے کہنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ ابوجہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتلاؤ وہ ایسا کون سا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس مرتبہ کہنے کو تیار ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ بس یہ سننا تھا کہ شوروغل کر دیا اور کہنے لگے۔ اس کے سوا جو تو مانگے ہم دینے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو، تو بھی میں تم سے اس کلمے کے سوا کچھ نہیں مانگوں گا۔ اس بات کو سن کر سب لوگ غصے اور غضب سے وحشت ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ واللہ ہم تجھے اور تیرے خدا کو گالیاں دیں گے۔ جس نے تجھے یہ حکم دیا ہے۔ اب یہ چلے اور ان کے سردار یہ کہتے رہے کہ جاؤ اپنے دین پر اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔ معلوم ہو گیا کہ اس کا تو ارادہ ہی اور ہے۔ یہ تو بڑا بننا چاہتا ہے۔

(ابن ابی حاتم، غیرہ)

---

[1] کتنا بے ہودہ تھا یہ خیال۔ بات اگر یہی ہوتی تو مشرکین مکہ کا وہ وفد جو عرب کی تمام سیادت آپ ﷺ کو سجدہ کر دینے پر آمادہ تھا۔ جو حسین ترین دوشیزہ عرب کو آپ ﷺ کی نذر کرنے پر تیار تھا۔ اگر دنیا ہی کی ہوس اور یہی خواہشات آپ ﷺ کو ہوتیں تو یہ پیشکش ان مشرکین کی آپ ﷺ کیوں نہ قبول کر لیتے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس پیش کش پر اس امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے چلے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ ہی اس کلمہ کو پڑھ لیجئے۔ اس نے کہا: نہیں' میں تو اپنے باپ دادوں اور قوم کے بڑوں کے دین پر ہی رہوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا اور روایت میں ہے کہ اس وقت ابو طالب بیمار تھے اور اسی بیماری میں وہ مرے بھی۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اس وقت ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ خالی تھی۔ باقی تمام گھر آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ تو ابو جہل خبیث نے خیال کیا کہ اگر آپ اپنے چچا کے پاس بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے۔ اس سے یہ ملعون کود کر وہاں جا بیٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دروازہ کے پاس ہی بیٹھنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک کلمہ کہنے کو کہا تو سب نے جواب دیا کہ ایک نہیں دس' ہم سب منتظر ہیں۔ فرمائے وہ کلمہ کیا ہے؟ اور جب کلمہ توحید آپ کی زبان سے سنا تو کپڑے جھاڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لو اور سنو! یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے اس پر یہ آیتیں عذاب تک اتریں۔ امام ترمذیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں۔

ہم نے تو یہ بات نہ اپنے دین میں دیکھی نہ نصرانیوں کے دین میں' یہ بالکل غلط اور جھوٹ اور بے سند بات ہے۔ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نظر ہی نہ آیا اور اس قرآن کو اتار دیا۔ جیسے اور آیت میں ان کا قول ہے: ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (سورۂ زخرف: ۳۱) یعنی ان دونوں شہروں میں کے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہیں اتارا گیا؟ جس کے جواب میں جناب باری کا ارشاد ہوا کہ کیا یہ لوگ رب کی رحمت کی تقسیم کرنے والے ہیں۔ یہ تو اس قدر محتاج ہیں کہ ان کی اپنی روزیاں اور درجے بھی ہم تقسیم کرتے ہیں۔ الغرض یہ اعتراض بھی ان کی حماقت کا غرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ ہے ان کے شک کا نتیجہ اور وجہ یہ ہے کہ اب تک یہ آرام اور راحت ہی میں رہے ہیں۔ ہمارے عذاب سے سابقہ نہیں پڑا۔ کل قیامت کے دن جب دھکے دے کر گرائے جائیں گے' اس وقت اپنی اس سرکشی کا مزہ پائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنا قبضہ اور اپنی قدرت ظاہر فرماتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے جسے چاہے جو کچھ چاہے عطا فرما دے۔ عزت و ذلت اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہدایت اور ضلالت اس کی طرف سے ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی نازل فرمائے اور جس کے دل پر چاہے اپنی مہر لگا دے۔ بندوں کے اختیار میں کچھ نہیں۔ وہ محض بے بس' بالکل لاچار اور سراسر مجبور ہیں۔ اسی لئے فرمایا: کیا ان کے پاس اس بلند غالب وہاب اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ (سورۂ نساء: ۵۳) اگر اللہ کی خدائی کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ بخیل تو کسی کو ٹکڑا بھی نہ کھانے دیتے یا انہی لوگوں کے ہاتھوں میں اللہ کا فضل دیکھ کر حسد آ رہا ہے۔ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور بہت بڑی سلطنت دی تھی۔ ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض ایمان سے رکے رہے۔ جو بھڑکتی جہنم کے لقمے بنیں گے۔ وہ آگ ہی انہیں کافی ہے۔

آیت میں ہے: ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱۰۰) یعنی اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم کم ہو جانے کا خوف کر کے خرچ کرنے سے رک جاتے انسان ہے ہی ناشکرا۔ قوم صالح نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا کہ ﴿ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ (سورۂ قمر: ۲۵) کیا ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر ذکر اتارا گیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ کذاب اور شریر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کل معلوم کر لیں گے کہ ایسا کون ہے؟

پھر فرمایا: کیا زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں پر ان کا اختیار ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر آسمانوں کی راہوں پر چڑھ جائیں

ساتویں آسمان پر پہنچ جائیں۔ یہاں کا لشکر بھی عنقریب ہزیمت و شکست اٹھائے گا اور مغلوب و ذلیل ہوگا۔ جیسے اور بڑے بڑے گروہ حق سے ٹکرائے اور پاش پاش ہوگئے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ﴾ (سورۂ قمر: ۴۴) یعنی کیا ان کا قول ہے کہ ہم بڑی جماعت ہیں اور ہم ہی فتحیاب رہیں؟ سنو! انہیں ابھی ابھی شکست فاش ہوگی اور پیٹھ دکھاتے ہوئے بزدلی کے ساتھ بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ بدر والے دن اللہ کی خدائی نے اللہ کی باتوں کی سچائی اپنی آنکھوں آزمائی اور ابھی ان کے عذابوں کے وعدے کا دن تو آخرت کا دن ہے۔ جو سخت کٹھن اور نہایت دہشت ناک اور وحشت والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عاد اور فرعون نے جس (کی سلطنت کے) کھونٹے گڑ گئے تھے اور ثمود اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی (اور) وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا سو میرا عذاب ان پر واقع ہوگیا اور یہ لوگ ایک زور کی چیخ کے منتظر ہیں، جس میں دَم لینے کی گنجائش نہ ہوگی (مراد اس سے قیامت ہے) اور یہ لوگ کہنے لگے کہ جلد جلد حصہ ہم کو روز حساب سے پہلے دے دے آپ لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے ○

امم سابقہ کی نافرمانی اور حوادثِ روزگار کے پیہم حملے:

ان سب کے واقعات کئی مرتبہ بیان ہو چکے ہیں[1] کہ کس طرح ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب اللہ ٹوٹ پڑے ہیں۔ یہی وہ جماعتیں ہیں، جو مال و اولاد میں، قوت و طاقت میں، زور و زر میں تمہارے زمانے کے ان حقیر کافروں سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن اَمر الٰہی کے آنے کے بعد انہیں کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر ان کی تباہی کی وجہ سے بیان ہوئی کہ یہ رسولوں کے دشمن تھے۔ انہیں جھوٹا کہتے ہیں۔ انہیں صرف سور کا انتظار ہے اور اس میں کوئی دیر نہیں۔ بس وہ ایک آواز ہوگی جس کے کان میں پڑی بے ہوش اور بے جان ہو گیا۔ ان لوگوں کے جنہیں رب نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

''قط'' کے معنی کتاب اور حصے کے ہیں۔ مشرکین کی بے وقوفی اور عذاب کو محال سمجھ کر اور نڈر ہو کر عذاب کے طلب کرنے کا ذکر ہو

[1] فرعون کے لئے قرآن مجید کی ان آیات میں ذوالاوتاد کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب صاحب شوکت و حشمت ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ استعیر لثبات العز والملک واستقامة الامر واصل هذا الكلمة من ثبات البيت المطلب باوتاده ثم استعير لاثبات العز والملك ۔ شاید آپ بھی جانتے ہوں کہ قدیم زمانہ میں سزا دینے کی ایک صورت چومیخا بھی تھی۔ یعنی مجرم کو لٹا کر ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دیتے تھے اور فرعون کے دور تک یہ سزا جاری تھی۔ بہت ممکن ہے کہ فرعون کو ذی الاوتاد اسی لئے کہا گیا ہو۔

رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا: خدایا! اگر یہ صحیح ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اور کوئی دردناک عذاب آسمانی ہمیں پہنچا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا جنت کا حصہ یہاں طلب کیا اور یہ جو کچھ کہا یہ سب اسے جھوٹا سمجھنے اور محال جاننے کی وجہ سے تھا۔ ابن جریر کا قول ہے کہ جس خیر وشر کے وہ دنیا میں مستحق تھے اسے انہوں نے جلد طلب کیا۔ یہی بات درست ہے۔ ضحاکؒ اور اسمٰعیل کی تفسیر کا ماحصل بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تکذیب اور تمسخر کے مقابلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تعلیم کی اور برداشت کی تلقین کی۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

اور ہمارے بندے داؤد جو بڑی قوت (اور ہمت) والے تھے اور (اللہ کی طرف) رجوع ہونے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور اسی طرح پرندوں کو بھی جو (تسبیح کے وقت ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے سب ان کی (تسبیح کی) وجہ سے مشغول ذکر رہتے اور ہم نے ان کی سلطنت کو بڑی قوت دی تھی اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا فرمائی تھی ○

دُنیا کا ایک بڑا طاقتور انسان:

ذَا الْاَیْدِ سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے اور صرف قوت والے کے معنی بھی ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ﴾ (سورۂ ذاریات: ۴۷) مجاہد فرماتے ہیں: مراد اطاعت کی طاقت ہے۔ حضرت داؤد کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی سمجھ عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ مذکور ہے کہ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے اور ایک دن کے ناغے کے ساتھ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد کی رات کی نماز اور دن کے روزے تھے۔ آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات بھر سو جاتے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا وہ آپ کے ساتھ سورج کے چمکنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے' جیسے فرمان ہے: ﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ﴾ (سورۂ سبا: ۱۰) یعنی اللہ نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرنے لگ جاتے۔ اڑتے ہوئے پرندے پاس سے گزرتے اور آپ تورات پڑھتے ہوتے' تو آپ کے ساتھ ہی وہ بھی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور پرواز ترک کر دیتے اور بیٹھ جاتے۔ حضور نے فتح مکہ کے روز ضحیٰ یعنی اشراق کے وقت حضرت ام ہانی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا کی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ بھی وقت نماز ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے۔ تو ایک دن میں ان کو حضرت ام ہانی کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ ان سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی تو انہوں نے فرمایا: مکہ والے دن میرے گھر میں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آنے کے بعد ایک برتن میں پانی بھروایا اور ایک کپڑے کا پردہ تان کر نہانے بیٹھ گئے اس کے

بعد گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑک کر آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الضحیٰ کی ادا کیں۔ ان میں قیام' رکوع' سجدہ اور جلوس سب تقریباً برابر تھے۔ حضرت عباسؓ یہ حدیث سن کر جب وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے: پورے قرآن کو میں نے پڑھ لیا' لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ضحیٰ کی نماز کیا ہے؟ مجھے معلوم ہوا کہ ﴿يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾ والی آیت میں بھی اشراق سے مراد یہی ضحیٰ ہے چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور پرندے بھی ہوا میں رک جاتے تھے۔

حضرت داؤد کی ماتحتی میں ان کی تسبیحوں کا ساتھ دیتے تھے اور ان کی سلطنت ہم نے مضبوط کر دی۔ بادشاہوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے' ہم نے انہیں سب دے دیں۔ چار ہزار تو ان کی محافظ سپاہ تھی۔ اس قدر فوج تھی کہ ہر رات تینتیس ہزار فوجی پہرے پر رہتے تھے[1] لیکن جو آج کی رات آتے۔ پھر سال بھر تک ان کی باری نہ آتی۔ چالیس ہزار آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں مسلح تیار رہتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے زمانے میں دو بنی اسرائیلی شخصوں میں نزاع واقع ہوئی ایک نے دوسرے پر الزام لگایا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے اس جرم سے انکار کیا۔ حضرت داؤد نے مدعی سے دلیل طلب کی۔ مگر وہ ثبوت فراہم نہ کر سکا۔ آپ نے فرمایا: اچھا تمہیں کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات کو حضرت داؤد کو خواب میں حکم ہوا کہ دعویدار کو قتل کر دو۔ صبح کو آپ نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس مدعی کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی: آپ میرے ہی قتل کا حکم دے رہے ہیں۔ حالانکہ اس نے میری گائے چرالی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ میرا حکم نہیں بلکہ خدائی فیصلہ ہے اور ناممکن ہے کہ یہ ٹل جائے۔ لہٰذا تو تیار ہو جا۔ تب اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے رسولؑ میں اپنے دعوے میں تو سچا ہوں کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے قتل کا حکم میرے اس مقدمہ کی وجہ سے نہیں کیا۔ اس کی وجہ اور ہی ہے اور اسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج رات میں نے اس شخص کو فریب سے قتل کر دیا ہے جس کا کسی کو علم نہیں پس اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قصاص کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اب تو حضرت داؤد کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بیٹھ گئی۔ ہم نے اسے حکمت دی تھی۔ یعنی فہم و عقل اور زیرکی و دانائی' عدل و فراست' کتاب اللہ اور اس کی اتباع' نبوت و رسالت وغیرہ اور جھگڑوں کے تصفیہ کا صحیح طریقہ۔

یعنی گواہ لینا' قسم کھلوانا' مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا' مدعا علیہ سے قسم لینا۔ یہی طریقہ فیصلوں کے لئے انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔ غرض حضرت داؤد معاملے کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل' صحیح اور جھوٹ میں صحیح اور کھرا امتیاز کر لیتے تھے۔ کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ

[1] یہ تعداد نا قابل قبول ہے۔

وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ السجدة

اور بھلا ان اہل مقدمہ کی خبر بھی آپ کو پہنچی ہے جبکہ وہ لوگ (داؤد کے) عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس آئے تو وہ (ان کے اس طرح آنے سے) گھبرا گئے۔ دونوں کہنے لگے کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر کچھ زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو معاملہ کی سیدھی راہ بتا دیجئے (پھر ایک شخص بولا صورت مقدمہ کی یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے۔ داؤد نے کہا: یہ جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء (کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے۔ سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔ سو ہم نے ان کا وہ جرم معاف کر دیا اور ان کے لئے ہمارے یہاں (خاص) قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی ہے ○

عدالتِ داؤدؑ میں ایک مقدمہ:

مفسرین نے اس موقعہ پر ایک قصہ بیان کیا ہے[1] لیکن اس کا اکثر بنواسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے۔ حدیث سے ثابت

[1] اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخص ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ دعویٰ کی تفصیل یہ تھی کہ مدعا علیہ کے بکریوں کے گلہ نے مدعی کے تمام کھیت ختم کر دیے اور چر چگ کر ان کو برباد کر ڈالا۔ داؤد علیہ السلام نے محسوس کیا کہ مدعی کے کھیتوں کا نقصان اس کی بکریوں کی قیمت کے بالکل مساوی ہے۔ اس لئے بکریوں تمام کی تمام کھیت والے کو دلوا دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اگرچہ ابھی نہایت کم سن تھے، بولے کہ اگرچہ آپ کا فیصلہ بالکل صحیح ہے لیکن اس سے بھی زیادہ مناسب فیصلہ ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ مدعا علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کو دلوا دیا جائے تاکہ وہ اس کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور مدعا علیہ اس دوران میں مدعی کے کھیت کی خدمت کرے اور جس وقت کھیت بالکل تیار ہو جائے تو مدعی بکریوں کا ریوڑ مدعا علیہ کو واپس دے اور اپنا کھیت واپس لے لے۔ داؤد علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا یہ فیصلہ نہایت عمدہ اور بہتر معلوم ہوا۔ قرآن مجید نے بھی سلیمان علیہ السلام کی غیر معمولی فراست اور فہم معاملہ کی تعریف کی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اسرائیلی خرافات پلندہ نے اس سیدھے سادے واقعہ پر بھی رنگ آمیزی کا وہ خول چڑھایا جو ایک نبی کی حیثیت سے تو کیا ایک عام شریف آدمی کے حالات کے بھی مطابق نہ تھا۔ چنانچہ تورات میں اس موقعہ پر جو کچھ لکھا حاصل اس کا یہ ہے کہ ''شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگے اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ نہایت خوبصورت تھی۔ داؤد نے کسی کو بھیج کر اس کا حال معلوم کر لیا۔ معلوم ہوا کہ اوریا کی بیوی ہے۔ داؤد نے آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور اس نے زنا کیا۔ جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور اس کے بعد داؤد نے =

نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے۔ گو وہ نہایت نیک شخص ہے۔ لیکن ضعیف۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے اور جس پر یہ شامل ہے' وہ حق ہے۔ حضرت داؤد کا انہیں دیکھ کر گھبرانا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنے خلوت خانہ میں تھے اور پہرہ داروں کو منع کیا تھا کہ کوئی بھی آج اندر نہ آئے اور یکا یک ان دونوں کو جو دیکھا تو گھبرا گئے[1]۔ عَزَّنِیْ سے مطلب بات چیت میں غالب آ جانا دوسرے پر چھا جانا ہے۔ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے پس وہ رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھک پڑے۔ مذکور ہے کہ چالیس دن تک سجدے سے سر نہ اٹھایا[2]۔ پس ہم نے اسے بخش دیا۔ یہ یاد رہے کہ جو کام عوام کے لئے نیکیوں کے ہوتے ہیں' وہی کام خواص سے بعض مرتبہ اچھے نہیں سمجھے جاتے ہیں۔ یہ آیت سجدہ کی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت امام شافعی کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ ضروری نہیں۔ یہ تو سجدۂ شکر ہے۔

ابن عباسؓ کا قول کہ صٓ ضروری سجدوں میں سے نہیں۔ ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری وغیرہ) نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سجدہ کر کے فرمایا' یہ سجدہ حضرت داؤدؑ کے لئے توبہ کا تھا اور ہمارے لئے شکر کا ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت کی تلاوت کی' اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا۔ اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا: اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِهَا عَنِّيْ وِزْرًا وَّاقْبَلْهَا مِنِّيْ كَمَا قَبِلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ یعنی اے اللہ! میرے سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر کا سبب بنا اور اس کی وجہ سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما۔ جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباس فرماتے ہیں' پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدہ میں وہی دعا پڑھی' جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔ ابن عباسؓ اس آیت کے سجدے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ قرآن حکیم نے بتایا ہے۔ اس کی اولاد میں سے داؤد و سلیمانؑ ہیں۔ جن کو ہم نے ہدایت کی تھی۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اقتدا کے لئے مامور تھے اور یہ صاف ثابت ہے کہ حضرت داؤد نے سجدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا۔

= سازش کر کے اوریاہ کو ایک جنگ میں مروا دیا اور اس کی بیوی کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اسی کام پر اللہ تعالیٰ داؤدؑ سے ناراض ہوا۔

معاذ اللہ کتنی غلط ہے یہ روایت ایک نبیؑ کے متعلق اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہوس رانی کی اس آخری حد پر پہنچ جائے جہاں ظلم فسادات ہیبت درندگی کا بے محابا مظاہرہ اس کی طرف سے شروع ہو۔ چنانچہ محققین نے اس روایت کو قطعاً قبول نہیں کیا۔ ابن کثیر نے اپنی مشہور تاریخ بدایۃ ونہایۃ میں بھی اس کی زبردست تردید کی ہے اور حافظ ابن حزم نے لکھا ہے کہ

''قرآن ہی کا بیان صحیح ہے اور وہ واقعہ قطعاً غلط ہے۔ جو اسرائیلی مسخروں نے اس موقع پر بنا لیا''۔

قاضی عیاض' غفاجی' ابوحیان اندلسی اور دوسرے محققین اسرائیلی روایات سے پوری بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان مفسرین سے بھی اختلاف کا شدید اعلان کرتے ہیں۔ جنہوں نے محض اتباع میں کسی تنقید کے بغیر اس اسرائیلی روایت کو قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر بنا ڈالا۔

[1] خطرہ داؤد علیہ السلام کو اس بات کا ہوا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو آنے کے لئے دروازہ کو چھوڑ کر دیوار کو پھاند کر آ گئے۔ انبیاء اور اولیا طبعی خطرات کے اور ادراک سے خالی نہیں ہوتے۔ وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں' جو سمجھتے ہیں کہ خطرات کا احساس مرتبہ نبوت یا ولایت کے منافی ہے۔

[2] نہایت ضعیف بات ہے' افسوس کہ ابن کثیر ایسی روایات کو تنقید کے بغیر نقل کر دیتے ہیں۔

ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں سورہ ص لکھ رہا ہوں' جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم اور دوات اور میرے آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ پھر آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ کرتے رہے۔ (احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورہ ص پڑھی اور سجدے کی آیت تک پہنچ کر منبر پر سے اترے اور سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی اور سب نے سجدہ کیا۔ ایک اور مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سورت کی تلاوت کی۔ جب آیت سجدہ تک پہنچے تو لوگوں نے سجدہ کی تیاری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایک نبیؑ کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کے لئے تیار ہو گئے ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ اترے اور سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے اسے بخش دیا۔ قیامت کے دن اس کی بڑی قدر ومنزلت ہوگی اور نبیوں اور عادلوں کا درجہ وہ پائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمٰن کے داہنی جانب ہوں گے۔ خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل وعیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں' عدل وانصاف کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے' سب سے زیادہ خدا کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں اور سب سے سخت عذاب میں وہ ہوں گے جو حکمران ظالم ہوں (ترمذی وغیرہ) حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں: قیامت کے دن حضرت داؤدؑ کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے داؤد جس پیاری پرسوز' میٹھی اور جاذب آواز سے تم میری تعریفیں دنیا میں کرتے تھے' اب بھی کرو آپ فرمائیں گے: باری تعالیٰ! اب وہ آواز کہاں رہی؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے وہی آواز آج تمہیں پھر عطا فرمائی۔ اب حضرت داؤد اپنی دلکش اور دلربا آواز نکال کر نہایت وجد کی حالت میں خدا کی حمد وثنا بیان کریں گے جسے سن کر جنتی اور نعمتوں کو بھی بھول جائیں گے اور یہ سریلی آواز اور نورانی نغمہ ان کو سب نعمتوں سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر دے گا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے رستہ سے تم کو بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے ○

داؤد علیہ السلام کی تبلیغ:

اس آیت میں بادشاہوں اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کیا کریں۔ ورنہ راہ خدا سے بھٹک جائیں گے۔ اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

حضرت ابوزرعہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب

لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ سچ بتا دوں! خلیفہ نے کہا ضرور سچ ہی بتلاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا اے امیر المومنین خدا کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ داؤدؑ کا تھا۔ انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کتاب اللہ تعالیٰ ان سے کہتی ہے "یٰدَاوٗدُ اِنَّا" الخ۔

عکرمہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب میں سخت عذاب ہیں۔ ان کے بھول جانے کے باعث۔ سعدی کہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ واللہ اعلم

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں ان کو خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ یہ (یعنی ان کا خالی از حکمت ہونا) ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں۔ سو کافروں کیلئے (آخرت) میں بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے برابر کر دیں گے جو کفر وغیرہ کر کے دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے۔ بابرکت ہے جس کہ ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں O

یہ سب کچھ کھیل نہیں:

ارشاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش عبث اور بے کار نہیں۔ یہ سب عبادتِ خالق کے لئے پیدا کی گئی ہیں پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ ماننے والوں کی سربلندی کی جائے اور نہ ماننے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ کافروں کا خیال ہے کہ ہم نے انہیں یونہی پیدا کر دیا ہے۔ دارِ آخرت اور دوسری زندگی کوئی چیز نہیں۔ یہ غلط ہے۔ ان کافروں کو قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی۔ کیونکہ اس آگ میں انہیں جلنا پڑے گا۔ جو ان کے لئے اللہ کے فرشتوں نے دھونکا رکھی ہے۔ یہ ناممکن ہے اور ان ہونی بات ہے کہ مومن کو مفسد کو اور پرہیز گار اور بدکار کو ایک جیسا کر دیں۔ اگر قیامت آنے والی ہی نہ ہو' تب تو یہ دونوں انجام کے لحاظ سے یکساں ہی رہے۔ حالانکہ یہ خلاف انصاف ہے۔ قیامت ضرور آئے گی۔ نیک کار جنت میں اور بدکار جہنم میں جائیں گے۔ پس عقلی اقتضا بھی دارِ آخرت کے ثبوت کو ہی چاہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم بدکار اللہ کی درگاہ سے منہ پھیرے ہوئے دنیا میں خوش وقت ہے۔ مال اولاد' فراخ دستی اور تندرستی سب کچھ اس کے پاس ہے اور ایک مومن' متقی' پاک دامن ایک ایک پیسے سے تنگ اور ایک ایک راحت سے دور ہے۔ تو حکمت علیم وحکیم و عادل کا اقتضا یہ تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ اس نمک حرام سے اس کی اس کو بدعملی کا بدلہ لیا جائے اور اس صابر و شاکر فرمانبردار کی

نیکیوں کا اسے بدلہ دیا جائے گا اور یہی دار آخرت میں ہونا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس جہان کے بعد ایک جہان اور یقینا ہے۔

چونکہ یہ پاک تعلیم قرآن سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس نیکی کا رہبر یہی ہے۔ اسلئے اسکے بعد ہی فرمایا کہ یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اسے سمجھیں اور ذی عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کر سکیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: جس نے قرآن کے الفاظ حفظ کر لئے اور قرآن پر عمل نہیں کیا۔ اس نے قرآن میں تدبر و غور نہیں کیا۔ لوگ کہتے ہیں: ہم نے پورا قرآن پڑھ لیا۔ لیکن قرآن کی ایک نصیحت یا قرآن کے ایک حکم کا نمونہ ان میں نظر نہیں آتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اصل چیز غور و خوض اور نصیحت و عبرت اور عمل ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۳۰ۭ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱ۙ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝۳۲ۣ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ (اللہ کی طرف رجوع ہونے والے تھے چنانچہ وہ قصہ ان کا یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ شام کے وقت ان کے روبرو (اور) عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا (پھر چشم و حذم کو کہا) ان گھوڑوں کو ذرا پھر میرے سامنے لاؤ سو انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ○

سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا واقعہ:

اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کر دیا۔ اسی لئے صرف حضرت سلیمان کا ذکر کیا ورنہ ان کی اور اولاد بھی تھی۔ ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں[1]۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (سورۂ نمل: ۱۶) حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے۔ یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔ یہ بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گزار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔ مکحول کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبیؑ نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جواب پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی سکینت اور ایمان۔ پھر پوچھا کہ سب سے بری چیز کیا ہے؟ سلیمان نے عرض کیا کہ ایمان کے بعد کفر۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ کی رحمت۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمانؑ کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ جو بہت تیز رفتار تھے اور تین پیروں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یوں ہی سازمین پر ٹکتا تھا[2]۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے۔ جو تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار

[1] شرما میں وہ لوگ جو نبی عربی پر کثرت ازواج کی تہمت رکھتے ہیں اور اپنی بدبختی سے وہ پھکتے ہیں جو ایک نبی الطبع انسان کا خاصہ ہے۔

[2] اس طرح کھڑے ہونا گھوڑے کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔

بتائی ہے۔ واللہ اعلم

ابو داؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے۔ گھر میں تشریف فرما تھے' تیز ہوا کے جھونکے سے گھر میں ایک کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میری گڑیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے۔ جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا: گھوڑا ہے۔ فرمایا: اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف چیتھڑے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا: یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا: گھوڑا بھی اچھا ہے اور اس کے پر بھی؟ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے تھے۔ یہ سن کر حضور ﷺ ہنس دیئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے[1]۔ حضرت سلیمانؑ ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا۔ بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضورؐ غزوۂ خندق کے موقعہ پر ایک دن لڑائی کی مشغولی کی وجہ سے عصر کی نماز پڑھ نہ سکے اور مغرب کے وقت ادا کی۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمر کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: حضور میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی نہ ادا کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے۔ وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمان میں جنگی مصالح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے۔ جن کو اسی مقصد سے رکھا تھا۔ چنانچہ بعض علما نے یہ بھی کہا ہے کہ صلوٰۃ خوف جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں: جب تلواریں تنی ہوئی ہوں اور لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع و سجود کا امکان ہی نہ ہو' تب یہ حکم ہے۔ جیسا کہ صحابہؓ نے تستر کی فتح کے موقعہ پر کیا تھا۔ لیکن پہلا قول ہی ٹھیک ہے۔ اس لئے اس کے بعد ہی حضرت سلیمان کا ان گھوڑوں کا دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا۔ میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا چنانچہ ان کی کونچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں لیکن حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔

امام ابن جریر بھی اس قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذا پہنچانا ممنوع ہے ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے[2]۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور نماز

---

[1] یعنی آپ ﷺ بہت ہی ہنسے اور بے اختیار کھل کھلائے۔

[2] ایک تفسیر تو گویا یہی ہے جو ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام نے یہ محسوس کر کے کہ جانوروں کی وجہ سے میری نماز جیسی اہم عبادت رہ گئی۔ گھوڑوں کو ذبح کرا دیا اور اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ اہل اللہ اپنی معمولی معمولی غفلتوں پر متنبہ ہو کر اتنا ہی سخت قدم اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ اس کے علاوہ ایک اور تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بطریق علی ابن ابی طلحہ منقول ہے۔ جس میں نہ نماز فوت ہونے کا ذکر ہے اور نہ سورج غروب ہونے کا اور نہ گھوڑوں کے ذبح کر دینے کا تذکرہ۔ بلکہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایک شام کو سلیمان علیہ السلام نے اصطبل سے گھوڑوں کے لانے کا حکم دیا۔ کیونکہ سلیمانؑ خود گھوڑوں کے اوصاف سے میری محبت ایسی مالی محبت میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس درمیان میں گھوڑے آپ کے سامنے سے ہٹائے گئے۔ جب آپ نے اس ذکر و فکر سے گردن اٹھائی تو دیکھا کہ گھوڑے نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ دوبارہ لاؤ۔ دوبارہ آئے تو آپ ان کی گردن اور پنڈلی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور ان کو تھپتھپاتے تھے کہ وہ آپ سے مایوس ہو جائیں۔ اس تفسیر کے مطابق انی احببت حب ......

کا وقت نکل گیا۔ تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمائی۔ یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔ حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت ابو درداء اکثر ساتھ حج کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدو سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے سلیمان کو (ایک اور طرح سے بھی) امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر (ایک ادھورا) دھڑ لا ڈالا پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔ دعا مانگی کہ اے میرے رب! میرا پچھلا قصور معاف کر دے اور آئندہ کے لئے مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی شخص کو لائق نہ ہو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور (نیز) ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ (جانا) چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (اور ہم نے یہ سلیمان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں اور (علاوہ اس کے) اس کے لئے ہمارے یہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے ○

ایک آزمائش:

ہم نے حضرت سلیمان کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا[1] یعنی شیطان پھر وہ اپنے تخت و تاج کی طرف لوٹ

– الخیر عن ذکر ربی کا ترجمہ یہ ہوا کہ بے شبہ میری محبت مال (جہاد کے گھوڑوں کی محبت) ذکر اللہ ہی میں سے ہے اور ''تورات بالحجاب'' کی ضمیر صافنات الجیاد'' ہی کی طرف ہے۔ یعنی جب گھوڑے آنکھ سے اوجھل ہوئے اور اس طرح شمس کے محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہی اور لفق مسحًا بالسوق والاعناق ''میں مسح کے معنی مشہور لئے گئے یعنی چھونا۔ یہ تفسیر نہایت عمدہ پاکیزہ اور ہر اشکال سے محفوظ ہے۔

[1] واضح ہو کو ان آیات کی تفسیر میں نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت ثابت ہے اور نہ قرآن مجید میں اتنا واضح کوئی بیان ہے جس کے بعد ان آیات کی تفسیر کی جا سکے۔ اس لئے مفسرین میں بعض تو وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے جس قدر بیان کر دیا بس اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔ خارج کی چیزوں کو ان آیات کی تفسیر بتانا مناسب نہ ہوگا اور دوسری جماعت وہ ہے جو کہتی ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں ان آیات کے اجمال و ابہام کو اٹھانے کے لئے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہے۔ ابن کثیر سکوت و خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن امام رازی ایک اور تفسیر پیش کرتے ہیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ =

آ ئے۔ اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا صرد تھا یا حقیق تھا یہ واقعہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ کسی نے بہت تفصیل کے ساتھ کسی نے اختصار کے ساتھ۔ حضرت قتادہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم ہوا کہ اس طرح بنا کہ لائے کہ آواز بھی نہ سنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے۔ وہ البتہ ایسی ترکیب بتا سکتا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو کسی طرح لاؤ۔ یہ ایک سمندر میں ملتا تھا۔ ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آ جاتا تھا اور یہی پانی شیطان پیتا تھا اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پر کر دیا گیا۔ یہ جب آیا اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگا: ہے تو یہ مزے کی چیز لیکن دشمن عقل ہے جہالت کو ترقی دینے والی چیز ہے۔ چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمان کی انگوٹھی دکھائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان اس سے مہر لگائی گئی۔ یہ بے بس ہو گیا۔ حضرت سلیمان کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے اس کام کے انجام دینے کا حکم دیا۔ یہ گیا اور ہد ہد کے انڈے لے آیا اور انہیں جمع کر کے رکھ کر ان پر شیشہ رکھ دیا۔ ہد ہد آیا اس نے اپنے انڈے دیکھے چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آ سکتے۔ اڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا اور اس کو اس شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹنا شروع کیا۔ آخر وہ کٹ گیا اور اپنے انڈے لے گیا اور پھر اسی سے پتھر کاٹ کاٹ کر تعمیر شروع ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ جب بیت الخلاء میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے۔ ایک دن حمام جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس وقت فرض غسل کے لئے جا رہے تھے۔ انگوٹھی اس کو سونپ دی اور چلے گئے۔ اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور شیطان پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل ڈال دی گئی اور آپ سے تخت و تاج چھن گیا۔ سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا بجز آپ کی بیویوں کے۔ اب اس سے بہت سی غیر حرف باتیں بھی ظہور آنے لگیں تو اس زمانے میں ایک صاحب تھے۔ جو ایسے ہی تھے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت عمر فاروقؓ۔ انہوں نے کہا: بھئی آزمائش کرنی چاہئے مجھے تو یہ شخص سلیمان نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے سوال کیا کیوں جناب اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور سردی ہونے کی وجہ سے وہ سورج کے طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟

= حضرت سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہوئے۔ ناتوانی اور ضعف کی وجہ سے جسم بے روح معلوم ہوتے تھے۔ اس حالت میں ان کو ان کی مخصوص کرسی پر لایا گیا۔ بعد چند سے ان کو صحت ہوئی تو انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو سمجھانا یہ چاہتا ہے کہ تم باوجود اتنی عظیم سلطنت کے اور وسیع حکومت کے بہرحال ایک انسان ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک آزمائش تھی۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کیا اور عاجزی سے اپنی مزوری اور ناتوانی کا اعتراف کیا۔ رازی کی اس تفسیر میں ''فتنہ'' سے شدید بیماری اور القینا علی کرسیہ...... القاجسد سے حضرت سلیمان کا علالت کی وجہ سے جسم بے روح اور ''اناب'' سے دوبارہ صحت یاب ہونا مراد ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری تفسیر علامہ آلوسی زادہ نے روح المعانی میں پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس رات میں اپنی تمام بیویوں سے ہم بستری کریں گے جن سے مجاہد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے پرزور کام کرنے والے بچے پیدا ہوں گے۔ مگر اس خیال کے ساتھ انہوں نے ''انشاء اللہ'' نہ کہا۔ جو ایک پیغمبر کی شان سے بالکل بعید تھا۔ چنانچہ ارادہ کے مطابق انہوں نے ہر بیوی سے مجامعت کی۔ لیکن کسی کو بھی حمل نہ ٹھہرا ایک کے یہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی ناقص الخلقت۔ سلیمان کو متنبہ ہوا اور اپنی اس غلطی پر (انشاء اللہ نہ کہنے پر) استغفار کیا۔ علامہ آلوسی وغیرہ اپنی اس تفسیر کے سلسلہ میں بخاری کی ایک روایت سے بھی مدد لیتے ہیں۔ ان دو تفاسیر کے علاوہ اور جتنی تفسیریں ابن کثیر نے نقل کی ہیں نہایت درجہ غلط بلکہ واہی ہیں۔ کسی معتمد مفسر نے ان کو قبول نہیں کیا۔ چنانچہ امام رازی نے اپنی مشہور تفسیر میں

اُس نے جواب دیا: ہرگز نہیں' چالیس دن تک یہ تخت سلیمان پر رہا۔ پھر آپ کو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی۔ ہاتھ میں پہنتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہو گئیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی ایک سو بیویاں تھیں۔ آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جرادہ تھا۔ جب جنبی ہوتے یا رفع حاجت کے لئے جاتے تو اپنے انگوٹھی ان ہی کو سونپ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے۔ پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ یہ اس کو لیتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ اب جو حضرت سلیمان آئے اور انگوٹھی طلب کی' تو بیوی صاحبہ نے کہا: آپ انگوٹھی تو لے گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے۔ نہایت پریشان حالی سے محل سے نکل گئے۔ اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی لیکن احکام کی تبدیلی دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں۔ چنانچہ ان علماء کی جماعت آپ کی بیویوں کے پاس آئی اور ان سے کہا: یہ کیا معاملہ ہے۔ ہمیں سلیمان کی ذات پر شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر یہ واقعی سلیمان ہیں تو ان کی عقل جاتی رہی ہے یا پھر یہ سلیمان نہیں۔ ورنہ ایسے خلاف شرع احکام نہ دیتے۔ عورتیں یہ سن کر رونے لگیں اور یہ لوگ وہاں سے واپس آ گئے اور تخت کے اردگرد اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور تورات کھول کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ خبیث شیطان کلام اللہ سے بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی۔ جسے ایک مچھلی نگل گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یوں ہی اپنے دن گزارتے تھے۔

ایک مرتبہ سمندر کے کنارے نکل گئے۔ بھوک بہت لگی ہوئی تھی۔ ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے پاس آ کر ان سے ایک مچھلی مانگی اور اپنا نام بھی بتایا۔ اس سے بعض لوگوں کو بڑا طیش آیا کہ دیکھو بھیک منگا اپنے کو سلیمان بتاتا ہے۔ انہوں نے آپ کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ آپ زخمی ہو گئے اور ایک کنارے جا کر اپنے زخم کا خون دھونے لگے۔ بعض ماہی گیروں کو رحم آ گیا کہ ایک سائل کو خواہ مخواہ مارا۔ کہا جاؤ بھئی اسے دو مچھلیاں دے آؤ۔ بھوکا ہے بھون کھائے گا۔ چنانچہ مچھلیاں آپ کو دے آئے۔ بھوک کی وجہ سے آپ اپنے زخموں کو اور بھول گئے اور جلدی سے مچھلی کا پیٹ چاک کرنے لگے۔ اللہ کی قدرت سے مچھلی کی پیٹ میں وہ انگوٹھی نکلی آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور خون انگوٹھی انگلی میں ڈال لی۔ اسی وقت پرندوں نے آ کر آپ پر سایہ کر لیا اور پہچان لیا اور آپ سے عذر معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: یہ سب امر رب تھا۔ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ آپ تشریف لے آئے اور اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی ہو' گرفتار کر لاؤ۔ چنانچہ اس کو قید کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کیا اور قفل لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں پھینکوا دیا۔ جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔

آپ کی یہ دعا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرمایا جائے' جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ یہ بھی پوری ہوئی اور ہوا آپ کے تابع کر دی

.....= ان بے ہودہ روایات کے متعلق لکھا ہے کہ: اقول انا شدید التعجب من الناس کیف قبلوا ھذہ الرجوہ السخیفۃ مع ان العقل والنقل یردھا ولیس فی اثباتھا شبھۃ فضلاً عن حجۃ۔

بڑا تعجب ہے کہ ایسی لغو روایات کو کیونکہ قبول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ نہ عقل ان کو قبول کرتی ہے اور نہ نقل۔ اسی کا ابوحیان اندلسی نے کہا ہے کہ نقل المفسرون فی ھذہ الفتنۃ والقاء الجسد اقوالا یجب برآئۃ الانبیاء منھا یوقف علیھا فی کتبھم وھی منھالا یحل نقلھا وھی امامن اوضاع الیھود او الزنا دقۃ۔

فتنہ اور القاء جسد کے سلسلہ میں جو روایات لکھی گئی ہیں انبیاء علیہم السلام ان سے قطعاً بری الذمہ ہیں۔ افسوس کہ یہ روایات جو اسلامی تفاسیر میں داخل کر دی گئی ہیں یا یہود کے افتراعات ہیں یا بے دینوں کے من گھڑت افسانے۔

گئی۔ مجاہد سے منقول ہے کہ ایک شیطان سے جس کا نام آصف تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنے میں ڈالتے ہو؟ اس نے عرض کیا: ذرا مجھے اپنی انگوٹھی دکھاؤ۔ میں ابھی آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ آپ نے انگوٹھی دے دی اور اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا اور خود تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا اور آپ کے لباس میں لوگوں کو راہ اللہ سے ہٹانے لگا الخ۔ یاد رہے یہ سب واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ ہیں اور ان سب سے زیادہ منکر واقعہ وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے اور اوپر بیان ہوا۔ جس میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت جراوہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ لڑکے آپ کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کی بیویوں سے علماء نے جب تفتیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں بھی اس کے سلیمان ہونے سے انکار ہے۔ کیونکہ وہ حالت حیض میں ہمارے پاس آتا ہے۔ شیطان کو جب معلوم ہوا کہ راز کھل گیا ہے تو اس نے جادو کی اور کفر کی کتابیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کر دیں اور پھر لوگوں کے سامنے نکلوا کر ان سے کہا: دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سلیمان سمندر کے کنارے مزدوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بہت سی مچھلیاں خریدیں مزدور کو بلایا۔ آپ پہنچے اس نے کہا: یہ اٹھالو۔ پوچھا! مزدوری کیا دو گے؟ اس نے کہا: اس میں سے ایک مچھلی تجھے دے دوں گا۔ آپ نے ٹوکرا سر پر رکھا اور اس کے یہاں پہنچا دیا۔ اس نے ایک مچھلی دے دی۔ آپ نے اسے لے لیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی وہ انگوٹھی نکل پڑی پہنتے ہی کل شیاطین، جن، انسان پھر تابع ہو گئے اور جھرمٹ باندھ کر حاضر ہو گئے۔ آپ نے ملک پر قبضہ کیا اور اس شیطان کو سخت سزا دی۔ پس ثُمَّ اَنَابَ سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا، اس کا لوٹنا ہے۔ اس کی اسناد حضرت ابن عباسؓ تک ہے۔ یہ سند قوی تو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے اہل کتاب سے لیا ہے۔ یہ بھی اس وقت جب ہم اسے ابن عباسؓ کا قول مان لیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتی تھی۔ تو عجیب نہیں کہ یہ بے ہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو۔ اس میں تو وہ باتیں بھی ہیں، جو بالکل ہی منکر ہیں۔ خصوصاً اس شیطان کا آپ کی عورتوں کے پاس جانا اور ائمہ نے بھی ایسے قصے بیان تو کئے ہیں۔ لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن سلیمان کی بیویوں کے پاس نہیں جا سکا اور نبیؐ کے گھرانے کی عورتوں کی عصمت و شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی اور بیت المقدس تک تواضعاً آپ پیدل چلے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے صفت سلیمان میں کعب احبار سے ایک عجیب خبر روایت کی ہے۔ ابو اسحٰق مصری کہتے ہیں کہ جب ارم ذات العماد کے قصے سے حضرت کعبؓ نے فراغت حاصل کی۔ تو حضرت معاویہ نے کہا: ابو اسحٰق! آپ حضرت سلیمان کی کرسی کا ذکر بھی کیجئے۔ تو فرمایا کہ وہ ہاتھی دانت کی تھی۔ دریا، قوت، زبرجد اور لولو سے مرصع تھی اور چاروں طرف اس کے سونے کے درخت بنے ہوئے تھے جن کے خوشے بھی موتیوں کے تھے۔ ان میں جو داہنی طرف تھے ان کے سر پر سونے کے مور تھے اور بائیں طرف والوں پر گدھ تھے اور وہ بھی سونے کے تھے اس کرسی کے پہلے درجے پر داہنی جانب دو درخت صنوبر کے سونے کے تھے اور بائیں جانب دو شیر سونے کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر دو ستون زبرجد کے بنے ہوئے تھے اور کرسی کے دونوں جانب انگور کی سنہری بیلیں تھیں جو کرسی کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ ان کے خوشے بھی سرخ موتی کے تھے۔ پھر کرسی کے اعلیٰ درجے پر دو شیر سونے کے بہت بڑے بنے ہوئے

تھے۔جن کے اندر خول تھا۔ان میں مشک وعنبر بھرا رہتا تھا۔حضرت سلیمان جب کرسی پر آتے تو یہ شیر حرکت کرتے اور ان کے گھومنے سے ان کے اندر سے مشک وعنبر چاروں طرف چھڑک دیا جاتا۔پھر دو منبر سونے کے بچھا دیئے جاتے۔ایک آپ کے وزیر کا اور ایک اس وقت کے سب سے بڑے عالم کا۔پھر کرسی کے سامنے ستر منبر سونے کے اور بچھا دیئے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی ان کے علماء اور ان کے سردار بیٹھتے اور ان کے پیچھے پینتیس منبر سونے کے اور ہوتے جو خالی رہا کرتے تھے۔حضرت سلیمان جب تشریف لاتے تو پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی کرسی ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتی۔شیر اپنا داہنا قدم آگے بڑھا دیتا اور گدھ اپنا بایاں پر پھیلا دیتا۔جب دوسرے درجہ پر قدم رکھتے تو شیر اپنا بایاں ہاتھ پھیلا دیتے اور گدھ اپنا داہنا اور جب آپ تیسرے درجہ پر چڑھ جاتے اور کرسی پر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا گدھ آپ کا تاج لے کر آپ کے سر پر رکھتا۔پھر کرسی تیزی سے گھومتی۔حضرت معاویہؓ نے پوچھا: آخر اس کی کیا وجہ؟ فرمایا: وہ ایک سونے کی لاٹ پر تھی۔جسے صخر نامی جن نے بنایا تھا۔اس کے گھومتے ہی نیچے والے مور گدھ وغیرہ سب اوپر آجاتے اور سر جھکاتے پروں کو پھڑ پھڑاتے۔جس سے آپ کے جسم پر مشک وعنبر کا چھڑکاؤ ہو جاتا۔پھر ایک سونے کا کبوتر تورات اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیتا۔جسے آپ تلاوت فرماتے لیکن یہ روایت بالکل غریب ہے۔

حضرت سلیمان کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ملک دے کہ مجھ سے کوئی دوسرا چھین نہ سکے۔جیسے کہ اس جسم کا واقعہ ہوا۔جو آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسے ملک کے نہ ملنے کی دعا کرتے ہوں۔لیکن بعض لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں وہ کچھ ٹھیک نظر نہیں آتے۔بلکہ صحیح یہی ہے کہ آپ کی دعا کا یہی مطلب تھا کہ مجھے ایسا ملک اور سلطنت دی جائے کہ میرے بعد پھر کسی اور شخص کو ایسی سلطنت نہ ملے۔یہی آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک سرکش جن نے گزشتہ شب شرارت کی اور میری نماز بگاڑ دینا چاہی۔لیکن اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ میں اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں۔تاکہ صبح تم سب اس کو دیکھو۔لیکن اسی وقت مجھے میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی۔راوی حدیث حضرت روح فرماتے ہیں: پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑ دیا اور روایت میں ہے کہ خصوصاً نماز میں کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ نے فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ پھر آپ نے تین بار فرمایا: اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ پھر آپ نے اس طرح اپنا ہاتھ بڑھایا کہ گویا آپ کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہیں۔جب فارغ ہوئے تو ہم نے آپ سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی۔آپ نے فرمایا: اللہ کا دشمن ابلیس آگ لے کر میرے منہ میں ڈالنے کے لئے آیا۔تو میں نے تین مرتبہ اعوذ باللہ پڑھی۔پھر تین مرتبہ اس پر لعنت بھیجی۔لیکن وہ پھر بھی نہ ہٹا۔پھر میں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر باندھ دوں تاکہ مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں۔اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں یہی کرتا۔حضرت عطا بن یزید لیثیؒ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو عبیدہ نے ان کے سامنے گزرنا چاہا۔انہوں نے انہیں اپنے ہاتھ سے روک دیا۔پھر فرمایا: مجھ سے حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا تھا۔قراءت آپ پر خلط ملط ہو گئی تو فارغ ہو کر فرمایا: کاش کہ تم دیکھتے کہ میں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس قدر اس کا گلا گھونٹا کہ اس کے منہ کی جھاگ میری شہادت کی اور بیچ کی انگلی پر پڑی۔اگر میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح ہوتے ہی اس مسجد کے ستون سے بندھا ہوا ملتا اور مدینہ کے بچے اس کو ستاتے ہوتے۔تم سے جہاں تک ہو سکے اس بات کا خیال رکھو کہ نماز کی حالت میں تمہارے سامنے سے کوئی نہ گزرنے پائے۔(مسند احمد)

روایت میں ہے کہ ربیعہ بن یزید بن عبداللہ دیلمیؒ کہتے ہیں: میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس طائف کے ایک باغ میں گیا۔ جس کا نام رہط تھا۔ آپ اس وقت ایک قریشی کو پکڑے ہوئے تھے' جو زانی اور شرابی تھا۔ میں نے اس سے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جو ایک گھونٹ شراب پئے گا۔ اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا اور برا آدمی وہ ہے' جو ماں کے پیٹ میں ہی برا ہو گیا ہے۔ جو شخص صرف نماز ہی کی نیت سے بیت المقدس میں جائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو۔ وہ شرابی جس کو حضرت عبداللہ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ تو شراب کا ذکر سنتے ہی جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑوا کر بھاگ گیا۔ اب حضرت عبداللہ نے فرمایا: کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ میرے ذمے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو۔

دراصل میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سنا ہے کہ جو شخص شراب کا ایک گھونٹ پی لے' اس کی چالیس دن کی نماز مقبول نہیں۔ اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر دوبارہ لوٹے تو پھر چالیس دن تک نمازیں نامقبول ہیں۔ پھر اگر توبہ کر لے تو توبہ مقبول ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ پھر اگر لوٹے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو جہنمیوں کے بدن کا خون' پیپ اور پیشاب وغیرہ قیامت کے دن پلائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ جس پر وہ نور اس دن پڑ گیا' وہ تو ہدایت والا ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ بھٹک گیا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل چکا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت سلیمان نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ جن میں سے دو تو انہیں مل گئیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمارے لئے ہو۔ (۱) مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو (۲) مجھے ایسا ملک دے' جو میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو۔ (۳) جو شخص اپنے گھر سے اس مسجد کی نماز کے ارادے ہی سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو ایسا ہو جائے گویا آج ہی پیدا ہوا ہو۔ پس ہمیں امید ہے کہ یہ ہمارے لئے اللہ نے دی ہو۔ طبرانی میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے لئے ایک گھر بنانے کا حکم دیا۔ حضرت داؤد نے پہلے اپنا گھر بنا لیا۔ اس پر وحی آئی کہ تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے بنایا؟ آپ نے عرض کیا: پروردگار! یہی فیصلہ کیا گیا تھا۔ پھر مسجد بنانی شروع کی' دیواریں پوری ہو گئیں تو اتفاقاً تہائی حصہ گر گیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی' تو جواب ملا کہ تو میرا گھر نہیں بنا سکتا۔ پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ تیرے ہاتھوں سے خون بہا ہے۔ عرض کیا: خدایا! وہ بھی تو تیری ہی محبت میں۔ فرمایا: ہاں' لیکن وہ میرے بندے تھے۔ میں ان پر رحم کرتا ہوں' آپ اس بات سے نہایت رنجیدہ ہوئے۔ پھر وحی آئی کہ غمگین نہ ہو۔ میں اسے تیرے لڑکے سلیمان کے ہاتھوں پورا کراؤں گا۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے بنانا شروع کیا۔ جن پورا کر چلے بڑی بڑی قربانیاں کیں اور جانور ذبح کئے اور بنو اسرائیل کو جمع کر کے خوب کھلایا پلایا۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی کہ تو نے یہ سب کچھ میرے حکم کی تعمیل کی خوشی میں کیا ہے۔ لہٰذا تو مجھ سے مانگ جو مانگے گا' پائے گا۔ عرض کیا: خدایا! میرے تین سوال ہیں۔ مجھے ایسا فیصلہ سمجھا تیرے منشا کے مطابق ہو اور ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو اور جو اس گھر میں آئے صرف نماز کے ارادے سے' تو اپنے گناہوں سے ایسا آزاد ہو جائے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ اس میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا کو ان لفظوں میں شروع کرتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى الْوَهَّابِ ۔ (مسند)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت داؤد کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا: مجھ سے ا

حاجت طلب کرو۔ آپ نے عرض کیا: خدایا! مجھے ایسا دل دے جو تجھ سے ڈرتا رہے۔ جیسے کہ میرے والد کا دل تجھ سے خوف کھایا کرتا تھا اور دل میں اپنی محبت ڈال دے۔ جیسے میرے والد کے دل میں تیری محبت تھی۔ اس پر اللہ بہت خوش ہوا کہ میرا بندہ عین میری عطا کے وقت بھی مجھ سے میرا ڈر اور میری محبت طلب کرتا ہے۔ مجھے اپنی قسم' میں اسے اتنی بڑی سلطنت دوں گا' جو اس کے بعد کسی کو نہ ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ماتحتی میں ہوائیں کر دیں اور جنات کو بھی ان کے ماتحت کر دیا اور اس قدر ملک و مال پر بھی انہیں حساب قیامت سے آزاد کر دیا۔

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت داؤد نے دعا کی کہ باری تعالیٰ سلیمان کے ساتھ بھی اسی لطف و کرم سے پیش آ۔ جو لطف و کرم تیرا مجھ پر رہا۔ تو وحی نازل ہوئی کہ سلیمان علیہ السلام سے کہہ دو وہ بھی اسی طرح میرا رہے جس طرح تو میرا تھا۔ تو میں بھی اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ جیسے کہ تیرے ساتھ تھا۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ جب حضرت سلیمان نے اللہ کی محبت میں آ کر ان خوبصورت' پیارے' وفادار' تیز رو گھوڑوں کو کاٹ ڈالا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ان کے عوض ان سے بہتر چیز عطا فرمائی۔ یعنی ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا[1]۔ جو ایک مہینہ کی راہ کو صبح کی ایک گھڑی میں طے کر دیتی تھی اور اسی طرح شام کو۔ جہاں کا ارادہ کرتے وہیں ذرا سی دیر میں پہنچا دیتی۔ جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا ان میں بعض بڑی اونچی لمبی ٹھوس اور پختہ عمارت کے بنانے کے کام انجام دیتے تھے۔ جو انسانی طاقت سے باہر تھا اور غوطہ خور تھے۔ جو سمندر کی تہہ میں سے لؤلؤ' اور جواہر اور دیگر قسم قسم کی نفیس و نادر چیزیں لا دیتے تھے پھر اور کچھ تھے جو بھاری بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے۔ یہ تو وہ تھے جو حکومت سے سرتابی کرتے تھے یا کام کاج میں شرارت اور کمی کرتے تھے یا لوگوں کو ستاتے اور ایذا پہنچاتے۔ یہ ہے ہماری مہربانی اور ہماری بخشش اور ہمارا انعام اور ہمارا عطیہ۔ اب تجھے اختیار ہے جس سے جو چاہے سلوک کر۔ سب بے حساب ہے۔ کسی پر پکڑ نہیں۔ جو تیری زبان سے نکلے گا وہ حق ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں عبد و رسول رہیں۔ یعنی جو حکم دیا جائے بجالاتے رہیں۔ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرتے رہیں اور اگر چاہیں نبی اور بادشاہ بنا دیئے جائیں' جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں اور اس کا کوئی حساب اللہ کے ہاں نہ لیا جائے۔ تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ لیا اور آپ کے مشورے سے پہلی بات قبول فرمائی۔ کیونکہ فضیلت کے لحاظ سے اولیٰ اور اعلیٰ وہی ہے' گو نبوت و سلطنت بھی بڑی چیز ہے۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دنیوی عز و جاہ بیان کرتے ہی فرمایا کہ وہ دار آخرت میں بھی ہمارے پاس بڑے مرتبے اور بہترین بزرگی اور اعلیٰ تر قرب و نزدیکی رکھتے ہیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ

[1] آج جہاز ہواؤں میں اڑے پھرتے ہیں۔ کتنے تیز رفتار! اگر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں پر یہ تسخیر معجزانہ طور پر عطا کی تو مضائقہ کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے آج ہی کی طرح جہاز سازی میں کوئی حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہو۔ موجودہ سائنس اسلام کے پیش کردہ تصورات کی جس طرح تائید اور تصدیق کر رہی ہے۔ اس کے بعد ان چیزوں کا انکار قطعاً مناسب نہیں۔

وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗۤ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے اپنا پاؤں مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ (گنتی میں ان کے برابر بھی دے) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بے شک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے ○

صبر ایوب علیہ السلام:

حضرت ایوب کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے صبر کی اور امتحان میں پاس ہونے کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ مال برباد ہو گیا۔ اولاد مر گئی۔ جسم مریض ہو گیا۔ یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں بیماری نہ ہو۔ صرف دل سلامت رہ گیا تھا اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا اور اس حال میں کوئی ایسا نہ تھا جو خبر گیری کرتا سوائے ایک اپنی بیوی صاحبہ کے۔ جن کے دل میں خوف اللہ اور اپنے شوہر کی محبت تھی۔ لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے شوہر کا پیٹ پالتی تھی۔ آٹھ سال تک یہی حال رہا[1]۔ حالانکہ اس سے پہلے ان سے زیادہ مالدار کوئی دوسرا نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا' وہاں لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں' سال دو سال نہیں' آٹھ سال کامل گزرے۔ اپنے اور غیر ہر ایک نے منہ پھیر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں' جو ہر وقت دن و رات آپ کی خدمت میں کمر بستہ تھیں۔ البتہ پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کی خدمت سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ بالآخر دور آزمائش کے ختم ہونے کا وقت آیا اور برگزیدہ بندے نے رب العٰلمین الٰہ المرسلین کی بارگاہ میں تضرع وزاری کی اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں' حضور قلب کے ساتھ دعا کی کہ: اے میرے پالنہار اللہ! مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو رحمٰن الرحیم ہے۔ یہاں جو دعا ہے اس میں جسمانی تکلیف اور مال و اولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔ اسی وقت رحیم و کریم اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو۔ غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔ پھر حکم ہو کہ اور جگہ ایڑی مارو۔ وہاں بھی پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو! اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اٹھارہ سال تک اللہ تعالیٰ کے یہ پیغمبر دکھ درد میں مبتلا رہے۔ اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا۔ ہاں آپ کے دو مخلص دوست صبح شام خیریت اور مزاج پرسی کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ ایک

[1] جیسا کہ معلوم ہوگا کہ مفسرین نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں کس طرح نے نفرت انگیز امراض کا ذکر کیا ہے اور کیا ان کی ابتر حالت کا نقشہ کھینچا ہے؟ پھر خود مفسرین کو یہ اشکال پیش آیا کہ کسی بھی نبی کو اللہ تعالیٰ بھی ایسے نفرت انگیز مرض میں مبتلا نہیں کرتا۔ جس کے بعد عام طور پر آدمی اس کے قریب بھی نہ آئیں۔ کیونکہ کسی بھی ایسی بیماری میں مبتلا کرنا مقصد تبلیغ و ارشاد کے قطعاً خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اس کے پاس آدمی ہی نہیں آئیں تو وہ کس کو ہدایت کرے گا۔ اس زبردست اشکال کی وجہ سے بعض محققین کی رائے تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بیماریاں حضرت ایوب کو نبوت سے پہلے لاحق ہوئی ہوں اور نبوت کے بعد وہ اس طرح کے بیمار نہ ہوئے ہوں اور بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ سب لغو روایات اور جھوٹے افسانے حضرت ایوب کی بیماری سے متعلق گھڑے ہوئے ہیں اور ہرگز صحیح نہیں اور یہی رائے ٹھیک اور درست ہے۔

مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ ایوبؑ نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں مبتلا ہے اور اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوبؑ سے اس شخص کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا: میں نہیں جانتا وہ ایسا کیوں کر کہتے ہیں؟ اللہ خوب جانتا ہے۔ میری تو یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھتا اور دونوں اللہ تعالیٰ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے۔ کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہوگا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں۔ تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ نام اللہ کی بے ادبی نہ ہو۔ آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ پاخانے کے بعد آپ کی بیوی آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں ایک مرتبہ وہ موجود نہ تھیں۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ آپ نے اس روز بارگاہ ایزدی میں اپنی صحت کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر پاؤں مارو۔ بہت دیر کے بعد آپ کی بیوی صاحبہ آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ مریض شوہر تو ہے نہیں اور کوئی دوسرا تندرست شخص نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے۔ پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نیک بندے! یہاں اللہ تعالیٰ کے ایک نبیؑ جو دکھ درد میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ جب وہ تندرست تھے تو قریب ہی قریب تم جیسے ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: وہ میں ہی ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کی دو کوٹھیاں تھیں ایک گیہوں کے لئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے۔ ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی اور دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری بھی بھر گئی۔ (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب ننگے ہو کر نہا رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ آپ نے جلدی جلدی ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوبؑ! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پروا نہیں کر رکھا ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں خدایا بے شک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں۔ لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر کو نیک بدلے اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دیا۔ بلکہ حضرت حسن اور قتادہ سے تو منقول ہے کہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور اتنی ہی مزید اولاد عطا فرمائی یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال رجوع الی اللہ اور تواضع وانکساری کے بدلے اللہ نے ان کو عطا فرمایا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھی۔ اس پر آپ ناراض ہوئے اور قسم کھائی تھی کہ شفاء ہو جانے کے بعد سو کوڑے ماریں گے۔ دوسری وجہ ناراضگی بیان کی ہے جب کہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم پوری کریں۔ لیکن ایسی نیک صفت خاتون ایسی سزا کے لائق نہ تھی۔ جو حضرت ایوبؑ نے طے کر رکھی تھی۔ جس عورت نے اس وقت ساتھ دیا جب کوئی دردمند اور ساتھی نہ تھا۔ اس لئے رب العالمین اور ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کی ٹہنی لے لو۔ جس میں ایک سو سینکیں ہوں اور ایک انہیں مار دو۔ ایسا کر دینے سے قسم پوری ہو جائے گی اور ایک ایسی صابرہ اور شاکرہ خاتون نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی۔ یہی دستور خداوندی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے ہیں۔ برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب کی ثنا صفت بیان کرتا ہے کہ ہم نے ان کو بڑا صابر و ضابطہ پایا۔ وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا۔ اس

کے دل میں ہماری سچی محبت تھی۔ وہ ہماری طرف جھکتا رہا اور ہمیں سے لو لگائے رہا۔ اسی لئے فرمان اللہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے راحت و آرام کی صورت نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ سمجھ دار علما کرام نے اس آیت سے ایمانیات وغیرہ کے بہت سے مسائل اخذ کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یاد آخرت کی ہے اور وہ (حضرات) ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب کے سب اچھے لوگوں میں سے ہیں ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا ○

اللہ کن لوگوں کو ''اچھے'' فرما رہا ہے ☆

اللہ تعالیٰ اپنے عابد بندوں اور رسولوں کی فضیلتوں کو بیان کرتا ہے اور ان کے نام گنوا رہا ہے۔ ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور فرماتا ہے کہ ان کے اعمال بہت اچھے تھے اور صحیح علم بھی رکھتے تھے۔ ساتھ ہی عبادت اللہ میں مستعد تھے اور قدرت کی طرف سے ان کو بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ دین میں سمجھدار تھے۔ اطاعت اللہ میں نہایت درجہ استقامت رکھتے تھے۔ حق کو دیکھنے والے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف آخرت کا ہی ہر وقت خیال رہتا تھا۔ ہر عمل آخرت کے لئے ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے اور آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے وہ اعمال اختیار کرتے تھے جو جنت کا مستحق بنا دیں لوگوں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلے اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ بزرگان دین اللہ کے چیدہ مخلص اور خاص الخاص بندے ہیں۔ اسماعیل الیسع اور ذوالکفل صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین بھی پسندیدہ اور خاص بندوں میں تھے ان کے حالات سورۂ انبیا میں گزر چکے ہیں۔ اس لئے ہم نے یہاں بیان نہیں کئے ہیں۔ ان فضائل کے بیان میں ان کے لئے نصیحت ہے۔ جو پند و نصیحت حاصل کرنے کے حق کو قبول کرنے کے عادی ہیں اور یہ مطلب بھی ہے کہ یہ قرآن کریم ذکر یعنی نصیحت ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ﴿۵۴﴾

اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے۔ وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (اور) وہ وہاں جنت کے خادموں سے بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی۔ (اے مسلمانو) یہ وہ نعمت ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے۔ بے شک یہ جاری عطا ہے اس کا کہیں ختم بھی نہیں ○

راحت کدہ:

نیکوکار تقویٰ والوں کے لئے دارِ آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور کیسی پیاری جگہ ہے۔ ہمیشگی کی جنتیں ہیں۔ جن کے دروازے ان کے لئے بند نہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ کھلوانے کی بھی زحمت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آپ پاس برج ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ ہی رہیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

یہ تو بالکل صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اپنے تختوں پر تکیے لگائے بے فکری سے چار زانوں با آرام بیٹھے ہوئے ہوں گے اور جس میوے کو یا جس شراب کو جی چاہے حکم کے ساتھ خدام باسلیقہ حاضر کر دیں گے۔ ان کے پاس ان کی بیویاں ہوں گی پاک دامن نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت رکھنے والی ہوں گی۔ جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھیں نہ اٹھ سکیں۔ ان کی ہم عمر اور ان کی عمر کے لائق ہوں گی۔ ان صفات والی۔ جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن یہ اس کے وارث و مالک ہوں گے۔ جب کہ قبروں سے اٹھ کر آگ سے نجات پاکر حساب سے فارغ ہو کر یہاں جا کر بہ آرام بسیں گے۔ یہ ہے ہمارا انعام جن میں نہ کبھی کمی آئے گی اور نہ یہ منقطع ہوگا۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (سورۂ نحل: ۹۶) تمہارے پاس جو ہے وہ ختم ہو جانا ہے اور اللہ کے پاس جو ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور آیت میں: ﴿غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ ہے اور جگہ ﴿غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ (سورۂ ہود ۱۰ اور سورۂ حم سجدہ ۸) بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی اور گھاٹا آئے گا اور نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا﴾ (سورۂ رعد ۳۱) اس کے میوے اور کھانے پینے اور اس کے سائے دائمی ہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام یہی ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ

قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یہ بات تو ہو چکی اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے۔ یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو بہت ہی بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور اس کے علاوہ بھی اسی قسم کی (ناگوار) طرح طرح کی چیزیں ہیں۔ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں) شریک ہونے کے لئے دوزخ میں گھس رہے ہیں۔ ان پر اللہ کی مار۔ یہ بھی دوزخ میں آ رہے ہیں۔ وہ اتباع ان متوعین سے کہیں گے بلکہ تمہارے ہی اوپر اللہ کی مار (کیونکہ) تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے لئے لائے سو (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو شخص اس مصیبت کو ہمارے آگے لایا اس کو دوزخ میں دونا عذاب دیجئے اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو دوزخ میں نہیں رکھتے۔ جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان لوگوں کو ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں چکرا ہی ہیں یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے○

برا ٹھکانا:

مذکورہ بالا آیتوں میں نیکوں کا حال بیان کیا تو یہاں بدکار لوگوں کا مال بیان فرما رہا ہے جو اللہ کے حکم نہیں مانتے تھے ان کے لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے اور وہ جہنم ہے۔ جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے انہیں آتش دوزخ گھیر لے گی۔ یہ نہایت ہی بچھونا ہے۔ حمیم اس پانی کو کہتے ہیں' جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو اور غساق کہتے ہیں کہ ٹھنڈ کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب دوسری جانب ٹھنڈ کا سرد عذاب اور اسی طرح قسم قسم کے عذاب' جو ایک دوسرے کی ضد ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائیں۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں: غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے۔ پھر وہ گرم ہو کر پکنے لگتا ہے۔ اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوشت جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے۔ جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)۔

غرض سردی کا عذاب الگ ہوگا۔ گرمی کا الگ ہوگا۔ حمیم پینے کو زقوم کھانے کو۔ کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو دوسرے کو برا کہنے کا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے کہ ایک دوسری آیت میں ہے: ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ﴾ (سورۂ اعراف: ۳۸) ہر گروہ دوسرے پر بجائے سلام کے لعنت بھیجے گا' ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر الزام رکھے گا۔ ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے۔ وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے۔ انہیں مرحبا نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے۔ وہ آنے والے ان سے کہیں گے کہ لئے مرحبا نہ ہو۔ تم ہی تو تھے کہ ہمیں ان برے کاموں کی طرف بلاتے رہے جن کا انجام یہ ہوا۔ پس بری منزل ہے پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ! جس نے ہم کو اس عذاب میں مبتلا کیا۔ تو اس کو دوگنا عذاب دے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿قَالَتْ اُخْرٰهُمْ

لِاُوْلٰهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا ﴾ (سورۂ اعراف: ۳۸) یعنی بعد کو بدکار ہونے والے لوگ اولین بدکاروں کے بارے میں عرض کریں گے کہ ہمارے پروردگار! انہوں نے ہی تو ہم کو گمراہ کیا تھا لہٰذا تو ان کو دوگنا عذاب کر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہرایک کے لئے دوگنا عذاب ہے۔ لیکن تم واقف نہیں۔ یعنی ہرایک کے لئے ایسا ہی عذاب ہے جواس کے لئے کافی ہے۔ چونکہ کفر وہاں مؤمنوں کو نہ پائیں گے۔ جن کو اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے۔ تو آپس میں ذکر کریں گے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ جو ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے؟ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوجہل کہے گا کہ بلالؓ، عمارؓ اور صہیبؓ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی آتے۔ غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ جن کو ہم دنیا میں شریر گنتے تھے۔ وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں خاطر میں نہ لاتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ہمارا یہ معاملہ ان کے ساتھ درست تھا۔ وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی۔ لیکن کسی طرف ہیں کہ ہماری نگاہ ان پر نہیں پڑتی۔ اسی وقت اہل بہشت کی جانب سے آواز آئے گی کہ اے اہل دوزخ ادھر دیکھو! ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا۔ تم اپنی کہو۔ کیا اللہ کے وعدے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچ نکلے۔ اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اسی کا بیان آیات قرآنیہ: وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ سے وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (سورۂ اعراف: ۴۴-۴۹) تک بیان ہوا ہے۔ پھر فرماتا ہے: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خبر میں تم کو دے رہا ہوں کہ جہنمی اس بات پر لڑے جھگڑیں گے اور آپس میں دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ یہ بالکل سچی واقعی اور ٹھیک خبر ہے۔ جس میں شک وشبہ نہیں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ یُّوْحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۰﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم کو عذاب خداوندی سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت نہیں ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں (اور وہ) زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے۔ جس سے تم (بالکل ہی) بے پرواہ ہو رہے ہو۔ مجھ کو علم بالا کی بحث (گفتگو) کی کچھ خبر نہ تھی جبکہ وہ تخلیق آدم کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ میرے پاس (جو) وحی آتی ہے (تو) اسی سبب سے آتی ہے کہ میں منجانب اللہ صاف صاف ڈرانے والا بھیجا گیا ہوں ○

ایک عظیم الشان خبر:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں سے کہہ دو کہ میری نسبت تمہارے خیالات محض غلط ہیں۔ میں تو تمہیں ڈر کی خبر پہنچانے والا ہوں بجز اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ اور کوئی قابل پرستش نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت ہے۔ وہ زمین وآسمان اور ہر ہر چیز کا مالک ہے اور سب تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں۔ وہ عزتوں والا ہے اور باوجود اس

عظمت وعزت کے بڑا ہی رحیم ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔ یعنی میرا رسول کی حیثیت سے تمہارے درمیان آنا۔ مگر تم اے غافلو! میری بیان کردہ حقیقتوں سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بڑی چیز ہے۔ یعنی قرآن کریم۔ حضرت آدمؑ کے بارے میں فرشتوں کے درمیان جو کچھ اختلاف ہوا' اگر رب کی وحی میرے پاس نہ آئی ہوتی تو مجھے اس کی بابت کیا علم ہوتا؟ ابلیس کا آپ کو سجدہ کرنے سے منکر ہونا اور رب کے سامنے اس کی مخالفت کرنا اور اپنی بڑائی جتانا وغیرہ۔ ان سب باتوں کو میں کس طرح جان سکتا تھا؟

مسند احمد میں ہے کہ ایک دن صبح کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دیر کر دی۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر بہت جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ تکبیر کہی گئی اور آپ نے ہلکی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد ہم سے فرمایا: تھوڑی دیر ٹھہرے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ رات میں نماز تہجد پڑھ رہا تھا کہ مجھے اونگھ آنے لگی۔ یہاں تک کہ میں جاگا اور میں نے دیکھا کہ گویا اپنے رب کے پاس ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین عمدہ صورت میں دیکھا۔ مجھ سے جناب نے دریافت فرمایا: جانتے ہو' اس وقت عالم بالا کے فرشتے کس بارے میں گفتگو اور سوال و جواب کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا: میرے رب مجھے کیا خبر؟ تین مرتبہ کے سوال و جواب کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان اللہ عزوجل نے ہاتھ رکھا۔ یہاں تک کہ انگلیوں[1] کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ہر ایک چیز روشن ہو گئی۔ پھر مجھ سے سوال کیا۔ اب بتاؤ! ملاء اعلیٰ میں کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: گناہوں کے کفارے کی۔ فرمایا: تم بتاؤ پھر کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز با جماعت کے لئے قدم اٹھا کر جانا' نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھے رہنا اور دل کے نہ چاہنے[2] پر بھی کامل وضو کرنا۔ پھر مجھ سے میرے اللہ نے پوچھا: درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا' نرم کلامی اختیار کرنا اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوں' نماز پڑھنا اب مجھ سے میرے رب نے فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے۔ میں نے کہا میں نیکیوں کا کرنا' برائیوں کا چھوڑنا' مسکینوں سے محبت رکھنا اور تیری بخشش اور تیرا رحم اور جب تیرا ارادہ کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ہو تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے کی موت اور تیری محبت اور تجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت اور ان کاموں کی توفیق' جو تیری محبت سے قریب کرتے ہوں' مانگتا ہوں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سراسر حق ہے۔ اسے پڑھو پڑھاؤ۔ سیکھو سکھاؤ! یہ حدیث خواب کی ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ بیداری کی حالت کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ قرآن میں فرشتوں کی جس بات کا ردو بدل کرنا اس آیت میں مذکور ہے' وہ یہ نہیں جو اس حدیث میں ہے۔ بلکہ یہ سوال و جواب وہ ہے جس کا ذکر اس کے بعد ہی ہے۔ ملاحظہ ہوں اگلی آیتیں۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ

[1] یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ یقین اس پر رکھنا چاہئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کیسا ہے انگلیاں کیسی ہیں' کسی کو کچھ معلوم نہیں۔

[2] مثلاً سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا کتنا ناگوار گزرتا ہے۔

اِبۡلِيۡسَؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالۡحَـقُّ وَالۡحَـقَّ اَقُوۡلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾

جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں۔ سو میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف) سے جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا سو (جب اللہ نے اس کو بنالیا) تو سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی کیا تو غرور میں آ گیا (اور واقع میں بڑا نہیں ہے) یا یہ کہ تو (واقع میں ایسے) بڑے درجوں والوں میں ہے۔ کہنے لگا (شق ثانی واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل کیونکہ بے شک (اس حرکت سے) مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ارشاد ہوا کہ جب تو مہلت مانگتا ہے تو (جا) تجھ کو وقت معین کی تاریخ تک مہلت دی گئی کہنے لگا جب مجھ کو مہلت مل گئی ہے تو (مجھ کو بھی تیری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ آپ ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں سچ کہتا ہوں اور میں تو ہمیشہ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سے دوزخ کو بھر دوں گا ○

آدم و ابلیس:

یہ قصہ سورہ بقرہ میں اور سورہ اعراف میں اور سورہ حجر میں اور سورہ کہف میں اور اس سورہ صٓ میں بیان ہوا ہے۔ حضرت آدم کو پیدا کرنے سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا ارادہ بتایا کہ میں مٹی سے آدم کو پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اس کو پیدا کر دوں گا تو تم سب اسے سجدہ کرنا تا کہ میری فرمانبرداری کے ساتھ ہی حضرت آدم علیہ السلام کی شرافت اور بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے۔ پس تمام

فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی۔ ہاں ابلیس اس سے رکا۔ یہ فرشتوں کی جنس میں سے تھا بھی نہیں۔ بلکہ جنات میں سے تھا۔ طبعی خباثت اور جبلی سرکشی ظاہر ہوگئی۔

سوال ہوا کہ اتنی معزز مخلوق جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اسے تو نے میرے فرمان کے باوجود کیوں سجدہ نہ کیا؟ یہ تکبر اور یہ سرکشی؟ تو کہنے لگا کہ میں اس سے اعلیٰ و افضل ہوں۔ کہاں آگ اور کہاں مٹی؟ اس خطا کار نے اس کے سمجھنے میں غلطی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غارت ہوگیا۔ حکم ہوگیا کہ میرے سامنے سے علیحدہ ہو۔ میرے دربار میں تجھ جیسے نافرمانوں کی رسائی نہیں اب تو میری رحمت سے دور ہوگیا اور تجھ پر ابدی لعنت نازل ہوئی اور اب تو خیر وخوبی سے مایوس ہوجا۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ قیامت تک اس کو مہلت دی جائے۔ اس حلیم اللہ نے جو اپنی مخلوق کو ان کے گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتا۔ اس کی یہ التجا پوری کردی اور قیامت تک اسے مہلت دے دی۔ اب کہنے لگا: میں اس کی تمام اولاد کو بہکا دوں گا۔ صرف مخلص لوگ بچ جائیں گے۔

منظور اللہ بھی یہی تھا۔ جیسے کہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں بھی ہے مثلاً: ﴿اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۶۲) اور ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ﴾ (سورۂ حجر:۴۲) اور فَالْحَقُّ کو مجاہد نے پیش سے پڑھا۔ معنی یہ ہیں کہ میں خود حق ہوں اور میری بات بھی حق ہی ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں یوں مروی ہے کہ حق میری طرف سے ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں اوروں نے دونوں لفظ زبر سے پڑھے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں: یہ قسم ہے میں کہتا ہوں یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: ﴿وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ (سورۂ سجدہ:۱۳) یعنی میرا دل یہ قول اٹل ہے کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو اس قسم کے انسانوں سے اور جنوں سے پر کردوں گا اور جیسے فرمان ہے: ﴿اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۶۳) یہاں سے نکل جا جو شخص بھی تیری مانے گا اس کی اور تیری پوری سزا جہنم ہے۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۞۸۶ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞۸۷ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۞۸۸

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ کچھ بدلہ اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ یہ قرآن تو اللہ کا کلام اور بس دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت ہے اور تھوڑے دنوں پیچھے تم کو اس کا حال معلوم ہوجائے گا یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ حق تھا۔○

ایک اعلان:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں میں آپ اعلان کردیں کہ میں تبلیغ دین اور احکام قرآن پر تم سے کوئی اُجرت و بدلہ نہیں مانگتا۔ اس سے میرا مقصود کوئی دینوی نفع حاصل کرنا نہیں اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں کہ اللہ نے نازل نہ فرمایا اور میں تصنیف کرلوں۔ بلکہ مجھے تو جو کچھ پہنچتا ہے وہی میں تجھے پہنچا دیتا ہوں۔ نہ تو کچھ کمی کرسکتا ہوں نہ زیادتی اور میرا مقصود اس سے صرف رضائے رب اور مرضی مولیٰ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگو! جسے کسی مسئلہ کا علم ہو وہ اسے لوگوں سے بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو وہ کہہ دے کہ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی سے بھی یہی فرمایا ہے کہ میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کے لئے نصیحت ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (سورۂ انعام ۱۹) تا کہ میں تمہیں اور جن لوگوں تک پہنچے انہیں آگاہ اور ہوشیار کر دوں۔

آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ﴾ (سورۂ ہود: ۱۷) جو شخص بھی اس سے کفر کرے وہ جہنمی ہے۔ میری باتوں کی حقیقت اور میرے کلام کی تصدیق، میرے بیان کی سچائی، میری زبان کی صداقت تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گی۔ یعنی مرتے ہی اور قیامت قائم ہوتے ہی موت کے وقت کا یقین آ جائے گا اور میری کہی ہوئی باتیں اور خبریں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ واللہ اعلم بالصواب

سُوْرَةُ الزُّمَر

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۸ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۷۵۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزے اس طرح رکھتے چلے جاتے تھے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ ﷺ چھوڑیں گے ہی نہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ روزے نہ رکھتے۔ یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوتا کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ ﷺ سورہ بقرہ اور سورہ زمر کی تلاوت کیا کرتے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۀ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ سو آپ (قرآن کی تعلیم کے موافق) خالق اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہئے۔ یاد رکھو کہ عبادت جو (شرک) سے خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور شرکا تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں تو ان کے اور (ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو اگر (بالفرض) اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے ○

اصنام پرستوں کی خام خیالیاں:

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس کے حق میں ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ جیسے ایک دوسری جگہ ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۹۲) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے ''روح الامین'' لے کر آئے ہیں' تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والا بن جا۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جس کے آگے سے پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا۔ یہ حکمتوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب بہت بڑے عزت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ جو اپنے اقوال وافعال' شریعت وتقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہئے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں۔ وہ لاشریک ہے وہ بے مثال ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔

پھر مشرکوں کا ناپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر' ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے۔ یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کے لاڈلے ہیں ہمیں بھی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ۔ یعنی اے اللہ! ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ مگر ایسے شریک جن کا مالک بھی خود تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں' ان کا حقیقی مالک بھی تو ہی ہے۔ یہی شبہ اگلے اور پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا۔ جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ﴾ (سورۂ نحل: ۳۶) یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ﴾ (سورۂ انبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول' ہم نے بھیجے' سب کی طرف یہی وحی کی معبود برحق میں ہی ہوں۔ پس تم سب میری عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والا کیوں نہ ہوں؟ سب کے سب اس کے سامنے لاچار' عاجز اور غلام ہیں۔ اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہلا سکیں۔

یہ عقیدہ محض غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ (سورۂ نحل: ۷۴) اللہ تعالیٰ کے سامنے تم مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وبالا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اسکے اعمال کا بدلہ دے گا ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے۔ یہ نہیں بلکہ ہمارا ولی اور والی تو تو ہی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ وایمان انہی پر تھا۔ اللہ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصود اللہ پر جھوٹ' بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں' اس کی نشانیوں اور اسکی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے عقیدے کی نفی کی' جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے۔ مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے: عزیر اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے۔ اگر

یہی ہوتا تو امر اس کے خلاف ہوتا۔ پس یہاں شرط نہ تو واقعی ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا﴾ (سورۂ انبیاء:۱۷) اگر ہم ان بے ہودہ باتوں کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے۔ اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ (سورۂ زخرف ۸۱) یعنی کہہ دے کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہوئی' امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ وہ فرد احد صمد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت' فرمانبردار' عاجز' محتاج' فقیر و بے کس اور بے بس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے۔ سب سے بے پرواہ ہے۔ سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۞ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۞

اس نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ رات کی (ظلمت) کو دن (کی روشنی کے عمل یعنی ہوا) پر لپیٹتا ہے اور دن کی (روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے ایک سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے (کہ ان میں سے) ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے۔ اس نے تم لوگوں کو تن واحد (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور (بعد اس خدوث کے) تمہارے (نفع و بقا کے) لئے آٹھ نر و مادہ چارپایوں کے پیدا کئے۔ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے۔ تین تاریکیوں میں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں (سو ان دلائل کے بعد) تم کہاں حق سے پھرے جا رہے ہو ○

دلائل قدرت:

ہر چیز کا خالق' سب کا مالک' سب پر حکمران اور سب پر قابض اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دن رات کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلتے آ رہے ہیں۔ نہ یہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج اور چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن تک اس نظام میں کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت والا' کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشنے والا اور عاصیوں پر مہربان ہے۔ تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے۔ پھر دیکھو کہ تم میں آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ و صورت اور آواز و بول چال اور زبان بیان ہر ایک الگ الگ

ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہی ان کی بیوی حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو! اللہ سے ڈرو۔ جو تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے۔ اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے۔ جن کا بیان سورہ مائدہ کی آیت: ﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ﴾ میں ہے۔ یعنی بھیڑ بکری' اونٹ گائے' وہ تمہیں ماؤں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ جہاں تمہاری پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ' پھر خون بستہ' پھر لوتھڑا' پھر گوشت پوست' ہڈی' رگ' پٹھے' پھر روح' غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے۔ تین تین اندھیریوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری' اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیر اور پیٹ کی اندھیری۔ یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلے پچھلوں کو پیدا کیا ہے وہی رب ہے۔ اسی کا ملک ہے وہی سب میں متصرف ہے۔ وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری سمجھ اور عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرنے لگے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهٗ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۞ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ۞

اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ حاجتمند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا۔ سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ وہ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے اور (مشرک) آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اس کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت (امن و آسائش کی) عطا فرما دیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے (اللہ کو) پکار رہا تھا۔ اس کو بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کرتا ہے آپ ایسے شخص سے کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں اور لوٹ لے (پھر آخر کار تو) دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے ۞

کفر سخت ناپسندیدہ ہے:

فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان منقول ہے کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرلیں تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں۔ وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ ہے اور لائق تعریف ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے سب اول وآخر انسان وجن مل ملا کر بدترین شخص کا سا دل بنالو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کو شکرگزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضامند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو۔ ایک کے بدلے دوسرا نہ پکڑا جائے گا اور اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ انسان کو دیکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی اور انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۶۷) یعنی جب دریا اور سمندروں میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آئی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے سب کو بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔ انسان ہے ہی ناشکرا۔

پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد ٹل گیا' پھر تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اس دعا اور گریہ وزاری کو بالکل فراموش کر دیتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا﴾ (سورۂ یونس:۱۲) یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت بڑے حضورِ قلب کے ساتھ پکارتا رہتا ہے۔ لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے غافل ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے گو کچھ یونہی سا فائدہ اٹھالیں۔ اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ (سورۂ ابراہیم:۳۰) کہہ دے کہ فائدہ حاصل کر لو' آخری جگہ تو تمہاری جہنم ہی ہے اور فرمان ہے: ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ (سورۂ لقمان:۲۴) ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے۔ پھر سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید کر رہا ہو۔ آپ کہئے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں ○

مساوات کیسے؟

مطلب یہ ہے کہ جس کی حالت یہ ہو وہ مشرک کے برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿لَيْسُوا سَوَاءً﴾ (سورۂ آل عمران:۱۱۳) یعنی سب کے سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں' جو راتوں کے وقت قیام کی حالت میں آیاتِ خداوندی کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ قنوت سے مراد یہاں پر نماز کا خشوع وخضوع ہے' صرف قیام مراد نہیں ابن مسعودؓ سے قانت کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں۔

ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے: آنَاءَ اللَّيْلِ سے مراد آدھی رات ہے۔ منصور فرماتے ہیں: مراد مغرب وعشا کے درمیان کا وقت

ہے۔قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں: اوّل درمیانہ اور آخری شب مراد ہے یہ عابد لوگ ایک ایک طرف لرزاں وترساں ہیں۔ دوسری جانب اُمیدوار اور متوقع ہیں۔ نیک لوگوں پر نیک زندگی میں تو خوف اللہ امید پر غالب رہتا ہے۔ موت کے وقت خوف پر امید کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس اس کے انتقال کے وقت جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے عرض کیا: خوف اور اُمید کی حالت میں آپ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایسے وقت یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں۔اس کی امید اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اور اس کے خوف سے اسے نجات عطا فرماتا ہے۔(ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)

ابن عمرؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: یہ وصف تو حضرت عثمان میں تھا۔ فی الواقع آپ کے رات کے وقت بکثرت تہجد پڑھتے رہتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی لمبی قراءت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔ جیسے کہ ابوعبیدہ سے مروی ہے۔ شاعر کہتا ہے صبح کے وقت ان کے چہرے نور کے سبب سے چمکدار ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تسبیح وتلاوت قرآن میں رات گزاری ہے۔ نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں۔ اس کے نامۂ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے۔(مسند وغیرہ) پس ایسے لوگ اور مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں کسی طرح ایک مرتبے کے نہیں ہو سکتے۔ عالم اور بے علم کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر عقلمند پر ان کا فرق ظاہر ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫

آپ (مؤمنین کو میری طرف سے) کہیے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے مستقل مزاج والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لئے خاص رکھوں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اوّل میں ہوں ○

جائے اللہ تنگ نیست:

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو اپنے رب کی اطاعت پر قائم رہنے کا اور ہر امر میں اس کی پاک ذات کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے کہ جس نے اس دنیا میں نیکی کی اس کو اس دنیا میں اور آنے والی آخرت میں نیکی ہی نیکی ملے گی۔ تم اگر ایک جگہ اللہ کی عبادت استقلال سے نہ کر سکو تو دوسری جگہ چلے جاؤ۔ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ معصیت سے بھاگتے رہو۔ شرک کو منظور نہ کرو۔ صابروں کو بے ناپ تول اور بے حساب کتاب اُجر ملتا ہے۔ جنت اسی کا مسکن ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کا حکم ملا ہے اور مجھ سے یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اپنی تمام اُمت سے پہلے میں خود مسلمان ہو جاؤں اور خود کو اپنے رب کا فرمانبردار اور اس کے احکام کا پابند بنا لوں۔

قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ

دِيْنِيْ ﴿١٤﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١٥﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿١٦﴾

آپ بھی کہہ دیجئے اگر (بالفرضِ محال) میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کے لئے خاص رکھتا ہوں۔ سو اللہ کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اس کی عبادت کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے ہیں۔ یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہ ہے۔ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے شعلے ہوں گے۔ یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو ○

بڑا دن:

حکم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں' لیکن عذاب الٰہی سے بے خوف نہیں ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن عذاب سے میں بھی بچ نہیں سکتا۔ تو دوسرے لوگوں کو نافرمانی رب سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہئے۔ تم اپنے دین کا بھی اعلان کر دو کہ میں پختہ اور یکسوئی والا موحد ہوں۔ تم جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔ اس میں بھی ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ کہ اجازت۔ پورے نقصان میں وہ ہیں۔ جنہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو نقصان میں پھنسا دیا۔ قیامت کے دن ان میں جدائی ہو جائے گی اگر ان کے متعلقین جنت میں گئے تو یہ دوزخ میں جل رہے ہیں اور ان سے الگ ہیں اور اگر سب جہنم میں گئے تو وہاں برائی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہیں اور پریشان اور مغموم ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔

پھر جو جہنم میں ہوگا۔ اس کا حال بیان ہو رہا ہے کہ اوپر تلے سے آگ ہی آگ ہوگی۔ جیسے فرمایا: ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۴۱) یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آتش جہنم سے ہی ہوگا۔ ظالموں کا یہی بدلہ ہے اور آیت میں ﴿يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ﴾ (سورۂ عنکبوت: ۵۵) قیامت والے دن انہیں نیچے اوپر سے عذاب ہو رہا ہوگا اور اوپر سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو! یہ اس لئے ظاہر و باہر کر دیا گیا اور کھول کھول کر اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس حقیقی عذاب سے جو یقیناً آنے والا ہے۔ میرے عذاب و غضب سے اور میرے انتقام و حساب سے ڈرتے رہو۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (مراد غیر اللہ کی عبادت ہے) اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں اور پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں ○

جو محفوظ رہے:

منقول ہے کہ یہ زید بن عمرو بن نفیل اور ابو ذر اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اتری ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جس طرح ان بزرگوں کے بارے میں ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کو شامل ہے جس میں یہ پاک اوصاف ہیں۔ یعنی اللہ کے سوا سب سے بیزاری اور اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ ہیں جن کے لئے دونوں جہان میں خوشیاں ہیں۔ بات سمجھ کر سن کر جب وہ اچھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے مستحق مبارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا فرمانے کے وقت فرمایا تھا۔ اسے مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھائی کو مضبوط تھام لو عقلمند اور نیک روش لوگوں میں بھلی باتوں کے قبول کرنے کا صحیح جذبہ ضرور ہوتا ہے۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

بھلا جس شخص پر عذاب کی (ازلی تقدیری) بات محقق ہو چکی تو آپ ایسے شخص کو جو کہ (علم الٰہی میں) دوزخ میں سے چھڑا سکتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے (جنت کے) بالا خانے ہیں (اور) جن کے اوپر بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (اور) اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا ○

وہ بدقسمت:

فرماتا ہے کہ جس کی بدبختی لکھی جا چکی ہے تو اسے راہ راست نہیں دکھاتا۔ کون ہے جو اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو راہ راست دکھا سکتے ہیں۔ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ان کی رہبری کر کے انہیں عذاب اللہ سے بچا سکے۔ ہاں نیک بخت لوگ نیک اعمال اور نیک عقیدہ لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے۔ ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں، تمام سامان آرائش سے آراستہ ہیں۔ وسیع اور بلند، خوبصورت اور دیدہ زیب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنت میں ایسے محل ہیں، جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے زیادہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا: ان کے لئے جو نرم کلامی کریں۔ کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں تو یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائیں، نماز پڑھیں۔ (ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں فرمانِ رسول ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے۔ جو کھانا کھلائیں[1] کلام کو نرم رکھیں، پے در پے نفل روزے بکثرت رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے جنتی جنت کے بالا خانوں کی اس طرح دیکھیں گے۔ جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو اور روایت میں ہے مشرقی اور مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے رسول اللہؐ سے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دینوی کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری حالت یہ نہیں رہتی۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم ہر وقت اسی حالت پر رہتے جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ بخشے۔ ہم نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کی بنا کس چیز کی ہے۔ فرمایا کہ ایک اونٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے اور اس کی کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا وہ مالا مال ہو گیا جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا۔ وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں۔ نہ موت کا کھٹکا ہے ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں۔ ان کی جوانی ہیشگی والی ہے۔ سنو! تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ، روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا۔ اگرچہ مدت بعد ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ بھی ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں۔ جب اور جتنا چاہیں۔ بہاؤ رہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے مؤمن بندوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ ... تَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَ... ...حَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ ...مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

...لہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ...س کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ اس کو تو زرد دیکھتا ...عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے

...ہے بلکہ حسن معاشرت کو عبادت پر مقدم بھی کر دیا۔
...کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دنیا اور آخرت میں ظہور چاہتی ہیں۔ سو ان کی

اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور پر ہے (کیا وہ شخص اور قساوت برابر ہیں) سو جن لوگوں کے دل ذکر سے متاثر نہیں ہوتے' ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

آبِ حیات:

زمین میں جو پانی ہے درحقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پس حسب حاجت کسی سوت سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھاری ہو جاتا ہے وہ کھاری ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں میں جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ جذب کر لیتے ہیں اور پھر ان میں سے سوتیں بہہ نکلتیں ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی طرح طرح کے مزے اور شکل وصورت کی ہوتی ہیں پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردی سے بدل جاتی ہے۔ پھر خشک ہو جاتی ہیں اور کاٹ لی جاتی ہیں۔ اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت و نصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے کہ آج جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ کل بڑھیا اور بدشکل ہو جائے گی۔ آج ایک شخص نوجوان طاقتور ہے۔ کل وہی بوڑھا بدشکل اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقل مند انجام پر نظر رکھیں۔ بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ جیسے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (سورۂ کہف: ۴۵) میں فرماتا ہے: جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور جس نے رب کے پاس نور پا لیا وہ اور سخت سینے والا' تنگ دِل والا برابر ہو سکتا ہے؟ حق پر قائم اور حق سے دُور یکساں ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا﴾ (سورۂ انعام: ۱۲۲) وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اسے جلا دیا اور اسے نور عطا فرمایا: جسے اپنے ساتھ لئے ہوئے لوگوں میں پھر رہا ہے۔ یہ اور وہ جو اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے۔ جن سے چھٹکارا محال ہے۔ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس یہاں بھی نتیجہ بیان فرمایا کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے احکام اللہ کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے۔ رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگ دل اور سخت دل ہیں۔ ان کے لئے ویل ہے خرابی اور افسوس وحسرت ہے۔ یہ بالکل گمراہ ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں ○

پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے جنتی جنت کے بالا خانوں کی اس طرح دیکھیں گے۔ جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو اور روایت میں ہے مشرقی اور مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے رسول اللہؐ سے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دینوی کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری حالت یہ نہیں رہتی۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم ہر وقت اسی حالت پر رہتے جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ بخشے۔ ہم نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کی بنا کس چیز کی ہے۔ فرمایا کہ ایک اونٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے اور اس کی کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا وہ مالا مال ہو گیا جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا۔ وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں۔ نہ موت کا کھٹکا ہے ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں۔ ان کی جوانی ہمیشگی والی ہے۔ سنو! میں شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا۔ اگرچہ مدت بعد ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ بھی ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں۔ جب اور جتنا چاہیں۔ بہا ور ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے مؤمن بندوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اس (بات) پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے۔ جب وہ ابلتا ہے اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے

۱ قابل غور ہے یہ حدیث اسلام میں عبادات کے ساتھ حسن اخلاق کو کتنی اہمیت حاصل ہے بلکہ حسن معاشرت کو عبادات پر مقدم بھی کر دیا۔

۲ حدیث میں معاذ اللہ ترغیب گناہ نہیں بلکہ ترغیب استغفار ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دنیا اور آخرت میں ظہور چاہتی ہیں۔ سو ان کی ایک عظیم صفت گناہوں کو معاف کر دینا بھی ہے انسان گناہ کرتا ہے اور وہ معاف کرتے ہیں۔

اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور پر ہے (کیا وہ شخص اور قساوت برابر ہیں) سو جن لوگوں کے دل ذکر سے متاثر نہیں ہوتے' ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ○

آبِ حیات:

زمین میں جو پانی ہے در حقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پس حسب حاجت کسی سوت سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھاری ہو جاتا ہے وہ کھاری ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں میں جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ جذب کر لیتے ہیں اور پھر ان میں سے سوتیں بہہ نکلتیں ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی طرح طرح کے مزے اور شکل وصورت کی ہوتی ہیں پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردی سے بدل جاتی ہے۔ پھر خشک ہو جاتی ہیں اور کاٹ لی جاتی ہیں۔ اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت و نصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے کہ آج جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ کل بڑھیا اور بدشکل ہو جائے گی۔ آج ایک شخص نوجوان طاقتور ہے۔ کل وہی بوڑھا بدشکل اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقل مند انجام پر نظر رکھیں۔ بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ جیسے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (سورۂ کہف: ۴۵) میں فرماتا ہے: جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور جس نے رب کے پاس نور پالیا وہ اور سخت سینے والا' تنگ دِل والا برابر ہو سکتا ہے؟ حق پر قائم اور حق سے دُور یکساں ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا﴾ (سورۂ انعام: ۱۲۲) وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اسے جلا دیا اور اسے نور عطا رمایا: جسے اپنے ساتھ لئے ہوئے لوگوں میں پھر رہا ہے۔ یہ اور وہ جو اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے۔ جن سے چھٹکارا محال ہے۔ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس یہاں بھی نتیجہ بیان فرمایا کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے احکام اللہ کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے۔ رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگ دل اور سخت دل ہیں۔ ان کے لئے ویل ہے خرابی اور افسوس وحسرت ہے۔ یہ بالکل گمراہ ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں ○

ایک بہترین بات:

اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہے اور جس کی آیتیں مکرر ہیں۔ تاکہ فہم سے قریب تر ہو جائیں۔ ایک آیت دوسری کے متشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جائے۔ اس سورت کی آیتیں اس سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی' ایک ہی بات اور ایک ہی ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بے اختلاف بعض آیتیں ایک ہی بیان میں' بعض میں جو مذکور ہے اس کی ضد کا ذکر بھی انہیں کے ساتھ ہے۔ مثلاً مؤمنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر۔ جنت کے ساتھ دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ ہی تذکرۂ جہنم ہے۔ یہی معنی ہیں مثانی کے اور متشابہات ان آیتوں کو کہتے ہیں جو ایک قسم کے ذکر میں متصل چلی جاتی ہیں۔ یہاں اس لفظ کے جو معنی ہیں وہ تو یہ ہیں اور ﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ (سورۂ آل عمران:۷) میں اور ہی معنی ہیں۔ اس کی پاک اور با اثر آیتوں کا مؤمنوں کے دل پر نور پڑتا ہے۔ وہ انہیں سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں سزاؤں اور دھمکیوں کو سن کر ان کا کلیجہ کپکپانے لگتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انتہائی عاجزی اور بہت بڑی گریہ وزاری سے ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اس کی رحمت ولطف پر نظریں ڈال کر امیدیں بندھ جاتی ہیں۔ پس ان سیاہ دلوں سے بالکل جدا گانہ ہے۔ یہ رب کے کلام کو نیکوں سے سنتے ہیں۔ وہ گانے بجانے پر سر دھنتے ہیں۔ یہ لوگ قرآنی آیات کے ذریعے اپنے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کرتے ہیں۔ مگر جن کے دلوں میں روگ ہے وہ آیات قرآنیہ کو سن کر مزید کفر کے زینے پر چڑھتے ہیں۔ یہ روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے ہیں وہ مذاق اڑاتے ہوئے اکڑتے ہیں۔ قرآن کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (سورۂ انفال:۲) یعنی یاد اللہ مؤمنوں کے دِلوں کو دہلا دیتی ہے وہ ایمان توکل میں بڑھ جاتے ہیں۔ نماز زکوٰۃ و خیرات کا خیال رکھتے ہیں۔ سچے با ایمان یہی ہیں۔ درجات مغفرت اور بہترین روزیاں یہی لوگ پائیں گے اور آیت میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا﴾ (سورۂ فرقان:۷۳) یعنی بھلے لوگ آیات قرآنیہ کو بہروں اور اندھوں کی طرح نہیں سنتے پڑھتے کہ ان کی طرف نہ توجہ ہو نہ ارادہ عمل ہو۔ بلکہ یہ کان لگا کر سنتے ہیں اور دِل لگا کر سمجھتے ہیں۔ غور وفکر سے معانی اور مطلب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اب توفیق ہاتھ آتی ہے۔ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور تعمیل کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خود اپنی سمجھ سے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی جہالت میں پڑے نہیں رہتے تیسرا وصف ان میں برخلاف دوسروں کے یہ ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت باادب رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سن کر صحابہ کرام کے جسم وروح ذکر اللہ کی طرف جھک جاتے تھے ان میں خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ نہ تھا کہ چیخنے چلانے اور ہڑبونگ کرنے لگیں اور صوفیت جتائیں۔ بلکہ ثبات وسکون ادب اور خشیت کے ساتھ کلام اللہ سنتے' دِل جمعی اور سکون حاصل کرتے۔ اس وجہ سے مستحق تعریف اور سزاوار توصیف ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

عبدالرزاق میں ہے کہ قتادہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی صفت یہ ہے کہ قرآن سن کر دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف جھک جائیں' انکے دل ڈر جائیں' انکی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ عقل جاتی رہے' عجیب کیفیت طاری ہو جائے' نیک و بد کا ہوش نہ رہے۔ یہ بدعت کے افعال ہیں کہ ہا ہو کرنے لگتے ہیں' کودتے اچھلتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکت ہے۔ ذکر اللہ سے مراد وعدۂ اللہ بھی بیان کیا گیا ہے پھر فرماتا ہے: یہ ہیں صفتیں ان لوگوں کی' جنہیں اللہ نے ہدایت دی

ہے۔ انکے خلاف جنہیں پاؤ' سمجھ لو کہ اللہ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور یقین رکھو کہ رب جن کو ہدایت نہ دینا چاہے۔ انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

بھلا وہ شخص جو اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت کی بناد ے گا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اس کا مزہ چکھو تو کیا یہ (معذب) اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے انہوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا ان پر (اللہ کا) عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں بھی رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا (سخت) ہے۔ کاش یہ لوگ نہیں جانتے ○

غیر متوقع عذاب:

ایک وہ جنہیں ہنگامہ خیز دن میں امن امان حاصل ہو۔ ایک وہ جسے اپنے منہ پر عذاب کے تھپڑ کھانے پڑتے ہوں' برابر ہو سکتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰي وَجْهِهٖٓ﴾ (سورۂ ملک: ۲۲) اوندھے منہ' منہ کے بل چلنے والا اور راست قامت اپنے پیروں سیدھی راہ چلنے والا برابر نہیں۔ ان کفار کو تو قیامت کے دن اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آگ کا مزہ چکھو اور آیت میں ہے: ﴿اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (سورۂ فصلت: ۴۰) جہنم میں داخل کیا جانے والا بدنصیب اچھا یا امن و امان سے قیامت کا دن گزارنے والا اچھا؟ یہاں اس آیت کا بھی مطلب یہی ہے لیکن ایک قسم کا ذکر کر کے دوسری قسم کے بیان کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ اسی سے وہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ بات شعراء کے کلام میں بھی برابر پائی جاتی ہے۔ پہلے لوگوں نے بھی اللہ کی باتوں کو نہ مانا تھا اور رسولوں کو جھوٹا کہا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان پر کس طرح ان کی بے خبری میں عذاب آیا۔ اللہ کے عذاب نے ان کو دنیا میں ذلیل و خوار کیا اور آخرت کے عذاب بھی ان کے لئے باقی ہیں۔ پس تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ اشرف رسل کے ستانے اور نہ ماننے کی وجہ سے تم پر کہیں ان سے بھی بدتر عذاب برس نہ پڑیں۔ تم اگر ذی علم ہو تو ان کے حالات اور تذکرے تمہاری نصیحت کے لئے کافی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ

شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے لوگوں کی (ہدایت) کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ جسکی کیفیت یہ ہے کہ وہ عربی قرآن ہے جس میں ذرا کجی نہیں (اور) تاکہ یہ لوگ ڈریں۔ اللہ تعالیٰ نے (موحد و مشرک کے بارے میں) ایک مثال فرمائی کہ ایک شخص (غلام ہے) جس میں کئی ساجھی ہیں۔ جن میں باہم وضدی (بھی) ہے اور ایک شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے الحمدللہ بلکہ (قبول تو کیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے (اس وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا) ○

سمجھانے کے لئے:

چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ (سورۂ روم: ۲۸) اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں، جنہیں تم خود اپنے آپس میں اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو اور آیت میں ہے: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ عنکبوت: ۴۳) ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔ جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں۔ واضح دلیلیں درج کی گئی ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے پڑھ سن کر لوگ اپنا بچاؤ کر لیں۔ اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں محنت کریں۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ موحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام جس کے بہت سارے آقا ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو۔ اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی ہی عبادت کرتا ہے اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں۔ ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں۔ کہاں یہ مخلص موحد؟ کہاں یہ دربدر ٹھوکریں کھانے والا مشرک؟ اس ظاہر باہر روشن اور صاف مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہئے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ حقیقت بالکل عیاں ہو گئی۔ شرک کی بدی اور توحید کی خوبی اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی۔ اب رب کے ساتھ وہی لوگ شرک کریں گے جو جاہل ہوں۔ جن میں سمجھ بوجھ بالکل ہی نہ ہو۔ اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ (آل عمران: ۱۴۴) کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتلایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ آپ کا کلام سن کر سب کو یقین ہو گیا تھا۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں۔ وہاں اللہ مشرکوں اور موحدوں میں

صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے اچھے فیصلے کرنے والا اور اس نے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان اخلاص اور توحید و سنت والے نجات پائیں گے۔ شرک و کفر انکار و تکذیب کرنے والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا' قیامت کے روز وہ خدائے عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہو گا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے طے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! یقیناً۔ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: پھر تو سخت مشکل ہے۔ (ابن ابی حاتم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ (سورۂ تکاثر: ۸) یعنی پھر اس دن تم سے اللہ نعمتوں کا سوال کرے گا۔ اس کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کونسی نعمتیں ہیں' جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا۔ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارا کر رہے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا: اب نہیں ہیں تو کیا؟ عنقریب بہت سی نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام نے آیت: اِنَّكَ مَيِّتٌ ...... کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت کو دہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہو گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ دہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو یہ سن کر آپ نے عرض کیا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس جھگڑے پیش ہوں[1] گے اور حدیث میں ہے' اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہونگی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارا ہو گا انکا بدلہ بھی دلوایا جائیگا۔ (مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کرے گا۔

بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنا دو۔ اس حدیث کے ایک راوی اغلب بن تمیم کا حافظہ جیسا چاہئے ویسا نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ہر سچا جھوٹے سے' ہر مظلوم ظالم سے' ہر ہدایت یافتہ گمراہی میں مبتلا ہونے والے سے' ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔ ابن ابی مندہؒ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے۔ یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہو گا تو روح جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا: ساری تمنا اور شرارت تیری ہی تھی۔

ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا وہ کہے گا؟ سنو! ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پاؤں سلامت ہیں' چلتا پھرتا ہے۔ یہ دونوں ایک باغ میں ہیں' لنگڑا اندھے سے کہتا ہے۔ بھائی

[1] یعنی عبادات میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہو گا اور معاملات میں سب سے پڑوسی کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔ یہ ہے پڑوسی کا حق اسلام میں احمق مسلمانوں کو فرقہ پرست کہتے ہیں' حالانکہ ان کے یہاں اس طرح کے حقوق کی کوئی رعایت نہیں۔

یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ لیکن میرے تو پاؤں نہیں کہ میں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں۔ اندھا جواب دیتا ہے: آؤ میرے پاؤں میں، میں تجھے اپنی چڈھی پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور خوب مرضی کے مطابق پھل توڑے۔ بتلاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم اور روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔

فرشتہ کہتا ہے: بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں۔ پھر آخر روزِ قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے اور ابن زیدؒ سے منقول ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فی الواقع یہ آیت عام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو (یعنی قرآن کو) جبکہ وہ اس کے پاس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچی) جھٹلا دے کیا (قیامت کے دن) جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانہ نہ ہوگا؟ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا کہ) وہ کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے نیک کاروں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کرے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے O

ظلم اور قساوت کی ہمہ گیر سازش:

مشرکین نے اللہ پر بہت جھوٹ بولا تھا اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے۔ کبھی اس کے ساتھ دوسرے معبود بتلاتے تھے۔ کبھی فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں شمار کرنے لگتے تھے۔ کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ تمام عیوب سے اس کی بلند و بالا ذات پاک اور برتر تھی۔ ساتھ ہی ان میں دوسری عادت یہ تھی کہ جو حق انبیا علیہم السلام کی زبانی خداوندی تعالیٰ نازل فرماتا ہے یہ اسے بھی جھٹلاتے تھے۔ پس فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ پھر جو سزا انہیں ہونی ہے اس سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ جو مرتے دم تک انکار و تکذیب پر ہی رہیں[1]۔

ان کی بری عادتوں اور سزا کا ذکر کر کے پھر مومنوں کی نیک خو اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقرار کرنے والا ہو۔ اور تمام انبیا علیہم اور ان کے ماننے والی مسلمان امت یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے اور اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا تھا' اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہ وصف تمام ایمانداروں کا تھا کہ وہ خدا پر فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھتے تھے۔

ربیع بن انسؒ کی قراءت میں وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالصِّدْقِ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پرہیزگار اور پارسا ہیں' جو خدا سے ڈرتے رہے اور

[1] محققین سوفیا نے کہا ہے کہ آیت الفاظ کے عام ہونے کی بنا پر ان پر بھی حاوی اور شامل ہے جو دلالت کا غلط دعویٰ کرتے ہیں اور شریعت سے بے اعتنائی کرتے ہوئے شریعت کو محض ایک چھلکا قرار دیتے ہیں۔

شرک کفر سے بچتے رہے۔ان کے لئے جنت میں جو چاہیں سب کچھ ہے۔جب طلب کریں گے پائیں گے یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا خداوند تعالیٰ ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔جیسے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا﴾ (سورۂ احقاف:۱۶) یہ وہ لوگ ہیں' جن کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں اور جن کی برائیوں سے درگزر فرما لیتے ہیں[1]۔ یہ لوگ جنتوں میں رہیں گے۔انہیں بالکل سچا اور صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٤٠﴾

کیا اللہ اپنے بندۂ خاص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے لئے کافی نہیں اور یہ لوگ آپ کو (ان جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں۔جو اللہ کے سوا تجویز کر رکھے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے آپ (ان سے) کہیے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ اللہ کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہچانا چاہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت روک سکتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے اللہ کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا○

[1] اس آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جس سے غفلت نہ کیجئے۔یہ بات تو طے ہے کہ نیکوکاروں کو اپنے حسن عمل کی اچھی جزا یقیناً ملے گی۔لیکن اشارہ اس طرف بھی آیت کا ہے کہ اہل تقویٰ بھی معاصی سے خالی نہیں۔رد ہے ان کا جو اپنے مشائخ اور بزرگوں کو ہر قسم کے گناہوں سے منزہ سمجھتے ہیں اور تردید ہے ان ناداں فرقوں کی بھی جو ذرا سی غلطی اور گناہ پر مسلمانوں کو دائرہ ایمان ہی سے خارج کئے دیتے ہیں۔

وہ کارساز:

ایک قراءت میں اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عِبَادَهٗ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو کافی ہے۔ اسی پر ہر شخص کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے نجات پالی' جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت نصیب ہوئی۔ (ترمذی وغیرہ) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ تجھے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں یہ ان کی جہالت وضلالت ہے اور اللہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ جس طرح اللہ کے راہ دکھائے ہوئے شخص کو کوئی بہکا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ بلند جناب والا ہے۔ اس پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور اس کی طرف جھک جانے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ اس سے بڑھ کر عزت والا کوئی نہیں۔

اسی طرح اس سے بڑھ کر انتقام پر قادر بھی کوئی نہیں جو لوگ اس کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں' اس کے رسولوں سے لڑتے بھڑتے ہیں۔ یقیناً وہ انہیں سخت سزائیں دے گا۔ مشرکین کی اور جہالت بیان ہو رہی ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کو خالق کل ماننے کے پھر بھی معبودانِ باطل کی پرستش کرتے ہیں۔ جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ جنہیں کسی امر کا کوئی اختیار نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ تو اسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا۔ آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ سختی کے وقت وہ تجھے کام آئے گا۔ جب کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اس سے مدد طلب کر۔ یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو وہ سب تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور سب جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو۔ تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے' قلمیں اٹھالی گئیں[1]۔ یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول رہا کر۔ تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں۔ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ غم ورنج کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے۔ ہر سختی اپنے اندر آسانی کو لئے ہوئے ہے (ابن ابی حاتم) تو کہہ دے مجھے اللہ بس ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا تھا۔ جب انہوں نے کہا تھا کہ اے ہود! ہمارا خیال یہ ہے کہ تمہیں ہمارے کسی معبود نے کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔

تو آپ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے معبودان باطل سے بیزار ہوں۔ تم سب مل کر میرے ساتھ جو داؤ گھات تم سے ہو سکتے ہیں' سب کرلو اور مجھے مطلق مہلت نہ دو۔ سنو! میرا توکل میرے رب پر ہے جو در اصل تم سب کا بھی رب ہے۔ روئے زمین پر جتنے چلنے پھرنے والے ہیں سب کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں[2]۔ میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ قوی ہونا چاہتا ہے وہ اللہ پر بھروسہ کرے اور جو سب سے زیادہ غنی ہونا چاہے وہ اس چیز پر اللہ کے ہاتھ میں ہے' زیادہ اعتماد رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور جو سب سے زیادہ بزرگ ہونا چاہے وہ اللہ عزوجل سے روتا رہے (ابن ابی حاتم) پھر مشرکین کو ڈانٹتے ہوئے فرماتا ہے کہ اچھا تم اپنے طریقے پر عمل کرتے چلے جاؤ میں اپنے طریقے پر عامل ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ذلیل وخوار کون ہوتا؟ دار آخرت کے دائمی عذاب میں گرفتار کون ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

---

[1] یعنی تمہاری زندگی کی پوری مدت ایک ایک جزئی واقعہ کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔ نہ اب اس میں کچھ تفسیر اور نہ امکان تبدیلی کا پھر تشویش کیسی؟ اور غم کیوں؟
[2] یعنی اس کے قبضہ قدرت میں ہے چوٹیاں ہاتھ میں ہونا ایک محاورہ ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰىٓ إِلٰىٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے) لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے پس جو شخص راہ راست پر آئے گا تو اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال) اس پر پڑے گا اور آپ ان پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کئے گئے۔ اللہ ہی قبض (یعنی معطل) کرتا ہے (ان) جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی اور ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں ○

ایک کتاب جس کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ رب العزت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھ پر اس قرآن کو سچائی کے ساتھ تمام جن وانس کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس کے فرمان کو مان کر راہ راست حاصل کرنے والے اپنا ہی نفع کریں گے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی دوسری غلط راہوں پر چلنے والے اپنا ہی بگاڑیں گے۔ تو اس کا ذمہ دار نہیں کہ خواہ مخواہ ہر شخص اسے مان ہی لے۔ تیرے ذمے صرف اس کا پہنچا دینا ہے۔ حساب لینے والے ہم ہیں۔ ہم ہر موجود میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں' وفات کبریٰ جس میں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے انسان کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وفات صغریٰ جو نیند کے وقت ہوتی ہے' ہمارے ہی قبضے میں ہے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ﴾ (سورۂ انعام: ۶۰) یعنی وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو' جانتا ہے۔ پھر تمہیں دن میں اٹھا تا بٹھاتا ہے تاکہ مقرر کیا ہوا وقت پورا کر دیا جائے پھر تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ وہی سب اپنے بندوں پر غالب ہے۔ وہی تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے تاوقتیکہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ تقصیر اور کمی نہیں کرتے۔

پس ان دونوں آیتوں میں بھی یہی ذکر ہوا ہے۔ پہلے چھوٹی موت کو پھر بڑی موت کو بیان فرمایا۔ یہاں پہلے بڑی وفات کو پھر چھوٹی وفات کو ذکر کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں یہ روحیں جمع ہوتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بسترے پر سونے کے خیال سے جائے۔ تو اپنے تہبند کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے۔ اس لئے کہ نہ جانے کہ اس پر کیا کچھ ہو؟ پھر یہ دعا پڑھے: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصّٰلِحِينَ ۔ یعنی اے میرے پالنے والے! تیرے ہی پاک نام کی برکت سے میں لیٹا ہوں اور تیری رحمت سے میں جاگوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج

دے تو اس کی ایسی حفاظت کرنا جیسی تو اپنے نیک بندوں کی کرتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ مردوں کی روحیں جب کہ وہ مریں اور زندوں کی روحیں[1] جب کہ وہ سوئیں، قبض کر لی جاتی ہیں اور ان میں آپس میں تعارف ہوتا ہے، جب تک اللہ چاہے پھر مردوں کی روحیں تو روک لی جاتی ہیں اور دوسری روحیں مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں[2]۔ یعنی مرنے کے بعد تک۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور زندوں کی روحیں واپس بھیج دیتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ غور و فکر کے جو عادی ہیں، وہ اسی ایک بات میں قدرت اللہ تعالیٰ کے بہت سے دلائل پا لیتے ہیں۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾

ہاں کیا ان (مشرک) لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے اگر چہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی غم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔ تمام انسانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور جب فقط اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں ○

گھڑے ہوئے خدا:

اللہ تعالیٰ مشرکوں کی مذمت بیان فرماتا ہے کہ وہ بتوں کو اور معبودانِ باطل کو اپنا سفارشی اور شفیع سمجھے بیٹھے ہیں۔ جس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت اور دراصل انہیں نہ کچھ اختیار ہے نہ عقل و شعور ہے نہ ان کی آنکھیں ہیں نہ ان کے کان۔ وہ تو پتھر اور جمادات ہیں جو حیوانوں سے بہ درجہا بدتر ہیں۔ اس لئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان سے کہہ دو کوئی نہیں جو اللہ کے سامنے لب ہلا سکے آواز اٹھا سکے۔ جب تک اس کی مرضی نہ پا لے اور اجازت حاصل نہ کر لے۔ ساری شفاعتوں کا مالک وہی ہے۔ زمین و آسمان کا مالک اور

[1] نفس روح کے ہم معنی ایک چیز ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک نفس حیاتی دوسرے نفس شعوری جیسا کہ معالم التنزیل میں ہے کہ لکل انسان نفسان احدهما نفس الحياة وهى تفارقه عند الموت تنزول بزوالها الهاالنفس والاكرى نفس التميز دهى التى تفارقه اذا نامروهو بعد النوع يتنفس فرق بس اتنا ہے کہ سونے کے وقت روح کا سبب ناقص ہوتا ہے اور موت کے وقت سبب کا عمل نہایت مکمل طور پر کیا جاتا ہے۔ جسکے بعد زندگی ہی ختم ہو جاتی ہے۔

[2] مدارک نے حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل روح تو سونے کے وقت بھی انسان سے جدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب کا شعاعی تعلق زمین سے کروڑوں میل دور رہنے کے باوجود قائم رہتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے انسان خواب وغیرہ دیکھتا رہتا ہے اور جب جاگتا ہے تو یہ روح آناً فاناً اس کے جسم میں واپس آ جاتی ہے۔ ابن عباسؓ کا بھی ایک ایسا ہی قول مدارک میں موجود ہے۔

بادشاہ تنہا وہی ہے۔ قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس دن وہ عدل کے ساتھ تم سب میں سچے فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ توحید کا کلمہ سننا انہیں ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ اس کا سننا بھی انہیں پسند نہیں۔ ان کا دل اس میں نہیں لگتا۔ کفر و تکبر انہیں روک دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (سورۂ صافات: ۳۵) یعنی جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور ماننے سے جی چراتے تھے۔ چونکہ ان کے دل حق سے منکر ہیں۔ اس لئے باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ جہاں بتوں کا اور دوسرے خداؤں کا ذکر آیا کہ ان کی باچھیں کھل گئیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

آپ کہیے کہ اللہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور اگر ظلم (یعنی شرک و کفر) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تامل) ان کو دینے لگیں اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور (اس وقت) ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس عذاب کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا ○

خالقِ کائنات:

مشرکین کو توحید سے جو نفرت اور شرک سے جو محبت ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبی سے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ فرماتا ہے کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ واحد احد کو ہی پکاریئے جو آسمان و زمین کا خالق ہے[1] اور اس وقت اس نے پیدا کیا ہے جب کہ یہ معدوم محض تھے اور ان کا کوئی نمونہ بھی نہ تھا۔ وہ ظاہر و باطن، چھپے کھلے کا جاننے والا ہے۔ یہ لوگ جو اختلاف اپنے آپس میں کرتے تھے سب کا فیصلہ اس دن

[1] نہایت بلیغانہ انداز میں ان تمام بنیادی حقیقتوں کو آیت میں سمیٹ لیا گیا جن کی بنا پر انسان کو معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہونا چاہئے۔ کائنات کی تخلیق کو صرف اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ اس حقیقت (فاطر السمٰوٰت والارض) کی طرف اشارہ کیا۔ علم کامل کو اپنا مخصوص حصہ قرار دیا اور اس کی طرف اشارہ عالم الغیب والشہادۃ سے کیا اور حاکمیت روز ازل کی اپنے ہی لئے مخصوص فرمائی۔ اس حقیقت کو ظاہر انت تحکم ...... سے فرمایا گیا۔ بس معبود ہونے کے لئے یہ تین حقائق مطلوب تھے۔ جن کو کمال بلاغت سے مختصر اور اچھوتے انداز سے بیان کر دیا گیا۔

ہوگا۔ جب کہ یہ قبروں سے نکلیں گے اور میدان حشر میں آئیں گے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: اس دعا سے شروع فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ یعنی اے اللہ اے جبریل' میکائیل اور اسرافیل کے رب! اے آسمان و زمین کے بے نمونے کے پیدا کرنے والے' اے حاضر و غائب کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ جس جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے تو مجھے ان سب میں اپنے فضل و کرم سے حق راہ دکھا۔ تو جسے چاہے سیدھے راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ (مسلم) آنحضرت فرماتے ہیں کہ جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے' اس عہد کو پورا کرو۔ چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَاِنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْداً تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ یعنی اے اللہ! اے آسمان و زمین کو بے نمونہ کے پیدا کرنے والے اے غائب و حاضر کے جاننے والے' میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا۔ تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور جا پڑوں گا۔ خدایا! مجھے تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر۔ جسے تو قیامت کے دن پورا کرے۔ یقیناً تو عہد شکن نہیں۔

اس حدیث کے راوی سہیل فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَاِلٰہُ کُلِّ شَیْءٍ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْھَدُوْنَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ اِثْماً اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ۔ یعنی اے اللہ! اے آسمان و زمین کو بے نمونہ کے پیدا کرنے والے اچھی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے ہیں اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور گناہ کو لے جاؤں۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو سکھلائی تھی۔ وہ اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے (مسند احمد) اور ایک روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانی نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمرو سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا: یہ دعا یہ ہے' جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے۔ میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صبح و شام کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: یہ پڑھو: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَہٗ اَعُوْذُ

بكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَشِرْكِهٖ اَوْ اَقْتَرِفُ عَلٰى نَفْسِي سُوْٓءً اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح وشام اور سوتے وقت حکم دیا ہے۔ دوسری آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں۔ فرماتا ہے کہ اگر ان کے پاس روئے زمین کے خزانے اور اتنے ہی اور ہوں تو بھی یہ قیامت کے عذاب کے بدلے انہیں اپنے فدیے میں اور اپنی جان کے بدلے میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن اس دن کوئی فدیہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا' گو زمین بھر سونا دیں جیسے کہ اور آیت میں بیان فرمادیا ہے۔ آج اللہ کے وہ عذاب ان کے سامنے آئیں گے کہ کبھی ان کو ان کا خیال بھی نہ گزرا تھا جو حرام کاریاں' بدکاریاں' گناہ اور برائیاں انہوں نے دنیا میں کی تھیں۔ ان سب کی سزا اپنے آگے موجود پائیں گے۔ دنیا میں جس سزا کا ذکر سن کر وہ مذاق اڑایا کرتے تھے آج وہ سزا انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر جس وقت (اس مشرک) آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ (جیسے قارون نے کہا تھا) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر ان کی تمام بداعمالیاں اُن پر آ پڑیں (اور سزایاب ہوئے) اور ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی انکی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ (اللہ تعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے کیا ان لوگوں کو (احوال) میں غور کرنے سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دے دیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی بھی کردیتا ہے اسی (بسط وقدر) میں ایمان لانے والوں کے واسطے نشانیاں ہیں ○

فریبِ نفس اور حقیقت فراموشی:

اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو بیان فرماتا ہے کہ مشکل کے وقت تو وہ آہ وزاری شروع کردیتا ہے۔ اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ اور راغب ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں مشکل کشائی ہوگئی اور جسے راحت ونعمت حاصل ہوئی۔ ویسے ہوئی ویسے ہی یہ سرکش ومتکبر تھا اور اکڑتا ہوا

کہنے لگا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے میرا حق تھا۔ میں اللہ کے نزدیک اس کا مستحق تھا ہی۔ میری اپنی عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بات یوں نہیں بلکہ دراصل یہ ہماری آزمائش ہے۔ گو ہمیں ازل سے علم حاصل ہے۔ لیکن تاہم ہم اسے ظہور میں لانا چاہتے ہیں۔ لیکن اصلیت سے بے خبر ہیں۔ یہی دعویٰ اور یہی قول ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا اور کہا۔ لیکن ان کا قول صحیح ثابت نہ ہوا اور ان نعمتوں نے اور کسی چیز نے اور ان کے اعمال نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ جس طرح ان پر وبال ٹوٹ پڑا' اسی طرح ان پر بھی ایک دن ان کی بداعمالیوں کا وبال آ پڑے گا اور یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' نہ تھکا سکتے ہیں اور نہ ہرا سکتے ہیں۔

قارون سے اس کی قوم نے کہا تھا کہ اس قدر اکڑ نہیں' اللہ تعالیٰ خود پسندوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کر کے آخرت کی تیاری کرو اور وہاں کا سامان مہیا کرو۔ اس دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا رہ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے' تو بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرتا رہ۔ زمین میں فسادی مت بن۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں سے محبت نہیں کرتا۔ اس پر قارون نے جواب دیا کہ ان تمام نعمتوں اور جاہ و دولت کو میں نے اپنی دانائی اور علم و ہنر سے حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اس سے زیادہ قوت' اس سے زیادہ جمع جتھا والوں کو میں نے ہلاک و برباد کر دیا۔ مجرم اپنے گناہوں کے بارے میں پوچھے نہ جائیں گے۔

الغرض مال و اولاد پر پھول کو اللہ کو بھول جانا۔ یہ شیوۂ کفر ہے۔ کفار کا قول تھا کہ ہم مال و اولاد میں زیادہ ہیں' ہمیں عذاب ہو گا ہی ہیں۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں؟ کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے[1]۔ جس کے لئے چاہے کشادگی کرے اور جس پر چاہے تنگی کرے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ

[1] رزق ہی کا معاملہ دراصل انسان کے لئے اہم بھی ہے اور ساتھ ہی دھوکہ میں مبتلا ہونے کا ایک مہلک سامان بھی ہے' اگر رزق نہیں تو کچھ کر گزرتا ہے جو ہرگز مناسب نہیں ہوتا۔ حرام حلال کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور پیٹ کی جہنم کو بھرنے کے لئے ہر طرح کے ایندھن سے آدمی کام لینے لگتا ہے کاد الفقر ان یکون کفراً اور اگر ملتا ہے تو مغرور ہو کر ناشکری کا شکار اور نعمتوں پر اظہار شکر سے محروم رہ جاتا ہے۔ کبھی سوچتا ہے کہ یہ سب کچھ میری محنتوں کا ثمرہ ہے اور کبھی درمیانی واسطوں ہی کو اصل قرار دیتا ہے۔ بہر حال رزق میں جو کچھ شیطان کے بہکانے کے لئے مواقع ہے۔ اس نے رزق کے معاملہ کو اہم کر دیا۔ مومن جس کو نور ایمان حاصل ہوتا ہے وہ معقول راہ اختیار کرتا ہے اور کسی بھی وقت اس سے ایمان کی راہ چھوٹتی نہیں۔

كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر وشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرمائے گا واقع وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اسلام قبول کرنے میں اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور) پھر اس وقت کسی کی طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے اور تم کو چاہئے کہ اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو (اس کا) خیال بھی نہ ہو۔ کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا۔ یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں۔ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں۔ سو تو نے ان کو جھٹلایا اور (جھٹلانا کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ) تو نے تکبر کیا اور کافروں میں (ہمیشہ) شامل رہا○

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر:

اِس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ مشرک کافر بھی ہوں' توبہ کی دعوت دی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات غفور رحیم ہے۔ وہ ہر تائب[1] کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے اگلے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔ خواہ وہ کیسے ہی ہوں کتنے ہی ہوں کبھی کے ہوں۔ اس آیت کو بغیر توبہ کے گناہوں کی بخشش کے معنی میں لینا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ شرک بے توبہ بخشا نہیں جاتا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بعض مشرکین سے جو قتل وزنا کے بھی مرتکب تھے' حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اور آپ کا دین ہر لحاظ سے ہمیں اچھا اور سچا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بڑے بڑے گناہ جو ہم سے سرزد ہو چکے ہیں' (ان کا) کفارہ ہوگا؟ اس پر آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ فرقان: ۶۸) اور یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے[2]۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جس نے شرک کیا ہو؟ آپ نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا: خبردار رہو

[1] قدر واہمیت اسلام کے اس جانفزا پیغام کی اس وقت محسوس ہوگی جب عدم تشدد کے امام اور پیغمبر یعنی عیسائیت کے یہ جگر کو زخمی کرنے والے اور دلفگار جملے سن لیں ''متی ۱۲-۳۲ میں ہے کہ'' میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ تو معاف کیا جائے گا۔ مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ ہرگز معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی اس آدمی کے خلاف کچھ کہے تو معاف لیکن روح القدس کے حق میں خلاف بولنے والے کا جرم ہرگز معاف نہیں۔ نہ اس عالم میں نہ آنے والے عالم میں۔

[2] رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت سے کیوں خوشی نہ ہو جس میں عصیاں کوش' گناہگار' مجرم اور خطا کوش بندوں کے لئے رحمت کی بشارت' مغفرت کی اطلاع' عفو کا اعلان اور صفح کی خوشخبری ہے۔

جس نے شرک بھی کیا ہو۔ تین مرتبہ آپ نے یہی فرمایا۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا شخص لکڑی کا سہارا لئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ چھوٹے موٹے گناہ معاف ہیں۔ ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت اسی طرح فرمارہے تھے: ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ (سورۂ ہود:۴۶) اور اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ پس ان حدیثوں سے ثابت ہورہا ہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ بندے کو رحمت رب سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ گو گناہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی کثرت سے ہوں توبہ اور رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہتا ہے اور وہ بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (سورۂ توبہ:۱۰۴) کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ﴾ (سورۂ نساء:۱۱۰) جو برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے' پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔

منافقوں کی سزا جو جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوگی۔ اسے بیان فرما کر بھی فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا ﴾ (سورۂ نساء:۱۴۶) یعنی اس سے وہ مستثنیٰ ہیں' جو توبہ کریں اور اصلاح کرلیں۔ مشرکین نصاریٰ کے اس شرک کا کہ وہ اللہ کو تین میں کا تیسرا مانتے ہیں' ذکر کر کے ان کی سزاؤں کے بیان سے پہلے فرمادیا: ﴿اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (سورۂ مائدہ:۷۳) کہ اگر یہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی جلال و شان والے نے فرمایا: یہ کیوں اللہ سے توبہ نہیں کرتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ وہ تو بڑا ہی غفور رحیم ہے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے خندقیں کھود کر مسلمانوں کو آگ میں ڈالا تھا ذکر کرتے ہوئے یہی فرمایا کہ جو مسلمان مردوں عورتوں کو تکلیف پہنچا کر پھر بھی توبہ نہ کریں تو ان کے لئے عذابِ جہنم اور عذابِ نار ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کرم وجود کو دیکھو کہ اپنے دوستوں کے قاتلوں کو بھی توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہے جس ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پھر بنی اسرائیل کے ایک عابد سے پوچھا کہ کیا اس کے لئے بھی توبہ ہے؟ اس نے انکار کیا۔ اس نے اسے بھی قتل کردیا۔ پھر ایک عالم سے پوچھا: اس نے کہا کہ تجھ میں اور توبہ میں کوئی روک نہیں اور حکم دیا کہ موحدوں کی بستی میں چلا جائے۔ چنانچہ یہ اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستہ میں ہی موت آگئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں آپس میں اختلاف ہوا۔ اللہ عزوجل نے زمین کے ناپنے کا حکم دیا تو ایک بالشت بھر نیک لوگوں کی بستی' جس طرف وہ ہجرت کر کے جارہا تھا' قریب نکلی اور یہ انہی کے ساتھ ملا دیا گیا اور رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موت کے وقت سینے کے بل اس طرف گھسیٹتا ہوا چلا تھا اور یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کی بستی کو قریب ہوجانے کا اور برے لوگوں کو بستی کو دور ہوجانے کا حکم دیا تھا۔ یہ ہے خلاصہ اس حدیث کا اور پوری حدیث اپنی جگہ بیان ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تمام بندوں کو اپنی مغفرت کی طرف بلایا ہے۔ انہیں بھی جو حضرت مسیح کو اللہ کہتے تھے۔ انہیں بھی جو آپ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ انہیں بھی جو حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بتلاتے تھے اور انہیں بھی جو اللہ کو فقیر کہتے تھے انہیں بھی جو اللہ کے ہاتھوں کو بند بتلاتے تھے۔ انہیں بھی جو اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سب سے فرماتا ہے کہ یہ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اپنے گناہوں کی معافی نہیں چاہتے؟ اللہ تعالیٰ تو بڑی بخشش والا ہے اور بہت ہی رحم و کرم

والا ہے۔ پھر توبہ کی دعوت اللہ تعالیٰ نے اسے دی جس کا قول ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں جو کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارا کوئی معبود میرے سوا ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کو توبہ سے مایوس کرے وہ اللہ عزوجل کی کتاب کا منکر ہے۔ لیکن اسے سمجھ لو کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنی مہربانی سے رجوع نہ فرمائے اسے توبہ نصیب نہ ہوتی۔

طبرانی میں حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیت الکرسی ہے اور خیرو شر کی سب سے زیادہ جامع آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (سورۂ نحل: ۹۰) ہے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ خوشی کی آیت سورۂ زمر کی ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ﴾ اور سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورۂ طلاق: ۲) ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی خلاصی خود اللہ کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے خیال و گمان بھی نہ ہو۔ حضرت مسروق نے یہ سن کر فرمایا کہ بے شک آپ سچے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جا رہے تھے کہ آپ نے ایک واعظ کو دیکھا جو لوگوں کو نصیحتیں کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیوں لوگوں کو مایوس کر رہا ہے؟ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ (ابن ابی حاتم)

ان حدیثوں کا بیان جن میں نا امیدی اور مایوسی کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قسم ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم خطائیں کرتے کرتے زمین و آسمان کو پُر کر دو۔ پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' تو یقیناً وہ تمہیں بخش دے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم خطائیں کرو ہی نہیں۔ تو عزوجل تمہیں فنا کر کے ان لوگوں کو لائے جو خطا کر کے استغفار کریں اور پھر اللہ انہیں بخشے۔ (مسند امام احمد) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی[1]۔ اب بیان کر دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عزوجل ایسی قوم کو پیدا کرتا' جو گناہ کرتی پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخشا (صحیح مسلم وغیرہ) حضور فرماتے ہیں کہ گناہ کا کفارہ ندامت اور شرمساری ہے اور آپ نے فرمایا: اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا' جو گناہ کریں' پھر وہ انہیں بخشے (مسند احمد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو کامل یقین رکھنے والا اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا: اے میرے رب! تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا۔ میں اس پر بغیر اس کے کہ تو مجھے غلبہ دے غالب نہیں آ سکتا۔ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا: جا تو ان پر مسلط ہے۔ اس نے کہا: خدایا! کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہوگی اتنی ہی تیرے ہاں بھی ہوگی۔ اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما۔ پروردگار عالم نے فرمایا: بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنادوں گا اور تم ان جسم میں خون کی طرح پھرو گے۔ اس نے پھر کہا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا اور ان کے مال اولاد میں اپنا ساجھا[2] کر اور انہیں امنگیں دلا۔ گو حقیقتاً تیرا اُمنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! تو نے اسے مجھ پر مسلط کر

[1] بیان اس لئے نہ کی تھی کہ کہیں اس پیغام رحمت کو سن کر گناہوں پر دلیل نہ ہو جائیں کہ چلو گناہ کئے جاؤ بعد میں توبہ کر لیں گے۔

[2] اولاد میں شرک یہی ہے کہ اولاد پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور جاہل مسلمان سمجھتے ہیں اس کو پیروں اور اہل قبور کا تصرف۔ والعیاذ باللہ
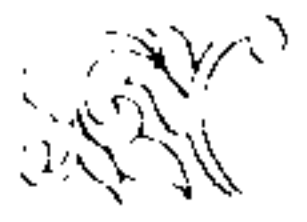
دیا۔ اب میں اس سے تیری مدد کے بغیر بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہوگی اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کردوں گا جو شیطانی پنجے سے اسے محفوظ رکھے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اور زیادتی طلب کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک نیکی کو دس گنا کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ اور برائی اسی کے برابر رہے گی یا معاف کردوں گا۔ آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی۔ رب العزت نے فرمایا: توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک کہ روح جسم میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی خدایا! مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو کہ وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں الخ۔[1] (ابن ابی حاتم)

حضرت عمر فاروق کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ بوجہ اپنی کمزوری کے کفار کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنے دین میں فتنے میں پڑ گئے تھے۔ ہم ان کی نسبت آپ میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی نیکی اور توبہ قبول نہ فرمائے گا۔ ان لوگوں نے اللہ کو پہچان کر پھر کفر کو لے لیا اور کافروں کی سختی برداشت نہ کی۔ جب حضور مدینے میں آگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ہمارے اس قول کی تردید کی اور یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ان آیات کو لکھا اور ہشام بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیں۔ حضرت ہشامؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت ذی طوٰی میں تھا۔ میں انہیں پڑھ رہا تھا اور بار بار پڑھتا جاتا تھا اور خوب غور و فکر کر رہا تھا۔ لیکن اصلی مطلب تک ذہن رسائی نہیں کرتا تھا۔ آخر میں نے دعا کی کہ پروردگار ان آیتوں کا صحیح مطلب اور ان کے میری طرف بھیجے جانے کا صحیح مقصد مجھ پر واضح کر دے۔ چنانچہ میرے دل میں اللہ کی طرف سے ڈالا گیا کہ آیتوں سے مراد ہم ہی ہیں۔ یہ ہمارے بارے میں اور ہمیں جو خیال تھا کہ اب ہماری توبہ قبول نہیں ہو سکتی اسی بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اسی وقت میں واپس لوٹا اپنا اونٹ لیا اس پر سوار ہو کر سیدھا مدینے میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا (سیرۃ ابن اسحٰق) بندوں کی مایوسی کو توڑ کر انہیں بخشش کی اُمید دلا کر پھر حکم دیا اور رغبت دلائی کہ وہ توبہ کی طرف اور نیک عمل کی طرف سبقت اور جلدی کریں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آ نازل ہو۔ جس وقت کہ کسی کی مدد کچھ کام نہیں آتی اور انہیں چاہئے کہ عظمت والے قرآن کریم کی تابعداری اور ماتحتی میں مشغول ہو جائیں۔ اس سے پہلے کہ اچانک عذاب آ جائیں اور یہ بے خبری میں ہی ہوں۔ اس وقت قیامت کے دن بے توبہ مرنے والے اور اللہ کی عبادت میں کمی کرنے والے بڑی حسرت اور بہت افسوس کریں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم خلوص کے ساتھ احکام خداوندی بجالائے۔ افسوس کہ ہم تو بے یقین رہے۔ اللہ کی باتوں کی تصدیق ہی نہ کی۔ بلکہ ہنسی مذاق ہی سمجھتے رہے اور کہیں گے کہ اگر ہم بھی ہدایت پا لیتے تو یقیناً رب کی نافرمانیوں سے دنیا میں اور اللہ کے عذاب سے آخرت میں بچ جاتے اور عذاب کا معائنہ کر کے افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ اب دوبارہ دنیا کی طرف جانا ہو جائے تو دل کھول کر نیکیاں کر لیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بندے کیا عمل کریں گے اور کیا کچھ وہ کہیں گے۔ ان کے عمل اور ان کے قول سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دے دی اور فی الواقع اس سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے؟ نہ اس سے زیادہ سچی خبر کوئی دے سکتا ہے۔ بدکاروں کے یہ

[1] اول تو یہ حدیث جس مجموعہ حدیث یعنی (ابن ابی حاتم) سے نقل کی جارہی ہے محدثین کے یہاں اس مجموعہ کی روایات کو کوئی اہمیت حاصل نہیں دوسرے اگر واقعہ ایسا ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو انسان پر مسلط کر دیا تو یہ ایک امر تکوینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو مقصد انسان کی تخلیق سے ہے اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہی اس طرح سے ہے کہ انسان میں ''ملکوتیت'' اور ''شیطنت'' کا مادہ ہو اور پھر انسان وساوس کو دبا کر ملکوتیت کو غالب کر دے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴

تینوں قول بیان فرمانے اور دوسری جگہ یہ خبر دے دی کہ اگر یہ واپس دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی ہدایت کو قبول نہ کریں گے۔ بلکہ جن کاموں سے روکے گئے ہیں انہی کو کرنے لگیں گے اور یہاں جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جھوٹ نکلے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہر جہنمی کو اس کی جنت کی جگہ دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے' کاش کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا۔ یہ اس لئے کہ اسے حسرت و افسوس ہو اور اسی طرح ہر جنتی کو اس کی جہنم کی جگہ دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو میں جنت میں نہ آ سکتا۔ یہ اس لئے کہ وہ شکر میں اور احسان کے ماننے میں اور بڑھ جائے۔ جب گنہگار لوگ دنیا کی طرف لوٹنے کی طرف آرزو کریں گے اور اللہ کی آیتوں کی تصدیق نہ کرنے کی حسرت کریں گے اور اللہ کے رسولوں کو نہ ماننے پر کڑھنے لگیں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا کہ اب ندامت لاحاصل ہے۔ پشیمانی بے سود ہے۔ دنیا میں ہی میں تو اپنی آیتیں اتار چکا تھا۔ اپنی دلیلیں قائم کر چکا تھا۔ لیکن تو انہیں جھٹلاتا رہا اور ان کی ماننے سے تکبر کرتا رہا اور ان کا منکر رہا کفر اختیار کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو (ذرا) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے کیونکہ جنت میں غم نہیں ○

سیاہ روئی:

قیامت کے دن دو طرح کے لوگ ہوں گے' کالے منہ والے[1] اور نورانی چہرے والے۔ فرقت اور اختلاف والوں کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہلسنت والجماعت کی خوبصورت شکلیں نورانی ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے والوں کو اس کی اولاد مقرر کرنے والوں کو تو دیکھے گا کہ ان کے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے ان کے منہ کالے ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر و خودنمائی کرنے کے وبال میں جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ جہاں بڑی ذلت کے ساتھ سخت ترین اور بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت[2] میں ہوگا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی۔ یہاں تک کہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے۔ جہنمیوں کے لہو' پیپ اور گندگی انہیں پلائی جائے گی ہاں اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والے اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے ان عذابوں سے اور اس ذلت اور مار پیٹ سے بالکل بچے ہوں گے۔ کوئی برائی ان کے پاس بھی نہیں پہنچے گی۔ گھبراہٹ اور غم جو قیامت

[1] یہ چہرے کی سیاہی آگ میں جلنے کا اثر بھی ہو سکتی ہے اور خوف و رسوائی کے نتیجہ میں بھی اور ہو سکتا ہے کہ قلب کی سیاہی کا عکس ہو۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے: قیل هو سواد قلوبهم ینعکس وجوههم۔

[2] کیونکہ دنیا میں ان متکبرین نے اپنے علاوہ سب کو چیونٹی ہی کی طرح حقیر سمجھا تھا۔ لہٰذا اس عالم میں وہی دی گئی جس میں اس دنیا میں یہ دوسروں کو مبتلا رکھتا ہے۔

کے دن عام ہوگا وہ ان سے بے فکر ہوں گے۔ ہر غم سے بے غم اور ہر ڈر سے بے ڈر اور ہر سزا سے بے سزا اور ہر دکھ سے بے دکھ ہوں گے۔ کسی قسم کی ڈانٹ جھڑک انہیں نہ دی جائے گی۔ امن و امان راحت و چین کے ساتھ اللہ کے ساتھ اللہ کی تمام نعمتیں حاصل کئے ہوئے ہونگے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے اور اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی اور جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف بھی اور پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ (بات) وحی میں بھیجی جاچکی ہے کہ اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا تو خسارہ میں پڑے گا (تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا) بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ تعالیٰ کا) شکر گزار رہنا ○

ایک جاہلانہ مطالبہ:

تمام جاندار اور بے جان چیزوں کا خالق مالک رب اور متصرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے اور ہر چیز اس کی ماتحتی میں اور اس کے قبضے میں اور اس کی تدبیر میں ہے۔ سب کا کارساز اور وکیل وہی ہے۔ تمام کاموں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ زمین و آسمان کی کنجیوں اور ان کے خزانوں کا وہی تنہا مالک ہے۔ حمد و ستائش کے قابل اور ہر چیز پر قادر وہی ہے۔ کفر و انکار کرنے والے بڑے ہی گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے۔ گو سند کے لحاظ سے وہ بہت ہی غریب ہے بلکہ اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ لیکن تاہم اسے یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا: تو آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب دریافت نہیں کیا۔

اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اے عثمان! جو شخص اسے صبح کو دس بار پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے۔ اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکر سے بچ جاتا ہے۔ دوسرے سے ایک قنطار اجر ملتا ہے۔ تیسرے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند ہوتا ہے۔ چوتھے اس حور عین سے نکاح کرا دیا جاتا ہے۔ پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں۔ چھٹے اسے

اتنا ثواب دیا جاتا ہے جیسے کسی نے قرآن اور تورات اور انجیل اور زبور پڑھی۔ پھر ساتھ ہی اسے ایک قبول شدہ حج اور ایک مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس میں بڑی نکارت ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے۔ اس پر آیت: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ یہی مضمون اس آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۂ انعام: ۸۸) اور پرانبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ اگر بالفرض یہ انبیاء بھی شرک کریں گے تو ان کے بھی تمام اعمال اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ تیری طرف اور تجھ سے پہلے تمام انبیاء کی طرف ہم نے یہ وحی بھیج دی ہے کہ جو بھی شرک کرے گا اس کے عمل غارت اور وہ نقصان یافتہ اور زیاں کاروں میں ہوگا۔ پس تجھے چاہئے کہ تو خلوص کے ساتھ خدائے واحد ولاشریک کی عبادت میں لگا رہ اور اس کا ذکر گزار رہ۔ تو بھی اور تیرے ماننے والے مسلمان بھی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی۔ جیسی عظمت کرنی چاہئے تھی حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے ○

یہ وسیع کائنات:

مشرکین نے دراصل اللہ تعالیٰ کی قدر وعظمت جانی ہی نہیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگے۔ اس سے بڑھ کر عزت والا اس سے زیادہ بادشاہت والا اس سے بڑھ کر غلبے اور قدرت والا کوئی نہیں۔ نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابری والا ہے۔ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہیں اگر قدر ہوتی تو اس کی باتوں کو غلط نہ جانتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قادر مانے وہ ہے جس نے اللہ کی عظمت کی اور جس کا عقیدہ یہ نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قدر کرنے والا نہیں۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اس جیسی آیتوں کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہی رہا ہے کہ جس طرح اور جن لفظوں میں یہ آئی ہیں اسی طرح انہی لفظوں کے ساتھ انہیں مان لینا اور ان پر ایمان رکھنا چاہئے اور ان کی کیفیت ٹٹولنا' ان میں تحریف وتبدیلی کرنا ہرگز نہ ہو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم یہ لکھا پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی[1] پر رکھ لے گا اور سب زمینوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا' درختوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور باقی تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ لے گا پھر فرمائے گا کہ میں ہی سب کا مالک اور سچا بادشاہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات پر ہنس دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کے مسوڑھے مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث بھی قریب اسی کے ہے۔ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ایک

[1] قبضہ سے مراد قبضہ قدرت اور سے دست قدرت مراد لی گئی ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے کہ القبضة مجاز عن الملك او التصرف و العيمين مجاز عن القدرت التامة آیت سے مقصود صرف اپنی عظمت وجلال ہے' بے پناہ قدرت اور لامحدود طاقت کا اظہار ہے۔ پس اس حقیقت پر یقین رکھنا چاہئے اور زیادہ تجسس بےکار ہے۔ مدارک میں ہے کہ والمراد بهذا الكلام تصوير عظمة و التوقيف على كنه جلاله.

روایت میں ہے کہ وہ انگلیوں پر بتاتا جاتا تھا پہلے اس نے کلمے کی انگلی دکھائی تھی اس روایت میں چار انگلیوں کا ذکر ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کر لے گا اور آسمان کو اپنی داہنی مٹھی میں لے لے گا پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے۔ آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں' میں متکبر ہوں' میں مالک ہوں' میں باعزت ہوں۔ میں کریم ہوں۔ آپ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں منبر آپ ﷺ سمیت گر نہ پڑے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی پوری کیفیت دکھا دی کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سے حکایت کیا تھا؟ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے کبھی بند کرے گا اور آپ اس وقت ہل رہے تھے۔ یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا۔ پس آپ تین مرتبہ آئے گئے۔ واللہ اعلم۔ معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے فرمایا: میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا۔ جسے ان سے رونا آ گیا وہ جنتی ہو گیا۔ پھر آپ نے اس آیت سے لے کر سورہ کے آخر تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا انہوں نے عرض یا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا۔

آپ نے فرمایا: اچھا میں پھر پڑھوں گا' جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے۔ ایک اس سے بڑھ کر غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تین چیزیں اپنے بندوں سے چھپا لی ہیں۔ اگر وہ انہیں دیکھ لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدعملی نہ کرتا۔ اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ کر خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے کیا کچھ کرتا ہوں۔ تب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر کہوں میں بادشاہ ہوں۔ میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں' سب ان کے سامنے کر دوں اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں اور میں انہیں دکھاؤں اور اس کے عذابوں کا معائنہ کرا دوں' یہاں تک کہ انہیں یقین آئے۔ لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں' تاکہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں۔ کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماری جائے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعۃً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کی نور (بے کیف) سے روشن ہو جائے گی اور (سب کا) نامۂ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کاموں کو خوب جانتا ہے ۝

صورِ اسرافیل:

قیامت کی ہولناکی اور دہشت و وحشت کا ذکر ہو رہا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ یہ دوسرا صور ہوگا جس سے ہر زندہ مر جائے گا۔ خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ مگر جسے اللہ چاہے[1]۔ صور کی مشہور حدیث میں ہے کہ پھر باقی رہنے والوں کی روحیں قبض کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ سب سے آخر خود حضرت ملک الموت کی روح بھی قبض کی جائے گی۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہ جائے گا جو حی و قیوم ہے۔ جو اوّل سے تھا اور آخر میں رہ جائے گا۔ پھر فرمائے گا کہ آج کس کی حکومت ہے؟ تین مرتبہ یہی فرمائے گا۔ پھر خود ہی اپنے آپ کو جواب دے گا کہ اللہ واحد و قہار کی۔ میں ہی اکیلا ہوں' جس نے ہر چیز کو اپنی ماتحتی میں کر رکھا ہے۔ آج میں نے سب کو فنا کا حکم دے دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور انہیں حکم دے گا کہ دوبارہ نفخہ پھونکیں۔ یہ تیسرا صور ہوگا۔ جس سے ساری مخلوق جو مردہ تھی زندہ ہو جائے گی۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اور نفخہ پھونکا جائے گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نظریں دوڑانے لگیں گے یعنی قیامت کی دِلدوز حالت دیکھنے لگیں گے جیسے فرمان ہے ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ (سورۂ نازعات: ۱۳۔۱۴) یعنی وہ تو صرف ایک ہی سخت آواز ہوگی۔ جس سے لوگ فوراً ہی ایک میدان میں آ کر جمع ہو جائیں گے۔ ایک اور آیت میں ہے: ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۵۲) یعنی جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا تو تم سب اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کو مان لو گے۔ اور دنیا کی زندگی کو کم سمجھنے لگو گے۔ اللہ جل وعلا کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ (سورۂ روم: ۲۵) اس کی نشانیوں میں سے زمین آسمان کا اس کے حکم سے قائم رہنا ہے پھر جب وہ تمہیں زمین میں سے پکار کر بلائے گا تو تم سب ایک ہی بار نکل پڑو گے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی' آپ نے ناراض ہو کر فرمایا جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امر دیکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں دجال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس مہینے یا چالیس سال چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو بھیجے گا۔ وہ صورت و شکل میں بالکل حضرت عروہ بن مسعود ثقفی جیسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کرے گا اور دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح ملے جلے رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخص کے درمیان بھی آپس میں رنجش وعداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف سے ایک ہلکی ٹھنڈی ہوا چلائے گا۔ جس سے تمام ایمان والوں کی روحیں قبض کر لی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا' وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ یہ خواہ کہیں بھی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑ کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان

[1] نہیں معلوم یہ کون لوگ ہونگے تفسیر کبیر میں رازی نے قتادہ کا قول نقل کیا ''اللہ اعلم بانھم من ھم ولیس فی القرآن والاخبار ما یدل علی انھم من ھم

ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے۔نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ان پر شیطان ظاہر ہوگا' اور کہے گا کہ شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے۔چنانچہ وہ اس کے بہکانے میں آ کر بت پرستی شروع کر دیں گے۔اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں اور ان کی معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا پھر صور پھونک دیا جائے گا۔جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی' وہ ادھر گے گا ادھر کھڑا ہوگا پھر گر ے گا۔سب سے پہلے اس کی آواز جس کے کان میں پڑے گی' یہ وہ شخص ہوگا۔جو اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا۔فوراً بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔پھر تو ہر شخص بے ہوش اور خود فراموش ہو جائے گا۔پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔اس سے لوگوں کے جسم اُگ نکلیں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو۔انہیں ٹھہرالو۔ان سے سوالات کئے جائیں گے۔پھر جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکال لو پھر پوچھا جائے گا کس قدر۔جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔یہ وہ دن ہوگا کہ جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔(صحیح مسلم)

صحیح بخاری میں ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے۔راوی حدیث ابو ہریرہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا میں جواب دینے سے عاجز ہوں۔پوچھا گیا کیا چالیس؟ فرمایا نہ میں اس کا جواب دوں گا۔کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔انسان کی سب چیز گل سڑ جائے گی۔مگر ریڑھ کی ہڈی۔اسی مخلوق کی ترتیب دی جائے گی ابو یعلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس آیت میں جو استثنا ہے یعنی جسے خدا چاہے۔اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا شہداء۔یہ اپنی تلواریں لٹکائے خدا کے عرش کے اردگرد ہوں گے۔فرشتے اپنے جھرمٹ میں انہیں محشر میں لے جائیں گے۔یاقوت کی اونٹنیوں پر وہ سوار ہوں گے۔جن کی گدیاں ریشم سے بھی نرم ہوں گی انسان کی نگاہ جہاں تک بھی کام کرتی ہے اس کا ایک قدم ہوگا۔یہ جنت میں خوش وقت ہوں گے۔وہاں عیش وعشرت میں ہوں گے پھر ان کے دل میں خیال آئے گا کہ چلو دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کر رہا ہوگا چنانچہ ان کی طرف دیکھ کر الٰہ العالمین ہنس دے گا۔اور اس جگہ جسے دیکھ کر رب ہنس دے اس پر حساب کتاب نہیں ہے اس کے کل راوی ثقہ ہیں۔مگر اسماعیل بن عیاش کے استاد غیر معروف ہیں۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کے لئے تشریف لائے گا۔اس وقت اس نور سے ساری زمین جگمگا اٹھے گی[1]۔نامہ اعمال لائے جائیں گے۔نبیوں کو پیش کیا جائے گا۔جو گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کر دی تھی۔اور بندوں کے نیک وبد اعمال محافظ فرشتے لائے جائیں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ مخلوق کے فیصلے کئے جائیں گے اور کسی قسم کا ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔جیسے فرمایا: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ﴾ (سورۂ انبیاء:۴۷) یعنی قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔اگرچہ رائی کے دانہ کے برابر عمل ہو ہم اسے بھی موجود کر دیں گے۔اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں اور ایک آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بقدر ذرّے کے بھی ظلم نہیں کرتا۔وہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اَجرِ عظیم عنایت فرماتا ہے۔اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔

---

[1] امام منصور ماتریدی نے کہا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کوئی خاص نور پیدا کر دے جس سے تمام موقف منور اور روشن ہو جائے۔مدارک میں ہے قال امام ابو منصور یجوزان تخلق اللہ نورًا فینور بہ ارض الموقف۔

وَ سِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَـٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَـٰذَا ۚ قَالُوا۟ بَلَىٰ وَلَـٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ ٱلْعَذَابِ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ٱدْخُلُوٓا۟ أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى ٱلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچے گے تو اس وقت اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے ان سے دوزخ کے محافظ (فرشتے لبطور ملامت) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے۔ جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا کر رہا۔ پھر ان سے کہا جائے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو اور ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے ○

متکبرین کا برا ٹھکانہ:

بدنصیب منکرین حق کفار کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح رسوائی اور ذلت سے ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکی سے جہنم کی طرف ہنگائے جائیں گے۔ جیسے آیت میں یُدَعُّونَ کا لفظ ہے۔ یعنی دھکے دیئے جائیں گے اور سخت پیاسے ہوں گے جیسے اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ﴾ (سورۂ مریم: ۸۵) یعنی جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ اس کے علاوہ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۹۷) قیامت کے دن انہیں ہم ان کے منہ کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب اس کی آتش ذرا دھیمی ہونے لگے گی۔ ہم اسے اور تیز کر دیں گے۔ یہ قریب پہنچیں گے کہ دوزخ کے دروازے کھل پڑیں گے۔ تاکہ فوراً ہی عذاب جہنم شروع ہو جائے۔ پھر انہیں وہاں کے محافظ فرشتے شرمندہ کرنے کے لئے ڈانٹ کر کہیں گے۔ کیونکہ ان میں رحم کا تو مادہ ہی نہیں سراسر سختی کرنے والے سخت غصیل اور بڑی بے طرح مارنے والے ہیں کہ تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے خدا تعالیٰ کے رسول نہیں آئے تھے؟ جن سے تم سوال و جواب کر سکتے تھے۔ اپنا اطمینان اور تسلی کر سکتے تھے۔ ان کی باتوں کو سمجھ سکتے تھے۔ ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے۔ انھوں نے خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اپنے لائے ہوئے سچے دین پر دلیلیں قائم کر دیں۔ تمہیں اس دن کی برائیوں سے آگاہ کر دیا۔ آج کے عذابوں سے ڈرا دیا۔ کافر اقرار کریں گے کہ ہاں یہ سچ ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہم میں آئے۔ انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں۔ ہمیں بہت کچھ کہا سنا بھی۔ ڈرایا

[1] جیسا کہ پولیس مجرمین کے حق میں نرمی سے کام لے تو جرم کا انکشاف بھی مشکل اور مجرم کو قرار واقعہ سزا بھی نہ ہو سکے۔

دھمکایا بھی۔ لیکن ہم نے ان کی ایک نہ مانی۔ بلکہ ان کا خلاف کیا' مقابلہ کیا۔ کیونکہ ہماری قسمت میں ہی شقاوت تھی۔ ازلی بدنصیب ہم تھے۔ حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔ جیسے سورۃ ملک کی آیت میں ہے۔ جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا۔ اس سے وہاں کے محافظ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ جواب دیں گے آیا تو تھا لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں فرمایا تم بڑی بھاری غلطی میں ہو۔ اگر ہم سنتے یا کچھ سمجھتے تو آج جہنمیوں میں نہ ہوتے۔ یعنی اپنے آپ کو ملامت کرنے لگیں گے۔ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوری اور خسارہ ہو' لعنت اور پھٹکار ہو اہل دوزخ پر۔ کہا جائے گا یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت کو معلوم کرے گا وہ صاف کہہ اٹھے گا کہ بے شک یہ اسی لائق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام لیا گیا۔ بلکہ اسے مطلق چھوڑا گیا۔ تاکہ اس کا عموم باقی رہے اور خداوند تبارک وتعالیٰ کے عدل کی گواہی کامل ہو جائے۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب جاؤ جہنم میں۔ یہیں ہمیشہ جلتے جھلتے رہنا۔ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے گا نہ موت آئے گی۔ آہ! یہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے جس میں دن رات جلنا ہے۔ یہ تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ۔ جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا اور یہیں کا کر دیا۔ کیا ہی برا حال ہے اور کیا ہی عبرتناک حال ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ کر کے جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے اور وہاں کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہے سو اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اور داخل ہو کر کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا۔ کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ غرض نیک عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے ○

فردوس نشین:

اوپر بدبختوں کا انجام اور ان کا حال بیان ہوا ہے۔ یہاں سعادت مندوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بہترین خوبصورت اونٹنیوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف پہنچائے جائیں گے۔ ان کی بھی جماعتیں ہوں گی۔ مقربین خاص کی جماعت۔ پھر ابرار کی جماعت۔ پھر ان سے کم درجہ والوں کی جماعت۔ پھر ان سے کم درجے والوں کی۔ ہر جماعت اپنے مناسب لوگوں کے ساتھ ہوگی۔ انبیاء انبیاء کے ہمراہ' صدیق اپنے جیسوں کے ساتھ' شہید لوگ شہیدوں کے ساتھ' علماء عالموں کے ہمراہ۔ غرض ہر ہم جنس اپنے میل کے لوگوں کے ساتھ ہوں

گے۔ جب یہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور پل صراط سے پار ہو چکے ہوں گے وہاں ایک پل پر ٹھہرا لئے جائیں گے اور ان میں آپس میں جو مظالم ہوں گے' ان کا قصاص اور بدلہ ہو جائے گا۔ جب پاک صاف ہو جائیں گے تب جنت میں جانے کی اجازت پالیں گے۔ صور سے متعلق ایک طویل حدیث میں ہے کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ کر یہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ دیکھو سب سے پہلے کسے اجازت دی جاتی ہے' پھر وہ حضرت آدم کا قصد کریں گے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسے میدانِ محشر میں شفاعت کے موقعہ پر بھی کیا تھا۔ اس سے بڑا مقصد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا موقعہ بموقعہ اظہار کرنا ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ میں پہلا سفارشی ہوں جنت میں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے۔ تھوک' رینٹ' پیشاب' پاخانہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ ان کے برتن اور سامان آسائش سونے چاندی کا ہوگا۔ ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا۔ ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ جن کا پنڈلی کا گودا بوجہ حسن و نزاکت صفائی اور نفاست کے گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا۔ سب کے دل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل۔ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں گزرے گی۔

ابو یعلیٰ میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ ان کے بعد والی جماعت کے چہرے ایسے ہوں گے' جیسے بہترین چمکتا ہوا ستارہ۔ پھر قریب قریب اوپر والی حدیث کے بیان کے مطابق ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے۔

جتنا حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا اور ایک حدیث میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جو ستر ہزار کی تعداد میں ہوگی' پہلے پہل جنت میں داخل ہوگی۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے اللہ مجھے بھی انہی میں سے کرے۔ پھر ایک انصاری نے بھی عرض کی۔ آپ نے فرمایا: عکاشہؓ! تجھ پر سبقت لے گئے۔ ان ستر ہزار کا بے حساب کا جنت میں داخل ہونا بہت سی کتابوں میں' بہت سی سندوں سے' بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات سو جنت میں ایک ساتھ جائیں گے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے۔ سب ایک ساتھ ہی جنت میں قدم رکھیں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے ان سے حساب نہ ہوں گے۔ نہ انہیں عذاب ہوگا۔ ان کے علاوہ اور تین لپیں بھر کر' جو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھوں سے لپ بھر کر جنت میں پہنچائے گا (طبرانی) اس روایت میں ہے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ جب یہ سعید بخت بزرگ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان کے لئے دروازے کھل جائیں گے۔ ان کی وہاں عزت و تعظیم ہوگی۔ وہاں کے محافظ فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے۔ ان کی تعریفیں کریں گے انہیں سلام کریں گے۔ اس کے بعد کا جواب قرآن میں محذوف رکھا گیا ہے تاکہ عمومیت باقی رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت یہ پورے خوش ہو جائیں گے۔ بے انداز سرور و راحت آرام و چین انہیں ملے گا۔ ہر طرح کی توقع اور ہر بھلائی کی امید بندھ جائے گی۔ ہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ وَفُتِحَتْ میں واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں' انہوں نے بڑا تکلف

کیا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح حدیثوں میں صاف موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کرے گا وہ جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جنت کے کئی ایک دروازے ہیں۔ نمازی باب الصلوٰۃ سے' سخی باب الصدقہ سے' مجاہد باب الجہاد سے۔ روزے دار باب الریان سے بلائے جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گو اس کی ضرورت تو نہیں کہ ہر دروازے سے پکارا جائے' جس سے بھی پکارا جائے' مقصد تو جنت میں جانے کا ہے لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے کہا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو گے[1]۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت کے کل آٹھ دروازے ہیں' جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ تم میں سے جو شخص کامل مکمل بہت اچھی وضو کرے۔ پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھے۔ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ جس میں سے چاہے چلا جائے اور ایک حدیث میں ہے کہ جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ ہے۔

جنت کے دروازہ کی کشادگی کا بیان ☆ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت نصیب کرے آمین) شفاعت کی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں' انہیں داہنی طرف سے جنت میں لے جایئے۔ لیکن اور دروازوں میں بھی یہ دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ جنت کی چوکھٹ اتنی بڑی وسعت والی ہے' جتنا فاصلہ ہجر[2] اور مکہ میں ہے۔

ایک روایت میں ہے: جتنا فاصلہ مکہ اور بصرہ میں ہے (صحیحین) حضرت عتبہ بن عزوانؓ نے اپنے خطبے میں بیان فرمایا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کی وسعت چالیس سال کی مسافت ہے۔ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے' جب کہ جنت میں جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ وسیع دروازے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (مسلم) مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی مسافت ہے یہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے۔ انہیں فرشتے سلام کریں گے اور مبارک باد دیں گے کہ تمہارے اعمال تمہارے اقوال تمہاری کوشش اور تمہارا بدلہ ہر چیز خوش کن اور بہترین ہے۔

جیسے کہ حضور علیہ السلام نے غزوے کے موقعہ پر اپنے منادی سے فرمایا تھا کہ جاؤ ندا کر دو کہ جنت میں صرف مسلمان لوگ ہی جائیں گے یا فرمایا تھا: صرف مؤمن ہی جنت میں جائیں گے۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے۔ بلکہ یہاں تمہارے لئے ہیشگی ہے۔ اپنا یہ حال دیکھ کر خوش ہو کر جنتی اللہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ الحمدللہ جو وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی کیا تھا۔ اسے پورا کیا۔ یہی دعا ان کی دنیا میں بھی تھی ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۹۴) یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تیری ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

---

[1] بات بالکل صاف ہے نیکی اور خیر کا کون سا ایسا شعبہ ہے جس میں سیدنا و سید الامۃ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ ورضی من خلیلہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ کچھ حصہ نہ ہو۔ ابتدائے اسلام میں' جس طرح انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی نہ اس سے پہلے کسی نے کی نہ ان کے بعد۔ یہ معاملہ یعنی جنت کے سب ہی دروازے ان کو بلا لیں کچھ بعید نہیں بلکہ عین ممکن ہے۔

[2] ایک جگہ کا نام ہے۔

ایک آیت میں ہے کہ اس موقعہ پر اہل جنت یہ بھی کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔ اگر وہ ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس حق لائے تھے۔ وہ یہ بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں۔ جس نے ہم سے غم دور کر دیا یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے یہ پاک جگہ ہمیں نصیب فرمائی۔ جہاں نہ کوئی دکھ درد ہے نہ کوئی رنج و غم۔ یہاں ہے کہ یہ کہیں گے اس نے ہمیں جنت کی زمین کا وارث بنایا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ﴾ (سورۂ انبیاء: ۱۰۵) یعنی ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اسی طرح آج جنتی کہیں گے کہ اس جنت میں ہم جہاں جگہ بنا لیں گے کوئی روک ٹوک نہیں۔ یہ ہے بہترین بدلہ ہمارے اعمال کا۔

معراج والے واقعہ میں صحیحین میں ہے کہ جنت کے ڈیرے، خیمے لؤلؤ کے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے۔ ابن صائد سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو اس نے کہا: سفید میدے جیسی مشک خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچ ہے۔ (مسلم)

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ابن صائد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی کا قول ہے کہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر یہ ایک درخت کو دیکھیں گے۔ جس کی جڑ میں سے دو نہریں نکلتی ہوں گی۔ ایک میں وہ غسل کریں گے۔ جس سے اس قدر پاک صاف ہو جائیں گے کہ ان کے جسم اور چہرے چمکنے لگیں گے۔ ان کے بال کنگھی کئے ہوئے تیل والے ہو جائیں گے کہ پھر کبھی سلجھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی نہ چہرے اور جسم کا رنگ روپ ہلکا پڑے گا۔ پھر یہ دوسری نہر پر جائیں گے۔ گویا کہ ان سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس میں سے پانی پئیں گے، جن سے تمام گھن کی چیزوں سے پاک صاف ہو جائیں گے۔ جنت کے فرشتے انہیں سلام کریں گے۔ مبارک باد پیش کریں گے اور انہیں جنت میں جانے کے لئے کہیں گے ہر ایک کے پاس ان کے غلام آئیں گے اور خوشی خوشی ان پر قربان ہوں گے اور کہیں گے آپ خوش ہو جائیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ بھاگے دوڑے جائیں گے اور جو حوریں اس جنتی کے لئے مخصوص ہیں ان سے کہیں گے لو مبارک ہو فلاں صاحب آ گئے۔ نام سنتے ہی خوش ہو کر وہ پوچھیں گی کہ کیا تم نے خود انہیں دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہے ہیں یہ مارے خوشی کے دروازے پر آ کھڑی ہوں گی۔ جنتی جب اپنے محل میں آئے گا تو دیکھے گا کہ گدے برابر لگے ہوئے ہیں اور آبخورے رکھے ہوئے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اس فرش کو ملاحظہ کر کے اب جو دیواروں کی طرف نظر کرے گا۔ تو وہ سرخ و سبز اور زرد سفید اور قسم قسم کے موتیوں کی بنی ہوئی ہوں گی۔ پھر چھت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے گا تو وہ اس قدر شفاف اور مصفی ہو گی کہ نور کی طرح چمک دمک رہی ہو گی۔ جس کی روشنی آنکھوں کی روشنی کو بجھا دے گی۔ اگر اللہ اسے برقرار رکھے تو پھر اپنی بیویوں پر یعنی جنتی حوروں پر محبت بھری نگاہ ڈالے گا۔ پھر اپنے تختوں میں سے جس پر اس کا جی چاہے بیٹھے گا اور کہے گا اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی۔

اگر اللہ ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم ہرگز اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے...... ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی۔ جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ

اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جاسکتی ہے[1] یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے۔ جس کے نیچے دو نہریں نکلتی ہیں ایک کا پانی یہ پئیں گے۔ جس سے ان کے پیٹ کا تمام فضلہ اور میل کچیل دھل جائے گا۔ دوسری نہر میں یہ غسل کریں گے پھر کبھی ان کے بدن میلے نہ ہوں گے ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور ان کے چہرے بارونق رہیں گے۔ اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہیں۔ یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی آواز پیدا ہوگی۔ اسے سنتے ہی ہر حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آ گئے یہ داروغہ کو حکم کرے گی کہ جاؤ دروازہ کھول دو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغہ کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا کہ اپنا سر اُٹھائیں میں تو تیرا ماتحت ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔

جب یہ اس دریاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے وہ بے تابانہ دوڑ کر خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی کہ تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں میں ہمیشہ یہاں رہنے والی ہوں۔ مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں۔ فقر و محتاجی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی۔ کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں۔ کبھی ادھر ادھر ہٹوں گی نہیں۔ پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی۔ اس کی تمام دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ کے موتیوں سے ہوں گی۔ اس گھر میں ستر تخت ہوں گے اور ہر تخت پر ستر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی۔ ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور سب حلوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہوگا۔ ان کے ایک اجتماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا۔ ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا۔ صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے اور دودھ کی نہریں ہوں گی۔ جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ جو دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلتا اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہوں گی۔ جو کسی انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی نہیں اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چاروں طرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہوگا۔ یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں گے تو لے سکیں گے۔ اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں گے تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ آسانی توڑ سکیں گے۔ اگر لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں گے تو شاخیں اور جھک آئیں گے۔

پھر آپ نے آیت ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا﴾ (سورۂ نسا: ۱۴) پڑھی۔ یعنی ان جنتی درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے۔ اس کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔ یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو سفید یا سبز رنگ کے پرندان کے پاس آ کر اپنا پر اونچا کر دیں گے۔ یہ جس قسم کا اس کے پہلو کا گوشت چاہیں کھائیں گے۔ پھر وہ زندہ کا زندہ جیسا تھا ویسا ہی ہو کر اُڑ جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے اور سیاہی سے نور کو روشن کر دے اور سیاہی نمایاں رہے۔ یہ حدیث غریب ہے گویا یہ مرسل ہے۔ واللہ اعلم

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ

[1] آواز سے زیادہ تیز تیار ہونے والے جہازوں کے دور میں اس حدیث کو قبول کرنے میں کیا تامل ہے۔

بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿۷۵﴾

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے اجلاس کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے○

سبحان اللہ:

جب اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اور اہل جہنم کا فیصلہ سنا دیا اور انہیں ان کے ٹھکانے پہنچائے جانے کا حال بھی بیان کر دیا اور اس میں اپنے عدل وانصاف کا ثبوت بھی دے دیا تو اس آیت میں فرمایا کہ قیامت کے روز اس وقت تو دیکھے گا کہ فرشتے خدا کے عرش کے چاروں طرف کھڑے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح عظمت اور بڑائی بیان کر رہے ہوں گے ساری مخلوق میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے ہو چکے ہوں گے۔ اس سراسر عدل اور بالکل رحم والے فیصلوں پر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ثناخوانی کرنے لگے گا اور جاندار اور بے جان چیز سے آواز اٹھے گی کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ چونکہ اس وقت ہر ہر چیز تر وخشک اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے گی۔ اس لئے مجہول کا فیصلہ لا کر فاعل کو عام کر دیا گیا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خلق کی پیدائش کی ابتدا بھی حمد سے ہے۔ فرماتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (سورۂ انعام: ۱) اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے فرماتا ہے: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (تفسیر طبری)

سُورَةُ الْمُؤْمِن

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَثَمَانُونَ آيَةً وَتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۹ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۸۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بعض سلف کا قول ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا حٰمٓ سے ہے انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے۔ال حٰمٓ کہا جائے۔حضرت محمد بن سیرینؒ بھی یہی کہتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ال حٰمٓ قرآن کا دیباچہ ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ ال حٰمٓ ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔حضرت مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں کہ ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔عروس دلہن کو کہتے ہیں۔حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے کسی اچھی منزل کی تلاش میں نکلے تو ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں گویا ابھی ابھی بارش برس چکی ہے۔یہ ذرا ہی کچھ آگے بڑھا ہوگا جو دیکھے کہ تروتازہ لہلہاتے ہوئے چند چمن ہیں۔یہ پہلے تر زمین کو دیکھ کر ہی تعجب میں تھا۔اب تو اس کا تعجب اور بڑھ گیا۔اس سے کہا گیا کہ پہلے کی مثال تو قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اور ان باغیچوں کی مثال ایسی ہے۔جیسے قرآن میں حٰمٓ والی سورتیں ہیں۔(بغوی) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کا دروازہ یہی حٰمٓ والی سورتیں ہیں۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب میں تلاوت کرتا ہوا حٰمٓ والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغیچوں کی سیر کر رہا ہوں۔ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء کو مسجد بناتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا: میں اسے حٰمٓ والی سورتوں کے لئے بنا رہا ہوں۔ممکن ہے کہ یہ مسجد وہ ہو جو دمشق کے قلعہ میں اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی حفاظت حضرت ابوالدرداء کی نیک نیتی کی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی اس کی برکت کے باعث ہو۔اس کلام میں دشمنوں پر فتح وظفر کی دلیل بھی ہے۔جیسے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے بعض جہادوں میں لشکر سے فرمایا تھا کہ اگر رات کو تم اچانک حملہ کرو۔تو تمہاری پہچان کے خاص الفاظ حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ ہیں۔ایک روایت میں تُنْصَرُوْنَ ہے۔مسند بزار میں ہے کہ جس نے آیت الکرسی اور سورہ حٰمٓ المؤمن کا ابتدائی حصہ پڑھ لیا۔وہ سارے دن کی برائی سے محفوظ رہے گا۔یہ حدیث ترمذی میں ہے اور اس کے ایک راوی پر کچھ حرج ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

حٰمٓ ۔(اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا۔گناہ بخشنے

والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا ہے۔ قدرت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے پاس سب کو جانا ہے ○

یہ صفات بلند پایہ:

سورتوں کے اول میں حٰمٓ وغیرہ جیسے جو حروف آئے ہیں ان کی پوری بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ جس کے اعادہ کی اب چنداں ضرورت نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حٰمٓ اللہ کا نام ہے اور اس کی شہادت ہیں وہ یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

یُذَکِّرُنِیْ حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ ☆ فَھَلَّا تَلَا حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

یعنی یہ مجھے حٰمٓ یاد دلاتا ہے جب کہ نیزہ تن چکا پھر چکا اس سے پہلے ہی اس نے حٰمٓ کیوں نہ کہہ دی

ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں وارد ہے کہ اگر تم پر شب خون مارا جائے تو حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ کہنا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں' مجھے یہ پسند ہے کہ اس حدیث کو یوں روایت کیا جائے کہ آپ نے فرمایا تم کہو: حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْا یعنی بغیر نون کے۔ تو گویا ان کے نزدیک لَا یُنْصَرُوْا جزا ہے فقولوا کی۔ یعنی جب تم یہ کہو گے تو تم مغلوب نہ ہوؤ گے تو قول صرف حٰمٓ رہا۔ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے جو عزت و علم والا ہے۔ جس کی جناب ہر بے ادبی سے پاک ہے اور جس پر کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں' گو وہ کتنے ہی پردوں میں ہو۔ وہ گناہوں کی بخشش کرنے والا ہے اور جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہونے والا ہے اور جو اس سے بے پروائی کرے اس کے سامنے سرکشی کرے اور تکبر کرے اور دنیا کو پسند کر کے آخرت سے بے رغبت ہو جائے۔ اللہ کی فرمانبرداری کو چھوڑ دے' اسے وہ سخت ترین عذاب اور سخت ترین سزائیں دینے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ (سورۂ حجر: ۵۰-۴۹) یعنی میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا بھی ہوں اور میرے عذاب بھی بڑے دردناک عذاب ہیں اور بھی اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں بہت ہیں۔ جن میں رحم و کرم کے ساتھ عذاب و سزا کا بیان بھی ہے تاکہ بندہ خوف و امید کی حالت میں رہے۔ وہ وسعت و غنٰی والا ہے۔ وہ بہت بہتری والا ہے بڑے احسانوں اور زبردست نعمتوں والا ہے اور رحمتوں والا ہے۔ بندوں پر اس کے احسان اس قدر ہیں کہ کوئی انہیں شمار بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ان کا شکر ادا کر سکے۔ بلکہ حقیقت یہ کہ کسی ایک نعمت کا بھی پورا شکر کسی سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس کی ایک صفت بھی کسی میں نہیں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ نہ اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش کرنے والا ہے۔ اس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا سزا دے گا اور بہت جلد حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آ کر مسئلہ پوچھا کہ میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے شروع سورت کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا: ناامید نہ ہو اور نیک عمل کئے جاؤ۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک شامی کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور تھا ذرا ایسا ہی آدمی۔ ایک مرتبہ بڑی مدت تک وہ آیا ہی نہیں۔ تو امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا: اس نے پینا بکثرت شروع کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا' لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف بعد السلام علیکم' میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریفیں بیان کرتا ہوں' جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو گناہوں کو بخشنے والا' توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب والا بڑے احسان والا ہے۔ جس کے سوا کوئی اللہ نہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ خط اس کی طرف بھجوا کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے دعا کرو کہ اللہ

تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب اس شخص کو حضرت عمر کا خط ملا تو اس نے اسے بار بار پڑھنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ کئی کئی مرتبہ اسے پڑھ کر رو دیا۔ پھر توبہ کی اور سچی توبہ کی۔ جب فاروق اعظم کو پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اسی طرح کیا کرو۔ جب تم دیکھو کہ کوئی مسلمان بھائی لغزش کھا گیا تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ شیطان کے مددگار نہ بنو۔ حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفے کے گردونواح میں تھا۔ میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز شروع کی اور اس سورۃ کی تلاوت کرنے لگا۔ میں ابھی اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جو میرے پیچھے سفید خچر پر سوار تھا۔ جس پر یمنی چادریں تھیں، مجھ سے کہا جب غَافِرِ الذَّنْبِ پڑھو تو کہو یَا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِي اور جب قَابِلِ التَّوْبِ پڑھو تو کہو یَا قَابِلَ التَّوْبِ اقْبَلْ تَوْبَتِيْ اور جب شَدِيْدَ الْعِقَابِ پڑھو تو کہو یَا شَدِيْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِيْ حضرت مصعب فرماتے ہیں کہ میں نے گوشہ چشم سے دیکھا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا، وہاں جو لوگ بیٹھے تھے، ان میں سے میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس سے گزرا۔ جس پر یمنی چادریں تھیں۔ انہوں نے کہا نہیں ہم نے تو کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اب لوگ خیال کرنے لگے کہ یہ حضرت الیاس تھے۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اس میں حضرت الیاس کا ذکر نہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ اعلم

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں یعنی قرآن میں (لوگ ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو اس کے منکر ہیں سو ان لوگوں کا شہروں میں امن و امان سے چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو ان کے بعد ہوئے (جیسے عاد و ثمود وغیرہ ہم دین حق کو) جھٹلایا تھا اور ہر امت میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں۔ سو میں نے آخر ان پر دارو گیر کی سو (دیکھو) میری میری طرف سے ان کو کیسی سزا ہوئی اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) دوزخی ہوں گے ○

کلام اللہ کے بدقسمت نکتہ چیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد اسے نہ ماننا اور اس میں نقصانات پیدا کرنے کی کوشش کرنا کافروں کا ہی کام

ہے۔ یہ لوگ اگر مالدار اور ذی عزت ہوں تو کسی دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ اگر یہ خدا کے نزدیک برے ہوتے تو خدا انہیں اپنی یہ نعمتیں کیوں عطا فرماتا۔ جیسے اور جگہ ہے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تو کچھ معمولی سا فائدہ ہے۔ آخری انجام تو ان کا جہنم ہے۔ جو بدترین جگہ ہے اور ایک جگہ ایک آیت میں ارشاد ہے کہ ہم انہیں بہت کم فائدہ دے رہے ہیں۔ بالآخر انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتا ہے کہ لوگوں کی تکذیب کی وجہ سے گھبرائیں نہیں۔ اپنے سے پہلے انبیاء کے حالات کو دیکھیں کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے والوں کی بھی بہت کم تعداد تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام جو بنی آدم میں سب سے پہلے رسول آئے جب لوگوں میں اوّل اوّل بت پرستی آئی تو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ان کے بعد بھی جتنے انبیاء آئے انہیں بھی ان کی اُمت جھٹلاتی رہی۔ بلکہ سب نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کو قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا اور بعض اس میں کامیاب بھی ہوئے اور اپنے شبہات سے اور باطل سے حق کو حقیر کرنا چاہا۔

طبرانی میں فرمانِ رسول ہے کہ جس نے باطل کی مدد کی تاکہ حق کو کمزور کر لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری الذمہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان باطل والوں کو پکڑ لیا اور ان زبردست گناہوں اور بدترین سرکشیوں کی بنا پر انہیں ہلاک کر دیا۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ میرے عذاب ان پر کیسے کچھ ہوئے؟ یعنی بہت سخت نہایت تکلیف دہ اور المناک جس طرح ان پر ان کے اس ناپاک عمل کی وجہ سے میرے عذاب اتر پڑے۔ اسی طرح اب اس امت میں سے جو اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں ان پر بھی میرے ایسے ہی عذاب نازل ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ اور نبیوں کو سچا مانیں لیکن جب تک تیری نبوت کے قائل نہ ہوں ان کی سچائی مردود ہے۔ واللہ اعلم

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ۧ

جو فرشتے کہ عرش (الٰہی) کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں[1] اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح) استغفار کیا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم

[1] اگر کوئی دن چڑھے آفتاب کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہو گیا ہو تو کیا کمال ہے۔ اسی طرح فرشتے جو عرش اعظم روحی فداہ کو اٹھائے ہوئے ......

ہر چیز کو شامل ہے سوان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک وکفر سے) توبہ کرلی ہے اور آپ کے رستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیجئے اے ہمارے پروردگار ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو جنت کے لائق یعنی مؤمن ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو قیامت کے دن ہر طرح کی تکالیف سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے بہت مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے ○

بارگاہِ الوہیت کے نقیب:

عرش کو اٹھانے والے چاروں فرشتے اور اس کے آس پاس کے تمام بہترین بزرگ ایک طرف تو اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں تمام عیوب اور کل نقائص اور برائیوں سے اسے دور بتلاتے ہیں۔ دوسری جانب اسے تمام ستائیشوں اور تعریفوں کے قابل مان کر اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ غرض جو اللہ میں نہیں اس کا انکار کرتے ہیں اور جو صفتیں اس میں ہیں انہیں ثابت کرتے ہیں۔ اس پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اس سے پستی اور عاجزی ظاہر کرتے ہیں اور کل ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں[1]۔ چونکہ زمین والوں کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اسے دیکھے بغیر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب فرشتے ان کے گناہوں کی معافی طلب کرنے کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ جو ان کے بغیر دیکھے ہر وقت ان کی تقصیروں کی معافی طلب کیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے[2] تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے اللہ سے مانگ رہا ہے۔ مسند احمد میں کہ امیہ بن صلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی' جیسا کہ شعر ہے۔

زُحَلٌ وَّ ثُورٌ تَحتَ رِجلِ یَمِینِہٖ ☆ وَالنَّسرُ لِلاُخرٰی وَلَیثٌ مِرصَدٌ

یعنی حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں۔ دو ایک طرف دو دوسری طرف۔ آپ نے فرمایا: سچ ہے۔ پھر اس نے کہا

وَالشَّمسُ تَطلَعُ کُلَّ اٰخِرِ لَیلَۃٍ ☆ حَمرَآءَ یُصبِحُ لَونُھَا یَتَوَرَّدُ

تَاْبیٰ فَمَا تَطلَعُ لَنَا فِی رِسلِھَا ☆ اِلَّا مُعَذَّبَۃٌ وَّ اِلَّا تَجلِدُ

= ہیں' اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں تو کیا کمال ہے۔ لیکن زمخشری نے لکھا ہے کہ ان فرشتوں کے بارے میں ایمان کا خاص ذکر محض ان کی تعریف ہی کے لئے نہیں بلکہ یہ بھی سمجھانے کے لئے ہے کہ ان مقرب فرشتوں کا بھی ایمان رویت اور مشاہدہ کا نہیں کہ اس (پیارے اللہ تعالیٰ) کو دیکھوں کے بعد ان کا ایمان بھی تمام تر دلائل ہی پر موقوف ہے۔

[1] علامہ آلوسی صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں ایمان کی عظمت اور اہل ایمان کی مقبولیت کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان ہی ہے جس کی بنا پر مقرب فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ مفہوم ہوا کہ مؤمنین کو بھی ایک دوسرے کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا چاہئے۔

[2] مدارک میں ہے کہ ایمان میں جب مؤمن شریک ہیں تو پھر ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے گو فاصلہ پر کیوں نہ ہو۔ لیکن مؤمن کا مؤمن پر حق ہے ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے رہیں۔ فیہ دلیل علی ان الاشتراک فی الایمان یجب ان یکون ادعی شیء الی النصیحۃ والشفقۃ وان تباعدت الاجناس والاماکن۔

یعنی سورج سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ پھر گلابی ہوتا ہے' اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: سچ ہے۔ اس حدیث کی سند بہت مضبوط ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں۔ ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ (سورۂ الحاقہ:۱۷) ہاں اس آیت کے مطلب اور اس حدیث کے استدلال میں ایک سوال رہ جاتا ہے کہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ بطحا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ایک ابر کو گزرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: سحاب۔ آپ نے فرمایا اور اسے مزن بھی کہتے ہیں؟ کہا: ہاں! فرمایا: عنان بھی؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا: جانتے ہو آسمان وزمین میں کس قدر فاصلہ ہے؟ صحابہ نے کہا: نہیں! فرمایا: صحابہ نے کہا نہیں۔ فرمایا: اکہتر' بہتر یا تہتر سال کا راستہ پھر اس کے اوپر کا آسمان بھی پہلے سے اتنے فاصلے پر ہے۔ اسی طرح ساتوں آسمان ہیں۔ ساتویں آسمان پر ایک سمندر ہے جس کی اتنی گہرائی ہے۔ پھر اس پر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت کے ہیں۔ جن کے کھر سے گھٹنے تک فاصلہ بھی اتنا ہی ہے ان کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی اونچائی بھی اس قدر ہے۔ پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش خداوندی اس وقت آٹھ فرشتوں کے اوپر ہے۔ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے کہ حاملانِ عرش آٹھ ہیں۔ جن میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ یعنی اے باری تعالیٰ! تیری پاک ذات ہی کے لئے ہر طرح کی حمد وثنا ہے کہ تو باوجود علم کے بردباری اور حلم کرتا ہے اور دوسرے چار کی تسبیح یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔ یعنی اے اللہ! قدرت کے باوجود تو جو معافی اور درگزر کرتا رہتا ہے۔ اس پر ہم تیری پاکیزگی اور تیری تعریف بیان کرتے۔ اسی لئے مؤمنوں کے استغفار میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدایا! تیری رحمت وعلم نے ہر چیز کو وسعت وکشادگی میں لے لیا ہے۔

بنی آدم کے تمام گناہوں' ان کی کل خطاؤں پر تیری رحمت چھائے ہوئے ہے۔ اسی طرح تیرا علم بھی ان کے جملہ اقوال افعال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ان کی کل حرکات وسکنات سے تو بخوبی واقف ہے پس تو ان کے برے لوگوں کو جب وہ توبہ کریں اور تیری طرف جھکیں اور گناہوں سے باز آجائیں اور تیرے احکام کی تعمیل کریں۔ نیکیاں کریں بدیاں چھوڑیں تو بخش دے اور انہیں جہنم کے دردناک گھبراہٹ والے عذابوں سے نجات دے اور انہیں مع ان کے والدین کے بیویوں اور بچوں کے جنت میں لے جا۔ تاکہ ان کی آنکھیں ہر طرح ٹھنڈی رہیں۔ گو ان کے اعمال ان جتنے نہ ہوں' تاہم تو ان کے درجات بڑھا کر اونچے درجوں میں پہنچائے۔

جیسے باری تعالیٰ عز اسمہ کا فرمان عالی شان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ﴾ (سورۂ طور:۲۱) یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور ان کے ایمان کی اتباع ان کی اولاد بھی کرے۔ ہم ان کی اولاد کو بھی ان سے ملائیں گے اور ان کا کوئی عمل کم نہ کریں گے درجے میں سب کو برابر کریں گے تاکہ دونوں جانب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور پھر یہ نہ کریں گے کہ درجوں میں بڑھے ہوؤں کو نیچا کر دیں۔ بلکہ نیچے والوں کو صرف اپنی رحمت واحسان کے ساتھ اونچا کر دیں گے۔ حضرت سعد بن جبیر فرماتے ہیں کہ مؤمن جنت میں جا کر پوچھے گا کہ میرا باپ میرے بھائی میری اولاد کہاں ہے؟ جواب ملے گا کہ ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اتنے درجے میں پہنچتے۔ یہ کہے گا: میں نے تو اپنے لئے اور ان سب کے لئے عمل کئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دے گا۔ پھر آپ نے اسی آیت: رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ ...... کی تلاوت فرمائی۔

حضرت مطرف بن عبداللہ کا فرمان ہے کہ ایمانداروں کی خیرخواہی فرشتے بھی کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی اور

شیاطین ان کی بدخواہی کرتے ہیں۔ تو ایسا غالب ہے۔ جس پر کوئی غالب نہیں اور جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو تو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ تو اپنے اقوال وافعال شریعت میں تقدیر میں حکمت والا ہے۔ تو انہیں برائیوں کے کرنے سے دُنیا میں اور ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ رکھ۔ قیامت کے دن رحمت والا وہی شمار ہوسکتا ہے۔ جسے تو اپنی سزا سے اپنے عذاب سے بچا لے۔ حقیقتاً بڑی کامیابی پوری مقصدوری اور ظفریابی یہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جائے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر اللہ کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہم کو دوبارہ مردہ رکھا اور دوبارہ زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کہاں (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے سو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبے والا ہے۔ وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق پہنچاتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے سو تم لوگ اللہ کو خالص اعتقاد کر کے پکارو۔ گو کافروں کو ناگوار (ہی) کیوں نہ ہو ○

کفر کی ناپاک اور گرد آلود پیشانی پر مکروہ شکن:

قیامت کے دن جب کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے۔ خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم رسید ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے با آواز بلند کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر برا تم آج اپنے آپ کو کہہ رہے ہو اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے۔ جب تمہیں اسلام و ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے۔ اس کے بعد کی آیت مثل آیت: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۸) کے ہے۔

سدی فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میں مار ڈالے گئے۔ پھر قبروں میں زندہ کئے گئے اور جواب سوال کے بعد مار ڈالے گئے۔ پھر قیامت کے دن زندہ کر دیئے گئے۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے روز میثاق کو زندہ کئے گئے پھر ماں کے پیٹ میں روح پھونکی گئی' پھر موت آئی۔ پھر قیامت کے دن جی اٹھے۔ لیکن یہ دونوں قول ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ اس طرح تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں اور آیت میں دو موت اور دو زندگی کا ذکر ہے۔ صحیح قول حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ (یعنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کی ایک زندگی اور قیامت کی دوسری زندگی پیدائش دنیا سے پہلے کی موت اور دنیا سے رخصت ہونے کی موت یہ دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں) مقصود یہ ہے کہ اس دن کفار اللہ تعالیٰ سے قیامت کے میدان میں آرزو کریں گے کہ اب انہیں دنیا میں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰی اِذِالْمُجْرِمُوْنَ﴾ (سورۂ سجدہ:۱۲) تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ خدایا! ہم نے دیکھ سن لیا ہے اب تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تو نیکیاں کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ لیکن ان کی یہ دعا قبول نہ کی جائے گی۔ پھر جب عذاب وسزا کو جہنم اور اس کی آگ کو دیکھیں گے اور جہنم کے کنارے پر پہنچا دیئے جائیں گے تو دوبارہ یہی درخواست کریں گے اور پہلی دفعہ سے زیادہ زور دے کر کہیں گے' جیسے ارشاد ہے: ﴿وَلَوْتَرٰیٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ﴾ (سورۂ انعام:۲۷) یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب کہ وہ جہنم کے پاس ٹھہرا دیئے گئے ہوں گے۔ کہیں گے کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جاتے اور اپنے رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان ہوتے بلکہ ان کے لئے وہ ظاہر ہو گیا جو اس سے پہلے وہ پوشیدہ کر رہے تھے۔

بالفرض اور یہ واپس بھی لوٹائے جائیں تو بھی دوبارہ یہ وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کئے گئے تھے۔ یہ ہیں ہی جھوٹے۔ اس کے بعد جب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور عذاب شروع ہو جائیں گے۔ اس وقت اور زیادہ اور زیادہ زوردار الفاظ میں یہی آرزو کریں گے۔ وہاں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ (سورۂ فاطر:۳۷) اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے۔ ہم نیک اعمال کرتے رہیں گے' ان کے خلاف جواب تک کرتے رہے۔ جواب ملے گا: کیا ہم نے انہیں اتنی عمر اور مہلت نہ دی کہ اگر یہ نصیحت حاصل کرنے والے ہوتے تو یقیناً حاصل کر سکتے تھے۔ بلکہ تمہارے پاس ہم نے آگاہ کرنے والے بھی بھیج دیئے تھے۔ اب اپنے کرتوت کا مزہ چکھو' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ کہیں گے: خدایا! ہمیں یہاں سے نکال دے اگر ہم پھر وہی کریں گے تو یقیناً ظالم ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دور ہو جاؤ۔ اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ اس آیت میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ قائم کر کے سوال میں ایک گونہ لطافت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان کیا کہ باری تعالیٰ مردہ تھے تو نے ہمیں زندہ کر دیا۔ پھر مار ڈالا۔ پھر زندہ کر دیا۔ پس تو ہر اس چیز پر جسے تو چاہے قادر ہے۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ یقیناً ہم نے اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کی۔ اب اس عذاب سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت بنا دے۔ یعنی ہمیں دنیا کی طرف پھر لوٹا دے جو یقیناً تیری قدرت میں ہے۔ ہم وہاں جا کر اپنے پہلے اعمال کے خلاف اچھے اعمال کریں گے۔ اب اگر ہم وہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دوبارہ دنیا میں جانے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر دوبارہ چلے بھی جاؤ گے تو پھر وہی کرو گے جس سے منع کئے جاؤ گے۔ تم نے اپنے دل ہی ٹیڑھے کر لئے ہیں۔ تم اب بھی حق کو قبول نہ کرو گے۔ بلکہ اس کے خلاف ہی کرو گے۔ تمہاری تو یہ حالت تھی کہ جہاں خدائے واحد کا ذکر آیا اور تمہارے دل میں کفر سمایا۔ ہاں اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو تمہیں یقین وایمان آ جاتا تھا۔ یہی حالت پھر تمہاری ہو جائے گی۔ دنیا میں اگر دوبارہ گئے تو دوبارہ یہی کرو گے۔

پس حاکم حقیقی جس کے حکم میں کوئی ظلم نہ ہو۔ سراسر عدل وانصاف ہی ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے ہدایت دے جس چاہے نہ دے جس پر چاہے رحم کرے جسے چاہے عذاب کرے۔ اس حکم وعدل میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ اللہ اپنی قدرتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ زمین وآسمان میں اس کی توحید کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ سب کا خالق سب کا مالک سب کا پالنے والا اور حفاظت کرنے والا وہی ہے وہ آسمان سے روزی یعنی بارش نازل فرماتا ہے جس سے ہر قسم کے اناج کی کھیتیاں اور طرح طرح کے عجیب عجیب مزے کے مختلف رنگ روپ اور شکل وضع کے میوے اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ پانی ایک زمین ایک پس اس سے بھی اس کی شان ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عبرت ونصیحت غور وفکر کی توفیق ان ہی کو ہوتی ہے۔ جو اللہ کی طرف رغبت ورجوع کرنے والے ہوں۔ اب تم دعا اور عبادت خلوص کے ساتھ صرف اللہ واحد کی کیا کرو۔ مشرکین کے مذہب ومسلک سے الگ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے (مسند احمد) یہ حدیث مسلم ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرو اور مقبولیت کا یقین کامل رکھو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور دوسری طرف کے مشغول دل کی دعا نہیں سنتا۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ وہ صاحب وحی لوگوں کی اجتماع کے دن (یعنی قیامت کے دن) سے ڈرائے جس دن سب لوگ (اللہ کے) سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی بات اللہ سے مخفی نہ رہے گی۔ آج کے روز کسی کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج (کسی پر) کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○

آج کی حکمرانی:

اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور عظمت اور اپنے عرش کی بڑائی اور وسعت بیان فرماتا ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ (سورۂ معارج: ۳) یعنی وہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا جو سیڑھیوں والا ہے کہ فرشتے اور روح اس کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے اور اس بات کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا کہ یہ دوری ساتویں زمین سے عرش تک کی ہے۔ جیسے کہ سلف وخلف کی ایک جماعت کا قول ہے اور یہی راجح بھی ہے۔

انشاءاللہ۔ بہت سے مفسرین سے منقول ہے کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے جس کے دو کناروں کی وسعت پچاس ہزار سال کی ہے اور جس کی اونچائی ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی ہے اور اس سے پہلے اس حدیث میں جس میں فرشتوں کا عرش کو اٹھانا بیان ہوا ہے یہ بھی گزر چکا ہے کہ ساتویں آسمان سے بھی وہ بہت بلند اور بہت اونچا ہے وہ جس پر چاہے وحی بھیجے۔

جیسے فرمایا: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ﴾ (سورۂ نحل: ۲) وہ فرشتوں کو وحی[1] دے کر جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مجھ سے ڈرتے رہو اور جگہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۹۲) یعنی یہ قرآن تمام عالم کے رب کا اتارا ہوا ہے جسے معتبر فرشتے نے تیرے دل پر اتارا ہے۔ تاکہ تو ڈرانے والا بن جائے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔ جس میں حضرت آدمؑ خود اور ان کی اولاد میں سے سب سے آخری بچہ ایک دوسری سے مل لے گا۔

ابن زید فرماتے ہیں کہ بندے اللہ سے ملیں گے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بندے اللہ سے ملیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے ملاقات کرے گا۔ بلکہ عامل اور اس کا عمل بھی ملے گا۔ آج سب اللہ کے سامنے ہوں گے بالکل ظاہر باہر ہوں گے۔ چھپنے کی تو کہاں سائے کی جگہ بھی کوئی نہ ہوگی۔ سب اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ اس دن خود اللہ فرمائے گا کہ آج بادشاہت کس کی ہے؟ کون ہوگا جو جواب تک دے؟ پھر خود ہی جواب دے گا کہ اللہ اکیلے کی جو ہمیشہ واحد واحد ہے اور سب پر غالب و حکمران ہے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں میں متکبر ہوں زمین کے بادشاہ اور جبار اور متکبر لوگ آج کہاں ہیں؟ صور کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل جب تمام مخلوق کی روح قبض کر لے گا اور اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس وقت تین مرتبہ فرمائے گا کہ آج ملک کس کا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا کہ اللہ واحد غالب کا ہے یعنی اس کا جو واحد ہے اس کا جو ہر چیز پر غالب ہے۔ جس کی ملکیت میں ہر چیز ہے ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قیمت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ لوگو! قیامت آ گئی۔ جسے مردے زندے سب سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائے گا اور کہے گا کہ آج کس کے لئے ملک ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ اکیلے غلبہ والے کے لئے ہے پھر اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ ذرا سا بھی ظلم اس دن نہ ہوگا۔ بلکہ نیکیاں دس دس گنی کر کے ملیں گے اور برائیاں اتنی ہی رکھی جائیں گی۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر بھی حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے۔ پس تم میں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے آخر میں ہے اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں۔ جنہیں نگاہ میں رکھتا ہوں اور جن کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کی ملامت کرے۔

پھر اپنے جلد حساب لینے کا بیان فرمایا کہ ساری مخلوق سے حساب لینا اس پر ایسا ہے جیسے ایک شخص کا حساب لینا۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (سورۂ لقمان: ۲۸) یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو مرنے کے بعد زندہ

[1] گویا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ''روح'' سے وحی مراد ہے۔ وحی کو روح سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جسد بے جان کی کائنات روح سے ہے۔ اس طرح وحی۔ موت کفر سے انسان کو نجات دلاتی ہے اور ایمان کی زندگی اس میں پھونکتی ہے۔

کرنا میرے نزدیک مثل ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کر دینے کے ہے اور آیت میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ (سورۂ قمر:۵۰) یعنی ہمارے حکم کے ساتھ ہی کام ہو جاتا ہے اتنی دیر میں جیسے کسی نے آنکھ بند کر کے کھول لی۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۥ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع ۱۱

اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے (کہ روز قیامت ہے) ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے (اور غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے (اس روز) ظالموں کا کوئی ولی نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی ہو گا جس کا کہنا مانا جائے وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور اللہ کے سوا جن لوگوں کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ کر سکتے (کیوں کہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ○

یہ پرآشوب دن:

ازفہ قیامت کا ایک نام ہے۔ اس لئے کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ﴾ (سورۂ نجم:۵۷) یعنی قریب آنے والی قریب ہو چکی ہے۔ جس کا کھولنے والا اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ (سورۂ قمر:۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمان ہے: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ (سورۂ انبیاء:۱) لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور فرمان ہے: ﴿اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ (سورۂ نحل:۱) اللہ کا امر آ چکا تم اس میں جلدی نہ کرو اور آیت میں ہے: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (سورۂ ملک:۲۷) یعنی جب اسے قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔

الغرض اس نزدیکی کی وجہ سے قیامت کا نام ازِفَہ ہے۔ اس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔ وہ خوف و ہراس ہو گا کہ کسی کا دل ٹھکانے نہ رہے گا۔ سب پر غضب کا سناٹا چھایا ہوا ہو گا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ کیا مجال کہ بے اجازت کوئی لب ہلا سکے۔ سب رو رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو گا' ان کا آج کوئی دوست غمگسار نہ ہو گا۔ جو ان کے کام آئے۔ نہ شفیع اور سفارشی ہو گا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے۔ بلکہ ہر بھلائی کے اسباب کٹ چکے ہوں گے اس اللہ کا علم محیط کل ہے۔

تمام چھوٹی بڑی' چھپی کھلی باریک باتیں اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں۔ اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں' ہر شخص کو ڈرنا چاہئے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے رکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔ آنکھ جو خیانت کے لئے اٹھتی ہے' گو بظاہر وہ امانت ظاہر کرے۔ لیکن وہ رب علیم پر مخفی نہیں۔ سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہوا اور دل

میں جو بات پوشیدگی سے اٹھتی ہو اس کا اسے علم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مراد وہ شخص ہے جو مثلاً کسی کے گھر گیا۔ وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے یا آ جا رہی ہے۔ تو یہ کنکھیوں سے اسے دیکھتا ہے۔ جہاں کسی کی نظر پڑی تو نگاہ پھیر لی اور جب موقعہ پایا آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا۔ پس خائن آنکھ کی خیانت کو اس کے دل کے راز کو خدائے علیم تو خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوشیدہ عضو بھی دیکھ لے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھ مارنا، اشارے کرنا اور بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بتانا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نگاہ جس نیت سے ڈالی جائے اللہ پر روشن ہے۔ پھر سینے میں چھپا ہوا خیال کہ اگر موقعہ ملے اور بس ہو تو آیا یہ بدکاری سے بھی باز رہے گا۔ وہ عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ نیک دے اور برائی کی سزا دے وہ سننے دیکھنے والا ہے۔

جیسے فرمان ہے کہ وہ بروں کو ان کے سزا اور بھلوں کو ان کی بھلائی کی جزا عنایت فرمائے گا۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں۔ خواہ وہ بت اور تصویریں ہوں خواہ اور کچھ وہ چونکہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ ان کی حکومت ہی نہیں تو حکم اور فیصلے کریں گے ہی کیا؟ اللہ اپنی مخلوق کے اقوال کو سنتا ہے ان کے احوال کو دیکھ رہا ہے۔ جسے چاہے راہ دکھاتا ہے جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ اس کا اس میں بھی سراسر عدل و انصاف ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قوت اور ان نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں۔ ان سے بہت زیادہ تھے سو ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ نے ان پر دار و گیر فرمائی اور ان کا کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا یہ (مواخذہ) اس سبب سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے۔ پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مواخذہ فرمایا۔ وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے ○

سیر کر دُنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تیری رسالت کے جھٹلانے والے کفار نے اپنے سے پہلے کے رسولوں کے جھٹلانے والے کفار کی حالتوں کو اِدھر اُدھر چل پھر کر نہیں دیکھا؟ جو ان سے زیادہ قوی طاقتور اور جسیم تھے۔ جن کے مکانات اور عالی شان عمارتوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جو ان سے زیادہ با تمکنت تھے۔ ان سے بڑی عمروں والے تھے۔ جب ان سے کفر اور گناہوں

کی وجہ سے عذاب الٰہی ان پر آ گیا۔ تو نہ تو کوئی ان سے اسے ہٹا سکا نہ کسی میں مقابلہ کی طاقت تھی۔ نہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نکلی۔ غضب اللہ ان پر برس پڑنے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں اور صاف روشن حجتیں لے کر آئے۔ باوجود اس کے انہوں نے کفر کیا۔ جس پر اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کفار کے لئے انہیں باعث عبرت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ پوری قوت والا سخت پکڑ والا۔ شدید عذاب والا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے نجات دے۔ آمین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا' لے کر آ گئے تو ان (مذکورہ) لوگوں نے (بطور مشورہ کے) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں' ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی اور فرعون نے (اہل دربار سے) کہا کہ مجھ کو چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہئے کہ اپنے رب کو مدد کے لئے پکارے۔ مجھ کو (اندیشہ) ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی (نہ) پھیلا دے اور موسیٰ نے (جب یہ بات سنی تو) کہا کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ شخص (کے شر) سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا ○

قصہ موسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے اگلے رسولوں کے قصے بیان فرماتا ہے کہ جس طرح انجام کار فتح و ظفر ان کے ساتھ رہی۔ اس طرح آپ بھی ان کفار سے کوئی اندیشہ نہ کیجئے۔ میری مدد آپ کے ساتھ ہے۔ انجام کار آپ ہی کی بہتری اور برتری ہوگی۔ جیسے کہ موسیٰ بن عمران علیہما السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم نے دلائل و براہین کے ساتھ بھیجا قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو مصر کا سلطان تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیر اعظم تھا اور قارون کی طرف جو اس کے زمانے میں سب سے زیادہ

دولت مند تھا اور تاجروں کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ان بدنصیبوں نے اللہ کے اس زبردست رسول کو جھٹلایا اور ان کی توہین کی اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔ یہی جواب اگلی امتوں کے کافروں کا بھی انبیاء علیہم السلام کو ملتا رہا۔

جیسے ارشاد ہے: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ (سورۂ ذاریات: ۵۲) یعنی اسی طرح ان سے پہلے بھی جتنے رسول آئے۔ سب سے ان کی قوم نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا انہوں نے اس پر کوئی متفقہ تجویز کر رکھی ہے؟ نہیں بلکہ دراصل یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ جب ہمارے رسول موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس حق لائے اور اپنی رسالت پر زبردست دلیلیں قائم کر دیں تو ان لوگوں نے رسولوں کو ستانا شروع کر دیا اور دکھ پہنچانا شروع کر دیا اور فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ اس رسول پر جو ایمان لائے ہیں ان کے ہاں جو لڑکے ہوں انہیں قتل کر دو اور جو لڑکیاں ہوں انہیں زندہ چھوڑ دو۔ اس سے پہلے بھی یہی حکم جاری کر چکا تھا۔ اس لئے کہ اسے خوف تھا کہ کہیں حضرت موسیٰ پیدا نہ ہو جائیں۔ یا اس لئے کہ بنی اسرائیل کی تعداد کم کر دے اور انہیں کمزور اور بے طاقت بنا دے اور ممکن ہے کہ دونوں مصلحتیں سامنے ہوں اور اب دوبارہ حکم کی وجہ تو یہی تھی کہ یہ جماعت مغلوب رہے اور ان کی گنتی نہ بڑھے اور یہ پست و ذلیل رہے تا کہ انہیں خیال ہو کہ ہماری اس مصیبت کا باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا بھی کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ایذا دی گئی اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی ہم ستائے گئے۔ آپ نے جواب دیا تم جلدی نہ کرو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو برباد کر دے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کا فریب اور ان کی یہ پالیسی کی بنی اسرائیل فنا ہو جائیں، تھی ہی بے فائدہ اور فضول۔ فرعون کا ایک بدترین قصہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا کہ مجھے چھوڑو! میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالوں گا۔ وہ اپنے اللہ کو اپنے مدد پر پکارے مجھے کوئی پروا نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا۔ تمہاری عادات و رسومات کو تم سے چھڑا دے گا اور زمین میں ایک فساد پھیلا دے گا اسی لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی: صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا۔ بعض قراءتوں میں بجائے اِنْ يُّظْهِرَ کے يَظْهَرَ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کا یہ بدارادہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: میں اس کی اور اس جیسوں کی برائی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اے مخاطب لوگو! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس شخص کی ایذارسانی سے جو حق سے تکبر کرنے والا اور قیامت کے دن ایمان نہ رکھنے والا ہو[1]۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَاُبِكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ! ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں۔

---

[1] علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس رعایت کو پیش نظر رکھ کر کہا ہے کہ آفات حوادث سے بچنے کے لئے اگر دعائیں عمومی انداز میں کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو صرف فرعون کے مظالم سے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی۔ لیکن انہوں نے دعا کی بالکل عام۔ تو معلوم ہوا کہ عمومی انداز ہی میں دعا مناسب اور بہتر ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اور (اس مجلس مشورہ میں) ایک مؤمن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور) اب تک ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعویٰ پر) دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور گروہ سچا ہے تو وہ جو کچھ پیش کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو (اپنی) حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو سو اللہ کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر (ان کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر آپڑا فرعون نے (یہ تقریر سن کر جواب میں) کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو جو دیکھ رہا ہوں (کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے) اور میں تم کو عین طریق مصلحت بتاتا ہوں

ایک مؤمن کی حقیقت بیانی:

مشہور تو یہی ہے کہ مؤمن قبطی تھے اور فرعون کے خاندان میں سے تھے۔ بلکہ سدی فرماتے ہیں کہ فرعون کے یہ چچازاد بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پائی تھی۔ امام ابن جریر بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں کا قول ہے کہ یہ مؤمن بھی اسرائیلی تھے۔ آپ نے ان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ اسرائیلی ہوتے تو نہ فرعون اس طرح سے صبر سے ان کی نصیحت سنتا نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ارادے سے باز آتا۔ بلکہ انہیں ایذا پہنچاتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آل فرعون میں سے ایک تو یہ مرد ایماندار تھا اور دوسرے فرعون کی بیوی ایمان لائی تھی۔ تیسرا وہ شخص جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ سرداروں کا مشورہ تمہیں قتل کرنے کا ہو رہا ہے۔ یہ اپنے ایمان کو چھپاتے رہتے تھے۔ لیکن قتل موسیٰؑ کی خبر سن کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور یہی درحقیقت سب سے بہتر اور افضل جہاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انسان کلمہ حق کہہ دے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے اور فرعون کے سامنے اس سے زیادہ بڑا کلمہ کوئی نہ تھا۔ پس یہ شخص بہت بڑے مرتبے کے مجاہد تھے۔ جن کے مقابلہ کا کوئی نظر نہیں آتا۔ البتہ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ایک واقعہ کئی روایتوں سے موجود ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ سب سے بڑی ایذا مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پہنچائی ہے؟ آپ نے

فرمایا: سنو! ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور اپنی چادر میں بل دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر گھسٹنے لگا۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا مبارک گھٹنے لگا۔ اسی وقت حضرت صدیق اکبرؓ دوڑے بھاگے آئے اور اسے دھکا دے کر دور پھینکا اور فرمانے لگے: کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس دلیلیں لے کر آیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ قریشیوں کا مجمع جمع تھا جب آپ وہاں سے گزرے تو انہوں نے کہا: کیا تو ہی ہے جو ہمیں ہمارے باپ دادوں کے معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہاں میں ہی ہوں۔ اس پر وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور کپڑے گھسیٹنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیا اور آنسو بہاتے ہوئے بآوازِ بلند اُن سے یہ فرمایا اور پوری آیت: اَتَقْتُلُوْنَ کی تلاوت کی۔

پس اس مؤمن نے بھی یہی کہا کہ اس کا قصور تو صرف اتنا ہی ہے کہ یہ اپنا رب اللہ کو بتلاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اس پر سند اور دلیل پیش کرتا ہے۔ اچھا مان لو بالفرض یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں سزا دے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ستایا، دکھ پہنچایا تو یقیناً تم پر عذاب برس پڑے گا۔ جیسے کہ وہ کہہ رہا ہے[1]۔ پس عقلاً لازم ہے کہ تم اسے چھوڑ دو۔ جو لوگ اس کی مان رہے ہیں مانیں۔ تم کیوں اس کے درپے آزاد ہو رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون اور فرعونیوں سے یہی چاہا تھا۔

جیسے آیت: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ سے فَاعْتَزِلُوْنِ (سورۂ دخان: ۱۷-۲۱) تک ہے۔ یعنی ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا۔ ان کے پاس رسول کریم کو بھیجا۔ اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سونپ دو۔ میں تمہاری طرف رب کا رسول امین ہوں۔ تم اللہ سے بغاوت نہ کرو۔ دیکھو میں تمہارے پاس کھلی دلیلیں اور زبردست معجزے لایا ہوں تم مجھے سنگسار کر دو گے، اس سے میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھے چھوڑ دو۔ یہی جناب رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف مجھے پکارنے دو تو میری ایذا رسانی سے باز رہو اور میری قرابت داری کو خیال کرتے ہوئے دکھ نہ دو۔

صلح حدیبیہ بھی دراصل یہی چیز تھی۔ جو کھلی فتح کہلوائی۔ وہ مؤمن کہتا ہے کہ مسرف اور جھوٹے آدمی راہ یافتہ نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ خدائی نصرت نہیں ہوتی۔ ان کے اقوال و افعال بہت جلد ان کی خباثت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے یہ نبی اللہ اختلاف و اضطراب سے پاک ہیں۔ صحیح اور اچھی راہ پر ہیں۔ زبان کے سچے عمل کے پکے ہیں۔ اگر یہ حد سے گزر جانے والے ہوتے اور جھوٹے ہوتے تو یہ راستی اور عمدگی ان میں ہرگز نہ ہوتی۔ پھر قوم کو نصیحت کرتے ہیں اور انہیں خدائی عذابوں سے ڈراتے ہیں۔ بھائیو تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی سلطنت عطا فرمائی ہے۔ بڑی عزت دی ہے۔ تمہارا حکم جاری کر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر تمہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کے رسولوں کو سچا ماننا چاہیے۔

یاد رکھو اگر تم نے ناشکری کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بری نظریں ڈالیں تو یقیناً عذاب اللہ تم پر آ جائے گا۔ بتلاؤ اس

---

[1] امام رازی لکھتے ہیں کہ میں نے جب کبھی اپنے پر جھوٹے الزام لگانے والوں کو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو غیب سے اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمی کھڑے کر دیئے۔ جنہوں نے میری طرف سے وہ کامیاب مدافعت کی۔ جس کی بنا پر میرے دشمن زچ ہو گئے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: ولقد جسوت فی احوال نفس انہ کلما قصدلی شریم بشر ولم اتقرض لہ واکتفی بتفویض ذلک الامر الی اللّٰہ فانہ سبحانہ یقبض اقواما لا اعرفہم البتہ یعاولون فی دفع ذلک الشر۔

وقت کسے پکارو گے۔ جو تمہاری مدد پر کھڑا ہو اور اللہ کے عذابوں کو روکے یا ٹالے؟ یہ لاؤ لشکر یہ جان و مال کچھ کام نہ آئیں گے۔ فرعون سے اور تو کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ کھسیانا بن کر قوم میں اپنی خیر خواہی جتانے لگا کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔ جو میرا خیال ہے اور میرے ذہن میں ہے وہی تم پر ظاہر کرتا ہوں۔ حالانکہ دراصل یہ بھی اس کی خیانت تھی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جیسے فرمان باری ہے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۱۰۲) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں، جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں۔

آیت میں ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾ (سورۂ نمل:۱۴) یعنی انہوں نے باوجود دلی یقین کے از راہ ظلم و زیادتی انکار کر دیا۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی سراسر غلط تھا کہ میں تمہیں حق کی سچائی کی اور بھلائی کی راہ دکھاتا ہوں۔ اس لئے وہ لوگوں کو دھوکا دے رہا تھا اور رعیت کی خیانت کر رہا تھا۔ لیکن اس کی قوم اس کے دھوکے میں آ گئی اور فرعون کی بات مان لی۔ فرعون نے انہیں کوئی بھلائی کی راہ پر نہ ڈالا۔ اس کا کام ٹھیک تھا ہی نہیں اور جگہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ فرعون نے اپنی قوم کو بہکا دیا اور انہیں صحیح راہ تک نہ پہنچنے دیا نہ پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو امام اپنی رعایا سے خیانت کھیل رہا ہو وہ مر کر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا۔ حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ

مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اوراس مؤمن نے کہا: صاحبو مجھ کو تمہاری نسبت اورامتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا قوم نوح اور عاد اور ثمود اوران کے بعد والوں (یعنی قوم لوط) وغیرہ کا حال ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور صاحبو مجھ کو تمہاری نسبت اس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہوں گی۔ جس روز (موقوف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) لوٹو گے اور اس وقت تم کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جس کو اللہ ہی گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور اس سے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف علیہ السلام دلائل (توحید نبوت کے) لے کر آ چکے ہیں سو تم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے ہیں جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے۔ حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ کسی رسول کو نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپے سے باہر ہو جانے والوں (اور) شہادت میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے ان کے پاس کے پاس موجود ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مؤمنین کو بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے ○

جتھ بندی کا دن:

اس مؤمن کی آخری نصیحت کا آخری حصہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے فرمایا: دیکھو تم نے اللہ کے رسول کی نہ مانی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں اگلی قوموں کی طرح تم پر عذاب اللہ برس نہ پڑے۔ قوم نوح اور عادیوں' ثمودیوں کو دیکھ کر کہ پیغمبروں کی نہ ماننے کے وبال میں ان پر کیسے عذاب آئے اور کوئی نہ ہوا جو اس عذاب کو ٹالتا یا روکتا۔ اس میں اللہ کا کچھ ظلم نہ تھا۔ اس کی ذات بندوں پر ظلم کرنے سے پاک ہے۔ ان کے اپنے کرتوت تھے جو ان کے لئے وبال جان بن گئے۔ مجھے تم پر قیامت کے دن کے عذاب کا بھی ڈر ہے۔ جو ان کی پکار کا دن ہے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور زمین پھٹ جائے گی تو لوگ مارے گھبراہٹ کے اِدھر اُدھر پریشان حواس بھاگنے لگیں گے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے۔ حضرت ضحاک وغیرہ کا قول ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب جہنم لائی جائے گی اور لوگ اسے دیکھ کر بھاگیں گے اور فرشتے انہیں میدان محشر کی طرف واپس لائیں گے۔

جیسے فرمایا ہے: ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا﴾ (سورۂ حاقہ: ۱۷) یعنی فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور فرمان ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا﴾ (سورۂ رحمٰن: ۳۳) یعنی اے انسانو اور جنو! اگر تم زمین وآسمان کے کناروں سے بھاگ نکلنے کی طاقت رکھتے ہو' نکل بھاگو۔ لیکن یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ حسن اور ضحاک کی قراءت میں يَوْمَ التَّنَادّ دال کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ ماخوذ ہے: نَدَّ الْبَعِيْرُ سے' جب اونٹ چلا جائے اور سرکشی کرنے لگے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جس ترازو میں عمل تولے جائیں گے وہاں ایک فرشتہ ہوگا' جس کی نیکیاں بڑھ جائیں گی۔ وہ بآواز بلند پکار اٹھے گا کہ لوگو! فلاں کا لڑکا فلاں سعادت والا ہو گیا اور آج کے بعد سے اس پر شقاوت کبھی نہیں آئے گی اور اگر اس کی نیکیاں گھٹ گئیں تو وہ فرشتہ بآواز بلند کہے گا کہ فلاں بن فلاں بدنصیب ہو گیا اور تباہ و برباد ہو گیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ قیامت کو یوم التناد اس لئے کہا گیا ہے کہ جنتی جنتیوں اور جہنمی جہنمیوں کو پکاریں گے اور اعمال کے ساتھ پکاریں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجہ یہ ہے کہ جنتی جہنمیوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچ پایا۔ تم بتلاؤ کہ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچ پایا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہاں اسی طرح جہنمی جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی ہی چھوا دو یا وہ کچھ دے دو' جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ جنتی جواب دیں گے کہ یہاں کے کھانے

پینے کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے اسی طرح سورہ اعراف میں یہ بھی بیان ہے کہ اعراف والے جہنمیوں اور جنتیوں کو پکاریں گے۔ بغوی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ہیں اور ان سب وجوہ کی بنا پر قیامت کے دن کا نام یوم التناد ہے۔ یہی قوم مناسب ہے۔ واللہ اعلم ۔ اس دن لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لیکن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ٹھہرنے کی جگہ یہی ہے۔ اس دن کوئی نہ ہوگا' جو بچا سکے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے۔ بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی قادر مطلق نہیں۔ وہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ اس سے پہلے اہل مصر کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر بن کر آئے تھے۔ آپ کی بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی۔ عزیز مصر بھی آپ ہی تھے اور اپنی امت کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ لیکن قوم نے ان کی اطاعت نہ کی۔ ہاں بوجہ دینوی جاہ کے اور وزارت کے انہیں ماتحتی کرنی پڑتی تھی پس فرماتا ہے کہ تم ان کی نبوت کی طرف سے بھی شک میں ہی رہے۔ آخر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم بالکل مایوس ہو گئے اور طمع کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو نبی بنا کر بھیجے گا ہی نہیں' یہ تھا ان کا کفر اور ان کی تکذیب۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کر دیتا ہے جو بے جا کام کرنے والے' حد سے گزر جانے والے اور شک وشبہ میں مبتلا رہنے والے ہوں۔ یعنی جو تمہارا حال ہے یہی حال ان سب کا ہوتا ہے جن کے کام اسراف والے ہوں اور جن کا دل شک وشبہ والا ہو۔ جو لوگ حق کو باطل سے ہٹاتے ہیں اور بغیر دلیل کے دلیلوں کو ٹالتے ہیں اس پر اللہ ان سے ناخوش ہے اور سخت تر ناراض ہے۔ ان کے یہ افعال جہاں اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں وہاں ایمانداروں کی بھی ناخوشی کا پیش خیمہ ہیں۔ جن لوگوں میں ایسی واہی صفتیں ہوتی ہیں' ان کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ جس کے بعد انہیں نہ اچھائی اچھی معلوم ہوتی ہے نہ برائی بری لگتی ہے۔ متکبر وہ شخص جو حق سے سرکشی کرنے والا ہو اور تکبر وغرور والا ہو۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں: جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کرے وہ جبار ہے۔ واللہ اعلم

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

اور فرعون نے کہا: اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ شاید میں آسمان پر جانے کی رہوں تک پہنچ جاؤں پھر (وہاں جا کر) موسیٰ کے اللہ کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کی (اور) بدکرداریاں (بھی) اسے مستحسن معلوم ہوتی تھیں اور (سیدھے) راستہ سے رُک گیا اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی ○

فرعون کی خرمستیاں:

فرعون کی سرکشی اور تکبر کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا محل بنا۔ اینٹوں اور چونے کی پختہ اور بہت اونچی عمارت بنا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس نے کہا: اے ہامان![1] اینٹیں پکا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا۔ حضرت

[1] شاید آپ کو معلوم نہ ہو' ہامان کسی متعین شخص کا نام نہیں۔ بلکہ فرعون کی طرح یہ بھی ایک لقب ہے جو دیوتا آمن کے مندر کا سب سے بڑا پجاری ہوتا اس کو ہامان کہتے اور یہی شخص سلطنت کا چیف انجینیر ہوتا۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قبر کو پختہ بنانا اور اسے چونہ گچ کرنا سلف صالحین مکروہ جانتے تھے۔ (ابن ابی حاتم) فرعون کہتا ہے کہ یہ محل میں اس لئے بنوا رہا ہوں کہ آسمان کے دروازوں اور آسمان کے راستوں تک میں پہنچ جاؤں اور موسیٰ (علیہ السلام) کے اللہ کو دیکھ لوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہے جھوٹا۔ وہ جو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے اسے بھیجا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ دراصل فرعون کا یہ ایک مکر تھا اور وہ اپنی رعیت پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں ایسا کام کرتا ہوں' جس سے موسیٰ علیہ السلام کا جھوٹ بالکل کھل جائے اور میری طرح تمہیں بھی یقین آ جائے کہ موسیٰ غلط گو' مفتری اور کذاب ہے فرعون راہ سے روک دیا گیا۔ اس کی ہر تدبیر الٹی ہی رہی اور جو کام وہ کرتا ہے وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور وہ خسارے میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

اور اس مومن نے کہا اے بھائیو! تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک راہ بتلاتا ہوں اے بھائیو یہ دینوی زندگانی محض حظ چند روز ہے اور (اصل) ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے (جہاں جزا کا یہ قانون ہے کہ) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خوہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا○

نیک راہ:

فرعون کی قوم کا مومن مرد جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' اپنی قوم کے سرکشوں خود پسندوں اور متکبروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری بات مانو' میری راہ پر چلو۔ میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا۔ یہ اپنے اس قول میں فرعون کی طرح کاذب نہ تھا۔ وہ تو اپنی قوم کو دھوکا دے رہا تھا اور یہ ان کی حقیقی خیر خواہی کر رہا تھا۔ پھر انہیں دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کہتا ہے کہ دنیا ایک ڈھل جانے والا سایہ اور ختم ہو جانے والا فائدہ ہے۔ لازوال اور ہیشگی والی جگہ تو اس کے بعد آنے ولی آخرت ہے۔ جہاں کی رحمت و زحمت ابدی اور غیر فانی ہے جہاں برائی کا بدلہ تو اس کے برابر ہی دیا جاتا ہے۔ ہاں نیکی کا بدلہ بے حساب دیا جاتا ہے۔ نیکی کرنے والا مرد ہو چاہے عورت ہو۔ ہاں یہ شرط ہے کہ ہو باایمان۔ اسے اس نیکی کا ثواب اس قدر دیا جائے گا جو بے حد حساب ہو گا۔ واللہ اعلم

وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ٘ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو (طریق) نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کا ساتھی بناؤں جس (کے ساجھی ہونے) کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں اور میں تم کو اللہ زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور (یقینی بات ہے کہ) ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے اور جو لوگ دائرہ (عبودیت) سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے۔ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (اس مؤمن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا آگے بیان ہے کہ) ہو لوگ (برزخ میں) صبح اور شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو مع فرعون کے نہایت سخت عذاب داخل کرو ○

[مرد] مؤمن کا ایک سوال:

قوم فرعون کا مرد مؤمن اپنا وعظ جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں توحید کی طرف بلا رہا ہوں، میں تمہیں [اللہ کے] رسول کی تصدیق کرنے کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے کفر و شرک کی طرف بلا رہے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ میں جاہل بن جاؤں اور بے [دلیل] اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کروں؟ غور کرو کہ تمہاری اور میری دعوت میں کس قدر فرق ہے؟ میں تمہیں اس اللہ کی طرف لے جانا [چاہتا] ہوں، جو بڑی عزت اور کبریائی والا ہے۔ باوجود اس کے وہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے، جو اس کی طرف جھکے اور استغفار کرے۔ [لا جر]م کے معنی حق و صداقت کے ہیں۔ یعنی یہ یقینی حق اور سچ ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ یعنی بتوں اور سوائے اللہ کے [دوسروں] کی عبادت کی طرف وہ ہیں، جنہیں دین و دنیا کا کوئی اختیار نہیں۔ جنہیں نفع نقصان پر کوئی قابو نہیں جو اپنے پکارنے والے کی پکار کو [ن]ہیں نہ قبول کر سکیں۔ نہ یہاں نہ وہاں۔ جیسے فرمان باری ہے: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ احقاف: ۵) یعنی [اس] سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت تک نہیں سن سکتے۔ جنہیں مطلق خبر نہیں کہ کون ہمیں [پکار رہا ہے]

پکار رہا ہے؟ جو قیامت کے دن اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے بالکل انکار کر جائیں گے۔ گو تم انہیں پکارا کرو۔ لیکن وہ نہیں سنتے اور بالفرض اگر سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔

مرد مؤمن آلِ فرعون سے کہتا ہے کہ ہم سب کو لوٹ کر اللہ ہی پاس جانا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا بدلہ بھگتنا ہے۔ وہاں سے حد سے گزر جانے والے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والے ہمیشہ کے لئے جہنم واصل کر دیئے جائیں گے۔ تم اس وقت گو میری باتوں کی قدر نہ کرو۔ لیکن ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میری باتوں کی صداقت وحقانیت تم پر واضح ہو جائے گی۔ اس پر ندامت حسرت اور افسوس کرو گے۔ لیکن وہ محض بے سود ہوگا۔ میں تو اپنا کام سپرد اللہ کرتا ہوں' میرا توکل اسی کی ذات پر ہے۔ میں اپنے ہر کام میں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تم سے الگ ہوں اور تمہارے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام حالات سے دانا و بینا ہے۔ مستحق ہدایت جو ہیں' ان کی وہ رہنمائی کرے گا اور مستحقین ضلالت اس رہنمائی سے محروم رہیں۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور اس کی ہر تدبیر میں اچھائی ہوتی ہے۔ اس مؤمن کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مکر سے بچالیا۔ دنیا میں بھی وہ محفوظ رہا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس نے نجات پائی اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہا۔ باقی تمام فرعونی بدترین عذاب کا شکار ہوئے۔ سب عذاب میں ڈبو دیئے گئے۔ پھر وہاں سے جہنم واصل کر دیئے گئے۔

ہر صبح شام ان کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ قیامت تک یہ عذاب انہیں ہوتا رہے گا اور قیامت کے دن ان کی روحیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گے اور اس دن ان سے کہا جائے گا کہ اے آلِ فرعون! سخت دردناک اور بہت زیادہ تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ۔ یہ آیت اہلسنّت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ میں یعنی قبروں میں عذاب ہوتا ہے' بہت بڑی دلیل ہے۔ ہاں یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بعض حدیثوں میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے شریف کی ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہوا کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح وشام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے۔ یا جسم کو بھی اس کا علم آپ کو مدینے شریف میں کرایا گیا اور آپ نے اسے بیان فرما دیا۔ پس حدیثوں اور قرآن کو بلا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب وثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اب حدیثوں کو ملاحظہ فرمایئے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت گزار تھی۔ حضرت عائشہؓ جب کبھی اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتیں تو وہ دعا دیتی اور کہتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ ایک روز حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا قیامت سے پہلے قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں تو' یہ کس نے کہا؟ حضرت عائشہؓ نے اس یہودیہ عورت کا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا: یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو اس سے زیادہ جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت کپڑا لپیٹے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور با آواز بلند فرما رہے تھے کہ قبر مانند سیاہ رات کی اندھیری کے ٹکڑوں کے ہے۔ لوگو! اگر تم وہ جانتے ہو میں جانتا ہوں تو بہت زیادہ روتے اور کم ہنستے۔ لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ یقین مانو کہ عذابِ قبر حق اور ہدایت میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت نے حضرت عائشہؓ سے مانگا' جو آپ نے دیا اور اس نے وہ دی اس کے آخر میں ہے کہ اس کے کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہاری آزمائش قبر میں

منزل

جاتی ہے۔

پس ان حدیثوں اور آیت میں ایک تطبیق تو وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آیت تُعْرَضُوْنَ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے لیکن س سے یہ لازم نہیں آتا کہ مؤمن کو بھی اس کے بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ صرف حدیث شریف سے ثابت ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی کہتی تھی کیا آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے؟ اسے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کانپ گئے اور فرمایا: یہودی آزمائے جاتے ہیں۔ پھر چند دنوں بعد آپ نے فرمایا: لوگو! تم سب قبروں کے فتنے میں ڈالے جاؤ گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت سے صرف روح کے عذاب کا ثبوت ہوتا تھا۔ اس سے جسم تک اس عذاب کے پہنچنے کا ثبوت نہیں تھا۔ بعد میں بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم کرایا گیا کہ عذاب قبر جسم و روح کو ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے پھر اس سے محفوظ رہنے کی دعا شروع کی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک یہودیہ عورت آئی اور اس نے کہا: عذاب قبر سے ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا قبر میں عذاب ہوتا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! عذاب قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے سنتے ہی یہودیہ عورت کی تصدیق کی اور اوپر والی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی تکذیب کی تھی۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں، پہلے واقعہ کے وقت چونکہ وحی سے آپ کو معلوم نہیں تھا، اس لئے آپ نے انکار کر دیا۔ پھر معلوم ہو گیا تو آپ نے اقرار کیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ قبر کے عذاب کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آچکا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ رہتی دنیا تک ہر صبح شام فرعونیوں کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ بدکارو تمہاری اصلی جگہ یہ ہے۔ تاکہ ان کے رنج وغم بڑھیں۔ ان کی ذلت وتوہین ہو۔

پس آج بھی وہ عذاب میں ہی ہیں اور دائماً اس میں رہیں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں۔ وہ جنت میں جہاں کہیں چاہیں چگتی پھرتی ہیں اور مؤمنوں کے بچوں کی روحیں چڑیوں کے قالب میں ہیں اور جہاں وہ چاہیں جنت میں چگتی پھرتی ہیں اور عرش کے تلے کی قندیلوں میں آرام حاصل کرتی ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ صبح بھی جہنم کے پاس جاتی ہیں اور شام کو بھی یہی ان کا پیش ہونا ہے۔ معراج والی ایک طویل روایت میں ہے کہ پھر مجھے ایک بہت بڑی مخلوق کی طرف لے چلے، جن میں سے ہر ایک کا پیٹ مثل بہت بڑے گھڑے کے تھا۔ جو آل فرعون کے پاس قید تھے اور آل فرعون صبح شام آگ پر لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ان فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں لے جاؤ اور یہ فرعونی لوگ نکیل والے اونٹوں کی طرح منہ نیچے کئے ہوئے پتھر اور درخت چر رہے ہیں اور بے عقل وشعور ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو احسان کرے خواہ مسلم ہو یا کافر اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دیتا ہے۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کافر کو بدلہ کیا ملتا ہے؟ فرمایا: اگر اس نے صلہ رحمی کی ہے یا صدقہ دیا ہے یا اور کوئی اچھا کام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اُس کے مال میں، اس کی اولاد میں، اس کی صحت میں اور ایسی ہی اور چیزوں میں عطا فرماتا ہے۔ ہم نے پھر پوچھا اور آخرت میں کیا ملے گا؟ فرمایا: بڑے درجے سے کم درجے کا عذاب۔ پھر آپ نے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ پڑھی۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴

ابن جریر میں ہے کہ حضرت اوزاعیؒ سے ایک شخص[1] نے پوچھا کہ ذرا ہمیں یہ تو بتلاؤ' ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے سفید پرندوں کا غول کا غول سمندر سے نکلتا ہے اور اس کے مغربی کنارے پر اڑتا ہوا صبح کے وقت جاتا ہے۔ اس قدر زیادتی کے ساتھ کہ ان کی تعداد کوئی گن نہیں سکتا۔ شام کے وقت ایسا ہی جھنڈ کا جھنڈ واپس آتا ہے لیکن اس وقت ان کے رنگ بالکل سیاہ ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے سے خوب مطلع کر لیا؟ ان پرندوں کے قالب میں فرعونیوں کی روحیں ہیں' جو شام آگ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں پھر اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ ان کے پر جل گئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر رات کو وہ اُگ آتے ہیں اور سیاہ جھڑ جاتے ہیں پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہی حالت ان کی دنیا میں ہے اور قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان فرعونیوں کو سخت عذابوں میں داخل کرو۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھ لاکھ کی ہے جو فرعون کی فوج تھی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو ہر صبح و شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم اور کہا جائے گا کہ تیری اصلی جگہ یہ ہے' یہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم شریف میں ہے۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابعین) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا اور (اس کے بعد) جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔ فرشتے کہیں گے کہ (یہ بتلاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے دوزخی کہیں گے کہ ہاں آتے تو رہے تھے۔ فرشتے کہیں گے پھر تم ہی دُعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے ۞

[1] ظاہر ہے کہ محض ایک واقعہ ہے۔ نہ قرآن کی آیت اور نہ کوئی صحیح حدیث جس کو تسلیم کرنے پر آپ مجبور ہوں۔

آتش نشینوں کے خرافاتی جھگڑے:

جہنمی لوگ جہنم کے اور عذابوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک اور عذاب کے بھی شکار ہوں گے۔ جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ یہ عذاب فرعونیوں کو بھی ہوگا اور دوسرے دوزخیوں کو بھی۔ یعنی آپس کے لڑائی جھگڑے' چھوٹے بڑوں سے' یعنی تابعداری کرنے والے اور حکم احکام کے ماننے والے جن کی بڑائی اور بزرگی کے قائل تھے اور جن کی باتیں تسلیم کیا کرتے تھے اور جن کے کہنے پر عمل کرتے تھے ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تو تمہارے تابع فرمان رہے۔ جو تم نے کہا ہم بجالائے۔ کفر اور گمراہی کے احکام بھی جو تمہاری بارگاہ سے صادر ہوئے تمہارے تقدس اور علم وفضل سرداری اور حکومت کی بنا پر ہم سب کو مانتے رہے۔ اب یہاں ہمیں کچھ تو کام آیئے۔ ہمارے عذاب کا ہی کوئی حصہ اپنے اوپر اٹھا لیجئے یہ رؤسا اور امراء سادات اور بزرگ جواب دیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ جل جھلس رہے ہیں ہمیں جو عذاب ہو رہے ہیں وہ کیا کم ہیں جو تمہارے عذاب اٹھائیں؟ اللہ کا حکم ہو چکا ہے۔ رب فیصلے فرما چکا ہے۔ ہر ایک کو اس کے بد اعمال کے مطابق سزا دے چکا ہے۔ اس میں کمی ناممکن ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہر ایک کے لئے بڑھا چڑھا عذاب ہے۔ گو تم نہ سمجھو۔ جب اہل دوزخ سمجھ لیں گے کہ اللہ ان کی دعا قبول نہیں فرماتا بلکہ کان بھی نہیں لگاتا اللہ تعالیٰ ڈانٹ دیتا ہے اور فرما چکا ہے کہ یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو تو وہ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے[1] جو وہاں کے ایسے ہی پاسباں ہیں' جیسے دنیا کے جیل خانوں کے نگہبان اور داروغے اور محافظ سپاہ ہوتے ہیں' ان سے کہیں گے کہ تم ہی ذرا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کسی ایک دن ہی وہ ہمارے عذاب ہلکے کر دے۔ وہ انہیں جواب دیں گے کیا رسول کی زبانی خدائی احکام دنیا میں تمہیں پہنچے نہ تھے؟ تو یہ کہیں گے: ہاں پہنچے تھے' تو فرشتے کہیں گے' پھر اب تم آپ ہی اللہ سے دعا کرو۔ ہم تو تمہاری طرف سے کوئی عرض اس جناب میں نہیں کر سکتے' بلکہ اب ہم تمہاری ہائے وائے کا بھی خیال نہیں کریں گے بلکہ ہم خود تم سے بیزار اور تمہارے دشمن ہیں۔ ہم تمہیں کہے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو تمہارے لئے اور کوئی دعا کرے ناممکن ہے کہ تمہارے عذاب میں کمی ہو۔ کافروں کی دعا نامقبول اور مردود ہے[2]

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

[1] کیونکہ دعا مغفرت کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اور ایمان کے لئے دار العمل یعنی دنیا کی ضرورت تھی۔ دنیا میں ایمان نہیں لائے اس لئے آج مغفرت کی دعا قبول ہو تو کیسے؟

[2] مفسرین نے اس موقع پر قرآن بلاغت کے ثبوت میں اس نکتہ کو خوب پیش کیا ہے کہ قرآن یہاں یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ وقال الذین فی النار لخزنتها یعنی جہنم کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ صرف خزنتہ میں ضمیر اس کو اگر نار کی طرف راجع کر دے تو بھی مراد جہنم ہی کی فرشتے ہوئے کیونکہ نار سے بھی ظاہر ہے کہ مراد جہنم ہی ہے۔ پھر جہنم کی تصریح کیوں کی؟ جواب اس کا یہ دیتے ہیں کہ جہنم کا صراحۃً ذکر اس لئے ہے تاکہ لوگوں کے دل میں دہشت اور خوف پیدا ہو۔

حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دینوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی) فرشتے جو کہ اعمال نامے لکھتے تھے کھڑے ہوں گے جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہو گی اور (آپ کے قبل) ہم موسیٰ کی ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی۔ کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل کے لئے سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے (اس) گناہ کی جس کو مجازاً گناہ کہہ دیا معافی مانگئے اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (اور) جو لوگ بلا کسی سند کے ان کہ کے پاس موجود ہو خدائی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی) بڑائی ہے کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے بے شک وہی ہے سب کچھ دیکھنے والا ○

نصرتِ الٰہی:

آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ پھر دیکھتے ہیں کے بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا۔ جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت اشعیا صلوات اللہ علیہم وسلامہ اور بعض انبیا کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہ ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔ پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا۔ جیسے ایذا پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔

چنانچہ حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت اشعیا علیہم السلام کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیر وزبر کر ڈالا۔ ان کے خون کی ندیاں بہادیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا کو معلوم ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی، ان پر اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا اور ان کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت واہانت ہوئی اور ابھی جب قیامت کے قریب آپ اتریں گے، تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کو جو اس کے لشکری ہوں گے، قتل کریں گے اور امام عادل اور حاکم با انصاف بن کر تشریف لائیں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی دینوی امداد بھی فرماتا ہے اور

کے دشمنوں سے خود انتقام لے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے دوستوں سے دشمنی کرے۔ اس نے مجھے لڑائی کے لئے طلب کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں۔ جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے۔ اسی بنا پر اس مالک الملک نے قوم نوح سے عادیوں اور ثمودیوں سے اصحاب الرس سے' قوم لوط سے' اہل مدین سے اور ان سے ان تمام لوگوں سے' جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور اللہ کا خلاف کیا تھا' بدلہ لیا تھا' ایک ایک کو چن کر تباہ برباد کیا اور جتنے مؤمن ان میں تھے' ان سب کو بچا لیا۔ امام سدیؒ فرماتے ہیں کہ جس قوم میں اللہ کے رسول آئے یا ایمان دار بندے انہیں پیغام الٰہی پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مؤمنوں کی بے حرمتی کی اور انہیں مارا پیٹا' قتل کیا۔ ضرور بالضرور اس زمانے میں عذاب اللہ ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گو انبیاء اور مؤمنین یہاں قتل کئے گئے۔ لیکن ان کا خون رنگ لایا ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد اعانت نہ ہو اور ان کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔

اشرف الانبیاء حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی دنیا کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپ کو اور آپ کے اصحابؓ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔ آپ کے کلمہ کو بلند و بالا کیا۔ آپ کا دین دنیا کے تمام دینوں پر غالب آیا۔ قوم کی زبردست مخالفت کے وقت اپنے نبی کو مدینے میں پہنچا دیا اور مدینے والوں کو سچا جان نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں توڑ دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھیڑ دیئے۔ سرداران مشرک یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے۔ قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت و اہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں دست بدست گرے پابدست دگرے ہو گئے۔ حکمت اللہ نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا۔ فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے۔ لیکن پھر مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز نہ آئے اور اپنے کرتوت پر اڑے رہے تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی۔ وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے ہوئے دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سامنے لائے گئے اور بلادِ حرم کی عظمت و عزت رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پوری ہوئی اور تمام شرک و کفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے خانۂ اللہ کو پاک صاف کر دیا گیا۔

بالآخر یمن بھی فتح ہوا اور پورا جزیرۂ عرب قبضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آ گیا اور لوگ جوق در جوق دین اللہ میں داخل ہو گئے۔ پھر رب العالمین نے اپنے رسول کو اپنی طرف بلایا اور وہاں کی عظمت و کرامت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر آپ کے بعد آپ کے نیک نہاد صحابہ کو آپ کا جانشین بنایا۔ جو محمدی جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف خلق اللہ کو بلانے لگے۔ جو راہ میں حائل ہوا اسے الگ کیا جو خار چمن میں نظر پڑا اسے کاٹ ڈالا۔ گاؤں گاؤں شہر شہر ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی۔ جو مانع ہوا اسے منع کا مزہ چکھایا۔ اس ضمن میں مشرق و مغرب میں سلطنت اسلامی پھیل گئی۔ زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر اصحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح حاصل کی۔ اسلامی نقوش دلوں پر بٹھا دیئے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا۔ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم زمین کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ صوت محمدیہ بہرے کانوں تک بھی پہنچا دی۔ صراط محمدی

اندھوں نے بھی دیکھ لی۔ اللہ تعالیٰ اس پاک باجماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آمین الحمدللہ آج تک اللہ کا دین غالب ومنصور ہے۔ آج تک مسلمانوں میں حکومت وسلطنت موجود ہے[1]۔ آج تک ان کے ہاتھوں میں اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام موجود ہے اور آج تک ان کے سروں پر ربّ کا ہاتھ ہے اور قیامت تک یہ دین مظفرو منصور ہی رہے گا[2] جو اس سے بھڑے گا منہ کی کھائے گا اور پھر کبھی منہ نہ دکھائے گا یہی مطلب ہے اس آیت مبارک کا قیامت کے دن بھی دینداروں کی مدد نصرت ہوگی اور بہت بڑی بڑی اور بہت اعلیٰ پیمانہ تک۔

گواہوں سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسری آیت میں یوم بدل ہے۔ پہلی آیت کے اسی لفظ سے یعنی قراءتوں میں یوم ہے۔ تو گویا یہ پہلے یوم کی تفسیر ہے۔ ظالموں سے مراد مشرک ہیں۔ ان کا عذر وفدیہ قیامت کے دن مقبول نہ ہوگا۔ وہ رحمت رب سے اس دن دور دھکیل دیئے جائیں گے۔ ان کے لئے برا گھر یعنی جہنم ہوگا۔ ان کی عاقبت خراب ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ہدایت ونور بخشا۔

بنی اسرائیل کا انجام بہتر کیا۔ فرعون کے مال وزمین کا انہیں وارث بنایا۔ کیونکہ یہ اطاعت اللہ اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت قدمی کے ساتھ سختیاں برداشت کرتے رہے۔ جس کتاب کے یہ وارث بنے وہ عقل مندوں کے لئے سرتاپا باعث ہدایت وعبرت تھی۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صبر کیجئے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ کا ہی بول بالا ہوگا انجام سے اور آپ والے ہی غالب رہیں گے۔ رب اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ بلاشک وشبہ دین اللہ اونچا ہوکر ہی رہے گا۔ تو اپنے رب سے استغفار کرتا رہ۔ آپ کو دے کر دراصل آپ کی امت کو استغفار پر آمادہ کرنا ہے۔

دن کے آخری اور رات کے انتہائی وقت اور دن کے ابتدائی اور رات کے انتہائی وقت خصوصیت کے ساتھ رب کی پاکیزگی تعریف بیان کیا کر۔ جو لوگ باطل پر جم کر حق کو ہٹا دیتے ہیں۔ دلائل کو کٹ حجتی سے ٹال دیتے ہیں' ان کے دلوں میں بجز تکبر اور نہیں۔ ان میں اتباع حق سے سرکشی ہے۔ یہ رب کی باتوں کی عزت جانتے ہی نہیں۔ لیکن جو تکبر اور جو خودی اور جو اپنی اونچائی وہ چاہتے ہیں وہ انہیں ہرگز حاصل ہونے کی نہیں۔ ان کے مقصود باطل ہیں۔ ان کے مطلوب لاحاصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کر کہ ان کا حال کسی بھلے آدمی کا نہ ہوا اور ان نخوت پسندوں کی شرارت سے بھی اللہ کی پناہ چاہا کر یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہتے تھے کہ دجال انہی میں سے ہوگا اور اس کے زمانے میں یہ زمانے کے بادشاہ ہو جائیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ یہ سمیع وبصیر ہے۔ لیکن آیت یہودیوں کے بارے میں بتلانا اور دجال کی باشاہی اور اس کے فتنے سے پناہ کا حکم' یہ سب چیزیں تکلف سے پر ہیں۔ مانا کہ یہ تفسیر ابن حاتم میں ہے۔ مگر یہ قول ندرت سے خالی نہیں۔ ٹھیک یہی ہے کہ عام ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِ

[1] صدیوں قبل کی یہ تحریر ہے۔ تاہم صداقت اب بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس میں موجود ہے۔ حکومت مسلمانوں کی ڈھیلی ڈھالی ہی سہی نام ہے بہت

[2] انشاءاللہ تعالیٰ۔

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

بالیقین آسمانوں اور زمین کا (ابتداءً) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے۔لیکن اکثر آدمی (اتنی بات) نہیں سمجھتے اور بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) بدکار برابر نہیں ہوتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔قیامت تو ضرور آ کر ہی رہے گی اس کے آنے میں کسی طرح شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے ○

تخلیق زمین و آسمان:

اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتا ہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جب کہ اس نے آسمان و زمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کر دیا۔تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ اور آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا اور اس اتنی بڑی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا اُس پر مردوں کا زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو اس کی معلومات یقیناً نوحہ کرنے کے قابل ہیں۔اس کی جہالت میں کیا شک ہے۔جو ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکے؟ تعجب ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو تو تسلیم کر لیا جائے اور اس سے چھوٹی چیز کو محال محض مانا جائے۔اندھے اور دیکھنے کا فرق ظاہر ہے۔ٹھیک اسی طرح مسلم و مجرم کا فرق ہے۔اکثر لوگ کس قدر کم نصیحت قبول کرتے ہیں۔یقین مانو کہ قیامت کا آنا حتمی ہے۔پھر بھی اس کی تکذیب کرنے اور اسے باور نہ کرنے سے بیشتر لوگ باز نہیں آتے۔ایک یمنی شیخ اپنی سنی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں کہ قرب قیامت پر لوگوں پر بلائیں برس پڑیں گی اور سورج کی حرارت سخت تیز ہو جائے گی۔واللہ اعلم

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے ○

جہنم ٹھکانہ اُن کا:

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس احسان پر قربان ہو جائیں کہ وہ ہمیں دعا کی ہدایت کرتا ہے اور قبولیت کا وعدہ کرتا ہے۔امام سفیان ثوریؒ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔اے وہ اللہ جسے وہ بندہ بہت ہی پیارا لگتا ہے جو بکثرت اس سے دعائیں کیا کرے اور وہ بندہ اسے سخت برا معلوم ہوتا ہے جو اس سے دعا نہ کرے۔اے میرے رب! یہ صفت تو صرف تیری ہی شاعر کہتا ہے۔

اَللّٰهُ یَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ ☆ وَبَنِیْٓ اٰدَمَ حِیْنَ یُسْاَلُ یَغْضَبُ

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ اس سے پہلے کی کسی امت کو نہیں دی گئیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، کہ دیکھو ہر نبی کو اللہ کا فرمان یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں کچھ حرج نہیں۔ اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری دعا قبول کروں گا۔ لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا۔ (ابن ابی حاتم)

ابو یعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: چار خصلتیں ہیں، جن میں سے ایک میرے لئے ہے ایک تیرے اور میرے درمیان اور ایک تیرے درمیان اور میرے دوسرے بندوں کے درمیان جو خاص میرے لئے ہے وہ تو یہ کہ تو صرف میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور جو تیرا حق مجھ پر ہے وہ یہ کہ تیرے ہر عمل خیر کا پورا پورا بدلہ میں تجھے دوں گا۔ جو تیرے میرے درمیان ہے۔ وہ یہ کہ تو دعا کر اور میں قبول کیا کروں اور چوتھی خصلت جو تیرے بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے لئے وہ چاہ جو اپنے لئے پسند رکھتا ہے۔ مسند احمد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دعا عین عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور حاکم اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

مسند میں ہے کہ جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی موت کے بعد ان کی تلوار کے میان سے ایک پرچہ نکلا۔ جس میں تحریر تھا کہ تم اپنے رب کی رحمتوں کے مواقع کو تلاش کرتے رہو۔ بہت ممکن ہے کہ کسی ایسے وقت تم دعائے خیر کرو کہ اس وقت رب کی رحمت جوش میں ہو اور تمہیں وہ سعادت مل جائے۔ جس کے بعد کبھی بھی حسرت و افسوس نہ کرنا پڑے۔ آیت میں عبادت سے مراد دعا اور توحید ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کئے جائیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہوگی۔ انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی۔ انہیں جہنمیوں کا لہو، پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ملک روم میں کافروں کا ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے با آواز بلند کہہ رہا ہے، خدایا! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسروں سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ خدایا! اس پر تعجب ہے، جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پرزور آواز اور لگائی اور کہا: پورا تعجب اس پر جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے، جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں۔ تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا، جو تیرے فائدہ کے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ

الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اسی نے دن کو (دیکھنے کے لئے) روشن بنایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے۔ لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں) کا شکر نہیں کرتے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (بعد اثبات توحید کے) تم لوگ شرک کر کے کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت (کے) بنایا اور تمہارا نقاب بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں۔ (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب سو بڑا عالیشان ہے۔ اللہ جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ وہی (ازلی ابدی) زندہ (رہنے والا) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس پکارا کرو۔ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا ○

صاحب فضل عمیم:

اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرماتا ہے کہ اس نے رات سکون وراحت کی چیز بنائی[1] اور دن کو روشن چمکیلا کیا تاکہ ہر شخص کو اپنے کام کاج میں سفر میں طلب معاش میں سہولت ہو اور دن بھر کا کسل اور تھکان رات کے سکون وآرام سے اتر جائے۔ مخلوق پر اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل وکرم کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اور یہ راحت وآرام کے سامان مہیا کر دینے والا ہی اللہ واحد ہے۔ جو تمام چیزوں کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ کوئی اس کے سوا مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔

پھر تم کیوں اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ جو خود مخلوق ہیں۔ کسی چیز کو انہوں نے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ جن بتوں کی پرستش کرتے ہو وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پہلے مشرکین بھی اس طرح بہکے اور بے دلیل وحجت غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے خواہش نفسانی کو سامنے رکھ کر دلائل اللہ کی تکذیب کی اور جہالت کو آگے رکھ کر بہکتے بھٹکتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین تمہارے لئے قرار گاہ بنائی۔ یعنی ٹھہری ہوئی اور فرش کی طرح بچھی ہوئی کہ اس پر تم اپنی زندگی گزارو۔ چلو پھرو آؤ جاؤ۔ پہاڑوں کو اس

[1] اگر یہ پیش نظر رہے کہ دنیا کی بعض احمق قوموں نے دن اور رات کو بھی مستقل معبود باور کر کے انکی بھی پرستش کی ہے تو پھر جعل لكم الليل والنهار کے ذکر کی اہمیت آپ کی سمجھ میں آئے گی۔

میں گاڑ کر اسے ٹھہرا لیا کہ اب ہل جل نہیں سکتی اس نے آسمان کو چھت بنایا جو ہر طرح محفوظ ہے۔اس نے تمہیں بہترین صورتوں میں پیدا کیا۔ ہر جوڑ ٹھیک ٹھاک اور نظر فریب بنایا۔ موزوں قامت' مناسب اعضاء' سڈول بدن' خوبصورت چہرہ عطا فرمایا۔ نفیس اور بہترین چیزیں کھانے پینے کو دیں۔ پیدا اسی نے کیا ہے۔ بسایا اس نے' کھلایا پلایا اس نے' پہنایا اوڑھایا اس نے۔

پس صحیح معنی میں خالق و رازق وہی رب العالمین ہے۔ جسے سورہ بقرہ میں فرمایا: ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ (سورۂ بقرہ:۲۱) یعنی لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا۔ تاکہ تم بچو۔ اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے بارش نازل فرما کر اس کی وجہ سے پھل نکال کر تمہیں روزیاں دیں۔ پس تم باوجود ان باتوں کے جاننے کے اللہ تعالیٰ کے شریک اوروں کو نہ بناؤ۔ یہاں بھی اپنی یہ صفتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہی اللہ تمہارا رب ہے اور سارے جہان کا رب بھی وہی ہے۔ وہ بابرکت ہے وہ بلندی پاکیزگی برتری اور بزرگی والا ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں۔ وہی اول آخر' ظاہر و باطن ہے۔ اس کا کوئی وصف کسی دوسرے میں نہیں۔ اس کا نظیر و عدیل کوئی نہیں۔ تمہیں چاہئے کہ اس کی توحید کو مانتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے رہو اور اس کی عبادت میں مشغول رہو۔ تمام تعریفوں کا مالک اللہ رب العالمین ہی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے والے کو ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھنا چاہئے تا کہ اس آیت پر عمل ہو جائے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت سعد بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب تو فَادْعُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ پڑھے تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا کرو اور اس کے ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ لیا کر۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے سلام کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

(مسلم' ابوداؤد' نسائی)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

آپ (ان مشرکوں کو منانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں ان شرکاء کی عبادت کروں جن کو اللہ کے علاوہ تم کو پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آ چکیں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے گردن جھکالوں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تا کہ تم سب (اپنے اپنے) وقت مقرر (مقدر) تک پہنچ جاؤ اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا) تا کہ تم لوگ سمجھو۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کو (دفعۃً پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت (اتنا) فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ○

معبودانِ باطل سے لَو لگانا ایک بڑا جرم ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر کسی کی عبادت سے اپنی مخلوق کو منع فرما چکا ہے۔ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اس کی بہت بڑی دلیل اس کے بعد کی آیت ہے۔ جس میں فرمایا کہ اس وحدہٗ لاشریک لہٗ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا۔ پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا۔ یہ سب کام اسی ایک کے حکم تدبیر سے ہوتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں، حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں، بعض جوانی میں، بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ﴾ (سورۂ حج: ۵) یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ تا کہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس کے دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے۔ وہی جلانے مارنے والا ہے اس کے سوا کوئی موت و زیست پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو کسی فیصلے، کسی تقرر کو کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں۔ جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے اور جو وہ نہ چاہے ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا

كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیا آپ نے ان لوگوں (کی حالت) کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں (حق سے) کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ سوان کو ابھی (یعنی قیامت میں جو قریب ہے) معلوم ہوا جاتا ہے۔ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جائیں گی پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ (معبود) غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (اللہ) ٹھہراتے تھے وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اُس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو سو متکبرین کا وہ برا ٹھکانہ ہے O

دُنیا کے بدترین قیدی:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تمہیں ان لوگوں سے تعجب نہیں معلوم ہوتا' جو اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنے باطل کے ساتھ حق سے رکے رہتے ہیں؟ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ کس طرح ان کی عقلیں ماری گئی ہیں؟ اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو کس طرح چمٹ گئے ہیں؟ پھر ان بدکردار کفار کو ڈرا رہا ہے کہ ہدایت و بھلائی کو جھوٹ جاننے والے' کلام اللہ اور کلام رسول کے منکر اپنا انجام ابھی ابھی دیکھ لیں۔ جیسے فرمایا: جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہے۔ جبکہ گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی اور داروغہ جہنم انہیں گھسیٹتے گھسیٹتے پھر رہے ہوں گے کبھی حمیم میں اور جحیم میں۔ گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹے جائیں گے اور آگ جہنم میں جھلسائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے: وہ جہنم جسے گنہگار لوگ جھوٹا جانا کرتے تھے۔ اب یہ اس کے اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان مارے مارے پریشان پھرا کریں گے اور آیتوں میں ان کا زقوم کھانا اور گرم پانی پینا بیان فرما کر فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾ (سورۂ صافات: ۶۸) یعنی پھر ان کی بازگشت تو جہنم ہی کی طرف ہے۔

سورۂ واقعہ میں اصحاب شمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: بائیں ہاتھ والے کیسے برے ہیں؟ وہ آگ میں ہیں اور گرم پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہے نہ سودمند۔ آگے چل کر فرمایا: اے بہکے ہوئے جھٹلانے والو! البتہ سینڈ کے درخت کھاؤ گے۔ اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ پھر اس پر جلتا جلتا پانی پیو گے اور اس طرح جس طرح تونس (پیاس لگنے کی بیماری) والا اونٹ پیتا ہے۔ آج انصاف کے دن ان کی مہمانی یہی ہوگی۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے: ﴿مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ﴾ (سورۂ واقعہ: ۵۲) یعنی یقیناً گنہگاروں کو کھانا زقوم کا درخت ہے۔ جو مثل پگھلے ہوئے تانبے کے ہے۔ جو پیٹ کے اندر کھولتا رہتا ہے۔ جیسے تیز گرم پانی اسے پکڑو اور دھکیلتے ہوئے جہنم کے وسط میں پہنچاؤ۔ پھر اس کے سر پر تیز گرم جلتے پانی کا عذاب بہاؤ۔ لے چکھ تو بڑا ہی ذی عزت اور بڑی ہی تعظیم والا تکریم والا شخص تھا۔ یہی ہے جس سے تم شک وشبہ میں تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طرف سے تو وہ یہ دکھ سہہ رہے ہوں گے' جن کا بیان اوپر ہوا اور دوسری جانب انہیں ذلیل وخوار' روسیاہ و نابجار کرنے کے لئے بطور ڈانٹ اور ڈپٹ کے بطور حقارت اور ذلت کے ان سے یہ کہا جائے گا جس کا ذکر ہوا۔

ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک جانب سے سیاہ اَبر اٹھے گا۔ جسے جہنمی دیکھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ ابر کو دیکھتے ہوئے دُنیا کے انداز پر کہیں گے کہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ برسے۔ وہیں اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے نکلیں گے۔ جس کے شعلے انہیں ملائیں گے جھلسائیں گے اور جو طوق وسلاسل ہیں' ان کے، طوق وسلاسل کے ساتھ اضافہ کر دیئے جائیں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہ کیوں جی دنیا میں اللہ کے سوا جن جن کو پوجتے رہے وہ سب، آج کہاں ہیں؟ کیوں وہ تمہاری مدد کے لئے نہیں آئے؟ کیوں تمہیں یوں بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں وہ تو آج سب ناپید ہو گئے۔ وہ تھے ہی بے فائدہ۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور وہ کہیں گے: نہیں نہیں۔ ہم نے تو ان کی عبادت کبھی نہیں کی۔

جیسے اور آیت میں ہے کہ جب ان کے بنائے کچھ نہ بنے گی تو وہیں انکار کر دیں گے اور جھوٹ بول دیں گے کہ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (سورۂ انعام: ۲۳) خدایا ہمیں تیری قسم ہے ہم مشرک نہ تھے[1]۔ یہ کفار اسی طرح بے کاری میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان سے فرشتے کہیں گے یہ بدلہ ہے اس کا جو دنیا میں بے وجہ اکڑتے پھرتے تھے۔ تکبر و تجبر پر چست کمر رہتے تھے۔ لو اب آ جاؤ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اب ہمیشہ یہیں پڑے رہنا۔ تم جیسے متکبرین کی ہی یہ منزل اور جائے قرار ہے۔ جس قدر متکبر تھے' اتنے ہی ذلیل وخوار آج بنو گے۔ جتنے چڑھے تھے' اتنے ہی گرو گے۔ واللہ اعلم

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

(اور جب ان سے اس طرح انتقام لیا جائے گا) تو آپ (چندے) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھلائیں یا (اس کے نزول کے قبل ہی) ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہو گا اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعض تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا ہم نے آپ سے قصہ بیان نہیں کیا اور اتنا امر سب میں مشترک ہے کہ کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدوں اذنِ الٰہی کے ظاہر کر سکے۔ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم (نزول عذاب کے لئے) آئے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے ○

[1] قرطبی کا خیال ہے کہ آیت میں شرک سے انکار یا جھوٹ بولنے کا اعلان نہیں بلکہ مطلوب ان کا یہ ہے کہ شرک تو ہم نے کیا لیکن آج معلوم ہوا کہ وہ قطعاً بے کار چیز تھی اور جن کو ہم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے تھے وہ نوک سی بھی قابل نہ تھے۔ قرطبی کے اپنے الفاظ یہ ہیں "ولیس هذا انكارا العبادة الاصنا هوا عتراف ان عبادة الاصنام كانت باطلة۔"

ذرا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر کیجئے:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں مانتے، تجھے جھوٹا کہتے ہیں۔ تو ان کی ایذاؤں پر صبر اور تحمل کر۔ ان سب پر فتح و نصرت تجھے ملے گی۔ آخر کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا تو اور تیرے ماننے والے ہی تمام دنیا پر غالب رہیں گے اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے۔ پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری زندگی میں دکھا دیں گے اور یہی ہوا بھی۔ بدر والے دن کفر کا دھڑ اور سر توڑ دیا گیا۔ قریشیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ بالآخر مکہ فتح ہوا اور آپ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپ کے زیر نگیں نہ ہو گیا اور آپ کے دشمن کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوئے اور آپ کی آنکھیں رب نے ٹھنڈی نہ کر دیں۔ یا اگر ہم تجھے فوت ہی کر لیں تو بھی ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ ہم انہیں آخرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ پھر مزید تسلی کے طور پر فرما رہا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے۔ جیسے کہ سورۂ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے پس جن کے قصے مذکور ہیں دیکھ لو کہ قوم سے ان کی کیسی کچھ ٹھنی اور بعض واقعات ہم نے بیان نہیں کئے۔ وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر کے موقعہ پر بیان کر دیا ہے۔ وللہ الحمد۔ پھر فرمایا: یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادت دکھائے[1]۔ ہاں اللہ کے حکم کے بعد۔ کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب عذاب اللہ آ جاتا ہے تو پھر تکذیب و تردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مومن نجات پا لیتے ہیں اور باطل پرست باطل کار تباہ ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖۗ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تاکہ ان میں سے سواری لو اور ان میں سے بعض (ایسے ہیں کہ ان) کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت فائدے ہیں اور اس لئے بنائے تاکہ تو ان پر اپنے مطلب تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے اور ان پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے لدے پھرتے ہو اور (ان کے علاوہ) تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے ○

تمہاری ضرورت کے جانور:

انعام یعنی اونٹ گائے بکری، اللہ تعالیٰ نے انسان کے طرح طرح کے نفع کے لئے پیدا کئے ہیں۔ سواریوں کے کام آتے ہیں۔ کھائے جاتے ہیں۔ اونٹ سواری کا کام بھی دیتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے۔ دودھ بھی دیتا ہے۔ بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور دور دراز کے

[1] آیت میں واضح طور پر پھر اعلان اس حقیقت کا کر دیا گیا ہے کہ نبی اور پیغمبر بھی معجزات اور خرق عادت کے ظاہر کرنے پر ہرگز ہرگز قادر نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جب پیغمبر اور نبی اس سے عاجز ہیں تو اولیاء اللہ کے متعلق یہ سوچنا کہ وہ تصرفات اور کرامات پر بالاستقلال قادر ہیں قطعاً غلط ہوگا۔

سفر با آسانی طے کرا دیتا ہے[1]۔ گائے گوشت کھانے کے کام بھی آتی ہے۔ دودھ بھی دیتی ہے۔ ہل میں بھی جتتی[2] بکری کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ بھی پیا جاتا ہے۔ پھر ان سب کے بال بیسیوں کاموں میں آتے ہیں۔ جیسے کہ سورۂ انعام، سورۂ نحل وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بھی یہ منافع بطورِ انعام گنوائے جا رہے ہیں۔ دنیا جہان میں اور اس کے گوشے گوشے میں اور کائنات کے ذرّے ذرّے میں اور خود تمہاری جانوں میں اس اللہ کی نشانیوں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک کا بھی کوئی شخص انکاری نہیں ہو سکتا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

ع ۹ / ۷ / ۱۴

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا (حالانکہ) وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانیوں میں (بھی) جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے سو ان کی (یہ تمام تر) کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی غرض جن ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آ پڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔ پھر جن انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے (اب) ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں سے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے ○

[1] اور اس میں دور میں یہ تیز رفتار گاڑیاں یہ آواز سے زیادہ زیادہ تیز رفتار جہاز انسان کے تیار کئے ہوئے لیکن انکو بنانے کی یہ عقل انکو کس نے دی؟ اگر جواب یہی ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح اس قدیم دور میں سواری کے جانور اللہ تعالیٰ کا ایک احسان تھا۔ آج یہ اڑتے جہاز اور دوڑتی گاڑیاں بھی اس کا احسان ہے۔

[2] یا اس کی نسل سے یعنی بیل۔

کائنات کا سفر:

اللہ تعالیٰ ان اگلے لوگوں کو خبر دے رہا ہے جو رسولوں کو اس سے پہلے جھٹلا چکے ہیں۔ ساتھ ہی بتلاتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا کچھ انہ
نے بھگتا؟ باوجودیکہ وہ قوی تھے۔ زمین میں نشانات عمارتیں وغیرہ بھی زیادہ رکھنے والے اور بڑے مالدار تھے۔ لیکن کوئی چیز ان کے
نہ آئی۔ کسی نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو نہ دفع کیا نہ کم کیا نہ ٹالا نہ ہٹایا۔ یہ تھے ہی غرق کئے جانے کے قابل۔ کیونکہ ان کے پاس اللہ تع
کے قاصد صاف صاف دلیلیں، روشن حجتیں، کھلے معجزات، پاکیزہ تعلیمات لے کر آئے تو انہوں نے آنکھ بھر کر دیکھا نہیں۔ اپنے پاس
علوم پر مغرور ہو گئے اور رسولوں کی تعلیم کی حقارت کرنے لگے[1]۔ کہنے لگے کہ ہم ہی زیادہ عالم ہیں۔ حساب کتاب عذاب ثواب کوئی
نہیں۔ اپنی جہالت کو علم سمجھ بیٹھے۔ پھر تو اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب آیا کہ ان کے بنائے کچھ نہ بنی اور جسے جھٹلاتے تھے۔ جس پر ناک بھ
چڑھاتے تھے جسے مذاق میں اڑاتے تھے اسی نے انہیں تہس نہس کر دیا، تہ بالا کر دیا۔ روئی کی طرح دھن دیا اور بھوسی کی طرح اڑا دیا۔
تعالیٰ کے عذابوں کو آتا ہوا دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا اور توحید کو بھی تسلیم کیا اور غیر اللہ سے صاف انکار بھی کیا۔ لیکن اس وقت کی نہ توبہ قبو
ایمان قبول نہ اسلام مسلّم۔ فرعون نے بھی غرق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ میرا اُس اللہ پر ایمان ہے، جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے می
کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں مانتا۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اب ایمان لانا بے سود ہے۔
نافرمانیاں اور شرانگیزیاں کر چکے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس سرکش کے لئے یہی بددعا کی تھی کہ خدایا فرعونیوں کے دلو
اس قدر سخت کر دے کہ عذاب الیم دیکھ لینے تک انہیں ایمان نصیب نہ ہو۔ پس یہاں بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ عذابوں کا معائنہ کر
پر ایمان کی قبولیت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا حکم اللہ عام ہے۔ جو شخص بھی عذابوں کو دیکھ کر توبہ کرے۔ اس کی توبہ نامقبول ہے۔ حد
شریف میں ہے غرغرے سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینے میں اٹکا، روح حلقوم تک پہنچ گئی۔ فرشتوں کو دیکھ لیا۔ اب کو
نہیں[2]۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ کفار ٹوٹے اور گھاٹے ہی میں ہیں۔

---

[1] متمدن قوموں نے ہمیشہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنے باطل علوم پر یونہی اعتماد کیا اور خالص روحانی تعلیم گردش دین و دنیا کی فلاح مضمر اس کا مذاق بنایا
ان کا انجام کیا ہوا۔ تاریخ ان عبرت انگیز داستانوں کی امین ہے۔ ان پر جو باطل اور خلاف شریعت علوم خواہ مخواہ اعتماد اور ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر
اور اس میں داخل ہیں تو وہ جاہل صوفیہ بھی جن کا شعار قبر پرستی، قوالیاں اور عرس کی رنگینیاں ہیں۔ جن کی کائنات جماعت اور گمراہی کا طوفان اور جن
بدعات کا گھناؤنا ڈھیر ہے۔ والعیاذ باللہ

[2] الفاظ قرآن پر نظر رہے۔ جس چیز کو اس وقت میں نافع ہونے سے انکار ہے وہ صرف ایمان یعنی کفر سے بیزاری ہے۔ رہی مومن گنہگار کی توبہ سو
بھی انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگی۔ روح روح المعانی میں ہے کہ :وھذا الحکم خاص بایمان الیاس واما توبة الیاس فیه مقبول
بفضل اللّٰه وکرمه والفرق ظاھر۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۶ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۵۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵

حٰمٓ - یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں۔ بشارت دینے والا ہے (اور نہ ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی پھر وہ (بوجہ اعراض کے) سنتے ہی نہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے اور ہمارے آپ کے درمیان میں ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں ○

ایک تصنیف جس کے مصنف خود جل مجدہ ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عربی کا قرآن خدائے رحمٰن کا اتارا ہوا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا: اسے تیرے رب کے حکم سے روح الامین نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور آیت میں ہے کہ روح الامین نے اسے تیرے دل پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ اس کی آیتیں مفصل ہیں' ان کے معانی ظاہر ہیں' احکام مضبوط ہیں' الفاظ واضح اور آسان ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ (سورۂ ہود: ۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم و مفصل ہیں۔ یہ کلام ہے حکیم وخبیر اللہ کا۔ لفظ کے اعتبار سے معجز اور معنی کے لحاظ معجز۔ باطل نہ اس کے آگے سے آسکے نہ پیچھے سے۔ حکیم وحمید رب کی طرف سے اترا ہوا ہے۔ اس بیان و وضاحت کو ذی علم سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک طرف مؤمنوں کی بشارت دیتا ہے۔ دوسری جانب مجرموں کو دھمکاتا ہے۔ کفار کو ڈراتا

ہے۔ باوجودان خوبیوں کے پھر بھی اکثر قریشی منہ پھیرے ہوئے اور کانوں میں ٹینٹیاں بھرے ہوئے ہیں۔ پھر مزید ڈھٹائی دیکھو کہ خود کہتے ہیں کہ تیری پکار سے تو ہمارے دِل پردوں میں ہیں اور جو تو لایا ہے اس سے تو ہم بہرے ہیں اور تیرے اور ہمارے درمیان آڑ ہے۔ تیری باتیں نہ ہماری سمجھ میں آئیں نہ عقل میں سماسکیں۔ جا تو اپنے طریقے پر عمل کرتا چلا جا۔ ہم اپنا طریقہ کار نہ چھوڑیں گے۔ ناممکن ہے کہ ہم تیری مان لیں۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو' کہانت اور شعروشاعری میں جو سب سے زیادہ ہو' اسے لے کر اس شخص کے پاس چلیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارے دین میں عیب گیری شروع کر دی ہے۔ وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرادے اور لاجواب کر دے۔ سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ بن ربیع کے اور کوئی نہیں۔

چنانچہ یہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی۔ اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ تو بتا تو اچھا ہے یا عبداللہ؟ (یعنی آپ کے والد صاحب)۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوسرا سوال کیا کہ اچھا جواب دے تو اچھا ہے یا تیرا دادا (عبدالمطلب)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی خاموش رہے۔ وہ کہنے لگا: سن! اگر تو اپنے باپ دادوں کو اچھا سمجھتا ہے' تب تو مجھے معلوم ہے کہ وہ انہی معبودوں کو پوجتے تھے۔ جنہیں ہم پوجتے ہیں اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے اور اگر تو اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے تو کلام کر' ہم بھی تیری بات سنیں۔ قسم اللہ کی دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا۔ تو نے ہماری شیرازہ بندی توڑ دی تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا اور اس میں برائی نکالی تو نے ہمیں سارے عرب میں بدنام اور رسوا کر دیا۔ آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے۔ قریشیوں میں کاہن ہے۔ اب تو یہی ایک بات رہ گئی ہے کہ ہم میں آپس میں سر پھٹول ہوں۔ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار لگا کر آجائیں اور یونہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو فنا کر دینا چاہتا ہے۔ سن اگر تجھ کو مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مالدار بنادیں گے کہ سارے عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہ نکلے گا اور اگر تجھے عورتوں کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس کہہ چکے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: اب میری سنو۔ چنانچہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی سورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً ڈیڑھ رکوع: ﴿مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ﴾ (سورۂ فصلت: ۱۳) تک پڑھا۔ اتنا سن کر عتبہ بول پڑا' بس کیجئے۔ بس کیجئے۔ تیرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا۔ اس نے دیکھتے ہی پوچھا: کہو کیا بات ہے؟ عتبہ نے کہا: سنو! تم سب مل کر جو کچھ اس سے کہہ سکتے تھے' میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔

انہوں نے کہا: پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا۔ کہا: ہاں جواب دیا۔ لیکن بخدا میں ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہ سکا۔ البتہ اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذابِ آسمانی سے ڈرایا ہے۔ جو عذاب عادیوں اور ثمودیوں پر آیا تھا۔ انہوں نے کہا: تجھے اللہ کی مار ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے' تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں سمجھا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ بجز ذکرِ عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ بغویؒ بھی اس روایت کو لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور آپ کو قسمیں دینے لگا اور رشتہ داری یاد دلانے لگا

یہاں سے الٹے پاؤں واپس جا کر گھر میں بیٹھ گیا اور قریشیوں کی بیٹھک میں آنا جانا ترک کر دیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ قریشیو! میرا خیال تو یہ ہے کہ عتبہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک گیا اور وہاں کے کھانے پینے میں للچا گیا وہ تھا بھی حاجت مند۔ اچھا تم میرے ساتھ ہولو میں اس کے پاس چلتا ہوں۔ اسے ٹھیک کر لوں گا۔ وہاں جا کر اس نے کہا عتبہ! تم نے جو ہمارے پاس آنا جانا چھوڑا ہے اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی معلوم ہوتی ہے کہ تجھے اس کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دسترخوان پسند آ گیا ہے اور تو بھی اس کی طرف جھک گیا ہے۔ حاجت مندی بری چیز ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں چندہ کر کے تیری حالت ٹھیک کر دیں۔ تاکہ اس مصیبت اور ذلت سے تو چھوٹ جائے۔ اس نئے ڈر اور نئے مذہب کی تجھے ضرورت نہ رہے۔ اس پر عتبہ بہت بگڑا اور کہنے لگا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا غرض ہے؟ قسم خدا کی اب اس سے کبھی بات تک نہ کروں گا اور تم میری نسبت ایسے ذلیل خیالات ظاہر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ میں تم سب کے کہنے سے ان کے پاس گیا۔ سارا قصہ کہہ سنایا بہت باتیں کیں۔ میرے جواب میں جو کلام انہوں نے پڑھا۔ واللہ نہ تو شعر تھا نہ کہانت کا کلام تھا نہ جادو وغیرہ تھا۔ جب آپ اس سورت کو پڑھتے ہوئے آیت ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ (سورۂ فصلت: ۱۳) تک پہنچے تو میں نے ان منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں رشتے ناتے یاد دلانے لگا کہ للہ رک جاؤ مجھے تو خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں اسی وقت ہم پر وہ عذاب آ نہ جائے جو عادیوں اور ثمودیوں پر نازل ہوا اور یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے نہیں۔

سیرۃ ابن اسحاق میں یہ واقعہ دوسرے طریق پر ہے۔ اس میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور کچھ لالچ دکھاؤں۔ اگر وہ کسی بات کو قبول کر لیں تو انہیں دے دیں ورانہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی تھی اور روز افزوں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس بات پر رضامند ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادتم عالی نسب ہو۔ تم ہم میں سے ہو۔ ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو۔ افسوس کہ آپ اپنی قوم کے پاس ایک عجیب چیز لائے۔ آپ نے ان میں پھوٹ ڈلوا دی۔ آپ نے ان کے عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا۔ آپ نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی۔ آپ نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا۔ آپ نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر ٹھہرایا۔ اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں۔ میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے۔ خدارا اس فتنے کو ختم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا' جو کچھ تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں۔ اُس نے کہا: سنو! اگر آپ کا ارادہ اس چال سے مال جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر رعایا بننے کے لئے تیار ہیں اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتے ہیں تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ اب عتبہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا: اپنی سب کہہ چکے؟ کہا: ہاں! فرمایا: اب میری سنو وہ متوجہ ہو گیا۔ آپ نے بسم اللہ...... پڑھ کر اس آیت کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ باادب سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا: ابوالولید میں کہہ چکا۔ اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھا

اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ کا حال بدل گیا۔ اس پوچھا کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا؟ میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو! قریشیو میری مان لو اور میری اس نپی تلی بات کو قبول کر لو۔ اسے اس کے خیالات پر چھوڑ دو۔ نہ موافقت کرو نہ مخالفت۔ جو دعویٰ ان کا ہے اس میں اور جو آپ کہتے ہیں اس میں تمام عرب ان کا مخالف ہے۔ وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں خرچ کر رہا ہے۔ یا تو وہ ان پر غالب آ جائیں گے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آئے گا تو ان کا ملک تمہارا ملک کہا جائے گا اور ان کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور سب سے زیادہ ان کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سن کر قریشیوں نے کہا کہ ابو الولید! قسم اللہ کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا: سنو! جو میری رائے تھی میں آزاری سے کہہ چکا۔ اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھے باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے جو آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں (اور برخلاف ان کے) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ○

میں ایک انسان ہوں:

حکم اللہ ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ میں تم ہی جیسا انسان ہوں۔ مجھے بذریعہ وحی الٰہی کے حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے۔ تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کے لئے بجا لاؤ اور ٹھیک اس طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو۔ ان کی معافی طلب کرو۔ یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یعنی بقول ابن عباسؓ لا الٰہ الا اللہ ...... کی شہادت نہیں دیتے۔ عکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن میں ایک جگہ ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (سورۂ شمس: ۹-۱۰) یعنی اس نے فلاح پائی، جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور ہلاک ہوا جس نے اسے دبا دیا اور آیت میں فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (سورۂ اعلیٰ: ۱۴-۱۵) یعنی اس نے نجات حاصل کر لی جس نے پاکیزگی اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا۔ پھر نماز ادا کی اور جگہ ارشاد ہے: هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى کیا تجھے پاک ہونے کا خیال ہے؟ ان آیتوں میں زکوٰۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو واہی اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کے شرک سے پاک ہونا ہے۔ اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے۔ مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن امام سدی

نے معاویہ بن قرہ نے' قتادہؒ نے اور مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اس کو مختار کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال اور یہ آیت اتری ہے مکہ شریف میں زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوٰۃ کی اصل کا حکم تو نبوت کی ابتداہی میں تھا۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (سورۂ انعام:۱۴۱) جس دن کھیت کاٹو اس کا حق دے دیا کرو۔ ہاں وہ زکوٰۃ جس کا نصاب اور جس کی مقدار من جانب اللہ تعالیٰ مقرر ہے۔ وہ مدینے میں مقرر ہوئی۔ یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے ابتدائے نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی۔ لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط وارکان کے ساتھ مقرر ہوگئیں اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ماننے والوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزاروں کے لئے وہ اجر و ثواب ہے جو ہمیشگی والا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿مَاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا﴾ (سورۂ کہف:۳) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور فرماتا ہے: ﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ (سورۂ ہود:۱۰۸) انہیں جو انعام دیا جائے گا وہ نہ ٹوٹنے والا اور مسلسل ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ گویا وہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ بطور احسان کے۔ لیکن بعض ائمہ نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اہل جنت پر بھی احسان اللہ یقیناً ہے۔ خود قرآن میں ہے: ﴿بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ (سورۂ حجرات:۱۷) یعنی بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ وہ تمہیں ایمان کی ہدایت کرتا ہے۔ جنتیوں کا قول ہے: ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (سورۂ طور:۲۷) پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور آگ کے عذاب سے بچالیا۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں مگر یہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے اور اپنے فضل واحسان میں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

آپ فرمایئے کہ کیا تم لوگ ایسے اللہ (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی بڑی وسعت کے) دو روز میں پیدا کیا

اورتم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے اور اس نے زمین اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے ہیں اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں اور اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دی چار دن میں (ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیج دیا اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور (استراق شیاطین سے) اس کی حفاظت کی۔ یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی ○

زمین وآسمان:

ہر چیز کا خالق ہر چیز کا مالک ہر چیز پر حاکم ہر چیز پر قادر صرف اللہ ہی ہے۔ پس عبادت بھی صرف اس کی کرنی چاہئے۔ اس نے زمین جیسی وسیع مخلوق کو اپنی کمال قدرت سے صرف دو دن میں پیدا کر دیا۔ تمہیں نہ اس کے ساتھ کفر کرنا چاہئے نہ شرک۔ جس طرح سب کا پیدا کرنے والا وہی ایک ہے۔ ٹھیک اسی طرح سب کا پالنے والا بھی وہی ایک ہے۔ یہ تفصیل یاد رہے کہ اور آیتوں میں زمین وآسمان کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان ہوا ہے اور یہاں ان کی پیدائش کا وقت الگ بیان ہو رہا ہے پس معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی۔ عمارت کا قاعدہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں اور نیچے کا حصہ تیار کیا جاتا ہے۔ پھر اوپر کا حصہ اور چھت بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ کلام اللہ شریف کی اور آیت میں ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے پیدا کر کے پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور ٹھیک سات آسمان بنا دیئے۔ ہاں سورۂ نازعات میں: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴾ (سورۂ نازعات:۳۰) ہے۔ پہلے آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔

پھر فرمایا کہ زمین کو اس کے بعد بچھایا...... اس سے مراد زمین میں سے پانی' چارا نکالنا اور پہاڑوں کو گاڑنا ہے۔ جیسے کہ اس کے بعد ہی بیان ہے۔ یعنی پیدا پہلے زمین کی گئی۔ پھر آسمان پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ قرآن کی بعض آیتوں میں مجھے کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے: ﴿ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ (سورۂ مؤمنون:۱۰۱) یعنی قیامت کے دن آپس کے نسب نہ ہوں گے اور نہ ایک دوسرے سے سوال ہوگا دوسری آیت میں ہے: ﴿ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴾ (سورۂ صافات:۲۷) یعنی آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھ پاچھ کریں گے ایک آیت میں ہے: ﴿ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴾ (سورۂ نساء:۴۲) یعنی اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔

دوسری آیت میں ہے کہ مشرکین کہیں گے: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ (سورۂ انعام:۲۳) قسم اللہ کی ہم نے شرک نہ کیا۔ ایک آیت میں ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بچھایا: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴾ (سورۂ نازعات:۳۰) دوسری آیت: قُلْ اَئِنَّكُمْ میں پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ ایک تو ان آیتوں کا صحیح مطلب بتایئے۔ جس سے اختلاف اٹھ جائے۔ دوسرے یہ جو فرمایا: ﴿ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا عَزِيْزًا حَكِيْمًا سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ تو یہ کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جن دو آیتوں میں سے ایک میں ایک آپس کا سوال و جواب ہے اور ایک میں اس کا انکار ہے۔ یہ دو وقت ہیں۔ صور دو دفع پھونکے جائیں گے۔ ایک کے بعد آپس کی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ ایک کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے سوالات ہوں گے۔ جن دو دوسری آیتوں میں ایک میں بات کے نہ چھپانے کا اور ایک میں چھپانے کا ذکر ہے۔ یہ بھی دو موقعے ہیں۔ جب مشرک دیکھیں گے کہ موحدوں کے گناہ بخش دیئے گئے تو کہنے لگیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ لیکن جب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضا بدن گواہی

منزل

دینے لگیں گے تو اب کچھ بھی نہ چھپے گا اور خود اپنے کرتوت کے اقراری ہو جائیں گے اور کہنے لگیں گے کہ کاش کہ ہم زمین کے برابر کر دیئے جاتے۔آسمان وزمین کی پیدائش کی ترتیب کے بیان میں بھی دراصل کچھ اختلاف نہیں۔ پہلے دو دن میں زمین بنائی گئی۔ پھر آسمان کو دو دن میں بنایا گیا۔ پھر زمین کی چیزیں پانی چارہ پہاڑ کنکر ریت جمادات ٹیلے وغیرہ دو دن میں پیدا کئے۔ یہی معنی لفظ دَحٰهَا کے ہیں۔ پس زمین کی پوری پیدائش چار دن میں ہوئی اور دو دن میں آسمان اور جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرر کئے ہیں۔ان کا بیان فرمایا ہے: وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ پورا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ پس قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اتوار اور پیر کے دن اور زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنا دیئے اور زمین کو اس نے بابرکت بنایا۔ تم اس میں بیج بوتے ہو۔ درخت اور پھل وغیرہ اس سے پیدا ہوتے ہیں اور اہل زمین کو جن چیزوں کی احتیاج ہے۔ وہ اسی سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کھیتوں اور باغات کی جگہیں اس میں اس نے بنا دی ہیں۔ زمین کی یہ درستگی منگل بدھ کے دن ہوئی۔ چار دن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی جو لوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہیں پورا جواب مل گیا۔ زمین کے ہر حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کر رکھی ہے جو وہاں کے لائق تھی۔ مثلاً عصب یمن میں سابوری سابور میں۔ طیالسہ رے میں۔ یہی مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دی۔ اس معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: ﴿وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ (سورۂ ابراہیم: ۳۴) تم نے جو کچھ مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا۔ واللہ اعلم۔ پھر جناب باری تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی وہ دھوئیں[1] کی شکل میں تھا۔ زمین کے پیدا کئے جانے کے وقت پانی سے جو بخارات اُٹھے تھے۔ اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانو اور جو میں کہتا ہوں ہو جاؤ‘ خوشی سے یا ناخوشی سے[2]۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج‘ چاند‘ ستارے طلوع کرے۔ زمین سے فرمایا کہ اپنی نہریں جاری کرے اپنے پھل اگائے وغیرہ۔ دونوں فرمانبرداری کے لئے راضی خوشی تیار ہو گئے اور عرض کیا کہ مع اس تمام مخلوق کے‘ جسے تو رچانے والا ہے‘ تابع فرمان ہیں اور کہا گیا ہے کہ انہیں قائم مقام کلام کرنے والوں کے کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے اس حصے نے کلام کیا‘ جہاں کعبہ بنایا گیا ہے اور آسمان کے اس حصے نے کلام کیا جو ٹھیک اس کے اوپر ہے۔ واللہ اعلم

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر آسمان و زمین اطاعت گزاری کا اقرار نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی۔ جس کا احساس بھی انہیں ہوتا۔ پس دو دن میں ساتوں آسمان اس نے بنا دیئے۔ یعنی جمعرات اور جمعہ کے دن اور ہر آسمان میں جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے مقرر کرنے چاہے مقرر فرما دیئے اور آسمان دنیا کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں‘ جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ تدبیر و اندازہ اس اللہ کا ہے جو سب پر غالب ہے۔ جو کائنات کے ہر ہر چپے ہر کھلی وچھپی حرکت کو جانتا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان و زمین کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اتوار اور پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن

---

[1] یعنی اس کا مادہ دھوئیں کی شکل میں تھا یہاں وہ دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے۔

[2] یعنی زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے بعد جتنا ان کو شعور و ادراک دیا گیا تھا۔ اس کے مطابق ان سے معلوم ہوا کہ اچھا بتاؤ جو کچھ چیزیں عائد کی جائیں گی۔ (اگرچہ وہ یقیناً ان کے شعور و ادراک کے مطابق ہوں گی) کیا تم ان کو پورا کرو گے۔ ان سب سے کہا کہ ہم تعمیل حکم کے لئے برضا و رغبت حاضر ہیں۔

پیدا کیا اور جتنے منافع اس میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو پانی کو شہروں کو آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا تو چار دن ہوئے۔ اسے بیان فرما کر پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جمعرات کے دن آسمان پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں اور سورج چاند کو فرشتوں کو پیدا کیا تین ساعت کے رہنے تک پھر دوسری ساعت میں ہر چیز میں آفت ڈالی۔ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا کہ انہیں جنت میں بسایا۔ ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آخری ساعت میں انہیں وہاں سے نکال دیا۔ یہودیوں نے کہا: اچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا: پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ انہوں نے کہا: آپ نے سب ٹھیک فرمایا، لیکن آخری بات نہ کہی کہ پھر آرام حاصل کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ یہ آیت اتری: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ (سورۂ ق: ۳۸) یعنی ہم نے آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان نہیں ہوئی تو ان کی باتوں پر صبر کر۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا۔ اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا۔ درخت پیر والے دن پیدا کئے۔ مکروہات کو منگل کے دن۔ نور بدھ کے دن پیدا کیا اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور تخلیق پوری ہوئی۔ مسلم شریف میں نسائی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہے اور امام بخاری نے تاریخ میں سے معلل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض راویوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور حضرت ابو ہریرہ نے اسے کعب احبار سے روایت کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾

پھر اگر (دلائل توحید سن کر بھی) یہ لوگ (توحید سے) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر (شرک وکفر کی بدولت) آفت آئی تھی جب کہ ان کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ اللہ کے اور کسی کو مت پوجو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو (یہ منظور ہوتا (کہ کسی کو پیغمبر بنا کے بھیجے) تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اس توحید سے) منکر ہیں جس کو دے کر بزعم خود تم بھیجے گئے ہو پھر وہ عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق کا تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہے۔ (آگے جواب ہے کہ) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت سے بہت زیادہ ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تاکہ ہم ان کو اس دینوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور ان کو مدد نہ پہنچے گی اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے ان کو پیغمبر کے ذریعے سے رستہ بتلایا سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پس ان کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے پکڑ لیا ان کی بدکاریوں کی وجہ سے اور ہم نے (اس عذاب سے) ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور (ہم سے) ڈرتے تھے ○

عاد اور ثمود کی حیرت انگیز داستان:

حکم ہوتا ہے کہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ میری تعلیم سے روگردانی تمہیں کسی اچھے نتیجے پر نہیں پہنچائے گی۔ یاد رکھو کہ جس طرح انبیاء کی مخالف امتیں تم سے پہلے زیر زبر کر دی گئیں کہیں تمہاری شامت اعمال بھی تمہیں انہیں میں سے نہ کر دے۔ عادیوں اور ثمودیوں کے اور ان جیسے اوروں کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان کے پاس پے در پے رسول آئے۔ اس گاؤں میں اس گاؤں میں اس بستی میں اس بستی میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اللہ کی منادی کرتے پھرتے لیکن ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور دماغ اس تکبر وتغیر کی جکڑ میں تھے کہ کسی ایک کو بھی مان کر نہ دی۔ اپنے سامنے اللہ والوں کی بہتری اور دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتری دیکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے حجت بازی اور کٹھ حجتی سے نہ ہٹے کہنے لگے کہ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو کسی اپنے فرشتے کو بھیجتا۔ تم انسان ہو کر رسول کیسے بن بیٹھے؟ ہم تو اسے ہرگز باور نہ کریں گے۔ ان عادیوں نے زمین میں فساد پھیلا دیا ان کی سرکشی ان کا غرور حد کو پہنچ گیا ان کی لاابالیاں اور بے پرواہیاں یہاں تک پہنچ گئیں کہ پکار اٹھے کہ ہم سے زیادہ زور آور کوئی نہیں۔ ہم طاقتور مضبوط اور ٹھوس ہیں۔ عذاب اللہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ اس قدر پھولے کہ اللہ کو بھی بھولے۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ ہمارا پیدا کرنے والا تو اتنا قوی ہے کہ اس کی زور آوری کا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

جیسے فرمان ہے: ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (سورۂ ذاریات: ۴۷) یعنی ہم نے اپنے ہاتھوں آسمان کو پیدا کیا اور ہم بہت ہی طاقتور اور زور آور ہیں۔ پس ان کے اس تکبر پر اور اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے پر اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر اور رب کی آیتوں کے انکار پر ان پر عذاب آ پڑا۔ تیز وتند سرد و دہشت ناک سرسراتی ہوئی سخت آندھی آئی تاکہ ان کا غرور مٹ جائے اور ہوا سے یہ تباہ کر دیئے جائیں۔ صرصرا کہنے میں ہوا کا آواز والی ہونا پایا جاتا ہے۔ مشرق کی طرف ایک نہر ہے جو بہت زور سے آواز کے ساتھ بہتی رہتی

ہے۔اس لئے عرب اسے بھی صَرْ صَراً کہتے ہیں۔نَحِسَات[1] سے مراد پے در پے۔ایک دم مسلسل سات راتیں آٹھ دن تک بھی ہوائیں رہیں۔وہ مصیبت جوان پر مصیبت والے دن آئی وہ پھر آٹھ دن تک نہ ہٹی نہ ٹلی۔جب تک کہ ان میں سے ایک ایک کوفنا کے گھاٹ نہ اتاردیا اوران کا بیج نہ کھودیا۔ساتھ ہی آخرت کے عذابوں کا لقمہ بنے۔جن سے زیادہ ذلت وتوہین کی کوئی سزانہیں۔نہ دنیا میں کوئی ان کی امداد کو پہنچا نہ آخرت میں کوئی مدد کے لئے اٹھے' بے یار و مددگار رہ گئے۔ثمودیوں کی بھی ہم نے رہنمائی کی۔ہدایت کی ان پر وضاحت کر دی۔انہیں بھلائی کی دعوت دی اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام نے ان پر حق ظاہر کیا۔لیکن انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی اور نبی اللہ کی سچائی پر جس اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے علامت بنایا تھا اس کی کونچیں کاٹ دیں۔

پس ان پر بھی عذاب اللہ برس پڑا۔ایک زبردست کلیجے پھاڑ دینے والی چنگھاڑ اور دل پاش پاش کر دینے والے زلزلے نے ذلت وتوہین کے ساتھ ان کے کرتوتوں کا بدلہ لیا۔ان میں وہ لوگ تھے' جنہیں ذات اللہ پر ایمان تھا۔نبیوں کی تصدیق کرتے تھے۔دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے تھے۔انہیں ہم نے بچالیا۔انہیں ذرا سا بھی ضرر نہ پہنچا اور نبیؑ کے ساتھ ذلت وتوہین سے اور عذاب خداوندی سے نجات پائی۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾

[1] یعنی منحوس دن اس سے مراد صرف اتنی ہے کہ ان ایام میں ان پر کامل اور مکمل تباہی آئی۔اس لئے یہ دن ان کے لئے گویا کہ منحوس تھے۔نہ یہ کہ وہ دن ہی منحوس تھے۔اسلام میں سرے سے دن اور رات کسی خاص دن اور کسی خاص گھڑی کے منحوس اور غیر منحوس ہونے کا کوئی تصور نہیں اور جو اہل نجوم وغیرہ بعض دنوں کو بعض اوقات کو اچھا برا کہتے ہیں ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو اس پر یقین ہی نہ کرنا چاہئے۔فقیہہ ابن العربی مالکی نے خوب لکھا ہے کہ: "لا يحل المسلم ان ينظر اليها و لا يشتغل بالاتها والله حسبهم"۔

اور (ان کو وہ دن بھی یاد دلایئے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کفار) دوزخ کی طرف جمع کرانے کے لئے موقف حساب میں لائے جائیں گے پھر وہ روکے جائیں گے (تاکہ بقیہ بھی آ جائیں گے) یہاں تک کہ جب وہ ان کے قریب آئیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ران کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور اس وقت وہ لوگ (متعجب ہو کر اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف میں کیوں گواہی دی۔ وہ اعضا کہیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی اور اسی نے تم کو اوّل بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو اور تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے اوپر تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں۔ لیکن تم گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم سے اپنے رب کے ساتھ کیا تم کو برباد کیا پھر تم ابدی خسارہ میں پڑ گئے۔ سو (اس حالت میں) اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے تو بھی مقبول نہ ہوگا○

مجرمین کی شہادت خود ان کے اعضا سے:

یعنی ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن کا حشر جہنم کی طرف ہوگا اور داروغۂ جہنم انہیں سب کو جمع کریں گے۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ (سورۂ مریم:۸۶) یعنی گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں ہم جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔ انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔ تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے۔ ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ گناہ کیا۔ اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے تحت۔ اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔ وہی تو تمہارا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی۔ خالق کی مخالفت اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کون کر سکتا ہے؟

بزار میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے۔ پھر فرمایا: تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے؟ صحابہ نے کہا: فرمایئے کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا، کہے گا کہ خدایا کیا تیرا وعدہ نہ تھا کہ تو ظلم نہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا۔ تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بداعمالیوں پر کسی کی شہادت قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میری اور میرے معزز فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔ پس اتمامِ حجت کے لئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا، اس کی گواہی تم دو۔ جب وہ صاف صاف اور سچی سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہاری ہی حفاظت کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (مسلم ونسائی وغیرہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کافر ومنافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اس کے اعمال اس کے سامنے پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا: خدایا! تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہرگز نہیں کیا۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا: یہ کہے گا: خدایا تیری عزت کی قسم میں نے ہرگز نہیں کیا اب منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضائے بدن گواہی دیں گے۔ سب سے پہلے اُس کی داھنی ران بولے گی۔[1] (ابن ابی حاتم)

[1] گویا کہ سب سے پہلے سوال شرمگاہ سے ہوگا کہ حرام کاری، زنا یا لواطت کسی قضائے شہوت کے ناجائز مشغلہ میں مصروف تو نہیں رہا۔ گویا کہ یہ معاملہ تمام معاملات میں سب سے پہلے زیر بحث آئے گا۔ افسوس کہ اسلام میں جس عفت اور پاک دامنی کی اتنی اہمیت دی گئی تھی، جدید تہذیب اور یورپ کے تمدن سے غیر معمولی مرعوبیت نے اسی کو سب سے زیادہ غیر اہم کر دیا۔ والعیاذ باللہ

ابو یعلی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں۔ یہ کہے گا: سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا: یہ تیرے کنبے والے جو گواہ ہیں یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے قسم دلوائے گا۔ وہ قسم کھائیں گے[1] لیکن یہ انکار ہی کرے گا۔ اللہ سب کو چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم میں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہوگا نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر معذرت کرنے کی۔ پھر اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ پھر گواہوں کو لایا جائے گا۔ آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ پھر زبانیں کھول دی جائیں گی۔ تو اپنے اعضائے بدن کو ملامت کریں گے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح کہا۔ پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت رافع ابوالحسنؒ سے منقول ہے کہ اپنے کرتوت کے انکار سے زبان اتنی موٹی ہو جائے گی کہ بولا نہ جائے گا۔ پھر جسم کے اعضاء کو حکم ہوگا، تم بولو، تو ہر ایک اپنا اپنا عمل بتا دے گا۔ کان، آنکھ، کھال، شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اور بھی اسی طرح کی بہت سی روایتیں سورۂ یٰسین کی آیت ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ﴾ (سورۂ یٰسین: ۶۵) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ جنہیں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے پوچھا کہ تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا: ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کو گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی۔ انہیں میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا اور وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ مکار! تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہوگا، جب اللہ تعالیٰ اپنی کرسی بچھائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے اور ایک ایک عمل کھل جائے گا۔ اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اس نے سچ کہا۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے موجود ہے۔ جب یہ اپنے اعضاء کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و معاصی میں مستغرق رہتے تھے اور کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اس سے مخفی ہیں۔ اسی فاسد خیال نے تمہیں برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہو گئے۔ مسلم ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں کعبۃ اللہ شریف کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ جو تین شخص آئے، بڑے پیٹ والے، کم عقل والے۔ ایک نے کہا: کیوں جی؟ ہم جو بولتے چالتے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ سنتا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: اگر اونچی آواز سے بولیں تو تو سنتا ہے اور آہستہ آواز سے باتیں کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر کچھ سنتا ہے تو سب سنتا ہوگا۔ میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔

---

[1] بہت ممکن ہے کہ یہ پڑوسی اور عزیز و اقارب ''مؤمن'' جو اپنے رشتہ دار کافر کے خلاف شہادت دینے کیلئے آگے بڑھیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر ہی ہوں لیکن اس لالچ میں کہ دنیا کی طرح وعدہ معاف گواہ کا بیان بھی کوئی مشتبہ ہوگا۔ خلاف شہادت دیں، حالانکہ بچنے کا ان کا بھی کوئی سوال نہیں۔ جیسا کہ دنیا میں بھی بعض اوقات انسان اپنے کرتوت پر جھوٹ بول کر پردہ ڈالنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔

اس پر آیت: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ﴾ نازل ہوئی۔ عبدالرزاق میں ہے کہ منہ بند ہونے کے بعد سب سے پہلے پاؤں اور ہاتھ[1] بولیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جناب باری عز اسمہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ حضرت حسنؒ اتنا فرما کر کچھ تامل کر کے فرمانے لگے کہ جس کا جیسے گمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی اسکا عمل بھی ہوتا ہے۔ مؤمن چونکہ اللہ کے ساتھ نیک ظن[2] رکھتا ہے۔ وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے اور کافر و منافق چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک ظن ہو۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برے خیالات رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تہ بالا کر دیا۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی۔ آتش جہنم میں صبر سے پڑے رہنا اور بے صبری کرنا ان کے لئے یکساں ہے۔ نہ ان کی عذر معذرت قبول ہوگی نہ ان کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔ یہ دنیا کی طرف اگر لوٹنا چاہیں تو وہ راہ بھی بند۔ جیسے اور جگہ ہے: جہنمی کہیں گے: خدایا! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی۔ یقیناً ہم بے راہ تھے۔ خدایا! اب تو یہاں سے نجات دے۔ اب اگر ایسا کریں تو پھر ہمیں ہمارے ظلم کی سزا دینا۔ لیکن جناب باری تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب یہ منصوبے بے سود۔ دھتکارے ہوئے یہیں پڑے رہو۔ خبردار! جو مجھ سے بات کی ہو گی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے (دنیا میں) ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدۂ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے

[1] اس لئے کہ انسان تمام اچھے برے کام اکثر ہاتھ اور پاؤں سے کرتا ہے۔

[2] نیک ظن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے رب ہے پروردگار ہے۔ احکم الحاکمین ہے۔ تمہاری عبادت اسی کے لئے ہونی چاہئے۔ پرستش اور بندگی اسی کی ہو۔ وہ یقیناً اسلام قبول کرنے پر نجات عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اس نے اس کا وعدہ کیا ہے اور وہ خلاف نہیں کرتا۔ ارحم الرحمین ہے۔ اس کی رحمت کا تقاضا ہی یہی ہے اور کافر سمجھتا ہے کہ معبود میرا کام چلاتے ہیں۔ سورج دیوتا' آکاش دیوتا۔ پانی برسانے والا ہی عبادت کے قابل ہیں۔ اس کا خیال اور گمان بھی غلط ہے اور معاملہ بھی کفر و شرک کی بنا پر اس کے ساتھ غلط ہوگا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ (۲۴)

جن وانسان (کفار) ہو گزرے ہیں بے شک وہ سب بھی خسارہ میں رہے اور یہ کافر (باہم) یہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو۔ شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو۔ سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور ان کو ان کے اپنے برے کاموں کی سزا دیں گے یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ ان کے لئے وہ ہمیشگی کا مقام ہوگا۔ اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور (جب مبتلائے عذاب ہوں گے تو) وہ کفار کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھادے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔ ہم ان کو اپنے پیروں کے تلے روند ڈالیں تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں ○

کچھ فریب کچھ دھوکے:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مشرکین کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور یہ اس کی مشیت اور قدرت سے ہے۔ وہ تمام افعال میں حکمت والا ہے۔ اس نے کچھ جن وانس ایسے ان کے ساتھ کر دیئے تھے۔ جنہوں نے ان کے برے اعمال انہیں اچھی صورت میں دکھائے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ماضی کے لحاظ سے اور آئندہ آنے والے زمانے کے لحاظ سے بھی ان کے اعمال اچھے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ (سورۂ زخرف:۳۶) ان پر کلمہ عذاب صادق آ گیا جیسے ان پر جو ان سے پہلے ان جیسے تھے۔ نقصان اور گھاٹے میں یہ اور وہ یکساں ہو گئے۔ کفار نے آپس میں مشورہ کیا اور اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ کلام اللہ کو مانیں گے نہیں۔ اس کے احکام کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ ایک دوسرے سے کہہ رکھا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو شور وغل کرو اور اسے نہ پڑھو۔ تالیاں بجاؤ آوازیں نکالو۔ چنانچہ قریشی یہی کرتے تھے۔ عیب جوئی کرتے تھے انکار کرتے تھے دشمنی کرتے تھے۔ اسے اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے۔

یہی حال ہر جاہل کافر ہے کہ اسے قرآن کا سننا اچھا نہیں لگتا۔ اسی لئے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف:۲۰۴) جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور چپ رہو۔ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ان کافروں کو دھمکایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم کی مخالفت کرنے کی بنا پر انہیں سخت سزا دی جائے گی اور ان کی بد عملی کا مزہ انہیں ضرور چکھایا جائے گا۔ ان دشمنان اللہ کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں ان کے لئے ہمیشگی کا گھر ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ اللہ کا انکار کرتے تھے۔ اس کے بعد کی آیت کا مطلب حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جن سے مراد ابلیس اور انس سے مراد حضرت آدمؑ کا وہ لڑکا ہے جس نے اپنا بھائی کو مار ڈالا تھا۔

روایت میں ہے کہ ابلیس تو ہر مشرک کو پکارے گا اور حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا ہر کبیرہ گناہ کرنے والے کو پکارے گا۔ پس ابلیس شرک کی طرف بلاتا ہے اور تمام گناہوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا ہے اول رسول حضرت آدمؑ کا یہ لڑکا جو اپنے بھائی کا قاتل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے۔ اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے اس پہلے فرزند پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ قتل بے جا کا شروع کرنے والا ہے۔ پس کفار قیامت کے دن جن وانس جو انہیں گمراہ کرنے والے تھے انہیں نیچے کے طبقے میں داخل کرنا چاہیں گے تا کہ انہیں سخت عذاب ہوں۔ وہ درک اسفل میں چلے جائیں اور ان سے زیادہ سزا بھگتیں۔ سورۂ اعراف میں بھی یہی بیان گزر چکا ہے کہ یہ ماننے والے جن کو مانتے تھے ان کے لئے قیامت کے دن دگنے عذاب کی درخواست کریں گے۔ جس پر کہا جائے گا کہ ہر ایک دگنے عذاب میں ہی ہے۔ لیکن تم بے شعور ہو۔ یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق ہی سزا ہو رہی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ (سورۂ نحل:۸۸) یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا انہیں ہم ان کے فساد کی وجہ سے عذاب پر عذاب کریں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

ع ۱۸

جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھراس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جاتا تھا اور ہم تمہارے رفیق تھے دینوی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے ○

ایمان اللہ' استقامت اور رحمت کے فرشتے:

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کیا اقرار کا۔ پھر اس پر جمے رہے۔ یعنی فرمان خداوندی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کرلیا جو مرتے دم تک اسے جانتا ہے وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی (نسائی وغیرہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی تھی' تو آپ فرماتے تھے کہ اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی' تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے اسے غلط سمجھا۔ اس سے مراد اللہ کی خدائی کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کون سی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ توحید اللہ پر تا عمر قائم رہنا ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ واللہ یہ وہ لوگ ہیں' جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہؒ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا فَارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَةَ ۔ خدایا تو رب ہے ہمارا' ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین سے عمل کا خلوص۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے کہا ہے' ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا اَمر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا کہ یہ تو عمل ہوا' اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔

ان کے پاس ان کی موت کے فرشتے آتے ہیں اور بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جارہے ہو۔ بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جارہے ہو اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل وعیال کی مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں تمہیں ہم خوشخبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو۔ تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ پورا ہو کر رہے گا پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش ہو جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مؤمن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کی طرف جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابتؒ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچتے تو ٹھہر گئے اور فرمایا: ہمیں خبر ملی ہے کہ مؤمن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آئیں گے اور بشارتیں سنائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ تعالیٰ کے جو وعدے تھے وہ پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کے جو خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ ہوں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے۔ تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے۔ خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے قبر میں حشر میں میدان قیامت میں پل صراط پر غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔ جو خواہش ہوگی پوری ہوگی۔ یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا ہے اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف ورحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا کہ کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا۔ اس کا عرش ظاہر ہوگا وہ سب جنت کے باغیچے میں نور کے اور لولو اور یاقوت کے اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے۔ بعض اور جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں۔ لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کم تر نہیں ہوگا۔ وہ مشک کے اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے بہتر مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہاں! دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک وتعالیٰ باتیں کرے گا۔ یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا یاد ہے فلاں دن تم نے میرا فلاں خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں باری تعالیٰ تو تو وہ خطا معاف کر چکا ہے پھر اس کا کیا ذکر؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں ٹھیک ہے میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے تک پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس

ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے سونگھی نہیں ہوگی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں' انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے' جسے چاروں طرف فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا' لے لے گا۔ خرید و فروخت وہاں نہ ہوگی بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا۔ تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا' وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیوں کہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے' وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے' ہم اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے (ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو برا جانے' اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد موت کی کراہت نہیں۔ بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے۔ جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے علاوہ کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں رہتی۔ پس اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اسکی بہت سی اسناد ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (ہر ایک کا اثر جدا ہے تو اب آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے۔ پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی ولی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے اور اگر (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے (تو فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

دعوت الی اللہ اور عمل صالح:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو اللہ کے بندوں کی طرف بلائے اور نیکی کرے اسلام قبول کرے اس سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہوگی؟ یہ ہے جس نے اپنے آپ کو نفع پہنچایا اور خلق اللہ کو بھی اپنی ذات سے نفع پہنچایا۔ یہ ان میں نہیں جو صرف قوال ہوتے ہیں کہ کہتے ہیں مگر خود نہیں کرتے۔ یہ تو خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اور بہترین اس کے مسداق ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ اس کے مصداق اذان دینے والے ہیں۔ جو نیکوکار بھی ہوں۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ قیامت کے دن مؤذن جب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ سنن میں ہے کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور مؤذنوں کو بخشے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کرنے والوں کے حصے کے برابر ہے۔ اذان و اقامت کے درمیان اس کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہ اللہ میں نے اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو پھر مجھے حج وعمرے اور جہاد کی اتنی زیادہ پروانہ رہتی۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہو جاتی اور میں رات کے نفلی قیام کی اور دن کے نفلی روزوں کی اس قدر کوشش نہ کرتا۔ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار مؤذنوں کی بخشش مانگی۔ اس پر میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا۔ حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ مؤذنی غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گی[1]۔ سنو عمرؓ! جن لوگوں کا گوشت پوست جہنم پر حرام ہے۔ ان میں مؤذن بھی شامل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت میں بھی مؤذنوں کی تعریف ہے۔ اس کا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہنا خدا کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں اتری ہے اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے۔ اس سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی صحیح بات ہے یہ کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے مؤذن غیر مؤذن ہر اس شخص کو شامل ہے۔ جو خدا کی طرف دعوت دے۔ یہ یاد رہے کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت تو سرے سے اذان شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ آیت مکہ شریف میں اتری ہے اور اذان مدینے پہنچ جانے کے بعد مقرر ہوئی ہے۔ جب کہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خواب میں اذان دیتے دیکھا اور سنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت بلال کو سکھاؤ۔ ان کی آواز بلند ہے۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ اس میں مؤذن بھی شامل ہیں۔ حضرت حسن بصری اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں کہ یہی لوگ حبیب اللہ ہیں۔ یہی اولیاء ہیں۔ یہی سب سے زیادہ خدا کے پسندیدہ ہیں۔ یہی سب سے زیادہ خدا کے محبوب ہیں کہ انہوں نے خدا کی باتیں مان لیں۔ پھر دوسروں سے منوانے لگے اور اپنے ماننے میں نیکیاں کرتے رہے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے رہے۔ یہی خدا کے خلیفہ ہیں بھلائی اور برائی' نیکی اور بدی برابر سرابر نہیں۔ بلکہ ان میں بے حد فرق ہے۔ جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے بھلائی کر اور اس کی برائی کو اس طرح دفع کر۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ

[1] اور بدقسمتی سے وہ زمانہ آ گیا۔ آج آذان دینا کتنا چھوٹا اور حقیر کام سمجھا جاتا ہے اور مساجد میں متولیوں اور منتظمین کے ہاتھوں امام اور مؤذن کی کیا کچھ درگت بنتی ہے۔ الامان والحفیظ۔ مسجد کی بے حرمتی' ائمہ مساجد اور مؤذنوں کی بے وقاری یہ سب کچھ دین سے ناواقفیت کی کھلی علامتیں ہیں۔

تیرے بارے میں جو شخص خدا کے نافرمانی کرے تو تو اس کے بارے میں خدا کی فرمانبرداری کر اس کے بڑی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کرنے سے تیرا جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا۔ اس وصیت پر عمل اسی سے ہوگا۔ جو صابر ہو نفس پر اختیار رکھتا ہو۔ اور ہو بھی خوش قسمت کہ دین و دنیا کی بہتری اس کی تقدیر میں ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کو حکم ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر کریں اور دوسرے کی جہالت پر اپنی بردباری کا ثبوت دیں اور دوسرے کی برائی سے درگزر کر لیں۔ ایسے لوگ شیطانی داؤں سے محفوظ رہتے ہیں اور انکے دشمن بھی پھر تو انکے دوست بن جاتے ہیں۔ یہ تو ہے انسانی شر سے بچنے کا طریقہ۔ اب شیطانی شر سے بچنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے کہ خدا کی طرف جھک جایا کرو۔ اسی نے شیطان کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ دل میں وساوس پیدا کرے اور اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ نبی کریمؐ اپنی نماز میں فرماتے تھے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس مقام جیسا ہی مقام سورۃ اعراف میں ہے جہاں ارشاد ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ (سورۃ اعراف: ۱۹۹) اور سورۃ مومنین کی آیت ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ (سورۃ مومنون: ۹۶) میں حکم ہوا ہے کہ درگزر کرنے کی عادت ڈالو اور خدا کی پناہ میں آ جایا کرو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے کیا کرو۔ وغیرہ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور منجملہ اس کی (قدرت و توحید) کی نشانیوں کے رات اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے (پس) تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور (صرف) اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان سب نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ (اس سے) ذرا نہیں اکتاتے اور منجملہ اس کی (قدرت و توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی آپڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو زندہ کر دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ○

یہ چمکتا چاند اور جگمگاتے ستارے:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت اور بے مثال طاقت دکھاتا ہے کہ وہ جو کرنا چاہے کر ڈالتا ہے۔ سورج چاند دن رات اس کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں۔ رات کو اس کے اندھیروں سمیت' دن کو اس کے اجالوں سمیت اس نے بنایا ہے۔ کیسے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں۔ سورج کی اس کی روشنی اور چمک کو اور اس کی نورانیت کو دیکھو۔ ان کی بھی منزلیں اور آسمان مقرر ہیں۔ ان کے

طلوع وغروب سے دن رات کا فرق ہو جاتا ہے۔ مہینے اور برسوں کی گنتی معلوم ہو جاتی ہے۔ جس سے عبادات معاملات اور حقوق کی باقاعدہ ادائیگی ہوتی ہے۔ چونکہ آسمان و زمین زیادہ خوبصورت اور منور سورج اور چاند تھا۔ اس لئے انہیں خصوصیت سے ان کا اپنا مخلوق ہونا بتایا اور فرمایا کہ اگر اللہ کے بندے ہو تو سورج چاند کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنا۔ کیونکہ وہ مخلوق ہیں۔ مخلوق سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ سجدہ کئے جانے کے لائق وہ ہے جو سب کا خالق ہے۔ پس تم اللہ کی عبادت کئے چلے جاؤ۔ لیکن تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی کسی مخلوق کی بھی عبادت کر لی' تو تم اس کی نظروں سے گر جاؤ گے اور پھر تو وہ تمہیں کبھی نہ بخشے گا۔ جو لوگ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اور کسی کی بھی عبادت کر لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے عابد وہی ہیں۔ وہ اگر اس کی عبادت چھوڑ دیں تو اور کوئی اس کا عابد ہی نہیں رہے گا۔ نہیں نہیں اللہ ان کی عبادتوں سے محض بے پرواہ ہے۔ اس کے فرشتے دن رات اس کی پاکیزگی کے بیان اور اس کی عبادت میں ہر وقت مشغول ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر کفر کریں تو ہم نے ایک قوم ایسی بھی مقرر کر رکھی ہے جو کفر نہ کرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رات دن کو سورج چاند کو اور ہوا کو برا نہ کہو۔ یہ چیزیں بعض لوگوں کے لئے رحمت ہیں اور بعض کے لئے زحمت۔ اس کی اس قدرت کی نشانی کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے' اگر دیکھنی چاہتے ہو تو مردہ زمین کا بارش سے جی اٹھنا دیکھ لو۔ کہ وہ خشک چٹیل اور بے گھاس ہوتی ہے مینہ برستے ہی کھیتیاں پھل سبزہ گھاس اور پھول وغیرہ اگ آتے ہیں اور وہ ایک عجیب انداز سے اپنے سبزے کے ساتھ لہلہانے لگتی ہے۔ اسے زندہ کرنے والا ہی تمہیں بھی زندہ کرے گا۔ یقین مانو کہ وہ جو چاہے اس کی قدرت میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝

بلاشبہ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں جو وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ (جنت) میں آئے۔ جو جی چاہے کر لو وہ تمہارا سب کیا ہوا دیکھ رہا ہے جو لوگ اس قرآن کا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے انکار کرتے ہیں (ان میں خود تدبیر کی کمی ہے) اور یہ قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے۔ جس میں غیر واقعی نہ اس کے آگے کی طرف سے آ سکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم ومحمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ کو وہی باتیں (تکذیب وایذا کی) کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں۔ آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے اور

دردناک سزا دینے والا ہے ○

کج روی:

الحاد کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کلام کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کے منقول ہیں اور قتادہ وغیرہ سے کفر و عناد کے معنی منقول ہیں۔ فرماتا ہے کہ ملحد لوگ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ ہمارے اسماء وصفات کو ادھر سے اُدھر کر دینے والے ہماری نگاہوں میں ہیں۔ انہیں ہم بدترین سزائیں دیں گے۔ سمجھ لو کیا جہنم واصل ہونے والا اور تمام خطروں سے بچ رہنے والا برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بدکار کافرو! جو چاہو عمل کرتے رہو۔ مجھ سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ باریک سے باریک چیز بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

ذکر سے مراد بقول ضحاک، سدی اور قتادہ قرآن ہے۔ وہ باعزت باتوقیر ہے۔ اس کے مثل کسی کا کلام نہیں۔ اس کے آگے پیچھے سے یعنی کسی طرف سے اس سے باطل مل نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے تمام احکام بہترین انجام والے ہیں۔ تجھ سے جو کچھ تیرے زمانے کے کفار کہتے ہیں یہی تجھ سے اگلے نبیوں کو ان کی کافر امتوں نے کیا تھا۔ پس جیسے ان پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔ جو بھی تیرے رب کی طرف رجوع کرے وہ اس کے لئے بڑی بخششوں والا ہے اور جو اپنی کفر اور ضد پر اَڑا رہے، مخالفت حق اور تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز نہ آئے اس پر وہ سخت دردناک سزائیں نازل فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک متنفس بھی جی نہیں سکتا تھا اور اگر اس کی پکڑ اور عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہو کر ٹیک لگا کر بے خوف ہو جاتا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۖ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۖ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

اور اگر ہم اس کو عجمی (زبان) کا قرآن بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یہ کیا بات ہے کہ عجمی کتاب اور عربی رسول۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ (بوجہ عدم انتفاع کے ایسے ہیں کہ گویا) کسی بڑی دُور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں کہ آواز سے سنتے ہوں مگر پہچانتے نہ ہوں اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہوا اور اگر

ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ پورا عذاب آخرت میں ملے گا) ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے ○

کلام اللہ اور نقادانِ باطل پرست:

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اس کے حکم احکام کے لفظی و معنوی فوائد کا بیان کر کے اس پر ایمان نہ لانے والوں کی سرکشی ضد اور عداوت کا بیان فرما رہا ہے جیسے اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ۱۹۸) مطلب یہ ہے کہ نہ ماننے کے بیسیوں حیلے ہیں نہ یوں چین نہ دوں چین۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو بہانہ کرتے کہ ہم تو اسے صاف صاف سمجھ نہیں سکتے۔ مخاطب جب عربی زبان کے ہیں تو ان پر جو کتاب اترتی ہے وہ غیر عربی زبان میں کیوں اتر رہی ہے؟ اور اگر کچھ عربی میں ہوتی اور کچھ دوسری زبان میں تو بھی ان کا یہی اعتراض ہوتا کہ اس کی کیا وجہ؟ حضرت حسن بصریؒ کی قراءت اَعْجَمِیٌّ ہے۔ سعید بن جبیر بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے ان کی سرکشی معلوم ہوتی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے دل کی ہدایت اور ان کے سینوں کی شفا ہے۔ ان کے تمام شک اس سے زائل ہو جاتے ہیں اور جنہیں اس پر ایمان نہیں وہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جیسے کوئی بہرا ہو۔ نہ اسکے بیان کی طرف انہیں ہدایت ہو۔ جیسے کوئی اندھا ہو اور آیت میں ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۸۲) ہمارا نازل کردہ یہ قرآن ایمانداروں کے لئے شفاعت اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو تو ان کا نقصان ہی بڑھاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دور سے کسی سے کچھ کہہ رہا ہو کہ نہ اس کے کانوں تک صحیح الفاظ پہنچتے ہوں نہ وہ ٹھیک طرح مطلب سمجھتا ہو جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۷۱) یعنی کافروں کی مثال اس کی طرح ہے جو پکارتا ہے مگر آواز اور پکار کے سوا کچھ اور اس کے کان میں نہیں پڑتا۔ بہرے گونگے اندھے ہیں پھر کیسے سمجھ لیں گے؟ حضرت ضحاک نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ حضرت ضحاک نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مسلمان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس کا آخری وقت تھا۔ اس نے یکا یک لبیک پکاری۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے کوئی دیکھ رہا ہے یا کوئی پکار رہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! سمندر کے اس کنارے سے کوئی بلا رہا ہے تو آپ نے یہی جملہ پڑھا کہ: ﴿اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ﴾ (ابن ابی حاتم)

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی لیکن اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ انہیں بھی جھٹلایا اور ستایا گیا۔ پس جیسے انہوں نے صبر کیا۔ آپ کو بھی صبر کرنا چاہئے۔ چونکہ پہلے ہی سے تیرے رب نے بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ وقت مقرر تک یعنی قیامت تک عذاب ہٹے رہیں گے۔ اس لئے یہ مہلت میں ہیں ورنہ ان کے کرتوت ایسے نہ تھے کہ یہ چھوڑ دیئے جائیں اور کھاتے پیتے رہیں۔ ابھی یہ ہلاک کر دیئے جاتے۔ یہ اپنی تکذیب میں بھی کسی یقین پر نہیں بلکہ شک میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ لرز رہے ہیں۔ ادھر اُدھر ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔ واللہ اعلم

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کیلئے اور جو برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○

عمل صالح اور اس کے منافع' برائیاں اور ان کی مضرتیں:

اِس آیت کا مطلب بہت صاف ہے۔ بھلائی کرنے والے کے اعمال کا نفع اسی کو ہوتا ہے اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پروردگار عالم کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ ایک کے گناہ پر دوسرے کو وہ نہیں پکڑتا۔ نا کردہ گناہ کی وہ سزا نہیں دیتا۔ پہلے اپنے رسول کو بھیجتا ہے۔ اپنی کتاب اتارتا ہے۔ اپنی حجت ختم کرتا ہے اپنی باتیں پہنچا دیتا ہے۔ اب بھی جو نہ مانے وہ مستحق عذاب وسزا ہو جاتا ہے۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

قیامت کے علم کا حوالہ اللہ ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک (اب) کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں (اس عقیدہ کا) کوئی مدعی نہیں اور جن جن کو یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں ○

علم الساعۃ:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اس کے سوا اور کسی کو نہیں۔ تمام انسانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب فرشتوں کے سرداروں میں سے ایک سردار حضرت جبریل علیہ السلام نے قیامت کے آنے کا وقت پوچھا تو آپ نے فرمایا: جس سے پوچھا جاتا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں[1]۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ (نازعات:۴۴) یعنی قیامت کب ہوگی؟ اس کے علم کا مدار تیرے رب کی طرف ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اور جگہ فرمایا ہے: ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (اعراف:۱۸۷) مطلب یہی ہے کہ قیامت کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر چیز کو اس اللہ کا علم گھیرے ہوئے ہے۔ یہاں تک جو پھل شگوفہ کھلا کر نکلے' جس عورت کو حمل رہے' جو بچہ اسے ہو یہ سب اس کے علم میں ہے۔ زمین وآسمان کا ایک ذرہ بھی اسکے وسیع علم سے باہر نہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ (سباء:۳) اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ (انعام:۵۹) یعنی جو پتا جھڑ جاتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے ہر مادہ کو جو حمل رہتا ہے اور رحم میں جو کچھ گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں' اللہ خوب جانتا ہے' اسکے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ عمریں جو گھٹیں بڑھیں' وہ بھی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایسا کوئی کام نہیں ہو اللہ کیلئے مشکل ہے۔ قیامت والے دن مشرکوں سے تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ سوال کریگا۔ جنہیں تم میرے ساتھ شریک کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم تو تجھے معلوم کرا چکے کہ آج تو ہم میں سے کوئی بھی اسکا اقرار نہ کرے گا کہ تیرا کوئی شریک بھی ہے۔ آج اُنکے معبودانِ باطل سب گم ہوجائینگے۔ کوئی نظر نہ آئیگا جو انہیں نفع پہنچا سکے اور یہ خود جان لینگے کہ آج اللہ کے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے۔ قرآن کی اور آیت میں اس

[1] یہ اس حدیث مشہور کا ایک ٹکڑا ہے جو عام طور پر کتب احادیث میں موجود ہے جنہیں حضرت جبریلؑ کے متعدد سوالات اسلام' ایمان' احسان اور قیامت سے متعلق ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے متعلق حضرت جبریل کو بتایا تھا اس کے بارے میں میری معلومات تم سے زیادہ نہیں۔

مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَرَاَى الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ (کہف ۵۳) یعنی گنہگار لوگ جہنم کو دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔[1]

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

ترقی کی خواہش سے آدمی کا جی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہراساں ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ تو کہتا ہے یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتلا دیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دُعائیں کرتا ہے ○

انسان کی متضاد کیفیات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال، صحت وغیرہ بھلائیوں کی دعاؤں سے تو انسان تھکتا ہے نہیں۔ اگر اس پر کوئی بلا آ پڑے یا فقر و فاقہ آ جائے تو اس قدر ہراساں اور مایوس ہو جاتا ہے کہ گویا اب کسی بھلائی کا منہ نہیں دیکھنے کا اور اگر کسی برائی یا سختی کے بعد اسے کوئی بھلائی یا راحت مل جائے تو کہنے بیٹھ جاتا ہے اللہ پر یہ تو میرا حق تھا۔ میں اسی کے لائق تھا۔ اب اس نعمت پر پھولتا ہے۔ اللہ کو بھولتا ہے اور صاف منکر بن جاتا ہے۔ قیامت کے آنے کا انکار کر جاتا ہے۔ مال و دولت راحت و آرام اس کے کفر کا سبب بن جاتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ (علق ۶،۷) یعنی انسان نے جہاں آرائش و آرام پایا۔ وہیں اس نے سر اٹھایا اور سرکشی کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ بداعمالی پر بھلی امیدیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت آئی بھی اور میں وہاں کھڑا بھی کیا گیا تو جس طرح یہاں سکھ چین میں ہوں، وہاں بھی ہوں گا۔ غرض انکار قیامت بھی کرتا ہے۔ مرنے کے بعد جینے کو مانتا بھی نہیں اور پھر امیدیں لمبی باندھتا ہے اور کہتا ہے: جیسے میں یہاں ہوں ویسے ہی وہاں بھی ہوں گا پھر ان لوگوں کو ڈراتا ہے۔ جن کے یہ اعمال و عقائد ہوں۔ انہیں ہم سخت سزا دیں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ جب انسان اللہ کی نعمتیں پا لیتا ہے تو اطاعت سے اور پھر جاتا ہے اور ماننے سے جی

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی بہت سے مواقع پر انہیں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ

الظن یکون بمعنی العلم کثیرًا

چراتا ہے۔ جیسے فرمایا: فَتَوَلّٰی بِرُکْنِهٖ (ذاریات: ۳۹) اور جب اسے نقصان پہنچتا ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ عریض کلام اسے کہتے ہیں، جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں اور معنی بہت کم ہوں اور جو کلام اس کے خلاف ہو یعنی الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں تو اسے وجیز کلام کہتے ہیں وہ بہت کم اور بہت کافی ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖ (یونس: ۱۲) جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر لیٹ کر اور بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر غرض ہر وقت ہم سے مناجات کرتا رہتا ہے اور جب وہ تکلیف ہم دور کرتے ہیں تو اس بے پروائی سے چلا جاتا ہے کہ گویا اس مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

آپ کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کے یہاں سے آیا ہو (اور) پھر تم اس کا کرو انکار، تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہو گا جو (حق سے) ایسی دور دراز مخالفت میں پڑا ہو ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھا دیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حق ہے (تو) کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کی حقیقت کی شہادت کے لئے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے ○

عبرت کدۂ عالم:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا' جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور جا پڑا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور حجتیں انہیں کے گردونواح میں اور دنیا میں ہر طرف دکھا دیں گے۔ اسلامیوں کو ہر طرف فتوحات ہوں گی۔ وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے دوسرے سب دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا۔ فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیوں خود ان کی اپنی جانوں میں ہوں گی کہ یہ لوگ تعداد میں اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے۔ پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیروزبر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت اللہ کی ہزار ہا نشانیاں خود انسان کے اپنے اندر وجود میں موجود ہیں۔ اس کی صفت و بناوٹ اس کی ترکیب و جبلت اس کے جدا گانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ وروپ وغیرہ اس کے صانع اور خالق کی بہترین یاد ہر وقت اس کے سامنے ہیں۔ بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ اس کا ہیر پھیر

۱؎ حالانکہ سلیم فطرت بھی اس کا تقاضا کرتی ہے کہ جس نے مصائب سے نجات دلائی احسان اس کا ہمیشہ یاد رہے اور شکر سے قلب و دماغ معمور ہوں۔ لیکن ناشکرا انسان نہ ایمان کے تقاضے پر یاد کرتا ہے اور نہ سلامتی فطرت سے۔

کبھی کوئی حالت بچپن' جوانی' بڑھاپا' بیماری' تندرستی' تنگی' فراخی' رنج' راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔ شیخ ابوجعفر قرشی نے اپنے اشعار میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ خارجی اور داخلی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی بس ہے اور بالکل کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کے اقوال سے بخوبی واقف ہے۔ وہ جب فرما رہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں' پھر تمہارے لئے عذر کیا رہ گیا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ (نساء:۱۶۶) لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے' جس کو تمہارے پاس بھیجا ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے' خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں۔ اس لئے بے فکر ہیں۔ نیکیوں سے غافل ہیں۔ برائیوں سے بچتے نہیں۔ حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا۔ بلکہ صرف اس لئے تمہیں جمع کیا۔ تاکہ تمہیں یہ سنا دوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سچ جانتا ہے' پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دِل ہلا دینے والی دہشت ناک حالتوں سے غافل ہے۔ اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا' جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں۔ خود اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے[1]۔ لہو ولعب' غفلت وشہوت گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیامت کے قریب ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے۔ قیام قیامت اس پر سہل ہے۔ ساری مخلوق اس کے قبضہ میں ہے۔ جو چاہے کرے۔ کوئی اس کا ہاتھ روک نہیں سکتا۔ جو اس نے چاہا' ہوا۔ جو چاہے گا ہو کر رہے گا۔ اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں۔ نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے۔

---

[1] جیسا کہ کوئی شخص آپ کو ضرورت مند تسلیم کرنے کے باوجود پھر آپ کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے اعراض کرے۔ کیا کہیں گے آپ اس کے بارے میں یہی نا کہ اس شخص نے گویا کہ مجھ کو ضرورت مند تسلیم ہی نہیں کیا۔ اگر میری ضرورتوں کی واقعی اہمیت اس کے قلب میں جاگزیں ہوتی تو اس کا عمل کچھ اور ہونا چاہئے تھا۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۵ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۵۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶

حٰم ۔عسق۔اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے برتر اور عظیم الشان ہے کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے (کہ ادھر ہی بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں اور (وہ) فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف کرنے والا رحمت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں اللہ ان کو دیکھ بھال رہا ہے اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں وکیل نہیں:

حروفِ مقطعات کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ابن جریر نے یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر ذکر کیا ہے' جو بالکل منکر ہے۔اس میں ہے کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا۔اس وقت آپ کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان ؓ بھی تھے۔اس نے ان حروف کی تفسیر آپ سے پوچھی۔آپ نے ذرا سے دیر سر نیچا کیا۔پھر منہ موڑ لیا۔اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا۔آپ نے پھر بھی منہ پھیر لیا اور آپ کو اس کے سوال سے تکلیف ہوئی۔اس نے تیسری مرتبہ پوچھا۔آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔اس پر حضرت حذیفہ ؓ نے

کہا: میں تجھے بتاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں۔ ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے بارے میں یہ نازل ہوئی ہے۔ جسے عبد الالٰہ اور عبداللہ کہا جاتا ہوگا۔ وہ مشرق کی نہروں میں سے ایک نہر کے پاس اترے گا اور وہاں دو شہر بسائے گا۔ نہر کو کاٹ کر دونوں شہروں میں لے جایا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال کا اور ان کی دولت کا ارادہ کرے گا اور ان کا وقت ختم ہونے کو ہوگا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک پر رات کے وقت آگ آئے گی' جو اسے جلا کا بھسم کر دے گی۔ وہاں کے لوگ صبح کو دیکھ کر تعجب کریں گے۔ یہ معلوم ہوگا کہ گویا یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ صبح صبح وہاں تمام بڑے بڑے سرکش متکبر مخالف حق لوگ جمع ہوں گے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ ان سب کو اس شہر سمیت غارت کر دے گا۔ یہی معنی ہیں حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ کے۔ یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت یعنی ضروری ہے۔ یہ فتنہ قضا کیا ہوا یعنی فیصل شدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ عین مراد عدل' سین مراد سَيَكُوْنَ یعنی یہ عنقریب ہو کر رہے گا۔ ق سے مراد واقع ہونے والا ہے۔ ان دونوں میں اس سے بھی زیادہ ناقابل قبول ایک اور روایت مسند حافظ ابو یعلیٰ کی دوسری جلد میں ابن عباسؓ سے ہے۔ جو مرفوع بھی ہے۔ لیکن اس کی سند بالکل ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ منبر پر چڑھے اور لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کسی نے ان حروف کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جلدی سے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہاں میں نے سنی ہے۔ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عین سے مراد: عَايَنَ الْمُوْلُوْنَ عَذَابَ يَوْمِ بَدْرٍ ہے۔ سین سے مراد: ﴿سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ (شعراء: ۲۲۷) قاف سے کیا مراد ہے؟ اسے آپ نہ بتلا سکے۔ تو حضرت ابو ذرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن عباس کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ق سے مراد قارعہ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ ترجمہ یہ ہوا کہ بدر کے دن پیٹھ موڑ کر بھاگنے والا کفار نے عذاب کا مزہ چکھ لیا ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا برا انجام ہوا۔ ان پر آسمانی عذاب آئے گا۔ جو انہیں تباہ و برباد کر دے گا[1]۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تم پر اس قرآن کی وحی نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح تم سے پہلے پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں۔ یہ سب اس اللہ کی طرف سے اترے ہیں' جو اپنا انتقام لینے میں سخت غالب اور زبردست ہے۔ جو اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے۔ حضرت حارث ابن ہشام نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی تو گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے' مجھ سے باتیں کر جاتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں۔ سیّدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: سخت جاڑوں کے ایام میں بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو شدت وحی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پیشانی مبارک سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگتی تھیں۔ (بخاری مسلم)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: میں ایک زنجیر کی سی گھڑگھڑاہٹ سنتا ہوں' پھر کان لگا لیتا ہوں۔ ایسی وحی میں مجھ پر اتنی شدت ہوتی ہے کہ ہر مرتبہ اپنی روح نکل جانے کا گمان ہوتا ہے۔ شرح صحیح بخاری کے شروع میں ہم کیفیت وحی پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ فالحمد للہ۔ پھر فرماتا ہے کہ زمین آسمان کی تمام مخلوق اس کی غلام ہے۔ اس کی ملکیت ہے اس کے تسلط میں اور اس کے سامنے عاجز و مجبور ہیں۔ وہ بلندیوں والا اور بڑائیوں والا

---

[1] بہر حال ان مقطعات کے بارے میں کوئی قول بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ ابو حیان نے لکھا ہے کہ: ذكر المفسرون فى "حٰمٓ عٓسٓقٓ" اقوالا مضطربا لا يصح منها شیٔ۔

ہے۔ وہ بہت بڑا اور بہت بلند ہے وہ اونچائی والا اور کبریائی والا ہے۔ اس کی عظمت اور جلالت کا یہ حال ہے کہ قریب ہے آسمان پھٹ پڑے۔ فرشتے اس کی عظمت سے کپکپائے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے مغفرت تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ (مؤمن: ۷) یعنی حاملان عرش اور اس کے قرب و جوار کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں[1] کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت وعلم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ پس تو انہیں بخش دے۔ جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کے تابع رہے۔ انہیں عذاب سے بھی بچالے۔ پھر فرمایا کہ جان لو! اللہ غفور ورحیم ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ مشرکوں کے اعمال کو دیکھ بھال میں آپ کر رہا ہوں۔ انہیں خود ہی پورا پورا بدلہ دوں گا۔ تیرا کام صرف انہیں آگاہ کر دینا ہے تو ان پر داروغہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

اور ہم نے اس طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی وحی کے ذریعے سے نازل کیا تا کہ آپ (سب سے پہلے) مکہ کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس ہیں ان کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس کے آنے میں زرا شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں (داخل) ہوگا اور ایک دوزخ میں ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریق کا بنا دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ان ظالموں کا (قیامت کے روز) کوئی حامی مددگار نہیں ○

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ☆

یعنی جس طرح اے نبی آخر الزماں! تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی۔ تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یہ عربی زبان میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے تا کہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو اللہ کے احکام اور اللہ کے عذاب سے آگاہ کر دے۔ نیز تمام اطراف عالم کے آس پاس سے مراد مشرق مغرب کی ہر سمت پر۔ مکہ شریف کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے بہتر و افضل ہے۔ اس کے دلائل بہت سارے ہیں۔ جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔ ہاں یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے سن لیجئے۔ (ترمذی نسائی ابن ماجہ)

مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عدی حمراء زہری فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف کے بازار خرورہ میں کھڑے ہوئے فرمار ہے تھے کہ اے مکہ! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تو اللہ کی ساری زمین

[1] مفسرین کہتے ہیں کہ یہ فرشتے مؤمن اور کفار دونوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مؤمن کے لئے مغفرت اور رحمت کی اور کافر کے لئے توفیق ایمان کی چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ: اما فی حق الکفاء فبواسطة طلب الایمان لهم واصانی حق المؤمنین فبالتجاوز عن سیاتهم۔

سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیتے ہیں اور اس لئے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرائے۔ جس دن تمام اوّل و آخر کے لوگ ایک میدان جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی۔ یہ وہ دن ہوگا کہ جنتی نفع میں رہیں اور جہنمی گھاٹے میں دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ﴾ (ھود: ۱۰۳) یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے ہم تو اسے تھوڑی مدت معلوم کے لئے مؤخر کئے ہوئے ہیں۔ اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں سے بعض تو بدقسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں[1] دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا: ہمیں تو خبر

[1] اس حدیث پر کسی طرح کا اشکال نہ ہونا چاہئے کہ اربوں جہنمیوں کے نام ایک رجسٹر میں کس طرح آ گئے اور کروڑوں جنتیوں کے اسما کی فہرست کیونکر تیار کر لی گئی۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت پر یقین رکھتا ہے تو اس کے لئے ایسے حقائق کو تسلیم کرنا کچھ مشکل نہیں اور جو لوگ بدقسمتی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو روس اور امریکہ کی طاقتوں سے بھی کم تر سمجھتے ہیں (والعیاذ باللہ) انہیں سے تھوڑی سی گفتگو کرنا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آج دنیا اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتی کہ مائیکروفلم کی ایجاد کے بعد ضخیم مجلدات تو ایک طرف پورے کے پورے کتب خانوں کا بالکل مختصر اور ذرا سی جگہ میں محفوظ کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ اس فلم پر منضبط کتابوں کا عکس عدسات کے ذریعے بڑے بڑے پردے کر بڑی آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ پھر وہ مجلدات میں اربوں چھوڑ کھربوں نیک و بد انسانوں کی ڈائریکٹری کیسے تیار نہیں ہو سکتی جو کام مخلوق کر سکی ہے۔ اس کا خالق ازل سے ہی اس پر کیونکر قادر نہ ہوتا۔ عالم دنیا کی جو بات آج سے چند برس قبل کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی وہ اب حقیقت ثابتہ نظر آنے لگی ہے۔ تو عالم آخرت کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے وحی ربانی کی بات حقیقت سے کیسے بعید ہو سکتی ہے۔

یہاں اگر اربوں انسانوں کی فہرست تیار کرنے کے لئے طویل مجلدات کی ضرورت پیش آتی ہے تو کیوں ضروری قرار دیا گیا۔ اس عالم میں بھی لکھائی پڑھائی اسی نوعیت کی ہوگی اور کاغذات کے انبار اسی طرح درکار ہوں گے اور پھر اس دنیا میں بھی تو ذرا غور کیجئے کہ ۳۰ سپاروں کا طویل قرآن مجید ماہر کاتبوں نے ایک صفحہ پر لکھ لیا اور سورۂ فاتحہ بعض چابک دست چاول کے ایک ہی دانہ پر لکھ دیتے ہیں۔ مقرر کی گھنٹوں کی تقریر شارٹ ہینڈ سے اس کے اشارات کو محفوظ کر لی جاتی ہے کہ کوئی لفظ مقرر کا کہا ہوا چھوٹنے نہیں پاتا۔ ٹیلیگراف کی چند کھٹ کھٹ کی آوازوں سے پورا مضمون تیار کر لیا جاتا ہے۔ رات میں اڑنے والے جہاز بجلی کے چند اشاروں پر اپنی راہیں متعین کرتے ہیں۔ علم نجوم میں ہاتھ کی لکیروں سے ماضی اور مستقبل تیار کو اس طرح پڑھ لیا جاتا ہے کہ اگر کسی ایک شخص سے متعلق حالات لکھنے کے لئے بیٹھ جائے تو چند کا پیاں بھر جائیں۔ حالانکہ ان لکیروں سے ان کو حاصل کیا گیا وہ صرف ایک ہاتھ کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر یہی علم ترقی کر کے آج ان حدود اور مراحل سے گزر رہا ہے کہ محض نام سے زندگی کے تمام حالات معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ حقائق ہیں ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ خود آپ بھی صبح و شام گفتگو کے لئے مختلف اشارات سے کام لیتے ہیں۔ سمجھنے والا ان اشاروں سے ہی آپ کا مدعا سمجھ لیتا ہے۔ پھر حدیث اور قرآن میں اس طرز کی آئی ہوئی حقیقتوں کو عقلی اشکالات کی زد میں لانا کہاں کا انصاف ہے۔ آگے حدیث میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک اشکال بھی درج ہے وہ یہ کہ پھر ہم کو عمل کی کیا ضرورت ہے۔ معاملہ جب سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ اس اشکال سے معلوم ہوا کہ اس حدیث پر اگر کوئی اشکال ہو سکتا تھا تو وہ یہی تھا۔ روشن خیال دنیا کے اعتراضات سے تو اس حدیث کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی سمجھایا، تم عمل کے مکلف کئے گئے ہو۔ اگرچہ تمہارا انجام اللہ تعالیٰ کے علم میں طے ہو چکا ہے لیکن بہرحال تم سے عمل مطلوب ہے تم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نتائج سے بے خبر ہو کر عمل کئے جاؤ۔

نہیں۔ آپ فرمایئے۔ آپ نے اپنی داھنی ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ رب العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں۔ مع ان کے والد کے اور ان کے قبیلے کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے۔ اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی اشارہ کر کے فرمایا: یہ جہنمیوں کے ناموں کا رجسٹر ہے۔ ان کے نام ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے۔ پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے۔ ان میں بھی کی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت؟ جبکہ سب لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ٹھاک رہو۔ بھلائی کی نزدیکی کے لئے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا۔ گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور اہل نار کا خاتمہ جہنم پر ہی ہوگا۔ گو وہ کیسے ہی کاموں کی مرتکب ہو رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا: تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔ یہ حدیث ترمذی اور نسائی میں ہے۔ بقول حضرت امام ترمذیؒ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہ حدیث اور کتابوں میں بھی ہے۔ کسی میں یہ بھی ہے کہ تمام عدل ہی عدل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی تمام اولاد ان سے نکالی اور چیونٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ نیکوں کا دوسرا بدوں کا پھر انہیں پھیلا دیا۔ دوبارہ انہیں سمیٹ لیا اور اسی طرح اپنی مٹھیوں میں لے کر فرمایا: ایک حصہ جنتی اور دوسرا حصہ جہنمی۔ یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبداللہ نامی صحابی بیمار تھے۔ ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کے لئے گئے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھا کرو۔ یہاں تک کہ مجھ سے[1]۔ اس پر صحابی نے فرمایا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو یہ حدیث رلا رہی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح بائیں' مٹھی میں بھی اور فرمایا: یہ لوگ اس کے لئے ہیں۔ یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کے لئے یعنی جہنم کے لئے اور مجھے کچھ پروا نہیں[2]۔ پس مجھے خبر نہیں میں اللہ کی کس مٹھی میں تھا۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقے پر کر دیتا۔ یعنی یا تو ہدایت پر یا گمراہی پر۔ لیکن رب نے ان میں تفاوت رکھا۔ بعض کو حق کی ہدایت کی اور بعض کو اس سے بھلا دیا۔ اپنی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں لے لے۔ ظالموں کا حمایتی اور مددگار کوئی نہیں۔ ابن جریر میں ہے: اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ اے میرے رب تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر ان میں سے کچھ کو جنت میں لے جائے گا اور کچھ کو جہنم میں۔ کیا اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے۔ جناب باری نے ارشاد فرمایا: موسیٰ علیہ السلام اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اونچا کیا۔ پھر فرمایا اور اونچا کرو۔ آپ نے اونچا کیا۔ فرمایا اور اوپر اٹھاؤ' جواب دیا: خدایا! اب تو سارے جسم سے اونچا کر لیا۔ اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں۔ فرمایا: بس موسیٰ اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔

---

[1] اور آپ نے ہمیشہ اس حدیث پر عمل رکھا ہے۔ بات بہت معمولی سی تھی۔ لیکن آپ اس پر عمل کرتے رہے تو اسلام کی بنیادی تعلیمات پر تو آپ یقیناً عمل کرتے رہے ہوں گے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل اگر مقبول ہو تو یقیناً غفران و رحمت کا باعث ہے۔ اس لئے ہمارا تو آپ کے بارے میں اپنے حسن ظن کی وجہ سے یہی فیصلہ ہے کہ آپ مغفور و مرحوم ہیں۔ پھر یہ گریہ و بکا کیسا؟

[2] اب اگر کوئی جہنم میں جائے تو میرا کچھ نقصان نہیں اور ایسے ہی کوئی جنت میں ہو تو کوئی نفع نہیں اس لئے کس کی پرواہ کروں۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں سو اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات میں تم (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) چارپایوں کے جوڑے بنائے (اور) اس کے جوڑے ملانے کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے اس کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان کی اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے) کم دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے ○

اللہ ہی حاکم ہے:

اللہ تعالیٰ شانہٗ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔ مردوں کو زندہ کرنا میری صفت ہے۔ ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے۔ پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟ پھر فرماتا ہے: جس کسی اَمر میں تم میں اختلاف رونما ہو جائے۔ اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ۔ یعنی تمام دینی اور دنیوی اختلاف کے فیصلے کی چیز کتاب اور سنت رسول اللہ کو مانو۔ جیسے فرمان عالی شان ہے: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (نساء: ۵۹) اگر تم میں کوئی جھگڑا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جاؤ۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ اللہ ہر چیز پر حاکم ہے۔ وہی میرا رب ہے۔ میرا توکل اسی پر ہے اور اپنے تمام کام اسی پر سونپتا ہوں اور ہر وقت اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں، زمین اور اس کے درمیان کی کل مخلوق کا خالق ہے۔ اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہارے ہی شکل کے جوڑے بنا دیئے۔ یعنی مرد عورت اور چوپایوں کے بھی جوڑے پیدا کئے جو آٹھ ہیں۔ وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے۔ یعنی اس صفت پر۔ یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جا رہا ہے۔ نسلیں کی نسلیں پھیلا دیں قرنوں گزر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ ادھر انسانوں کا ادھر کا جانوروں کا۔ بغوی فرماتے ہیں: مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں پیٹ میں بعض

کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلاتا ہے۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں: نسلیں پھیلانی مراد ہیں۔بعض کہتے ہیں: یہاں فیه معنی میں بِهٖ کے ہے۔یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو پھیلا اور پیدا کر رہا ہے۔حق یہ ہے کہ خالق جیسا اور کوئی نہیں کہ وہ فرد وصمد ہے۔وہ بے نظیر ہے وہ سمیع وبصیر ہے۔آسمان وزمین کی کنجیاں اس کے ہاتھوں میں ہیں۔سورہ زمر میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے۔جسے چاہے کشادہ روزی دے جس پر چاہے تنگی کر دے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ عیسیٰؑ کو (مع ان سب کے اتباع کا) حکم دیا تھا اور ان کی امم کو یہ کہا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ کو بلا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (اللہ کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا' محض آپس کی ضد مندی سے باہم متفرق ہو گئے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک (کے لئے مہلت دینے کی) ایک بات پہلے قرار نہ پا چکتی تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (مراد اس سے مشرکین عہد نبوی کے ہیں) وہ اس کی طرف سے ایسے (قوی) شک میں پڑے ہیں ○

ایک ہی طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے جو انعام اس امت پر کیا ہے' اس کا ذکر یہاں فرماتا ہے کہ تمہارے لئے جو شرع مقرر کی ہے۔وہ وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کے سب سے پہلے پیغمبر اور دنیا کے سب سے آخری پیغمبر اور ان کے درمیان کے اولوالعزم پیغمبروں کی تھی۔پس جن پانچ پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے۔انہیں پانچ کا ذکر سورہ احزاب میں بھی کیا گیا ہے۔فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ (احزاب: ۷) وہ دین جو تمام انبیاء کے مشترک طور پر ہے۔وہ اللہ واحد کی عبادت ہے جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (انبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں' ان

سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی ہے کہ معبود میرے سوا کوئی نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ حدیث میں ہے انبیا کی جماعت آپس میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ جیسے علاتی بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے۔ الغرض احکام شرع میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے[1] اور وہ توحید کی صدائیں ان مشرکوں کو ناگوار گزرتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو مستحق ہدایت ہوتا ہے وہ تب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ اس کا ہاتھ تھام کرا سے ہدایت کے راستے پر لا کھڑا کرتا ہے اور جواز خود برے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صاف راہ چھوڑ دیتا ہے' اللہ بھی اس کے حق میں ضلالت لکھ دیتا ہے۔ جب ان کے پاس حق آ گیا حجت قائم ان پر ہو چکی۔ اس وقت آپس کی ضد بحث کی بنا پر آپس میں مختلف ہوئے۔ اگر قیامت کا دن حساب کتاب جزا سزا کے لئے مقررہ شدہ نہ ہوتا تو ان کے ہر بد عمل کی سزا انہیں اسی وقت مل جایا کرتی۔ پھر فرمایا ہے کہ پچھلے جو پہلوں سے کتابیں پائے ہوئے ہیں۔ یہ صرف تقلیدی طور پر مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مقاصد کا ایمان شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتا۔ انہیں خود یقین نہیں' دلیل و حجت کی بنا پر ان کا ایمان نہیں۔ بلکہ یہ اپنے اگلوں کے جو حق کے جھٹلانے والے تھے' مقلد ہیں[2]۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۭ﴿۱۵﴾

جس نے (ان کو) تردد میں ڈال رکھا ہے سو آپ اسی طرف (ان کو برابر) بلائے جایئے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (اس پر مستقیم رہئے اور ان کی رفاسد) خواہشوں پر نہ چلئے اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور (اس میں شک نہیں کہ) اسی کے پاس جانا ہے ○

ہر ایک کو اپنے عمل کا خود جوابدہ ہونا ہے ☆

اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کی ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے۔ باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں' جو سب مستقل ہیں۔ ہر ایک کلمہ ایک مستقل حکم ہے۔ یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے۔ ① پس پہلا حکم تو یہ ہوتا

[1] خوب سمجھ لیجئے کہ مطلب اس حدیث یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی طریقہ اور دین کی تعلیم دیتے رہے لیکن اسلام کے علاوہ کون سا مذہب ہے جس کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنی اصلی شکل وصورت میں ہے اور پھر جب قرآن کا اعلان ہے کہ: ان الدین عند اللہ الاسلام تو پھر وحدتِ ادیان کا باطل نعرہ کیا معنی رکھتا ہے۔

[2] اس تقلید سے فقہا کی تقلید کا کوئی جوڑ نہیں اور ایمان کے بارے میں بھی تقلید صرف وہی مذموم ہے جو غلط بنیادوں پر ہو۔ اگر کوئی شخص اسلام کا صرف اس وجہ سے معتقد ہے کہ اس کے آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ تو یہ تقلید بری نہیں بلکہ اچھی ہے۔

ہے کہ وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیا پر آتی رہی ہے اور جو شروع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے اگلے تمام انبیاء کرام کے لئے بھی مقرر کی گئی تھی۔ تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے۔ ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اسی کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ ② اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کرا ③ مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں' جو تکذیب و افترا ان کا شیوہ ہے' جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے۔ خبردار تو ہرگز ان خواہشوں میں نہ آ جانا۔ ان کی ایک بھی نہ ماننا۔ ④ اور علی الاعلان اپنے اس عقیدے کی تبلیغ کر کہ اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے۔ میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں۔ ایک کو لوں اور دوسروں کو نہ پکڑوں ⑤ میں تم میں وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں' جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔ ⑥ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارا تمہارا معبودِ برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے۔ گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے۔ لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے ⑦ ہمارے عمل ہمارے ساتھ' تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم میں اور تم میں کوئی تعلق نہیں۔ جیسے اور آیت میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار (یونس: ۴۱)۔ ⑧ ہم میں تم میں کوئی خصوصیت نہیں۔ کسی بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں: یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینے میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو' کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں ⑨ قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ (سباء: ۲٦) یعنی تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب جمع کرے گا اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے ⑩ پھر فرماتا ہے لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کے بارہ میں (مسلمانوں سے) جھگڑے نکالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب (واقع ہونے والا) ہے اور ان کے لئے (قیامت) کو سخت عذاب (ہونے والی) ہے اللہ ہی ہے جس نے (اس) کتاب (یعنی قرآن) کو اور انصاف کو نازل فرمایا اور آپ کو (اس کی) کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ (مگر) جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے اس کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں وہ اس سے

ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ○

کٹ حجتی:

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے۔ جو مسلمانوں سے فضول حجتیں کیا کرتے ہیں۔ انہیں راہ ہدایت سے بہکانا چاہتے ہیں اور دین اللہ میں جھگڑے نکالتے ہیں' ان کی حجت باطل ہے۔ ان پر رب غضبناک ہے اور انہیں قیامت کے روز سخت ناقابل برداشت سزا دی جائے گی۔ ان کی طمع پوری ہوئی' یعنی مسلمانوں میں پھر دوبارہ جاہلیت کی خو بو آنی محال ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہود نصاریٰ کا بھی جادو نہیں چلنے دے گا۔ ناممکن ہے کہ مسلمان ان کے موجودہ دین کو اپنے سچے اچھے اصلی دین پر ترجیح دیں اور اس دین کو لیں جس میں جھوٹ ملا ہوا ہے۔ جو محرف ومبدل ہے۔ پھر فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور عدل و انصاف اتارا۔ جیسے فرمان باری ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَیِّنٰتِ﴾ (حدید: ۲۵) یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہری دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں اور آیت میں ہے: ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا......﴾ (رحمٰن: ۷) یعنی آسمان کو اسی نے اونچا کیا اور ترازو کو اسی نے رکھا' تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور نصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔ پھر فرماتا ہے: تو نہیں جان سکتا کہ قیامت بالکل قریب ہے۔ اس میں خوف اور لالچ دونوں ہی ہیں اور اس میں دنیا سے بےرغبت کرنا بھی مقصود ہے۔ پھر فرمایا: اس کے منکر تو جلدی مچا رہے ہیں کہ قیامت کیوں نہیں آتی اور کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو قیامت قائم کر دو۔ کیونکہ ان کے نزدیک قیامت کا ہونا محال ہے۔ لیکن ان کے برخلاف ایماندار اس سے کانپ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ روز جزا کا آنا حتمی اور ضروری ہے۔ یہ اس سے ڈر کر وہ اعمال بجالا رہے ہیں جو انہیں اس روز کام دیں۔

ایک بالکل صحیح حدیث میں ہے' جو تقریباً تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے۔ وہ حضرت سے کچھ دور تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ یقیناً آنے والی ہے۔ تو بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا: اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی محبت۔ آپؐ نے فرمایا: تو ان کے ساتھ ہوگا۔ جن سے تو محبت رکھتا ہے[۱] اور حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ یہ حدیث یقیناً متواتر ہے الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں قیامت کے وقت کی تعیین نہیں کی۔ بلکہ سائل کو اس دن کی تیاری کرنے کو فرمایا۔ پس قیامت کے آنے کے وقت کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ قیامت کے آنے میں جو لوگ جھگڑ رہے ہیں اور ان کے منکر اس' اسے محال جانتے ہیں' وہ نرے جاہل ہیں۔ سچی سمجھ اور عقل سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ سیدھے راستے سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ زمین و آسمان کا ابتدائی خالق اللہ کو مانیں اور انسان کو مار ڈالنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینے پر اسے قادر نہ جانیں جس نے بغیر کسی نمونے کے اور بغیر کسی جز کے ابتداً اسے پیدا کر دیا۔ تو دوبارہ جب کہ اس کے اجزا بھی کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ اسے پیدا کرنا اس پر کیا مشکل ہے۔ بلکہ عقل بھی تقاضا کرتی ہے کہ اب تو اور بھی آسان ہے۔

---

[۱] اور ظاہر ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے' خو بو' خصائل و عادات' رہن سہن اٹھنا بیٹھنا' ظاہر اور پوری زندگی اس ہی جیسی اختیار کرتا ہے اور اتباع سنت کامل طور پر جنت کے داخلے کی ضمانت ہے۔

اَللّٰہُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ ۚ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِہِ اللّٰہُ ۭ وَلَوْلَا کَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَی الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا کَسَبُوْا وَھُوَ وَاقِعٌۢ بِھِمْ ۭ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوت والا اور زبردست ہے جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اور ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دینا (اگر چاہیں) دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں کیا ان کے کچھ شریک (خدائی) ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دن مقرر کردیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر (اللہ کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرا ہوا) نہ ہوتا تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا (اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ (وبال) ان پر ضرور پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں (داخل) ہوں گے وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان کو ملے گی یہی بڑا انعام ہے ○

دُنیا اور آخرت: ☆

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ایک کو دوسرے کے ہاتھ روزی پہنچا رہا ہے ۔ایک بھی نہیں جسے اللہ بھول جائے۔ نیک و بد ہر ایک اس کے ہاں کا وظیفہ خوار ہے۔جیسے اللہ نے فرمایا ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا﴾ (ہود:۶) زمین پر چلنے والے سب تمام جانداروں کی روزیوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔وہ ہر ایک کے رہنے سہنے کی جگہ کو بخوبی جانتا ہے اور سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔وہ جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ روزی مقرر کرتا ہے۔وہ طاقت ور اور غالب ہے۔جسے کوئی چیز مغلوب نہیں کرسکتی۔پھر فرماتا ہے جو آخرت کے اعمال کی طرف توجہ کرتا ہے۔ہم خود اس کی مدد کرتے ہیں۔اسے قوت طاقت دیتے ہیں۔اس کی نیکیاں بڑھاتے رہتے ہیں۔کسی نیکی کو دس گنا کر دیتے ہیں۔کسی کو سات سوگنی' کسی کو اس سے زیادہ۔الغرض آخرت کی تمنا جس دِل میں

ہوتی ہے۔اس شخص کو نیک اعمال کی توفیق اللہ کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کی تمام کوشش دنیا حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔آخرت کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی۔تو وہ دونوں جہان میں محروم رہتا ہے۔دنیا کا ملنا اللہ کا ملنا اللہ کے ارادے پر موقوف ہے۔ممکن ہے وہ ہزاروں جتن کرے اور دنیا سے محروم رہ جائے۔

بدنیتی کے باعث عقبیٰ تو برباد کر ہی چکا تھا' دنیا بھی نہ ملی' تو دونوں جہان سے گیا گزرا اور اگر تھوڑی سی دنیا مل بھی گئی تو کیا چنانچہ دوسری آیت میں اس مضمون کو مقید بیان کیا گیا ہے۔فرمان ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۸) یعنی جو شخص دنیا کا طلب ہوگا' ایسوں میں سے ہم جسے چاہیں اور جتنا چاہیں' دے دیں گے۔پھر اس کیلئے جہنم تجویز کریں گے جس میں وہ بدحال اور راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا اور جو آخرت کی طلب کرے گا اور اس کے لئے جو کوشش کرنی چاہئے کرے گا اور ہوگا بھی وہ باایمان' تو ناممکن ہے کہ ایسوں کی کوشش کی قدردانی نہ کی جائے۔دینوی بخشش وعطا تو عام ہے۔اس سے ان سب کی امداد ہم کیا کرتے ہیں اور تیرے رب کی یہ دینوی عطا کسی پر بند نہیں۔خود دیکھ لو کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دے رکھی ہے۔یقین مان لو کہ درجوں کے اعتبار سے بھی اور فضیلت کے اعتبار سے آخرت بہت بڑی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس امت کو برتری اور بلندی کی نصرت اور سلطنت کی خوش خبری ہو ان میں سے جو شخص دینی عمل دنیا کے لئے کرے گا' اسے آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین دین اللہ کی تو پیروی کرتے نہیں بلکہ جن شیاطین اور انسانوں کو انہوں نے اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے۔یہ جو احکام انہیں بتاتے ہیں۔یہ الٰہی احکام کے مجموعے کو دین سمجھتے ہیں۔حلال وحرام اپنے ان بڑوں کے کہنے پر سمجھتے ہیں۔عبادتوں کے طریقے انہیں کے ایجاد کردہ ہیں۔جو یہ برت رہے ہیں۔اسی طرح مال کے احکام بھی از خود تراشیدہ ہیں۔جنہیں شرعی سمجھ بیٹھے ہیں۔چنانچہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو انہوں نے از خود حرام کر لیا تھا۔مثلاً وہ جانور جس کا کان چیر کر اپنے معبودان باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور داغ دے کر سانڈ چھوڑ دیتے تھے اور مادہ بچے کو حمل کی صورت میں ہی ان کے نام کر دیتے تھے۔جس اونٹ سے دس بچے حاصل کر لیں اسے ان کے نام چھوڑ دیتے تھے۔پھر انہیں ان کی تعظیم کے خیال سے اپنے اوپر سمجھتے تھے اور بعض چیزوں کو حلال کر لیا تھے۔جیسے مردار اور خون۔

ایک صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانوروں کا چھوڑنا بتلایا۔یہ شخص خزامہ کے بادشاہوں میں سے تھا۔اسی لئے سب سے پہلے ان کاموں کی ایجاد کی تھی۔جو جاہلیت کے عربوں میں رائج تھے۔اسی نے قریشیوں کو بت پرستی میں ڈال دیا۔اللہ اس پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے۔فرماتا ہے کہ اگر میری یہ بات پہلے ہی سے میرے ہاں طے شدہ نہ ہوتی کہ میں گناہگاروں کو قیامت کے آنے تک ڈھیل دوں گا تو میں آج ہی ان کفار کو اپنے عذاب میں دھر گھسیٹتا۔اب انہیں قیامت کے دن جہنم کے المناک اور بڑے سخت عذاب ہوں گے۔میدان قیامت میں تم دیکھو گے کہ یہ ظالم لوگ اپنے کرتوتوں سے لرزاں وترساں ہوں گے۔مارے خوف کے تھرا رہے ہوں گے۔لیکن آج کوئی چیز نہ ہوگی جو انہیں بچا سکے۔آج تو یہ اعمال کا مزہ چکھ کر ہی رہیں گے اور ایماندار نیکوکار لوگوں کا حال تو وہ امن چین سے جنتوں کے باغات میں مزے کر رہے ہوں گے۔ان کی ذلت' رسوائی' ڈر' خوف ان کی عزت' برائی' امن' چین کو خیال کر لو۔وہ طرح طرح کی مصیبتوں تکلیفوں میں ہوں گے۔یہ طرح طرح کی راحتوں اور لذتوں میں ہوں گے۔عمدہ بہترین غذائیں بہترین لباس' بہترین مکانات' بہترین بیویاں اور بہترین ساز وسامان انہیں ملے ہوں گے' جن کا دیکھنا سننا تو کہاں انسان کے ذہن اور

تصور میں بھی یہ چیزیں نہیں آ سکتیں۔ حضرت ابوطیبہ فرماتے ہیں: جنتیوں کے سروں پر اَبر آئے گا اور انہیں ندا ہوگی کہ بتاؤ کس چیز کا برسنا چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کا برسنا چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی۔ یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر بھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں۔ چنانچہ وہی برسیں گے۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیابی یعنی کامل لغت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ (ان سے) یوں کہئے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے سو اللہ اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کرتا ہے وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے ○

حق و باطل کا انجام:

اوپر کی آیتوں میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے بیان فرما رہا ہے کہ ایماندار نیکوکار بندوں کو اس کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ قریش کے ان مشرکین سے کہہ دو کہ اس کی تبلیغ پر اور اس تمہاری خیر خواہی پر میں تم سے کچھ طلب تو نہیں کر رہا۔ تمہاری بھلائی تو ایک ہی طرف رہی تم اگر اپنی برائی چھوڑ دو اور مجھے رب کی رسالت پہنچانے دو اور قرابت داری کے رشتے کو سامنے رکھ کر میری ایذا رسانی[1] سے رک جاؤ' تو یہی بہت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو حضرت سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرابت آلِ محمد ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے عجلت سے کام لیا۔ سنو! قریش کے جس قدر قبیلے تھے' سب کے ساتھ حضور کی رشتہ داری تھی۔ تو مطلب یہ ہے کہ تم اس رشتہ داری کا لحاظ رکھو' جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت سدیؒ، حضرت ابو مالکؒ، حضرت عبدالرحمٰن وغیرہ بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔

[1] عربوں میں خاندانی قرابتداری اور عزیز داری کی مکمل رعایت شہرۂ آفاق تاریخی حقیقت ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا کہ قرابت کے اس نازک احساس کو یاد دلا کر اپنی مظلومیت کا اظہار فرما رہے کہ اور کچھ نہیں تو قرابت کا خیال ہی رکھو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے ایسے ہی معنی منقول ہیں۔ جصاص فقیہ نے لکھا ہے کہ ''معناه الا ان لا تؤذوا فی قرابتی منکم'' امام رازی نے لکھا ہے کہ جب مؤمنین میں باہمی تعلق اور خوشگوار معاملات کی بنیاد ڈالنے کا شدید مطالبہ قرآن اور حدیث کرتے ہیں تو پھر امت کے اشرف ترین طبقہ کے ساتھ اس محبت کو قائم رکھنے کا مطالبہ کیوں نہ ہوگا؟ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بھی محبت کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔ رازی نے لکھا ہے کہ ''فيه منصب عظيم للصحابة لانه تعالى قال والسابقون السابقون اولئك المقربون فكان كل من اطاع الله كان مقرباً عندالله تعالى فدخل تحت قوله الا المودة فى القربى'' رازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی آل و اصحاب دونوں کی محبت کو جامع ہے اور اہلسنت کا یہی مسلک ہے۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے کہا ہے کہ میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو۔ جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ اس میری قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو دلیلیں دی ہیں۔ جس ہدایت کا راستہ بتلایا ہے' اس پر کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا' سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چاہنے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے اس سے قرب اور نزدیکی حاصل کر لو۔ حضرت حسن بصری سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ تو یہ دوسرا قول ہوا۔ پہلا قول حضور کا اپنی رشتہ داری کو یاد دلانا۔ دوسرا قول آپ کی یہ طلب کہ لوگ اللہ کی نزدیکی حاصل کر لیں۔ تیسرا قول جو حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت سے گزرا کہ تم میری قرابت کے ساتھ احسان اور نیکی کرو۔ ابوالدیلم کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسین کو قید کر کے لایا گیا اور دمشق کے بالا خانے میں رکھا گیا تو ایک شامی نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرایا اور تمہارا ناس کرا دیا اور فتنہ کی ترقی کو روک دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: کیا تو نے قرآن بھی پڑھا ہے۔ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا: اس میں حٰم والی سورتیں بھی پڑھی ہیں۔ اس نے کہا: واہ! سارا قرآن پڑھ لیا اور حٰم والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: پھر کیا ان میں اس آیت کی تلاوت تو نے نہیں کی: ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ یعنی میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر محبت قرابت کی۔ اس نے کہا: پھر کیا تم وہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عمرو بن شعیبؒ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا: مراد قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ انصار نے اپنی خدمات اسلام گنوائیں فخر کے طور پر۔ اس پر ابن عباسؓ یا حضرت عباسؓ نے فرمایا: ہم تم سے افضل ہیں۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا: انصاریو! کیا تم ذلت کی حالت میں نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزت بخشی۔ انہوں نے کہا بے شک آپ سچے ہیں فرمایا کیا تم گمراہ نہ تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت کی؟ انہوں نے کہا: ہاں! بے شک آپ نے سچ فرمایا: پھر فرمایا: اب تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا: کیا کہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں کہتے کہ تیری قوم نے تجھے نکال دیا تھا۔ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی۔ کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا؟ اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا انہوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا؟ اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ اسی طرح کی آپ نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں۔ یہاں تک کہ انصار اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے[1] اور انہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری اولاد اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب اس کا اور اس کے رسول کے لئے پھر یہ آیت ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ﴾ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم میں بھی اسی کے قریب ضعیف سند موجود ہے صحیحین میں یہ حدیث ہے' اس میں ہے کہ یہ واقعہ حنین کی غنیمت تقسیم کے وقت پیش آیا تھا اور اس میں آیت کے اترنے کا بھی ذکر نہیں اور اس آیت کو مدینے میں نازل شدہ ماننے میں بھی قدرے تامل ہے۔ اسی لئے کہ یہ صورت مکیہ ہے۔ پھر جو واقعہ حدیث میں مذکور ہے اس واقعہ میں اور اس آیت میں کچھ ایسی مناسبت بھی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں۔ جن کی محبت رکھنے کا ہمیں حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا راوی مبہم ہے جو معروف نہیں۔ پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے۔ جو بالکل ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ اس کا نام حسین اشغر ہے۔ اس جیسی[2] حدیث بھلا ان کی روایت سے کیسے مان لی جائے گی؟ پھر

---

[1] گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سخت غصہ میں تھے۔ انصار نے جب محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید ناراض ہیں تو معافی طلب کرنے کے لئے جھک گئے۔

[2] یعنی جو حدیث فضائل اہل بیت میں ہو اور اس کے راوی شیعہ ہوں' ناقابل قبول ہے کیونکہ اہل بیت کی منقبت میں انہوں نے کثرت سے روایات گھڑی ہیں۔

مدینے میں آیت کا نازل ہونا ہی مستبعد ہے۔ حق یہ ہے کہ آیت مکیہ ہے اور مکہ شریف میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد ہی نہیں ہوا تھا۔ اولاد کیسی؟ آپ کا عقد تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوا۔ پس صحیح تفسیر اس کی یہ ہے جو حبر الامہ' ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے جو بحوالہ بخاری پہلے گزر چکی ہے۔ ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کا اکرام واحترام ضروری چیز ہے۔ روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانہ اور نہیں۔ حسب ونسب میں اور فخر ومباحات میں بلا شک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو متبع سنت نبی ہوں جیسے کہ اسلاف کی روش تھی۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آل عباس اور آل علی کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں' کتاب اللہ اور میری اولاد اور یہ دونوں جدا نہ ہوں۔ جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آئیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں' لیکن ہم سے ہنسی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ خدا کے لئے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' قریش باتیں کر رہے ہوں' ہمیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ اسے سن کر آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور فرمایا واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان جاگزیں نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اللہ کے لئے اور میری قرابتداری کی وجہ سے محبت نہ رکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' لوگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں رکھو۔

ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں سے سلوک کرنا' واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضور کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ پس اسلام کے ان دو چمکتے ستاروں کا مسلمانوں کے ان دونوں سیدوں کا جو معاملہ آل رسول اور اقربائے پیغمبر کے ساتھ تھا۔ وہی عزت و دیعت کا معاملہ مسلمانوں کو آپ کے اہل بیت اور قرابتداروں سے رکھنا چاہئے۔ کیونکہ نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام دنیا سے افضل یہی دونوں بزرگ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس مسلمانوں کو پیروی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور کنبے قبیلے کے ساتھ حسن عقیدت سے پیش آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اہل بیت سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہ سے خوش ہو جائے اور سب کو اپنی رضامندی میں لے لے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ برید بن حیان اور حصین بن میسرو اور عمر بن مسلم' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حصین نے کہا: حضرت آپ کو تو بڑی بڑی برکت مل گئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں' آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کئے' آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں تو سنایئے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے فرمایا میرے بھتیجے' سنو میری عمر اب بڑی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو عرصہ گزر چکا۔ بعض چیزیں ذہن میں بالکل محفوظ بھی نہیں رہیں۔ اب تو یہی رکھو کہ جو از خود سنا دوں' اسے مان لیا کرو۔ ورنہ مجھے تکلیف نہ دو' کہ تکلف سے بیان کرنا پڑے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مکے اور مدینے کے درمیان

پانی کی جگہ کے پاس' ایک جگہ جسے خم کہا جاتا تھا' کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی' وعظ و پند کیا۔ پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں' کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد خدا پہنچ جائے اور میں اس کو مان لوں[1]۔ سنو میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ' جس میں نور ہدایت ہے' تم خدا کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس مضبوطی سے تھامے رہو۔ پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت تاکیدیں کیں۔ پھر فرمایا میرے اہل بیت میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ سن کر حسین نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' اے زید آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیوی اہل بیت میں داخل نہیں؟ فرمایا بے شک آپ کی بیویاں بھی آپ کے اہل بیت میں ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں' جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آلِ علی' آلِ عقیل' آلِ جعفر' آلِ عباس۔ پوچھا کیا ان پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں۔ ترمذی میں ہے' حضور نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رہے تو بہکو گے نہیں۔ ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے۔

کتاب اللہ جو خدا کی طرف سے ایک لٹکائی ہوئی رسی ہے۔ جو آسمان سے زمین تک آئی ہے اور دوسری چیز میری عزت میری اہل بیت ہے اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں۔ پس دیکھ لو کہ میرے بعد کس طرح ان میں میری جانشینی کرتے ہو؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف ترمذی ہی میں یہ روایت ہے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفہ والے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصوا کہا جاتا تھا' خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا' لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے لئے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ کتاب اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث ہم نے ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ فالحمدللہ۔ ایک حدیث ضعیف مسند ابویعلی میں ہے کہ حضرت ابوذر نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے فرمایا: لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں' جو نہیں پہچانتے اب پہچان لیں کہ میرا نام ابوذر ہے۔ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے۔ اس میں جو چلا گیا' اس نے نجات پالی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ پھر فرماتا ہے جو نیک عمل کرے ہم اس کا ثواب اور بڑھا دیتے ہیں جیسے اور آیت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک ذرّے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور نیکی ہو تو اور بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی ہے۔ پھر فرمان ہوا کہ اللہ گناہوں کا بخشنے والا اور نیکیوں کی قدر دانی کرنے والا ہے' انہیں بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جاہل کفار جو کہتے ہیں کہ قرآن تو نے گھڑ لیا ہے اور اللہ کا نام لگا دیا ہے ایسا اگر نہیں ہوتا تو اللہ تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور تجھے کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا﴾ (نساء: ۴۰) یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہمارے متعلق کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اُن کے دل کی رگ کاٹ دیتے اور تم

---

[1] یعنی پیغام موت آ جائے اور میں اس کو لبیک کہوں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پر موت سے پہلے بنیادی زندگی اور اخروی زندگی پیش کی جاتی ہے اور اختیار دیا جاتا ہے کہ جونسی چاہے حیات اختیار کر لو۔ یہ معاملہ نبی کے ساتھ محض احترام واکرام کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں مان لوں ورنہ ظاہر ہے کہ موت تو ایک ایسا مرحلہ ہے۔ جس کو اختیار کرنے اور نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

میں کوئی انہیں اس سزا سے نہ بچا سکتا۔ یعنی یہ اگر ہمارے کلام میں کچھ بھی زیادتی کرتے تو ایسا انتقام لیتے کہ دنیا کی کوئی ہستی اسے نہ بچا سکتی۔ اس کے بعد کا جملہ وَيَمْحُ اللّٰهُ۔ یختم پر عطف نہیں بلکہ مبتدا ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یختم پر عطف نہیں جو مجزوم ہو۔ واؤ کا کفایت میں نہ آیا یہ صرف امام کی رسم خط کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ جیسے ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (بنی اسرائیل:۱۱) میں واؤ لکھنے میں نہیں آئی اور ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ الْحَقَّ﴾ (الاعلیٰ:۱۸) یا عطف ﴿يَمْحُ اللّٰهُ﴾ (انفال:۸) پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حق کو واضح اور مبین کر دیتا ہے اپنے کلمات سے یعنی دلائل بیان فرما کر حجت پیش کر کے وہ خوب دانا و بینا ہے۔ دلوں کے راز سینوں کے بھید اور پر کھلے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

اور ایسا (الرحیم) ہے کہ اپنے بندوں کو توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ (گزشتہ) معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس (سب) کا جانتا ہے اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب پر بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز مناسب (ہر ایک کے لئے) اتارتا ہے وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا اور ان کا حال دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور (سب کا) کارساز قابل حمد ہے ○

رزق کی فراوانی اور انسان کی بغاوت:

اللہ تعالیٰ اپنا احسان اور اپنا کرم بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر اس قدر مہربان ہے کہ بد سے بد گنہگار بھی جب اپنی بدکرداری سے باز آئے اور خلوص کے ساتھ اس کے سامنے جھکے اور سچے دل سے توبہ کرے تو اپنے کرم و رحم سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اپنا فضل اس پر شامل حال کر دیتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ......﴾ (نساء:۱۱۰) جو شخص بدعملی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔ تو وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا۔ صحیح مسلم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو گئی ہو جس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو۔ یہ اس کی جستجو کر کے عاجز آ کر کسی درخت تلے پڑ رہا ہو اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اونٹنی سے بالکل مایوس ہو گیا کہ یکا یک

وہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی اس کے پاس ہی کھڑی ہے۔ یہ فوراً اٹھ بیٹھتا ہے اس کی نکیل تھام لیتا ہے اور اس قدر خوش ہوتا ہے کہ بے تحاشا اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ یا اللہ بے شک تو میرا غلام ہے اور میں تیرا رب[1] ہوں وہ اپنی خوشی کی وجہ سے خطا کر جاتا ہے۔ ایک مختصر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہو جاتا ہے کہ اتنی خوشی اس شخص کو بھی نہیں ہوتی' جو ایسی جگہ میں ہو۔ جہاں پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہو اور وہیں اس کی سواری کا جانور گم ہو گیا ہو جو اسے دفعتاً مل جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے برا کام کرتا ہے' پھر اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نکاح میں کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ توبہ تو مستقبل کے لئے قبول ہوتی ہے اور برائیاں گزشتہ معاف کر دی جاتی ہیں۔ تمہارے ہر قول و فعل اور ہر عمل کا اسے علم ہے باوجود اس کے کہ جھکنے والے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ وہ ایمان والوں اور نیک کاروں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ وہ خواہ اپنے لئے دعا کریں خواہ دوسروں کے لئے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں خطبہ پڑھتے ہوئے اپنے مجاہد ساتھیوں سے فرماتے ہیں تم ایماندار ہو اور تم جنتی ہو اور مجھے امید ہے کہ یہ رومی اور فارسی جنہیں تم قید کر لائے ہو۔ کیا عجب کہ یہ بھی جنت میں پہنچ جائیں کیونکہ ان میں سے جب تمہارا کام کر دیتا ہے تو تم اسے کہتے ہو' اللہ تجھ پر رحم کرے' تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے' تو نے بہت اچھا کام کیا وغیرہ اور قرآن کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کا یہ ترجمہ تلاوت فرمایا۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ ان کی سنتا ہے: ﴿الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ﴾ (زمر: ۱۸) کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ جو بات کو مان لیتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور جیسے فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ﴾ (انعام: ۳۶) ابن ابی حاتم میں ہے کہ اپنے فضل سے زیادہ دینا یہ ہے کہ ان کے حق میں ایسے لوگوں کی سفارش قبول فرمائے گا جن کے ساتھ انہوں نے کچھ سلوک کیا ہو۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے اور انہیں زیادہ فضل ملے گا۔ یعنی بھائیوں کے بھائیوں کی بھی شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔ مؤمنوں کی اس عز و شان کو بیان فرما کر کفار کی بدحالی بیان فرمائی کہ انہیں سخت دردناک اور گھبراہٹ والے عذاب ہوں گے۔ پھر فرمایا: اگر بندوں کی ان کی روزیوں میں وسعت مل جاتی' ان کی ضرورت سے زیادہ ان کے پلے پڑ جاتا تو یہ خرمستی میں آ کر دنیا میں ہلڑ مچا دیتے اور دنیا کے امن کو آگ لگا دیتے۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا' تکلیف دینا' سرکشی اور طغیانی' تکبر اور بے پروائی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت قتادہ کا فلسفیانہ مقولہ ہے کہ زندگی کا سامان اتنا ہی اچھا ہے جتنے میں سرکشی اور طغیان اور لاابالی پن نہ آئے۔ اس مضمون کی پوری حدیث کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ و ڈر دنیا کی نمائش کا ہے۔ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ وہ ایک اندازے سے روزیاں پہنچا رہا ہے۔ بندے کی صلاحیت کا اسے علم ہے۔ غنا اور فقیری کے مستحق کو وہ خوب جانتا ہے۔ قدسی حدیث شریف میں ہے' میرے بندے ایسے بھی ہیں' جن کی صلاحیت مالداری میں ہی ہے۔ اگر وہ مال حاصل کر لیں تو اس حالت میں میں گویا ان کا دین فاسد کر دوں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لوگ بارانِ رحمت کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ایسی پوری حاجت اور سخت مصیبت کے وقت میں بارش برساتا ہے۔ ان کی ناامیدی اور خشک سالی کٹ جاتی ہے اور عام طور پر میری رحمت پھیل جاتی ہے۔ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کہتا ہے' امیر المؤمنین قحط سالی ہو گئی اور اب تو لوگ بارش سے بالکل مایوس ہو گئے' تو آپ نے فرمایا: جاؤ' اب بارش ضرور ان شاء اللہ ہو گی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ وہ ولی و حمید ہے۔ یعنی مخلوقات کے تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے کام قابل ستائش و تعریف ہیں۔ مخلوق کے بھلے کو وہ جانتا ہے اور ان

[1] یعنی خوشی کے عالم میں صحیح بات اس کے منہ سے نہیں نکلتی اور کیونکہ اس بات میں قصد و ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ اس لئے مواخذہ بھی نہیں ہوتا۔

کے نفع کا اسے علم ہے۔اس کے کام نفع سے خالی نہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ ﴿۳۰﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾

اور منجملہ اس (قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرتا ہے آسمانوں کا اورزمین کا اوران جانداروں کا جواس نے آسمانوں اورزمین پر پھیلا رکھے ہیں اوروہ ان (خلائق) کے جمع کر لینے پر بھی جب ہو (جمع کرنا چاہے) قادر ہے اورتم (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے تم زمین میں پناہ لے کراس کو ہرانہیں سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ○

اللہ تعالیٰ کی عظمت:

اللہ تعالیٰ عظمت قدرت اور سلطنت کا بیان ہو رہا ہے کہ آسمان وزمین اسی کا پیدا کردہ ہے اوران میں کی ساری مخلوق بھی اسی کی رچائی ہوئی ہے۔فرشتے' انسان' جنات اور مختلف قسموں کے حیوانات جو کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا۔جب کہ ان کے حواس اڑے ہوں گے اوران میں عدل وانصاف کیا جائے گا۔پھر فرماتا ہے: اے لوگو! تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں' وہ سب دراصل تمہارے اپنے کئے گناہوں کا بدلہ ہیں اورابھی تو وہ غفور رحیم اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اورانہیں معاف فرما دیتا ہے۔اگر ہر جگہ او رپکڑے تو تو زمین پر چل پھر نہ سکو۔صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن کو جو تکلیف سختی غم اور پریشانی ہوتی ہے' اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی۔ جب آیت: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا﴾ (زلزال: ۷) اتری۔اس وقت حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھا رہے تھے۔آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ نے کہا: سنو! طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں' یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں کے پاس جمع شدہ ہیں۔حضرت ابوادریس فرماتے ہیں: یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا ہے۔امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: آؤ میں تمہیں کتاب اللہ شریف کی افضل ترین آیت سناؤں اور ساتھ ہی حدیث بھی۔حضور نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور میرا نام لے کر فرمایا: سن میں اس کی تفسیر بھی تجھے بتا دوں۔ تجھے جو بیماریاں' سختیاں اور بلائیں آفتیں دنیا میں پہنچتی ہیں سب بدلہ ہے تمہارے اعمال کا۔اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے بہت زیادہ ہے۔پھران ہی پر آخرت میں بھی سزا کرے اوراکثر برائیاں معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ دنیا میں معاف کی ہوئی خطاؤں پر آخرت میں پکڑے۔(مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علیؓ کے قول سے موجود ہے۔اس میں ہے کہ ابوجحیفہؒ جب حضرت علی کے پاس گئے تو آپ

نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناؤں جسے یاد رکھنا ہر مؤمن کا فرض ہے۔ پھر یہ تفسیر اپنی طرف سے اس آیت کی سنائی۔ مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند ہی کی اور حدیث میں ہے جب ایماندار بندے کے گناہ بڑھ جاتے ہیں اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہوتی تو اللہ اسے کسی رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہی اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصریؒ سے نقل ہے کہ آیت۔ کے اترنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس لکڑی کی ذراسی کھرچ ہڈی کی ذراسی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور بھی اللہ کے عفو کئے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہی ہے کہ جب حضرت عمران بن حصینؓ کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت حسن نے کہا: آپ کی یہ حالت تو دیکھی نہیں جاتی۔ ہمیں بڑا صدمہ ہورہا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ نہ کہو! جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور ابھی بہت سے گناہ تو اللہ معاف کر چکا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ابالبلاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علا بن بدر سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے گناہ میں پکڑا گیا ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: بتلاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور منجملہ ان نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں ایسے اونچے جیسے پہاڑ اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (بادبانی جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں صابر شاکر (یعنی مؤمن) کے لئے یا ان جہازوں کو ان کے اعمال (بد کفر وغیرہ) کے سبب تباہ کر دے اور (ان میں) بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جائے اور اس تباہی کے وقت ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جائے کہ (اب) ان کا کہیں بچاؤ نہیں ○

سطح سمندر پر لاکھوں ٹن کے وزنی جہاز:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو اِدھر سے اُدھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہ چاہے تو اس کو روک لے۔ پھر تو وہ بادبان بے کار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے ہر ایک وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو[1] اس کے لئے تو بڑا عبرت کا موقع ہے۔ وہ رب کی عظیم الشان قدرت

[1] امام رازی نے لکھا ہے کہ بندے کی دو ہی حالتیں ہیں ایک یا مصیبت اور دوسری راحت و آرام اپنی زندگی پہلی زندگی میں مؤمن صبر کرتا ہے اور دوسری میں شکر۔ گویا کہ ان کا تعلق کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں ٹوٹتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ سے کبھی غافل ہوتا ہے۔

اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانیوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے۔ اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہی ہاتھ ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت گناہوں سے درگزر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں کو پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے۔ لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔ علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ چاہے اور اس ہوا کو ناموافق کر دے۔ تیز و تند آندھی چلا دے، جو کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے۔ ادھر سے ادھر کر دے۔ سنبھالے اور نہ سنبھل سکے۔ جہاں جانا ہے اس کی طرف جا ہی نہ سکے اور یونہی سرگشتہ و حیران ہو ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں۔ اگر تیز کر دے تو ناکامی لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفر کشتیوں کے ذریعے بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے اور دنیا تباہ ہو جائے اور گر بہت ہی برسا دے تو سیلاب کوئی چیز پیدا نہ ہونے دیں اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے۔ یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے، وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے وہاں کمی سے پھر فرماتا یہ کہ ہماری نشانیوں میں جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں۔ فَسُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانَهٗ۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

سو جو کچھ تم کو یاد دلایا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دینوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور (اَجر و ثواب آخرت میں) جو اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے کہ اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور ان کا ہر کام (جن میں بالیقین نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں ○

فرمانبردار بندے:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بے قدری اور اس کی حقارت بیان فرمائی ہے کہ اسے جمع کر کے کسی پھولنا نہ چاہئے کیونکہ یہ فانی چیز ہے

آخرت کی طرف رغبت کرنا چاہئے۔ نیک اعمال کر کے ثواب جمع کرنا چاہئے۔ جو سرمدی اور باقی چیز ہے۔ پس فانی کو باقی پر کم کو زیادہ پر ترجیح دینا عقل مندی نہیں۔ اب اس ثواب کے حاصل کرنے کے طریقے بتلائے جاتے ہیں کہ ایمان مضبوط ہوتا کہ دنیاوی لذتوں کے ترک پر صبر ہو سکے۔ اللہ پر کامل بھروسہ ہوتا کہ صبر پر اُس کی امداد ملے اور احکام اللہ کی بجا آوری اور نافرمانیوں سے اجتناب آسان ہو جائے۔ کبیرہ گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز چاہئے۔ اس جملہ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ غصہ پر قابو چاہئے کہ عین غصہ اور غضب کی حالت میں بھی خوش خلقی اور درگزر کرنے کی عادت نہ چھوٹے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے نفس کا بدلہ کسی سے نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کے احکام کی بے عزتی اور بے توقیری ہوتی ہو تو اور بات ہے اور حدیث میں ہے کہ بہت زیادہ غصہ کی حالت میں بھی آپ کی زبان سے اسکے سوا اور کچھ الفاظ نہ نکلتے کہ فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے؟ اسکے حالات خاک آلود ہوں۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مسلمان پست و ذلیل ہونا تو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن غالب آ کر انتقام بھی نہیں لیتے تھے اور درگزر کر جاتے اور معاف فرما دیتے ان کی اور صفت یہ ہے کہ یہ اللہ کا کہا کرتے ہیں۔ رسول کی اتباع کرتے ہیں جس کا وہ حکم کرے بجا لاتے ہیں۔ جس سے وہ روکے رک جاتے ہیں۔ نماز کے پابند ہوتے ہیں' جو سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔ بڑے بڑے امور میں بغیر مشاورت[1] کے ہاتھ میں ڈالتے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ ﴿شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۸) یعنی ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں سے مشورہ کر لیا کرتے۔ تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے' جب آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا۔ چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے میرے بعد کسی کو میرا جانشین مقرر کریں۔ ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان' علی' طلحہ' زبیر سعد اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمانؓ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ پھر ان کا جن کے لئے آخرت کی تیاری اور وہاں کے ثواب۔ ایک اور وصف بیان فرمایا کہ جہاں یہ حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہیں کرتے۔ اپنے مال محتاجوں کا بھی حصہ رکھتے ہیں اور درجہ بدرجہ اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کے ساتھ سلوک واحسان کرتے رہتے ہیں اور یہ ایسے ذلیل پست اور بے ہمتے نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی کوئی روک تھام نہ کرسکیں۔ بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجے سے نجات دلوائیں۔ لیکن ہاں اپنی طاقت کی وجہ سے غالب آ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہ نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو فرما کر فرمایا کہ جاؤ تمہیں میں کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا بلکہ میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرما دے اور جیسے کہ سردار انبیاء رسول اللہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حدیبیہ میں کیا۔ جبکہ اسی کفار غفلت کا موقعہ ڈھونڈ کر چپ چاپ لشکر اسلام میں گھس گئے جب یہ پکڑ لئے گئے اور گرفتار ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ان سب کو معافی دے دی اور چھوڑ دیا اور جیسے کہ آپ نے غورث بن حارث کو معاف فرما دیا۔ یہ شخص وہ ہے کہ حضور ﷺ کے سوتے ہوئے اس نے آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا جب آپ جاگے اور اسے ڈانٹا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے تلوار لے لی اور وہ مجرم گردن جھکائے آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کو بلا کر یہ منظر بھی دکھایا اور یہ قصہ بھی سنایا' پھر اسے معاف فرما دیا اور جانے دیا۔ پھر لبید بن اعصم نے جب آپ پر

---

[1] مشورہ کی اہمیت اور فضیلت اس سے خوب واضح ہے کہ اس کا ذکر نماز اور زکوٰۃ جیسے اہم فرائض کے ساتھ ہوا۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مشورہ صرف انہی چیزوں میں ہوگا کہ جو مشورہ کے قابل ہوں اور وہ چیزیں جو شریعت سے قطعاً طے شدہ ہیں۔ مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ ان چیزوں میں مشورہ کرنا اور مشورہ کے بعد کوئی ترمیم وتصرف کرنا حرام ہوگا۔

جادو کیا تو باوجود علم وقدرت کے آپ نے اس سے درگزر فرمالیا اور اسی طرح جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا تھا۔ آپ نے اس سے بدلہ نہ لیا اور باوجود قابو پانے اور معلوم ہو جانے کے بھی آپ نے اتنے بڑے واقعہ سے صرف نظر فرمائی۔ اس عورت کا نام زینب تھا۔ یہ مرحب یہودی کی بہن تھی۔ جو جنگ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس نے بکری کے شانے کے گوشے میں زہر ملا کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا۔ خود شانے نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی تھی۔ جب آپ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا تو اس نے اقرار کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے راحت حاصل ہو جائے گی یہ معلوم ہو جانے پر اور اس کے اقرار کر لینے پر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا۔ گو بعد میں وہ قتل کر دی گئی۔ اس لئے کہ اسی زہر سے اور اسی زہریلے کھانے سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے۔ تب قصاصاً یہ یہود یہ عورت بھی قتل کرائی گئی اور بھی حضور ﷺ کے ایسے واقعات بہت سے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر (بعد اجازت انتقام کے) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں انہوں کے لئے دردناک عذاب (مقرر) ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے ○

برائی کا بدلہ برائی:

ارشاد ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ لینا جائز ہے۔ جیسے فرمایا ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (بقرہ: ۱۹۴) اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (نحل: ۱۲۶) ان سب آیات کا مطلب یہی ہے۔ لیکن افضلیت اسی میں ہے کہ عفو و درگزر کیا جائے۔ جیسے فرمایا ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ (مائدہ: ۴۵) یعنی خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اسے معاف کر دے تو اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ یہاں بھی فرمایا جو شخص معاف کر دے اور صلح وصفائی کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ حدیث میں ہے درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم

سے بڑھ جائے۔ وہ خدا کا دشمن ہے۔ پھر برائی کی ابتدا اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ پھر فرماتا ہے جس پر ظلم ہوا اُسے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ ابن حون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس لفظ انتصر کی تفسیر کی تلاش میں تھا تو مجھ سے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ ام محمد کے جو حضرت عائشہؓ کے پاس آیا جایا کرتی تھیں' بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گئے اُس وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں موجود تھیں۔ آپ کو معلوم نہ تھا۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف جب آپ نے ہاتھ بڑھایا تو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اشارے سے بتایا۔ اس وقت آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت پر بھی خاموش نہ ہوئیں تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اجازت دی کہ جواب دیں۔ اب جو جواب ہوا تو حضرت زینب عاجز آ گئیں اور سیدھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئیں اور کہا عائشہ تمہیں یوں یوں کہتی ہیں اور ایسا کرتی ہیں یہ سن کر حضرت فاطمہ حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا قسم رب کعبہ کی عائشہ سے میں محبت رکھتا ہوں۔ یہ اسی وقت واپس چلی گئیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آپ سے باتیں کیں یہ روایت ابن جریر میں اسی طرح ہے۔ لیکن اس کے راوی اپنی روایتوں میں عموماً منکر حدیثیں لایا کرتے ہیں اور یہ روایت بھی منکر ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے اس طرح ہے کہ حضرت زینب غصہ میں بھری ہوئی بلا اطلاع حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلی آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت کچھ کہا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لڑنے لگیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے خاموشی اختیار کی۔ جب وہ کہہ چکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تو اپنا بدلہ لے لے۔ پھر جو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دینے شروع کئے تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشان ہو گئیں اور کوئی جواب نہ دے سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے وہ صدمہ ہٹ گیا۔ الغرض اختصار یہ ہے کہ مظلوم کو جواب دے اور اپنا بدلہ لے لے۔ بزار میں ہے ظالم کے لئے جس نے دعا کی اس نے بدلہ لیا۔ یہی حدیث ترمذی میں ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی میں کچھ کلام ہے۔ فرماتا ہے حرج و گناہ ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں۔ زمین میں بلا وجہ شر و فساد کریں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے وہ برا کہنے والے جو کچھ کہیں' سب کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے ایسے فسادی قیامت کے دن دردناک عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مکہ میں جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا' جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا اس نے مجھ سے کہا: ابو عبداللہ! تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا: یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا علا بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے۔ تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے۔ تیرے ہاتھ مسلمانوں کے مال و خون سے آلودہ نہ ہوں۔ تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی۔ یہ راہ تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کریں اور بے وجہ ناحق زمین میں فساد پھیلائیں۔ مروان نے کہا اللہ جانتا ہے اس نے سچ کہا اور خیر خواہی کی بات کہی۔ اچھا اب کیا آرزو ہے؟ فرمایا: یہی کہ تم مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مروان نے کہا: بہت اچھا۔ (ابن ابی حاتم) پس ظلم و اہل ظلم کی مذمت بیان کر کے بدلے کی اجازت دے کر اب افضلیت کی طرح رغبت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو ایذا سہہ لے اور برائی سے درگزر کر لے۔ اس نے بڑی بہادری کا کام کیا ہے۔ جس پر وہ بڑے ثواب اور پورے بدلے کا مستحق ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تم

سے آ کر کوئی شخص کسی اور کی شکایت کرے تو اسے تلقین کرو کہ بھائی معاف کر دو۔ معافی میں ہی بہتری ہے اور یہی پرہیزگاری کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو خیر کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو لیکن اس صورت میں پھر کہیں تم بڑھ نہ جاؤ۔ ورنہ ہم تو اب بھی یہی کہیں گے کہ معاف کر دو۔ یہ دروازہ بہت وسعت والا ہے اور بدلے کی راہ بہت تنگ ہے سنو! معاف کر دینے والا تو با آرام میٹھی نیند سو جاتا ہے اور بدلے کی دھن والا دن رات متفکر رہتا ہے اور جوڑ توڑ سوچتا رہتا ہے اور مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ تعجب کے ساتھ مسکرانے لگے۔ حضرت صدیقؓ خاموش تھے۔ آپ تعجب کے ساتھ مسکرانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق خاموش تھے لیکن جب اس نے بہت گالیاں دیں تو آپ نے بعض کا جواب دیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے نہ رہا گیا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مجھے برا کہتا رہا تو آپؐ بیٹھے رہے سنتے رہے اور جب میں نے اس کی دو ایک باتوں کا جواب دیا تو آپؐ ناراضی سے اٹھ چلے؟ آپؐ نے فرمایا: سنو! جب تک خاموش تھے' فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا۔ جب تم بولے تو فرشتہ ہٹ گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا۔ پھر بھلا میں شیطان کی موجودگی میں کیسے بیٹھا رہتا؟ پھر فرمایا: سنو! ابوبکرؓ تین چیزیں بالکل برحق ہیں: (۱) جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا (۲) جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائے گا (۳) اور جو شخص مال بڑھانے کیلئے سوال کا دروازہ کھول لے گا' اس سے' اُس سے مانگتا پھرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسکے ہاں بے برکتی کر دے گا اور کمی میں ہی وہ مبتلا رکھے گا۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا دنیا میں بھی کوئی چارہ ساز نہیں اور آپ (ان) ظالموں کو دیکھیں گے جس وقت کہ ان کو عذاب کا معائنہ ہوگا۔ کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اور (نیز) ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے سست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اور (اس وقت) ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے وہ لوگ ہیں' جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے (آج) قیامت کے روز خسارہ میں پڑے۔ یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک و کافر) لوگ عذاب (دائمی) میں رہیں گے اور (وہاں) ان کے کوئی مددگار نہ ہوں

گے جو اللہ سے الگ (ہو کر) ان کی مدد کریں اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کی نجات کے لئے کوئی رستہ نہیں ہے ○

فرار کی راہ:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہیں چاہتا' نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی کر سکتا ہے۔ وہ جسے راہ راست دکھادے' اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جس سے وہ راہ حق گم کر دے' اسے کوئی اس راہ کو دکھا نہیں سکتا اور جگہ فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ (کہف: ۱۷) جسے وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی چارہ ساز اور رہبر نہیں۔ پھر فرماتا ہے: یہ مشرکین قیامت کے عذاب کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ......﴾ (انعام: ۲۷) کاش کہ تو نہیں دیکھتا جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے' ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم دوبارہ واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ہرگز اپنے رب کی آیتوں کو جھوٹ نہ بتلائیں۔ بلکہ ایمان لے آئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز کو اس سے پہلے پوشیدہ کئے ہوئے تھے' وہ ان کے سامنے آ گئی۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ دوبارہ بھیج بھی دیے جائیں' تب بھی وہی کریں گے' جس سے ان کو روکا جاتا ہے۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں پھر فرمایا: یہ جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر ذلت برس رہی ہے۔ عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو تک رہے ہوں گے۔ لیکن جن سے ڈر رہے ہوں گے اس سے بچ نہ سکیں گے۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ عذاب انہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ اس وقت ایماندار لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان یافتہ وہ لوگ ہیں' جنہوں نے اپنے متبعین کو بھی جہنم واصل کیا۔ یہاں کی ابدی نعمتوں سے محروم رہے اور انہیں بھی محروم رکھا۔ آج وہ سب الگ الگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ دائمی ابدی اور سرمدی سزائیں بھگت رہے ہیں اور یہ ناامید ہو جائیں گے۔ آج کوئی ایسا نہیں' جو ان کو عذاب سے چھڑا سکے۔ یا اس کو ہلکا کرا سکے ان گمراہوں کو خلاصی دینے والا کوئی نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

تم اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ ایسا دن آ پہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا نہ تم کو اس روز کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارے میں کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ (یہ سن کر بھی) اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا (جس سے آپ کو اپنی باز پرس کا احتمال ہو) آپ کے ذمہ تو صرف (حکم کا) پہنچا دینا ہے اور جب ہم اس قسم کے آدمی کا کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ایسے لوگوں پر ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے ○

ایک نہ ٹلنے والی گھڑی:

چونکہ اوپر یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن بڑے ہیبت ناک واقعات ہوں گے۔ وہ سخت مصیبت کا دن ہوگا تو اب یہاں سے ڈرا رہا ہے اور اس دن کے لئے تیار رہنے کو فرماتا ہے کہ اس اچانک آ جانے والے دن سے پہلے ہی پہلے فرمان اللہ پر پوری طرح عمل کر لو۔ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہیں نہ کوئی پناہ ملے گی۔ نہ ایسی جگہ کہ وہاں انجان بن کر ایسے چھپ جاؤ کہ پہچانے نہ جاؤ اور نہ نظر پڑو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرک نہ مانیں تو آپ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ انہیں ہدایت پر لا کھڑا کر دینا آپ کے ذمہ نہیں یہ کام اللہ کا ہے۔ آپ پر صرف تبلیغ ہے حساب ہم خود لیں گے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ راحت میں مست ہو جاتا ہے اور تکلیف میں ناشکرا پن کرتا ہے۔ اس وقت اگلی نعمتوں کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا: صدقہ کرو۔ میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔ کسی عورت نے پوچھا: یہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری شکوہ شکایت کی عادت اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کی وجہ سے۔ اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ ایک زمانہ تک احسان کرتا رہے پھر ایک دن چھوڑ دے تو کہہ دے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی راحت پائی ہی نہیں۔ فی الواقع اکثر عورتوں کا یہی حال ہے۔ لیکن جس پر اللہ رحم کرے اور نیکی کی توفیق دے دے اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ پھر اس کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ ہر راحت پر شکر ہر رنج پر صبر۔ پس ہر حال میں نیکی نصیب ہوئی ہے اور یہ وصف مؤمن کے کسی اور میں نہیں ہوتا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

اللہ کی ہی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ○

مالک کائنات:

فرماتا ہے کہ خالق مالک اور متصرف زمین و آسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے۔ جو چاہے پیدا کرے اور بنائے۔ جسے چاہے لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ السلام اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرمائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام[1]۔ پس یہ چار قسمیں ہوئیں لڑکیوں والے لڑکوں والے اور دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ وہ علیم ہے ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے جس کا چاہے تفاوت رکھتا ہے۔ پس یہ مقام بھی

[1] انبیاء علیہم السلام کے اسماء اس موقع پر صرف دو ہراد یئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس طرح معاملات تو عام طور پر انسانوں میں پیش آتے رہتے ہیں اور سب ہی کا مشاہدہ ہے۔

مثل اس فرمان الٰہی کے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنائیں۔ (مریم ۲۱) یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھائیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔ حضرت آدم صرف مٹی سے پیدا ہوئے۔ نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئیں۔ باقی کل انسان ہر عورت مرد دونوں سے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ صرف عورت سے بغیر مرد سے پیدا کئے گئے۔ پس آپ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں پوری ہوگئیں۔ پس یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں۔ اس کی بھی چار قسمیں اور اس کی بھی چار قسمیں۔ سبحان اللہ یہ ہے اس اللہ کے علم و قدرت کی نشانی[1]۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

اور کسی بشر کی (حالت موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمادے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج کر کہ وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ وہ بڑا عالی شان ہے بڑی حکمت والا بھی ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی بھیجی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کر رہے ہیں یعنی اس اللہ کے رستہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے ○

ایک قانونِ عام:

مقامات و مراتب و کیفیاتِ وحی کا بیان ہو رہا ہے کہ کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وحی ڈال دی جاتی ہے جس کے وحی اللہ ہونے میں آپ کو کوئی شک نہیں رہتا۔ جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں بات ڈال دی کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کرے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو یا پردے کی اوٹ سے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔ کیونکہ انہوں نے کلام سن کر جمال دیکھنا چاہا' لیکن وہ پردے میں

[1] گویا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یعنی کسی کے یہاں اولاد ہوتی اولاد نہیں ہوتی، کسی کے یہاں لڑکے کسی کے یہاں لڑکیاں۔ یہ سب کچھ اٹکل پچو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ علیم مطلق کی حکمتوں کے تقاضے کا بالکل مطابق اور اس کے حکم سے ہے۔ یہاں یہ خوب ذہن نشین رہے کہ ان آیات میں قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے۔ کسی خاص واقعہ کی تفصیل سنانا پیش نظر نہیں۔

تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام نہیں کیا مگر پردے کے پیچھے سے۔لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے کلام کیا۔یہ جنگ احد میں کفار کے ہاتھوں شہید کئے گئے تھے۔لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کلام عالم برزخ کا ہے اور آیت میں جس کلام کا ذکر ہے اس سے مراد دنیا کا کلام ہے یا اپنے قاصد کو بھی کر اپنی بات اس تک پہنچائے۔جیسے حضرت جبرئیل وغیرہ فرشتے انبیاء اللہ کے پاس آتے رہے[1]۔وہ علو اور بلندی اور بزرگی والا ہے۔ساتھ ہی حکیم اور حکمت والا ہے۔روح سے مراد قرآن ہے فرماتا ہے کہ اس قرآن کو بذریعہ وحی کے ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔کتاب اور ایمان کو اس تفصیل کے ساتھ' جو ہم نے اپنی کتاب میں کی ہے تو اس سے پہلے جانتا بھی نہ تھا۔لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے تا کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں کو راہ راست دکھلائیں جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (حم سجدہ:۴۴) کہہ دے کہ یہ ایمان والوں کے واسطے ہدایت و شفا ہے اور بے ایمانوں کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں۔پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم صریح اور مضبوط حق کی رہنمائی کر رہے ہو۔پھر صراطِ مستقیم کی تشریح کی اور فرمایا: اسے شرع مقرر کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں زمینوں کا مالک اور رب وہی ہے ان میں تصرف کرنے والا اور حکم چلانے والا بھی وہی ہے۔کوئی اس کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتا' تمام اُمور اس سے متعلق ہیں۔وہی سب کاموں کا فیصلہ کرتا ہے اور حکم کرتا ہے وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے' جو اس کی نسبت ظالم اور منکرین کہتے ہیں وہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔

---

[1] بتایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی قویٰ کی کمزوری اور بشری کدورتوں کی وجہ سے ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کر سکے بجز ان چند طریقوں سے جو آیت میں مذکور ہوئے۔حجاب سے یہاں حجاب نور مراد ہے یا حجاب عظمت مراد ہے۔ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم تو ہیں نہیں کہ ان کو پردہ کی ضرورت پیش آئے۔اپنی صفت ''علی'' استعمال کر کے اس طرف توجہ دلائی کہ ایک سب سے بلند مرتبہ ذات گرامی سے براہ راست خطاب کا کیا امکان اور حکم استعمال کر کے بتایا کہ جو دو چار طریقے گفتگو کے ہیں وہ ان کی حکمت کے عین مطابق ہیں۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع : ۷ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات : ۸۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۴ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

حٰمٓ ۔قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو اور وہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے کیا ہم تم سے اس نصیحت (نامہ) کو اس بات پر ہٹا لیں گے کہ تم حد (اطاعت) سے گزرنے والے ہو اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں اور ان لوگوں کے پاس کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزا نہ کیا ہو۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو جوان سے زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (ہلاک و غارت کی) ہو چکی ہے ○

قرآنِ عربی:

قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے۔ جس کے معانی روشن ہیں۔ جس کے الفاظ نورانی ہیں۔ جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند' نصیحت و عبرت حاصل کریں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے۔ اس کی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے' اسے بیان فرمایا تا کہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کرلیں۔ فرمایا کہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے لَدَيْنَا سے مراد ہمارے پاس لَعَلِيٌّ سے مراد مرتبے والا' عزت والا' شرافت والا اور فضیلت والا ہے۔ حَكِيْمٌ سے مراد محکم مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے غلط ملط ہو جانے سے پاک ہے اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴾ اور جگہ ہے: ﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴾ یعنی قرآن

کریم لوح محفوظ میں درج ہیں اسے پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے اور فرمایا قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے۔ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو معزز ہیں بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت تعظیم کرتے ہیں۔ جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہئے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب ان ہی سے ہے۔ تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عالم بن جانا چاہئے کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گزاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے اگلوں نے جب اس قرآن کو جھٹلایا اسی وقت جب یہ اٹھالیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کر دی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت نے اسے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بدباطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنا نہیں چھوڑتا۔ تاکہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر نہ گھبرائیں۔ صبر و تحمل کیجئے۔ ان سے پہلے کی جو قومیں تھیں ان کے پاس بھی ہم نے اپنے نبی و رسول بھیجے تھے اور سب نے ہی اپنے اپنے نبیوں سے تمسخر کیا۔ پھر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا وہ آپ کے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ اور آور باہمت زور و قوی تھی جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے اگلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے تعداد میں اور قوت میں بہت تھے اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگلوں کی مثالیں گزر چکیں۔ یعنی عادتیں، سزائیں، عبرتیں۔ جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے جو ہم نے انہیں گزرے ہوئے اور بعد والوں کے لئے عبرتیں بنا دیا اور جیسے فرمان ہے: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ جو اپنے بندوں میں پہلے سے چلا آیا ہے اور تو اسے بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۹

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۱

وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝۱۲

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ

بندے کے منہ سے اللہ تعالیٰ سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ میرے رب مجھے بخش دے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد ترمذی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ جب وہ ٹھیک طرح بیٹھ گئے تو آپ نے اللہ اکبر کہا۔ تین مرتبہ الحمد للہ کہا اور تین مرتبہ سبحان اللہ کہا اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہا۔ پھر اس پر چت لیٹنے کی طرح ہو کر ہنس دیئے اور حضرت عبداللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: جو شخص کسی جانور پر متوجہ ہو کر اس طرح کرے جس طرح میں نے کیا تو اللہ تعالیٰ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ہنس دیتا ہے جس طرح میں تیری طرف دیکھ کر ہنسا۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی اپنی سواری پر سوار ہوتے۔ تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ان دونوں آیات قرآنی کی تلاوت کرتے۔ پھر دعا مانگتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَاطْوِلَنَا الْبُعْدَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اَصْحِبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَهْلِنَا۔ یا اللہ! میں تجھ سے اپنے اس سفر کی نیکی اور پرہیزگاری کا طالب ہوں اور ان اعمال کا جن سے تو خوش ہو جائے۔ خدایا! ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لئے دوری کو لپیٹ لے۔ پروردگار تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔ میرے معبود ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دے اور ہمارے گھروں میں ہماری جانشینی فرما اور جب واپس سفر کی طرف سے گھر لوٹتے تو فرماتے: اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنے والے انشاء اللہ عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی تعریفیں کرنے والے۔ (مسلم ابوداؤد و نسائی وغیرہ)

ابولاس خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ اس پر سوار ہو کر حج کر جائیں۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ نے فرمایا: سنو! ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے[1] تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تجھے حکم دوں گا اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔ پھر اسے اپنے لئے خادم بنالو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسند احمد) حضرت ابولاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسند کی ایک روایت میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہوتا ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ

[1] مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان سے اپنی عداوت کی بنا پر اس کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن راہ اختیار کرتا ہے۔ سوار ہونے کے بعد سواری سے ایسی حرکات کرتا ہے جو سوار کیلئے باعث اذیت ہوں۔ اسلئے آپ نے مخلوق پر شفقت کے جذبہ سے اس اذیت کا علاج بتا دیا کہ کیا ہونا چاہئے اور جس طرح ایک حکیم اور ڈاکٹر کے فیصلے اور حدود میں ہر سوال سے بے نیاز ہیں۔ ایسے ہی ان معاملات میں آپ کے ارشادات تسلیم کرنے کے قابل اور ان پر چون و چرا حماقت ہے۔

مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور ان لوگوں نے اللہ کے بندوں میں (جو مخلوق ہوتے ہیں) اللہ کا جزو ٹھہرایا واقعی انسان صریح ناشکرا ہے کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو ایک چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو اللہ رحمٰن کا نمونہ (یعنی اولاد) بنا رکھا ہے (مراد بیٹی ہے) تو اس قدر ناراض ہو کہ سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دِل ہی دِل میں گھٹتا رہے کیا جو کہ (حادثاً) آرائش میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں قوت بیانیہ (بھی) نہ رکھے اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ اللہ کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور (قیامت میں) ان سے باز پرس ہوگی اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں ○

ایک کتنا بڑا بہتان:

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس افترا اور کذب کا بیان فرماتا ہے جو انہوں نے اللہ پر باندھ رکھا ہے جس کا ذکر سورۂ انعام کی آیت ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ﴾ (انعام:۱۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان مشرکین نے ان میں سے کچھ حصہ تو اللہ کا مقرر کیا اور پھر خود ہی کہہ دیا کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ اب جو ان کے معبودوں کے نام کا ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ جاتی ہے۔ کیسی بری ان کی یہ تجویز ہے؟ اسی طرح مشرکین نے لڑکے لڑکیوں کی تقسیم کر کے لڑکیاں تو اللہ کیلئے ثابت کیں' جو ان کے خیال میں ذلیل وخوار تھیں اور لڑکے اپنے لئے پسند کئے جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ (نجم:۲۱'۲۲) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں۔ یہ تو بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان مشرکین نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا جزو قرار دے لیا ہے۔ پھر فرماتا ہے ان کی اس بدتمیزی کو دیکھو کہ جب یہ لڑکیوں کو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ پھر اللہ کیلئے کیسے پسند کرتے ہیں؟ انکی حالت یہ ہے کہ جب ان میں کسی کو یہ خبری پہنچتی ہے کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی تو منہ بسور لیتا ہے۔ گویا ایک شرمناک اندوہناک خبر سن لی۔ کسی سے ذکر نہیں کرتا۔ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔ ذرا سا منہ نکل آتا ہے۔ لیکن پھر اپنی کامل حماقت کا مظاہرہ کرنے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ خوب مزے کی بات ہے۔ کہ خود جس چیز سے گھبرائیں اللہ کیلئے وہ ثابت کریں۔ پھر فرماتا ہے: عورتیں جو ناقص سمجھی جاتی ہیں' جن کے نقصان کی تلافی زیورات اور آرائش سے کی جاتی ہے اور بچپن سے مرتے دم تک وہ بناؤ سنگار کی محتاج سمجھی جاتی ہے[1]۔ پھر بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے وقت انکی زبان نہیں چلتی' دلیل نہیں دے سکتیں' عاجز رہ جاتی ہیں' مغلوب ہو جاتی ہیں۔ ایسی چیز کو جناب باری علی وعظیم کی طرف منسوب

[1] اللہ تعالیٰ کا یہ بیان کس قدر صحیح ہے آج دیارِ مغرب کے ان اخراجات کی تفصیل معلوم کیجئے کہ کس قدر ملک کی دولت صرف آرائش جمال کی نمائش حسن پر صرف کی جارہی ہے۔

کرتے ہیں۔ جو ظاہری باطنی نقصان اپنے اندر رکھتی ہیں۔ جن کے ظاہری نقصان کو زینت اور زیورات سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جیسا کہ عرب شاعروں کے اشعار ہیں۔

وَمَا الْحُلیُّ اِلَّا زِینَۃٌ مِّنْ نقیصۃٍ ☆ یُتَمِّمُ مِنْ حُسْنٍ اِذَا الحُسْن قَصَّرَا

وَاَمَّا اِذَا کَانَ الْجَمَالُ مُوَفَّرًا ☆ کَحُسْنِكَ لَمْ یصحح اِن یُّزَوَّرَا

یعنی زیورات کسی حسن کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ جمال کو زیورات کی کیا ضرورت؟ اور باطنی نقصان بھی ہیں' جیسے بدلہ نہ لے سکنا۔ نہ زبان سے نہ ہمت سے۔ اس مضمون کو بھی عربوں نے ادا کیا ہے کہ یہ صرف رونے دھونے سے ہی مدد کرسکتی ہے اور چوری چھپے کوئی بھلائی کرسکتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو عورتیں سمجھ رکھا ہے۔ ان سے پوچھا کہ کیا جب وہ پیدا ہوئے تو تم وہاں موجود تھے؟ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری ان باتوں سے بے خبر ہیں۔ سب ہمارے پاس لکھی ہوئی ہیں اور قیامت کے دن تم سے ان کا سوال بھی ہوگا۔ جس سے تمہیں ڈرنا چاہئے اور ہوشیار رہنا چاہئے۔

پھر ان کی مزید حماقت بیان فرماتا ہے کہ کہتے ہیں ہم نے فرشتوں کو عورتیں سمجھا۔ پھر ان کو مورتیاں بنائیں اور پھر انہیں پوج رہے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا ہم میں اور ان میں حائل ہو جاتا۔ اب ہم انہیں پوج رہے ہیں اور اللہ ہم میں اور ان میں حائل نہیں ہوتا' تو ظاہر ہے کہ ہماری یہ پوجا غلطی نہیں۔ بلکہ صحیح ہے۔ پس پہلی خطا تو ان کی یہ کہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کی۔ دوسری خطا یہ کہ فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دیا۔ تیسری خطا یہ کہ انہی کی پوجا پاٹ شروع کردی۔ جس پر کوئی دلیل و حجت نہیں۔ صرف اپنے بڑوں اور اگلوں اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید ہے۔[1] چوتھی خطا یہ کی کہ اسے اللہ کی طرف سے مقرر مانا اور اس سے نتیجہ نکالا کہ رب اس سے ناخوش ہوتا تو ہمیں اتنی طاقت ہی نہ دیتا کہ ہم انکی پرستش کریں اور یہ ان کی صریح جہالت وغباوت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سرسر ناخوش ہوتا ہے ایک ایک پیغمبر اسکی تردید کرتا رہا۔ ایک ایک کتاب اسکی برائی بیان کرتی رہی۔ جیسے فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (نحل: ۳۶) ہر امت میں ہم نے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے کی عبادت سے بچو۔ پھر بعض تو ایسے نکلے جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور بعض ایسے بھی نکلے' جن پر گمراہی کی بات ثابت ہو چکی۔ تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا؟ اور آیت میں ہے: ﴿وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ (زخرف: ۴۵) یعنی ان رسولوں سے پوچھ لے' جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ کیا ہم نے اپنے سوا دوسروں کی پرستش کی اجازت دی تھی؟ پھر فرماتا ہے یہ دلیل تو ان کی بڑی بری ہے اور بودی یوں ہے کہ یہ بے علم ہیں۔ باتیں بنا لیتے ہیں اور جھوٹ بول لیتے ہیں۔ یعنی یہ اللہ کی اس پر قدرت جو ہے' اسے نہیں جانتے۔

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ

[1] امام رازی نے لکھا ہے کہ آباپرستی اور کورانہ تقلید کی مذمت میں اگر کوئی اور آیت قرآن میں نہ ہوتی تو تب بھی اس آیت اس سلسلہ میں قطعاً کافی تھی۔ ولم یکن فی کتاب اللہ الا ھذہ الایات لکنت فی ابطال القول بالتقلید۔

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا ۙ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے رستہ چل رہے ہیں اور اس طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ (اس پر) ان کے پیغمبر نے کہا (رسم آبائی کا ہے اتباع کئے جاؤ گے) اگر چہ میں اس سے اچھا مقصود پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس دین کو ماننے نہیں جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے سو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا ○

آبا پرستی:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں' انکا بے دلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے انکے اس شرک سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے۔ جس سے وہ سند لاتے ہوں۔ یعنی حقیقت میں ایسا نہیں جیسے فرمایا: ﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا﴾ (روم: ۳۵) یعنی کیا ہم نے ان پر ایسی دلیل اتاری ہے جو ان سے شرک کو کہے یعنی ایسا نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ تو نہیں بلکہ شرک کی سند ان کے پاس ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کہ وہ جس دین پر تھے' ہم اس پر ہیں اور رہیں گے۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اور آیت: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (انبیاء: ۹۲) میں بھی امت سے مراد دین ہی ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ ہم ان کی راہوں پر چل رہے ہیں۔ پس انکے دلیل دعوے کو سنا کر اللہ فرماتا ہے کہ یہی روش ان سے اگلوں کی بھی رہی۔ انکا جواب بھی نبیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں یہی تقلید کو پیش کرنا تھا اور جگہ ہے: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ (ذاریات: ۵۲) یعنی ان سے اگلوں کے پاس بھی جو رسول آئے' ان کی امتوں نے انہیں بھی جادوگر اور دیوانہ بتلایا۔ پس گویا کہ اگلے پچھلے کے منہ میں یہ الفاظ بھر گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں یہ سب یکساں ہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ گو یہ معلوم کر لیں اور جان لیں کہ نبیوں کی تعلیم باپ دادوں کی تقلید سے بدر جہا بہتر[1] ہے۔ تاہم ان کا برا قصد اور ضد اور ہٹ انہیں حق کی قبولیت کی طرف نہیں آنے دیتی۔ پس ایسے ضدی لوگوں سے ہم بھی

[1] آیات کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بہترین تعلیمات اور نہایت کارآمد اخلاقی افکار لے کر مبعوث ہوئے اور ہزار ہا دلائل سے اپنا پیغمبر ہونا اور اپنی تعلیمات کا کارآمد ہونا ثابت کیا ہے۔ لیکن لوگوں نے ایک جواب دیا وہ یہ کہ ہم تو اپنے آبا و اجداد کی راہ پر ہیں اور اس کو نہ چھوڑیں گے۔ مخالفت میں یہ اور ان کے سرغنے گرم ہو گئے اور اللہ کے پیغمبر اور اس کے دین کو ہر طرح ناکام بنانے کی کوشش شروع کر دیں۔ عین اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت پہنچی۔ انبیاء علیہم السلام اور مومنین کو نجات ملی اور مخالفین و معاندین ہلاک و تباہ ہو گئے۔

ان کی باطل پرستی کا انتقام نہیں چھوڑتے۔ مختلف صورتوں سے انہیں تہ و بالا کر دیا کرتے ہیں ان کے قصے مذکور و مشہور ہیں۔ غور و تامل کے ساتھ دیکھ پڑھ لو اور سوچ سمجھ لو کہ کس طرح کفار برباد کئے جاتے ہیں اور کس طرح مؤمن نجات پاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں (کی عبادت) سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں بھی ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (ہر زمانہ میں مشرک) لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔ بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف بتانے والا رسول آیا اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر کلام الٰہی ہے تو) ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی جو کیوں نہیں کیا گیا۔ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) کی تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دینوی زندگی میں (تو) ان کی روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام پر قائم ہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس

(دینوی مال ومتاع) سے بہتر ہے۔ جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات (متوقع نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے اور (نیز) زینے بھی جن پر سے چڑھا (اترا) کرتے ہیں اور انکے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے اور (یہی چیزیں) سونے کی بھی اور یہ سب (ساز وسامان) کچھ بھی نہیں صرف دینوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں اللہ ترسوں کیلئے ہے ○

موحدِ اعظم کا نعرۂ حق:

قریش کفار نسب کے اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل اللہ امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بعد آنے والے تمام نبیوں کے باپ اللہ کے رسول امام الموحدین تھے انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے باپ سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں اور تم میں کوئی تعلق نہیں۔ میں سوائے اپنے سچے اللہ کے جو میرا خالق اور میرا ہادی ہے' تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ سب سے بے تعلق ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انکی اس جرأت حق گوئی اور جوش توحید کا بدلہ دیا کہ کلمہ توحید کی ان کی اولاد میں ہمیشہ کیلئے باقی رکھ لیا۔ ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد اس پاک کلمہ کی قائل نہ ہو۔ انہی کی اولاد اس توحیدی کلمہ کی اشاعت کرے گی اور سعید روحیں اور نیک نصیب لوگ اسی گھرانے سے توحید سیکھیں گے۔ غرض اسلام اور توحید کا معلم یہ گھرانہ قرار پا گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ بات یہ ہے کہ یہ کفار کفر کرتے رہے اور میں انہیں متاع دنیا دیتا رہا یہ بہکتے گئے اور اس قدر مست بن گئے کہ جب ان کے پاس دین حق اور رسول حق گو آئے تو وہ بولے کہ کلام اللہ اور معجزات انبیا جادو ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں۔ سرکشی اور ضد میں آ کر کفر کر بیٹھے۔ عناد اور بغض سے حق کے مقابلہ پر اتر آئے اور باتیں بنانے لگے کہ کیوں صاحب اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر مکے اور طائف[۲] کے کسی رئیس پر کسی بڑے آدمی پر کسی دینوی وجاہت والے کیوں نہ اترا؟ اور بڑے آدمی سے ان کی مراد ولید بن مغیرہ' عروہ بن مسعود' عمیر بن عمرو' عتبہ بن ربیعہ' حبیب بن عمرو ابن عبد یالیل' کنانہ بن عمرو وغیرہ سے تھی۔ غرض یہ تھی کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے مرتبے کے آدمی پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا۔ اس اعتراض کے جواب میں فرمان باری ہوتا ہے کہ کیا رحمت خداوندی کے یہ مالک ہیں؟ جو یہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت' وہ جسے چاہے دے۔ پھر کہاں اس کا علم اور کہاں تمہارا علم؟ اسے بخوبی علم ہے کہ رسالت خداوندی کا حقدار صحیح معنوں میں کون ہے؟ یہ نعمت اسی کو دی جاتی ہے۔ جو تمام مخلوق سے زیادہ پاک دل ہو' سب سے زیادہ پاک نفس ہو۔ سب سے بڑھ کر اشرف گھر کا ہو اور سب سے زیادہ پاک اصل کا ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت اللہ تعالیٰ کے تقسیم کرنے والے کہاں سے ہو گئے؟ اپنی روزیاں بھی ان کے اپنے

[۱] قوم عرب ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد سے ہے اور ابھی قرآن ہی نے یہ بتایا کہ عرب بھی آباد پرستی کے نشہ میں چور ہیں۔ اس لئے ان کو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنا کر بتایا جا رہا ہے کہ اگر باپ ہی کو تقلید مقصود ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو۔ جو تمہارے باپ بھی تھے اور موحد بھی۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اسی مناسبت سے ہے۔

[۲] گویا کہ ان تمام اعتراضات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین کا آخری اعتراض ہے ان کی نظر میں کہ ریاست دوجاہت لازمۂ نبوت تھی اس لئے وہ سوچتے تھے کہ اگر نبی کو آنا ہی تھا تو کسی متمول مالدار اور صاحب وجاہت کے یہاں ہونا چاہئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا' کہ نبوت ایک رحمت ہے۔ جس کی تقسیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں بھی معیار انہی کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ لوگوں کے خود ساختہ معیار یہاں کارآمد نہیں ہیں رحمت سے نبوت مراد ہے۔ مدارک میں ہے کہ "ای النبوة"۔

قبضے میں نہیں۔ وہ بھی ان میں ہم بانٹتے ہیں اور فرق و تفاوت کے ساتھ جسے جب جتنا چاہیں دیں۔ جس سے جو چاہیں چھین لیں۔ عقل فہم قوت طاقت وغیرہ بھی ہماری ہی دی ہوئی ہے اور ان میں بھی مراتب جداگانہ ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے۔ کیونکہ اس کی اس اور اس کی اسے ضرورت اور حاجت رہتی ہے۔ ایک ایک کے ماتحت رہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ تم کچھ دنیا جمع کر رہے ہو اس سے رب کی رحمت بہتر اور افضل ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال کو میرا افضل اور میری رضامندی کی دلیل جان کر مالداروں کے مثل بن جائیں تو میں تو کفار کو یہ دنیائے دوں اتنی دیتا کہ ان کے گھر چھتیں بلکہ ان کے کوٹھوں کی سیڑھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن کے ذریعے یہ بالاخانوں پر پہنچتے اور ان کے گھروں کے دروازے ان کے بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے ہوتے اور سونے کے بھی میرے نزدیک دنیا کوئی قدر کی چیز نہیں۔ یہ فانی ہے زائل ہونے والی ہے اور ساری مل جائے جب بھی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ ان کم لوگوں کی اچھائیوں کے بدلے انہیں مل جاتے ہیں۔ کھانے پینے رہنے سہنے برتنے برتانے میں کچھ سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں۔ آخرت میں تو محض خالی ہاتھ ہوں گے۔ ایک نیکی باقی نہ ہوگی۔ جو اللہ سے کچھ حاصل کرسکیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ پھر فرمایا: آخرت کی بھلائیاں صرف ان کے لئے ہیں جو دنیا میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے۔ ڈر ڈر کر زندگی گزارتے رہے۔ وہاں رب کی خاص نعمتیں اور مخصوص ہیں جو انہیں ملیں گی۔ ان میں کوئی اور ان کا شریک نہ ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے بالاخانے میں گئے اور آپ نے اس وقت اپنی ازواجِ مطہراتؓ سے ایلا کر رکھا تھا کہ آپؐ ایک چٹائی کے ٹکڑے پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جس کے نشان آپؐ کے جسم مبارک پر نمایاں ہیں۔ تو عمرؓ رو دیئے اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر و کسریٰ کس شان و شوکت اور آن بان سے زندگی گزار رہے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیارے رسول ہو کر کس حال میں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو تکیہ لگائے ہوئے تھے یا فوراً تکیہ چھوڑ دیا اور فرمانے لگے اے ابن خطاب کیا تو شک میں ہے؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں جلدی سے انہیں یہیں مل گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کیا تو اس سے خوش نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔ صحیحین وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سونے چاندی کے برتنوں میں کھاؤ پیو نہیں۔ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں اور دنیا میں یہ ان کے لئے یوں ہیں کہ رب کی نظروں میں دنیا ذلیل و خوار ہے۔ ترمذی وغیرہ کی ایک حسن صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو اللہ تعالیٰ ایک گھونٹ پانی نہ پلاتا[1]۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۞ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۞ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۞ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ

[1] راوی نے لکھا ہے کہ آیت سے مقصود مال و دولت کی مذمت ہے۔ بیشتر مالدار غرور اور مخالفت کی راہ اختیار کر کے شیطانی کردار ادا کرتا ہے۔

فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۰

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جائے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ ان کو راہ (حق) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے رہتے ہیں کہ راہ (راست) پر ہیں یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (تو اس شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق و مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا کہ (تو تو) برا ساتھی تھا۔ اور (ان سے کہا جائے گا) جبکہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیاطین) سب عذاب میں شریک ہوں سو کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں (ایسے) اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کہ صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں۔ پس اگر ہم (دنیا سے) آپ کو اٹھا لیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ یا اگر ان سے جو ہم نے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ کو (بھی) دکھلا دیں تب بھی (کچھ بعید نہیں کیونکہ) ہم کو ان پر ہر طرح کی قدرت ہے۔ تو آپ اس قرآن پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا ہے آپ بیشک سیدھے راستے پر ہیں اور قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بے شک بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے ○

ذکر اللہ سے غفلت:

ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ و رحیم و کریم کے ذکر سے غفلت و بے رغبتی کرے اس پر شیطان قابو پا لیتا ہے[۱] اور اسکا ساتھی بن جاتا ہے۔ آنکھ کی بینائی کی کمی کو عربی زبان میں عَشِیَ مِنَ الْعَیْنِ کہتے ہیں۔ یہی مضمون قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ (نساء:۱۱۵) یعنی جو شخص ظاہر ہو چکنے کے بعد مخالفت رسول کر کے مؤمنوں کی راہ کے سوا اور راہ کی پیروی کرے، ہم اسے وہیں چھوڑیں گے اور جہنم واصل کریں گے۔ جو بڑی بری جگہ ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (صف:۵) یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے انکے دل بھی کج کر دیئے اور آیت میں ہے فرمایا: ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ﴾ (فصلت:۲۵) یعنی انکے جانشین ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اور وہ انکے آگے پیچھے کی چیزوں کو زینت والی بنا کر انہیں دکھاتے ہیں۔ یہاں ارشاد ہوتا

[۱] مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ آڑ ہے انسان اور شیطان کے درمیان۔ اگر انسان ذکر اللہ سے غفلت کرتا ہے تو شیطان اس پر قابو پا لیتا ہے اور پھر قوائے خارجہ بھی اُس کو شیطانی حرکات پر اکساتے رہتے ہیں۔ بظاہر دنیا میں اگرچہ اس پر کوئی عذاب نہیں، لیکن یہ عذاب کیا کم ہے کہ سیئات اور گناہوں میں برابر ترقی کئے جا رہے ہیں۔ یہاں شیطان کے تسلط کی نسبت اپنی جانب مسبب الاسباب اور علت العلل ہونے کی حیثیت سے ہے۔

ہے کہ ایسے غافل لوگوں پر شیطان اپنا قابو پالیتا ہے اور انہیں راہ اللہ سے روکتا ہے اور ان کے دل میں یہ خیال جما دیتا ہے کہ ان کی روش اچھی ہے۔ یہ بالکل صحیح دین پر قائم ہیں۔ قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے حاضر ہوگا اور معاملہ کھل جائے گا' تو اپنے اس شیطان سے' جو اس کا ساتھی تھا' براءت ظاہر کرے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق ہے۔ یہاں بہ اعتبار ضعف تغلیب مشرقین یعنی دو مشرقوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے سورج چاند کو قمرین یعنی چاند کہہ دیا جاتا ہے اور ماں باپ کو ابوین یعنی دو باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک قراءت میں جَآءَ اٰنَہٗ بھی ہے۔ یعنی شیطان اور یہ غافل انسان دونوں ہمارے پاس آئیں گے۔ حضرت سعد جریریؒ فرماتے ہیں کہ کافر کے اپنی قبر سے اٹھتے ہی شیطان آ کر اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا لیتا یہ پھر جدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جہنم میں بھی دونوں کو ساتھ ڈالا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے: جہنم میں تم سب کا جمع ہونا اور وہاں کے عذابوں میں سب کا شریک ہونا تمہارے لئے نفع دینے والا نہیں۔ اس کے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ ازلی بہروں کے کان میں تو ہدایت کی صدا نہیں ڈال سکتا۔ مادر زاد اندھوں کو تو راہ نہیں رکھا سکتا۔ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تیری ہدایت نہیں قبول کر سکتے۔ یعنی تجھ پر ہماری جانب سے یہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ہر شخص مسلمان ہو ہی جائے۔ ہدایت تیرے قبضے کی چیز نہیں' جو حق کی طرف کان ہی نہ لگائے جو سیدھی راہ کی طرف آنکھ ہی نہ اٹھائے۔ جو بہکے اور اسی میں خوش رہے تو تجھے ان کی بابت اتنا کیوں خیال ہے؟ تجھ پر ضروری کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ ہدایت و ضلالت ہمارے ہاتھ کی چیزوں ہیں۔ ہم عادل ہیں' ہم حکیم ہیں' ہم جو چاہیں گے کریں گے۔ تم تنگ دل نہ ہو جایا کرو۔ پھر فرماتا یہ کہ اگرچہ ہم تجھے یہاں سے لے جائیں[1]۔ پھر بھی ہم ان ظالموں سے بدلہ لئے بغیر تو رہیں گے نہیں۔ یا اگر ہم تجھے تیری آنکھوں سے وہ دکھا دیں جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے تو ہم اس سے عاجز نہیں۔ غرض اس طرح اور اس طرح دونوں صورتوں میں کفار پر عذاب تو آئے گا ہی۔ لیکن پھر وہ صورت پسند کی گئی نہیں پیغمبرؐ کی عزت زیادہ تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت نہ کیا۔ جب تک کہ آپ کے دشمنوں کو مغلوب نہ کر دیا۔ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دیں۔ آپ ان کی جانوں اور مالوں اور ملکیتوں کے مالک نہ بن گئے۔ یہ تو ہے تفسیر حضرت سدی وغیرہ کی۔ لیکن حضرت قتادہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت میں زندگی میں وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ کو ناپسندیدہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کے سامنے ان کی امتوں پر عذاب آئے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم کرا دیا گیا کہ آپ کی امت پر کیا کیا وبال آئیں گے۔ اس وقت سے لے کر وصال کے وقت تک کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھل کھلا کر ہنستے ہوئے دیکھے نہیں گئے۔ حضرت حسن سے بھی اس طرح کی روایت ہے۔

ایک حدیث میں ہے ستارے آسمان کے بچاؤ کا سبب ہیں۔ جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان پر مصیبت آ جائے گی۔ میں اپنے اصحاب کا ذریعہ امن ہوں۔ میرے جانے کے بعد میرے اصحاب پر وہ آ جائے گا' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قرآن تجھ پر نازل کیا گیا ہے' جو سراسر حق و صدق ہے۔ جو حقانیت کی سیدھی اور صاف راہ کی رہنمائی کرتا ہے تو اسے مضبوطی کے ساتھ لے رہ' یہی جنت نعیم اور راہ مستقیم کا رہبر ہے۔ اس پر چلنے والا' اس کے احکام کو تھامنے والا بہک اور بھٹک نہیں سکتا۔ یہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے۔ یعنی شرف اور بزرگی ہے۔ بخاری شریف میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امر یعنی خلافت و

---

[1] کیونکہ آپ سے وعدہ تھا کہ آپ کی حیات میں اور آپ کے ہوتے ہوئے امت دعوت نہیں آئے گا۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر ہے فما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ مکہ میں مقیم رہے کفار مکہ پر عذاب نہیں آیا۔ لیکن آپ کی ہجرت کے ساتھ ہی وہ قحط سالی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔

امامت قریش میں ہی رہے گا جوان سے جھگڑے گا اور چھینے گا' اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ گرائے گا۔ جب تک دین کو قائم رکھیں اس لئے بھی آپ کی شرافت قومی اس میں ہے کہ قرآن آپ ہی کی زبان میں اترا ہے' لغت قریش ہی کی زبان میں اترا ہے۔ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اس کو یہی سمجھیں گے۔ انہیں لائق ہے کہ سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ عمل بھی انہی کا اس پر رہے۔ بالخصوص اس میں بڑی عظمت ہے ان مہاجرین کی جنہوں نے اول اول سبقت کر کے اسلام قبول کیا اور ہجرت میں سب سے پیش پیش رہے اور جو ان کے قدم بقدم چلے۔ ذکر کے معنی نصیحت کے بھی لئے ہیں۔ اس صورت میں یہ یاد رہے کہ آپ کی قوم کے لئے پاس کا نصیحت ہونا دوسروں کے لئے نصیحت نہ ہونے کے معنی میں نہیں۔ جیسے فرمان ہے: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (انبیاء: ۱۰) یعنی بالیقین ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی ہے' جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ اور آیت میں ہے: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (شعراء: ۲۱۴) یعنی اپنے خاندانی قرابت داروں کو ہوشیار کر دے۔ غرض نصیحت قرآنی رسالت نبوی عام ہے کنبہ والوں کو' قوم کو اور دنیا کے کل لوگوں کو شامل ہے۔ پھر فرماتا ہے تم سے عنقریب سوال ہوگا کہ کہاں تک کلام اللہ شریف پر عمل کیا اور کہاں تک اسے مانا؟ تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی' جو اے آخر الزماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی امت کو دے رہے ہیں۔ کل انبیاء کے دعوت ناموں کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے توحید پھیلائی اور شرک مٹایا۔ جیسے خود قرآن میں ہے کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت نہ کرو۔ حضرت عبداللہ کی قراءت میں یہ آیت اس طرح ہے: وَاسْئَلِ الَّذِيْنَ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا یہ مثل تفسیر کے ہے نہ تلاوت کے۔ واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان سے دریافت کرے۔ جن بس تجھ سے پہلے ہم اپنے اور رسولوں کو بھیج چکے ہیں۔ عبدالرحمن فرماتے ہیں۔ نبیوں سے پوچھ لے[1]۔ یعنی معراج والی رات کو جب کہ انبیاء آپ کے سامنے جمع تھے کہ ہر نبی توحید سکھانے اور شرک مٹانے ہی کی تعلیم لے کر ہماری جانب سے مبعوث ہوتا رہا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تھا سو انہوں نے (ان لوگوں کے پاس آ کر) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہوں پھر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو یکا یک

[1] حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ محاورہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم طب کے کسی مختلف فیہ مسئلہ میں کہتے ہیں کہ لاؤ بوعلی سینا سے پوچھیں وہ کیا کہتا ہے اور پھر قانون شیخ سینا دیکھنے لگتے ہیں۔

ان پر لگے ہنسنے اور ان کی جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا تا کہ وہ (اپنے) کفر سے باز آجائیں اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے ہم ضرور آجائیں گے پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا۔

فرعونِ بے ساماں کی خرمستیاں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی فرما کر فرعون اور اس کے امراء اس کی رعایا' قبطیوں اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تا کہ آپ انہیں توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں۔ آپ کو بڑے بڑے معجزے بھی عطا کئے۔ جیسے ہاتھ کا روشن ہو جانا۔ لکڑی کا اژدہا بن جانا وغیرہ۔ لیکن فرعونیوں نے اپنی نبی کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ اس پر اللہ کا عذاب آیا تا کہ انہیں عبرت ہو اور نبوت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل بھی ہو۔ پس طوفان آیا۔ ٹڈیاں آئیں' جوئیں آئیں' مینڈک آئے اور کھیت مال جان پھل وغیرہ کی کمی میں مبتلا ہوئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کرتے۔ انہیں رضا مند کرتے۔ ان سے عہد و پیمان کرتے۔ آپ دعا مانگتے عذاب ہٹ جاتا۔ یہ پھر سرکشی پر اتر آتے۔ پھر عذاب آتا' پھر یہی ہوتا۔ ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے۔ ان کے زمانے کے علماء کا یہی لقب تھا اور انہی لوگوں میں علم تھا اور ان کے زمانے میں یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر[1] کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا۔ اعتراض کے طور پر نہ تھا۔ کیونکہ انہیں تو اپنا کام نکالنا تھا۔ ہر بار اقرار کرتے تھے کہ ہم مسلمان[2] ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب عذاب ہٹ جاتا تو وعدہ شکنی کرتے اور قول و قرار توڑ دیتے۔ جیسے اور آیت ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ﴾ میں اس پورے واقعہ کو بیان کیا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

[1] فرعونی اور خود فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت اعجاز کے قائل تھے اور سمجھتے تھے کہ تسخیر کی بہترین طاقت ان کے پاس ہے۔ مصائب لا بھی سکتے ہیں۔ لیکن نبوت اور پیغمبر کے عقیدہ سے کیونکہ ان کا فکر قطعاً خالی تھا۔ اس لئے ان سب معجزات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک سحر سمجھتے اور ان کو ساحر ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

[2] زیادہ صحیح یہ کہ ہم تمہارے قائل ہو جائیں گے اور اس کے بعد تمہاری سب باتیں مانیں گے۔

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی یہ بات کہی کہ اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے محل کے پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ بلکہ میں (ہی) افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا تو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اس کے جلو میں پر باندھے آئے ہوتے غرض اس نے (ایسی باتیں کر کر کے) اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) شرارت کے بھرے تھے پھر جب ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو آئندہ آنے والوں کے لئے خاص طور پر متقدمین اور نمونہ (عبرت) بنا دیا ○

چند بے تکی باتیں:

فرعون کی سرکشی اور خود بینی بیان ہو رہی ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا: کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری نہیں؟ کیا تم میری عظمت و سلطنت کو دیکھ نہیں رہے[1]؟ پھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو جو فقراء اور ضعفا ہیں۔ کلام پاک میں اور جگہ ہے۔ اس نے سب کو جمع کر کے کہا کہ میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں کے اور وہاں کے عذابوں میں گرفتار کیا اَمْ معنی میں بَلْ کے ہے۔ بعض قاریوں کی قراءت اَمَآ اَنَا بھی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قراءت صحیح ہو جائے تو معنی بالکل واضح اور صاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ قراءت تمام شہروں کی قراءت کے خلاف ہے۔ سب کی قراءت اَمْ استفہام کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرعون ملعون خود کو حضرت کلیم اللہ سے بہتر و برتر بنا رہا ہے اور یہ دراصل اس ملعون کا جھوٹ ہے۔ مَهِيْنٌ کے معنی حقیر ضعیف بے مال بے شان کے ہیں۔ پھر کہتا ہے: موسیٰ علیہ السلام تو صاف بولنا بھی نہیں جانتا۔ اس کا کلام فصیح نہیں۔ وہ اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتا۔

بعض کہتے ہیں: بچپن میں آپ نے اپنے منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لیا تھا[2]۔ جس کا اثر زبان پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ بھی فرعون کا مکر جھوٹ اور دجل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاف گو صحیح کلام کرنے والے ذی عزت بارعب و وقار تھے۔ لیکن چونکہ یہ ملعون اپنی کفر کی آنکھ سے نبی اللہ کو دیکھتا تھا۔ اس لئے یہی دیکھتا تھا۔ حقیقتاً ذلیل و غبی خود تھا۔ گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بوجہ اس انگارے کے جسے بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا' کچھ لکنت تھی۔ لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی' اور آپ کی زبان کی گرہ کھل گئی تاکہ آپ لوگوں کو با آسانی اپنا مدعا سمجھا سکیں اور اگر مان لیا جائے کہ کچھ باقی رہ گئی تھی۔ کیونکہ دعا کلیم میں اتنا ہی تھا کہ میری زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے کہ وہ لوگ میری بات سمجھ لیں' تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جیسا بنا دیا وہ ویسا ہی ہے۔ اس میں عیب کی کون سی بات ہے دراصل فرعون ایک کلام بنا کر ایک منصوبہ گھڑ کر اپنی جاہل رعایا کو بھڑکانا اور بہکانا چاہتا تھا۔ دیکھئے وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ کیوں جی اس پر آسمان سے ہن کیوں نہیں برستا۔ مالداری تو اسے اتنی ہونی چاہئے کہ ہاتھ سونے سے پُر ہوں۔ لیکن یہ محض مفلس ہے[2]۔ اچھا یہ بھی نہیں تو اللہ اس کے ساتھ فرشتے ہی کر دیتا جو کم از کم ہمیں باور کرا دیتے کہ اللہ کے نبی ہیں۔ غرض ہزار جتن کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا لیا

[1] گویا فرعون نے پہلے اپنے اثر واقتدار اور وسیع سلطنت کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ مصر اور اس کے زرخیز تمام مواقع میری ہی ملکیت ہیں۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خود اور ان کی قوم اپنی غربت اور فلاکت کی وجہ سے کسی بھی طرح اور کسی بھی پہلو سے میرے ہمسر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ پھر اس شخص کی نبوت کے کیا معنی؟

[2] اس لکنت کے متعدد اسباب مذکور ہوئے ہیں۔ بہر حال تورات کی بھی تصریح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت ضرور تھی۔ اس دور میں بھی تقریری خوش بیانی ایک لازمہ تمدن تھا۔

اور انہیں اپنا ہم خیال اور ہم سخن کر لیا۔ یہ خود فاسق فاجر تھے۔ فسق و فجور کی پکار پر فوراً بچھ گئے۔ پس جب ان کا پیمانہ چھلک گیا اور انہوں نے دِل کھول کر نا فرمانی رب کر لی اور رب کو خوب ناراض کر لیا۔ تو پھر خدائی کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور اگلے پچھلے سارے کرتوت پر پکڑ لئے گئے۔ یہاں ایک ساتھ پانی میں غرق کر دیئے گئے۔ وہاں جہنم میں جلتے جھلستے رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اللہ دُنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے اس ڈھیل دے رکھی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت عبداللہؓ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: ایماندار پر تو یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں نمونہ بنا دیا کہ ان کے سے کام کرنے والے ان کے انجام کو دیکھ لیں اور یہ مثال یعنی باعث عبرت بن گئے کہ پچھلے[1] ان کے واقعات میں غور کریں اور اپنا بچاؤ ڈھونڈیں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

اور جب عیسیٰ ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلانے لگے اور (اس معترض کے ساتھ ہو کر) کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ ان لوگوں نے جو یہ مضمون عجب بیان کیا ہے تو

---

[1] فرعونی گورنمنٹ میں جب کسی سے خوش ہو کر اس کو اعزاز دیا جاتا تو اس کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے۔

محض جھگڑنے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ علیہ السلام تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے اور وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں۔ تو تم لوگ اس (صحت) میں شک مت کرو اور تم لوگ میرا اتباع کرو یہ سیدھا رستہ ہے اور تم کو شیطان (اس راہ پر آنے سے) روکنے نہ پائے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب عیسیٰ معجزے لے کر آئے تو انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے سو اسی کی عبادت کرو۔ یہی (توحید کا) سیدھا رستہ ہے۔ سو مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال لیا سو ان ظالموں کے لئے ایک پُر درد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے ○

ابن مریم علیہما السلام:

یَصِدُّوْنَ معنی حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ اور ضحاکؒ نے کئے ہیں کہ وہ ہنسنے لگے یعنی اس سے انہیں تعجب معلوم ہوا۔ قتادہ فرماتے ہیں: گھبرا کر بول پڑے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے منہ پھیرنے لگے اس کی وجہ جو امام محمد بن اسحقؒ نے اپنی سیرت میں بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن مغیرہ وغیرہ قریشیوں کے پاس تشریف فرما تھے جو نضر بن حارث بھی آ گیا اور آپ سے کچھ باتیں کرنے لگا۔ جس میں وہ لاجواب ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ...... ﴾ (انبیاء:۹۸) کئی آیتوں تک پڑھ کر سنائیں۔ یعنی تم اور تمہارے معبود سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد عبداللہ بن زبیر تمیمی آیا تو ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا کہ نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا اور بالآخر ابن عبدالمطلب ہمیں اور ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن کہتے ہوئے چلے گئے۔ اگر میں ہوتا تو خود انہیں لاجواب کر دیتا۔ جاؤ ذرا اُن سے پوچھو تو کہ جب ہم اور ہمارے سارے معبود دوزخی ہیں تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ سارے فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح بھی جہنم میں جائیں۔ کیونکہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں۔ یہود حضرت عزیرؑ کی پرستش کرتے ہیں۔ نصرانی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس پر مجلس کے کفار بہت خوش ہوئے اور کہا: ہاں! یہ جواب بہت ٹھیک ہے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور ہر وہ شخص جو اپنی عبادت اپنی خوشی سے کرائے۔ یہ دونوں عابد و معبود جہنمی ہیں فرشتوں یا نبیوں نے نہ اپنی عبادت کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش۔ ان کے نام سے دراصل یہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں وہی انہیں شرک کا حکم دیتا ہے اور یہ بجالاتے ہیں۔ اس پر آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ ...... ﴾ (انبیاء:۱۰۱) نازل ہوئی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عزیر اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی پرستش یہ کرتے ہیں اور خود وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر تھے شرک سے بیزار اور اس کے روکنے والے تھے اور ان کے بعد ان گمراہوں جاہلوں نے انہیں معبود بنایا تو یہ محض بے قصور ہیں اور فرشتوں کو جو مشرکین اللہ کی بیٹیاں کہہ کر پوجتے تھے۔ ان کی تردید میں ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ (انبیاء:۲۶) سے کئی آیتوں تک نازل ہوئیں اور ان کے اس باطل عقیدہ کی پوری تردید کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جواب دیا تھا جس پر مشرکین خوش ہوئے تھے یہ آیتیں اتریں کہ تیرے اس قول کو سنتے ہی کہ معبودانِ باطل بھی اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے انہوں نے جھٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی کو پیش کر دیا اور یہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپ کی قوم کے مشرک اچھل پڑے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے کہ ہم نے دبا لیا۔ ان سے کہو کہ حضرت عیسیٰ نے کسی سے اپنی یا کسی اور کی پرستش نہیں کرائی۔ وہ تو خود برابر

ہماری غلامی میں لگے رہے اور ہم نے بھی انہیں بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔ان کے ہاتھوں جو معجزات دنیا کو دکھائے وہ قیامت کی دلیل تھے۔حضرت ابن عباسؓ سے ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے اپنے معبودوں کا جہنمی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سن کر کہا کہ پھر آپ ابن مریم کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسولؑ ہیں۔اب کوئی جواب ان کے پاس نہ رہا۔تو کہنے لگے: واللہ! یہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیا۔ہم بھی ان کو رب مان لیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ تو صرف بکواس ہے۔کھسیانے ہو کر بے تکی باتیں باتیں کہنے لگے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے' مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی۔میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے؟ پھر اور باتیں فرماتے رہے۔یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے۔اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت تو پھر بھی رہ گئی اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا۔اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! سنو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا: کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو۔اس پر قریش نے کہا: کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کہنے کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں جب عیسیٰ ابن مریم کا ذکر آیا تو یہ ہنسنے لگے اور قیامت کا علم ہیں' یعنی عیسیٰؑ ابن مریم کا قیامت کے دن سے پہلے نکلنا۔ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت پچھلے جملے کے علاوہ ہے۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں' ان کے اس قول کا کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ؟ مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔یہ تو خود کی پرستش کرانا چاہتے ہیں۔ابن مسعود کی قراءت میں اَمْ ھٰذَا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان کا مناظرہ نہیں بلکہ مجادلہ اور مکابرہ ہے۔یعنی بے دلیل جھگڑا اور بے وجہ حجت بازی ہے۔خود یہ جانتے ہیں کہ نہ یہ مطلب ہے نہ ہمارا اعتراض اس پر ہے۔اس لئے کہ اوّلاً تو آیت میں لفظ ما ہے' جو غیر ذوی العقول کے لئے ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں خطاب کفار قریش سے ہے جو بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے۔وہ مسیح کے پجاری نہ تھے۔جو یہ اعتراض صحیح مانا جائے۔پس یہ صرف جدل ہے۔یعنی وہ بات کہتے ہیں جس کے غیر صحیح ہونے کو اپنا دل بھی جانتا ہے۔ترمذی وغیرہ میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی' جب تک بے دلیل حجت بازی ان میں نہ آ جائے۔پھر آپ نے اسی کی تلاوت کی۔ابن ابی حاتم میں حدیث کے شروع میں یہ بھی ہے کہ ہر امت کی گمراہی کی پہلی بات اپنے نبی کے بعد تقدیر کا انکار کرنا ہے...... ابن جریر میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں آئے۔اس وقت وہ قرآن کی آیتوں میں جھگڑ رہے تھے۔آپ ﷺ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اس طرح اللہ کی کتاب کی آیتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ نہیں۔یاد رکھو جدال کی اسی عادت نے اگلے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔پھر آپ نے ﴿مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ کی تلاوت فرمائی۔پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔جن پر نبوت و رسالت کا انعام ہوا تھا اور انہیں قدرت خداوندی کی ایک نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کو جو چاہے اس پر قادر ہے۔پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین آباد کر دیتے۔یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہوئے یہی بات ان

میں کر دیتے۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ وہ قیامت کی نشانی ہے۔ اس کا مطلب جو ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ وہ کچھ نہیں اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے کہ بقول قتادہ حسن بصری اور حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ضمیر عائد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ واضح رہے کہ مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے کا نازل ہونا ہے۔ جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (نساء: ۱۵۹) یعنی جناب روح اللہ نشان اور علامت ہیں قیامت کے قائم ہونے پر حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ یہ نشان ہیں قیامت کے یعنی ان کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پھر قیامت کے دن یہ ان گواہ ہوں گے۔ اس مطلب کی پوری وضاحت اسی آیت کی دوسری قراءت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا قیامت سے پہلے آنا اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے' حضرت ابن عباسؓ سے اور یہی منقول ہے ابوالعالیہ ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہ سے رحمہم اللہ تعالیٰ اور متواتر حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام عادل اور حاکم باانصاف ہو کر نازل ہوں گے۔ پس تم قیامت کا ہونا یقینی جانو' اس میں شک وشبہ نہ کرو اور جو خبریں تمہیں دے رہا ہوں' اس میں میری اطاعت کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان جو تمہارا کھلا دشمن ہے' تمہیں صحیح راہ سے اور میری اتباع سے روک دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں حکمت یعنی نبوت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور دینی امور میں جو اختلاف تم نے ڈال دکھے ہیں' میں اس میں جو حق ہے' اسے ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ابن جریر یہی فرماتے ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ پھر امام صاحب نے ان لوگوں کے قول کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ بعض کا لفظ یہاں پر کل کے معنی میں ہے اور اس کی دلیل میں لبید شاعر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہاں بھی بعض سے مراد قائل کا خود اپنا نفس مراد ہے نہ کہ سب امام صاحب نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے پھر فرمایا: جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں' اس میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو' اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت گزاری کرو۔ جو لایا ہوں' اسے مانو' کہ تم سب اور خود میں اس کے غلام ہیں' اس کے محتاج ہیں' اُس کے دَر کے فقیر ہیں' اس کی عبادت ہم سب پر فرض ہے وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ بس یہی راہ راہِ مستقیم ہے۔ اب لوگ آپس میں متفرق ہو گئے۔ بعض تو کلمۃ اللہ کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہتے تھے اور یہی حق والی جماعت تھی اور بعض نے ان کی نسبت دعویٰ کیا کہ اللہ کے فرزند ہیں اور بعض نے کہا: آپ ہی اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان دونوں دعوؤں سے پاک ہے اور بلند و برتر ہے۔ اس لئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان ظالموں کے لئے خرابی ہے قیامت والے دن انہیں المناک عذاب اور دردناک سزائیں ہوں گی۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّاۤءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَاۤ

أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آ پڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز اللہ سے ڈرنے والوں کے (اور مؤمنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو! تم کو آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔ (یعنی وہ بندے) جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور ہمارے فرمانبردار تھے تم اور تمہاری (ایماندار) بیبیاں خوش خوش جنت میں داخل ہو جاؤ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے (یعنی غلمان لائیں گے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور (ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ جنت ہے کہ جس کے تم مالک بنا دیئے گئے اپنے نیک اعمال کے عوض میں اور تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو ۞

ایک غیر متوقع عادت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو تو یہ مشرک قیامت کا انتظار کر رہے ہیں جو محض بے سود ہے۔ اس لئے کہ اس کے آنے کا صحیح وقت تو معلوم نہیں۔ وہ اچانک یونہی بے خبری کی حالت میں آ جائے گی۔ اس وقت گو نادم ہوں لیکن اس سے فائدہ؟ یہ گو اسے ناممکن سمجھے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف ممکن بلکہ یقیناً آنے والی ہی ہے اور اس وقت کا یا اس کے بعد کا کوئی عمل کسی کو کچھ نفع نہ دے گا۔ اس دن تو جن کی دوستیاں غیر اللہ کے لئے تھیں وہ سب عداوت میں بدل جائیں گی۔ ہاں جو دوستی صرف اللہ کے واسطے تھی وہ باقی رہے گی۔ جیسے خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم نے بتوں سے جو دلچسپی قائم کر رکھی ہے یہ صرف دنیا تک ہی ہے۔ قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کوئی نہ ہوگا جو تمہاری امداد پر آئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: دو ایماندار جو آپس میں دوست ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی خوش خبری ملتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے: خدایا! فلاں شخص میرا دلی دوست تھا جو مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ بھلائی کی ہدایت کرتا تھا اور مجھے یقین دلایا کرتا تھا کہ ایک روز اللہ سے ملنا ہے۔ پس اے باری تعالیٰ! تو سے راہ حق پر ثابت قدم رکھ۔ یہاں تک کہ اسے بھی تو وہ دکھا دے جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور اس سے بھی تو اسی طرح راضی ہو جا۔ جس طرح مجھ سے راضی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے تو ٹھنڈے کلیجے چلا جا۔ اس لئے کہ جو کچھ میں نے تیار کیا ہے اگر تو اسے دیکھ لیتا تو تو بہت

ہنستا اور بالکل آزردہ نہ ہوتا۔ پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں ملتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعلق بیان کرو۔ پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ میرا بڑا اچھا بھائی تھا اور نہایت نیک ساتھی تھا اور بہت بہتر دوست تھا اور دو کافر جو ایک دوسرے کے آپس میں دوست تھے۔ جب ان میں سے ایک مرتا ہے اور اس کو جہنم کی خبر دی جاتی ہے تو اسے بھی اپنا دوست یاد آتا ہے اور کہتا ہے باری تعالیٰ فلاں شخص میرا دوست تھا۔ تیری اور تیرے نبی کی نافرمانی کی مجھے تعلیم دیتا تھا۔ برائیوں کی رغبت دلاتا تھا۔ بھلائیوں سے روکتا تھا اور تیری ملاقات نہ ہونے کا یقین دلاتا تھا۔ پس تو اسے میرے بعد بھی ہدایت نہ کر۔ تاکہ وہ بھی وہی دیکھے جو میں نے دیکھا اور اس پر تو اسی طرح ناراض ہو' جس طرح مجھ پر غضبناک ہوا' پھر جب دوسرا دوست مرتا ہے اور ان کی روحیں جمع ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرو تو ہر ایک کہتا ہے تو بڑا بھائی تھا اور برا ساتھی تھا اور بدترین دوست تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ہر دوستی قیامت کے دن دشمنی سے بدل جائے گی' مگر پرہیزگاروں کی دوستی۔ ابن عساکر میں ہے کہ جن دو شخصوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں تعلق کر رکھا ہے' خواہ ایک مشرق میں ہو دوسرا مغرب میں۔ لیکن قیامت کے دن انہیں جمع کر کے فرمائے گا کہ یہ ہے جسے تو میری وجہ سے چاہتا تھا پھر فرمایا کہ ان متقین سے روزِ قیامت میں کہا جائے گا کہ تم غم و ہراس سے دور ہو۔ ہر طرح امن چین سے رہو۔ یہ ہے تمہارے ایمان و اسلام کا بدلہ یعنی باطن میں یقین و اعتقاد کامل اور ظاہر میں شریعت پر عمل' حضرت معتمر بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے کھڑے کئے جائیں گے تو سب کے سب گھبراہٹ اور بے چینی میں ہوں گے۔ اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم پر خوف ہے نہ ہراس۔ تو سارے کے سارے اسے عام خوشخبری سمجھ کر خوش ہو جائیں گے۔ وہیں منادی کہے گا وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے تھے اور جسم سے نیک کام کئے تھے اس وقت سوائے سچے مسلمانوں کے باقی سب مایوس ہو جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم اور تم جیسے نعمت و سعادت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سورہ روم میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ہر طرف سے ان کے سامنے طرح طرح کے ملذ ذ' مرغن ذائقہ مرغوب کھانوں کی کشتیاں رکابیاں اور قابیں پیش ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام ہاتھوں میں لئے غلمان اِدھر اُدھر گردش کر رہے ہوں گے تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ اور تَشْتَهِي الْاَنْفُسُ دونوں قراءتیں ہیں یعنی انہیں مزے دار خوشبو والے اچھی رنگت والے مانے کھانے پینے ملیں گے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے نیچے درجے کا جنتی جو سب سے آخر جنت میں جائے گا' اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جاتی ہو گی۔ لیکن برابر وہاں تک اسے اپنے ہی ڈیرے خیمے اور محل سونے کے اور زمرد کے نظر آئیں گے جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ رنگ کے ساز و سامان سے پر ہوں گے۔ صبح شام ستر ستر ہزار رکابیاں' پیالے' الگ الگ وضع کے کھانوں سے پُر اس کے سامنے رکھے جائیں گے۔ جن میں سے ہر ایک اس کی خواہش کے مطابق ہو گا اور اول سے آخر تک اس کی اشتہاء برابر اور یکساں رہے گی۔ اگر روئے زمین والوں کی دعوت کر دے تو سب کو کفایت ہو جائے اور کچھ نہ گھٹے[1]۔ (عبدالرزاق)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جنتی ایک لقمہ اٹھائے اور اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ چنانچہ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہی چیز بن جائے گا۔ جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ پھر

---

[1] اس طرح کی احادیث' سند متن کے اعتبار سے زیادہ قوی نہیں ہوتیں۔ لیکن کیونکہ ان احادیث کے رد و قبول سے کسی بھی اصل دین پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ اس لئے محدثین ان کے بارے میں زیادہ کج کاوی سے کام بھی نہیں لیتے۔ نیز اس عالم آخرت کے حقائق اس دنیا پر قیاس بھی نہیں کئے جا سکتے یہاں آنکھ سو سال کی مسافت تک محال نظر آتا ہے لیکن وہاں نظر اس درجہ تیز ہو جائے گی کہ کوئی دشواری سو سالہ مسافت کو دیکھنے میں نہ ہو گی۔

آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی مسند میں ہے' اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے ادنیٰ مرتبہ کے جنتی کے بالا خانے کی سات منزلیں ہوں گے یہ چھٹی منزل میں ہوگا اور اس کے اوپر ساتویں ہوگی اس کے تیس خادم ہوں گی۔ جو صبح شام تین سو سونے کے برتنوں میں اس کے لئے طعام وشراب پیش کریں گے۔ ہر ایک میں الگ الگ قسم قسم کے عجیب وغریب اور نہایت لذیذ کھانا ہوگا۔ اولی سے آخر تک اسے کھانے کی اشتہاء ویسی ہی رہے گی۔ اسی طرح تین سو سونے کے پیالوں اور کٹوروں اور گلاسوں میں اسے پینے کی چیزیں دی جائیں گی۔ وہ بھی ایک سے ایک سوا ہوگی۔ یہ کہے گا کہ خدایا اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام جنتیوں کی دعوت کروں۔ سب بھی اگر میرے ہاں کھا جائیں تو میرے کھانے میں کمی نہیں آسکتی اور اس کی بہتر بیویاں حورعین میں سے ہوں گی اور دنیا کی اور بیویاں الگ ہوں گی۔ اب میں سے ایک ایک میل میل بھر کی جگہ میں بیٹھے گی۔ پھر ساتھ ہی ان سے کہا جائے گا کہ نعمتیں بھی ہمیشگی والی ہیں اور تم بھی یہاں ہمیشہ رہو گے۔ نہ موت آئے نہ گھاٹا آئے۔ نہ جگہ بدلے نہ تکلیف پہنچے پھر ان پر اپنا فضل واحسان بتلاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا بدلہ میں نے اپنی وسیع رحمت سے تمہیں یہ دیا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بغیر رحمت خدا کے صرف اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں نہیں جاسکتا۔ ہاں البتہ جنت کے درجوں میں جو تفاوت ہوگا' وہ نیک اعمال کی تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہنمی اپنی جنت کی جگہ جہنم میں دیکھیں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت کی توفیق دیتا تو میں بھی متقیوں میں ہو جاتا اور ہر ایک جنتی بھی اپنی جہنم کی جگہ جنت میں سے دیکھے گا اور اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہے گا کہ ہم خدا اپنے طور پر راہ راست کے حاصل کرنے پر قادر نہ تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ خود ہماری راہنمائی نہ کرتا۔ آپ فرماتے ہیں' ہر ہر شخص کی ایک جگہ جنت میں ہے اور ایک جگہ جہنم میں۔ پس کافر مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن کافر کی جنت کی جگہ کا وارث ہوگا۔ یہی فرمان ہے کہ اس جنت کے وارث تم اپنے اعمال کی وجہ سے بنا دیئے گئے ہو۔ کھانے پینے کے ذکر کے بعد اب میووں اور ترکاریوں کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی بکثرت مرغوب طبع انہیں ملیں گی۔ جس قسم کی یہ چاہیں اور ان کی خواہش ہو۔ غرض بھرپور نعمتوں کے ساتھ رب کی رضامندی کے گھر میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَٰهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّٰلِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَٰمَٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُم مَّٰكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَٰكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَٰرِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَىٰهُم بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے وہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا لیکن یہ خود ہی ظالم تھے اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت

دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے ہیں۔ہاں کیوں انہوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے۔ہاں کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی چپکی چپکی باتوں کو اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں وہ لکھتے ہیں ○

اور احوال اشقیا:

اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا۔اس لئے یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ایک ساعت کے لئے بھی انہیں سہولت نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر وہ پڑے رہیں گے۔ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے۔ہم ظلم کرنے والے نہیں۔بلکہ انہوں نے خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا۔ہم نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں حجت قائم کر دی لیکن یہ اپنی سرکشی سے طغیان سے باز نہ آئے اس پر یہ بدلہ پایا۔اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔یہ جہنمی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: یہ موت کی آرزو کریں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ:﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا﴾ (فاطر:۳۶) یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی تخفیف ہو گی اور ارشاد ہے:﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوتُ وَلَا يَحْيٰى﴾ (سورۂ اعلیٰ:۱۱ تا ۱۳) یعنی وہ بدبخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو بڑی سخت آگ میں پڑے گا۔پھر وہاں نہ مرے گا نہ جئے گا پس یہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرو گے نہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: مکث ایک ہزار سال ہے۔یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے۔نہ بھاگ سکو گے۔پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق پیش کر دیا تو واضح کر دیا تو انہوں نے اسے ماننا تو ایک طرف اس سے نفرت کی ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی تو حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے۔اس سے روکتے رہے۔ہاں ناحق کی طرف مائل رہے۔ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔پس تم اپنے نفس کو ہی ملامت کرو اور اپنے اوپر ہی افسوس کرو۔لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے۔پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بدترین مکر اور زبردست داؤ کھیلنا چاہا۔تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا۔حضرت مجاہد کی یہی تفسیر ہے اور اس کی شہادت اس آیت میں ہے:﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (نمل:۵۰) یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔مشرکین حق کو ٹالنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور بدعملی کا وبال جب تک ان کے سروں پر آ گیا ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا یہ گمان بالکل غلط ہے۔ہم تو ان کی سرشت تک سے واقف ہیں۔ہمارے مقرر کردہ فرشتے ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ

يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾ وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں آسمان اور زمین کا ملک ہو کہ عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے منزہ ہے جو یہ مشرک لوگ بیان کر رہے ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے اور وہی بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کے لئے زمین اور آسمان کی اور جو مخلوق اس کے درمیان میں ہے اس کی سلطنت ثابت ہے اور اسی کو قیامت کی (بھی) خبر ہے اور تم سب اسی کے پاس لوٹ جاؤ گے اور اللہ کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش تک کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار کیا تھا اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے سو یہ لوگ کدھر اُلٹے چلے جاتے ہیں اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے رب یہ ایسے لوگ کہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو ان کو ابھی معلوم ہو جائے گا ○

ایک صدائے واشگاف:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو مجھے سر جھکانے میں کیا تامل ہے؟ نہ میں اس کے فرمان سے سرتابی کروں نہ اس کے حکم کو ٹالوں۔ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسے مانتا اور اس کا اقرار کرتا۔ لیکن اللہ کی ذات ایسی نہیں جس کا کوئی ہمسر اور جس کا کوئی کفو ہو۔ یاد رہے کہ بطور شرط جو کلام ہوتا ہے اس کا وقوع ضروری نہیں بلکہ امکان بھی ضروری نہیں۔ جیسے فرمان باری ہے: ﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ......﴾ (زمر: ۴) اگر حضرت حق جل وعلا اولاد کی خواہش کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا' چن لیتا۔ لیکن وہ اس سے پاک ہے اس کی شانِ وحدانیت اس کے خلاف ہے۔ اس کا تنہا غلبہ اور قہاریت اس کی صریح منافی ہے۔ بعض مفسرین نے عَابِدِينَ کے معنی انکار کے بھی کئے ہیں۔ جیسے حضرت سفیان ثوریؒ سے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عابد سے مراد یہاں أَوَّلُ الْجَاحِدِينَ ہے یعنی پہلا انکار کرنے والا اور یہ عَبِدَ يَعْبَدُ کے باب سے ہے اور جو عبادت کے معنی میں ہوتا ہے وہ عَبَدَ يَعْبُدُ سے ہوتا ہے اس کی شہادت میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ

ہوا۔حضرت عثمانؓ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔لیکن حضرت علیؓ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے:﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ یعنی حمل کی اور د ۔ھ چھٹائی کی مدت ڈھائی سال کی ہے۔اور جگہ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا﴿وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ دو سال کے اندر اندر دودھ چھڑانے کی مدت ہے۔حضرت عثمان ان کا انکار نہ کر سکے اور فوراً آدمی بھیجا کہ اس عورت کو واپس کرو۔یہاں بھی لفظ عبد ہے یعنی انکار نہ کر سکے۔ابن وہب کہتے ہیں عبد کا معنی نہ ماننا ہے انکار کرنا ہے۔شاعر کے شعر میں بھی عبد انکار کے اور نہ ماننے کے معنی میں ہے۔لیکن یہ زیادہ صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ شرط کے جواب میں یہ کچھ ٹھیک طور پر لگتا نہیں۔اسے ماننے کے بعد مطلب یہ ہو جائے گا کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہے تو میں پہلے انکاری ہوں اور اس میں کلام کی خوبصورتی قائم نہیں رہتی۔ہاں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان شرط کے لئے نہیں ہے۔بلکہ نفی کے لئے ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول بھی ہے تو اب مضمون کلام یہ ہوگا کہ چونکہ رحمٰن کی اولاد نہیں۔پس میں اس کا پہلا گواہ ہوں۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں: یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے۔یعنی نہ رحمٰن کی اولاد نہ میں اس کا قائل و عابد۔

ابوصخر فرماتے ہیں: میں اس کا پہلا عبادت گزار ہوں اور موحد ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔امام بخاری فرماتے ہیں: میں پہلا انکاری ہوں۔یہ دونوں لغت میں عابد اور عبد پہلا قول ہی زیادہ قریب ہے۔اس وجہ سے یہ شرط کی جزا ہے لیکن ہے یہ ممتنع اور محال۔سدی فرماتے ہیں: اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں اسے پہلے مان لیتا کہ اس کی اولاد ہے لیکن وہ اس سے پاک ہے۔ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں اور جو لوگ ان کو نافیہ بتلاتے ہیں ان کے قول کی تردید کرتے۔اسی لئے باری تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ آسمان و زمین اور تمام چیزوں کا خالق اسے پاک بہت دور اور بالکل منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو۔وہ فرد واحد وصمد ہے۔اس کی نظیر کفو اولاد کوئی نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! انہیں اپنی جہالت میں غوطے کھاتے چھوڑو اور دنیا کے کھیل تماشوں میں مشغول رہنے دو۔اسی غفلت میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔اس وقت اپنا انجام معلوم کرلیں گے۔پھر ذات حق کی بزرگی اور عظمت اور جلال کا مزید بیان ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اس کی عابد ہے۔اس کے سامنے پست و عاجز ہے وہ حکیم و علیم ہے۔

جیسے اور روایت میں ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ وہی ہے۔ہر پوشیدگی اور ظاہر کو اور تمہارے ہر ہر عمل کو جانتا ہے وہ سب کا خالق و مالک ہے۔بلندیوں اور عظمتوں والا ہے۔کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔کوئی نہیں جو اس کی مرضی بدل سکے۔ہر ایک پر قابض وہی ہے۔ہر ایک کام اس کی قدرت کے ماتحت ہے قیامت آنے کے وقت کو وہی جانتا ہے اس کے سوا کسی کو اس کے آنے کا ٹھیک وقت کا علم نہیں۔ساری مخلوق اس کی طرف لوٹائی جائے گی۔وہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دے گا۔پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کفار کے معبودانِ باطل جنہیں یہ اپنا سفارشی خیال کئے بیٹھے ہیں۔ان میں سے کوئی بھی سفارش کے لئے آگے نہیں بڑھ سکتا۔کسی کی شفاعت انہیں کام نہ آئے گی اس کے بعد کا استثنا منقطع ہے۔لیکن جو شخص حق کا اقرار کرتا ہے اور شاہد ہو اور وہ خود بھی بصیرت و بصارت پر یعنی علم و معرفت والا ہو اسے اللہ کے حکم سے نیک لوگوں کی شفاعت کارآمد ہوگی۔ان سے اگر تو پوچھے کہ ان کا خالق کون ہے؟ تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔افسوس کہ خالق اسی ایک کو مان کر پھر عبادت دوسروں کی بھی کرتے ہیں۔جو محض مجبور اور بالکل بے قدرت ہیں اور کبھی اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے کہ جب پیدا اُسی ایک نے کیا تو ہم دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ جہالت و عبادت کند ذہنی اور بیوقوفی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایسی سیدھی سی بات مرتے دم تک سمجھ میں نہ آئی۔بلکہ سمجھانے سے بھی نہ سمجھا۔اس لئے بطور تعجب ارشاد ہوتا ہے کہ اتنا مانتے ہوئے پھر کیوں اندھے ہوئے جاتے ہو؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ کہنا کہا یعنی اپنے رب کی طرف شکایت کی اور اپنی قوم کی تکذیب کا بیان کیا یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔جیسے اور آیت میں ہے:﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ (فرقان: ۳۰) یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شکایت اللہ کے سامنے ہوگی کہ میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔امام ابن جریرؒ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ابن مسعودؓ کی قراءت: وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰا رَبِّ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ ہے۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔اللہ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل فرما رہا ہے۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں: یہ تمہارے نبی کا قول ہے اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں ابن جریر نے قیلہ کی دوسری قراءت لام کے زیر کے ساتھ بھی نقل کی ہے۔اس کی ایک توجیہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰھُمْ پر معطوف ہوگا۔دوسرے یہ کہ یہاں فعل مقدر مانا جائے یعنی قال کو مقدر مانا جائے۔دوسری قراءت یعنی لام کے زیر کے ساتھ جب ہو تو یہ عطف ہوگا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پر۔تو تقدیر یں ہوگی کہ قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے۔ختم سورہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین سے منہ موڑ لو اور ان کی بدزبانی کا بدکلامی سے جواب نہ دو۔بلکہ ان کے دل پر چانے کی خاطر قول اور فعل میں دونوں میں نرمی برتو۔کہہ دو کہ سلام[1] ہے۔انہیں ابھی حقیقت کا حال معلوم ہو جائے۔اس میں خدائے قدوس کی طرف سے مشرکین کو بڑی دھمکی ہے اور یہی ہو کر رہا کہ ان پر وہ عذاب آیا جو ان سے ٹل نہ سکا۔حضرت حق جل وعلا نے اپنے دین کو بلند و بالا کیا۔اپنے کلمہ کو ہر طرف پھیلا دیا۔اپنے موحد مؤمن اور مسلم بندوں کو قوی کر دیا اور پھر انہیں جہاد کے اور جلاوطن کرنے کے احکام دے کر اس طرح دنیا میں غالب کر دیا کہ اللہ کے دین میں بے شمار آدمی داخل ہوئے اور مشرق اور مغرب میں اسلام پھیل گیا۔والحمدللہ۔واللہ اعلم

---

[1] یہ وہ سلام نہیں جو ہم اور آپ دوسرے سے ملاقات پر کرتے ہیں بلکہ یہ سلامِ متارکت' انقطاع اور ترک تعلق ہے۔جیسا کہ ہم ایک دوسرے کو ناراضگی کے اوقات میں ترک تعلق کرتے ہوئے سلام کر کے گفتگو اور تعلق کا سلسلہ توڑ لیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الدُّخَان

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۳ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ کُل آیات: ۵۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص رات کو سورۂ حٰم دخان پڑھے۔اس کے لئے صبح تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں۔یہ حدیث غریب ہے اور اسکے ایک راوی عمرو بن خثعم ضعیف ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔ترمذی کی اور حدیث میں ہے کہ جس نے اس سورہ کو جمعہ کی رات پڑھا' اُسکے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔یہ حدیث بھی غریب ہے اور اسکے راوی ابوالمقدام ہشام ضعیف ہیں اور دوسرے راوی حضرت حسن کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں۔مسند براء میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے سامنے اپنے دل میں سورہ دخان کو پوشیدہ کر کے اس سے پوچھا کہ بتا میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا: دخ۔آپ ﷺ نے فرمایا: بس پرے ہٹ جا' نامراد رہ گیا۔جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔پھر آپ ﷺ لوٹ گئے۔

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

حٰم۔قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوتی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے۔بے شک وہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں اور

زمین کا اور جو (مخلوق) ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ اس کا بھی اگر تم یقین لانا چاہو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے اور وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلوں باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے ○

نزولِ قرآن ایک مقدس رات میں:

اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان قرآن کو بابرکت رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا اور یہ رات رمضان المبارک میں ہے جیسے اور آیت میں ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔ سورہ بقرہ میں اس کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ اس لئے دوبارہ نہیں لکھتے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ لیلہ مبارکہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا۔ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے۔ لیکن یہ قول سراسر تکلف والا ہے۔ اس لئے کہ نص قرآن سے قرآن کا رمضان میں نازل ہونا ثابت ہے اور جس حدیث میں ہے کہ شعبان سے اگلے شعبان تک کے تمام کام مقرر کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نکاح کا اور اولاد کا اور میت کا ہونا بھی وہ حدیث مرسل ہے اور ایسی حدیثوں کا نص قرآنی کا معاوضہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم لوگوں کو آگاہ کر دینے والے ہیں یعنی انہیں خیر و شر نیکی و بدی معلوم کرا دینے والے ہیں تاکہ تم پر حق کی حجت ثابت ہو جائے اور لوگ علم شرعی حاصل کر لیں۔ اسی شب ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تمام سال کے کل اہم کام عمر روزی وغیرہ سے طے کر لی جاتی ہے۔ حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں جو بدلے نہیں۔ وہ سب ہمارے حکم سے ہوتا ہے ہم رسولوں کے ارسال کرنے والے ہیں۔ تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جس کی انہیں سخت ضرورت اور پوری حاجت ہے۔ یہ تیرے رب کی رحمت ہے۔ اس رحمت کا کرنے والا قرآن کو اتارنے والا اور رسولوں کو بھیجنے والا وہ اللہ ہے جو آسمان وزمین اور کل چیز کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے۔ تم اگر یقین کرنے والے ہو تو اس کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ معبود برحق بھی وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر ایک کی موت زیست اسی کے ہاتھ ہے تمہارا اور تم سے اگلوں کا سب کا پالنے والا وہی ہے۔ اس آیت کا مضمون اس آیت جیسا ہے: ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ یعنی تو اعلان کر دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ تعالیٰ جس کی بادشاہت ہے آسمان وزمین کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو جلاتا اور مارتا ہے الخ۔

بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ⑨ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ⑩ یَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ⑪ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا

مُنْتَقِمُوْنَ ⑯

بلکہ وہ شک میں ہیں کھیل میں مصروف ہیں سو آپ (ان کے لئے) اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف سے ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جوان سب لوگوں پر عام ہو جائے یہ بھی ایک دردناک سزا ہے۔ اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ان کو اس سے کیا نصیحت ہوتی ہے حالانکہ (اس سے قبل) ان کے پاس ظاہر شان کا پیغمبر آیا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے (کسی دوسرے بشر کا) سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے تم پھر اپنی اس حالت پر آ جاؤ گے جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے اور اس روز ہم (پورا) بدلہ لیں گے ○

ایک تاریک دھواں:

فرماتا ہے کہ حق آ چکا اور یہ شک شبہ میں اور لہو ولعب میں مشغول ومصروف ہیں۔ انہیں اس دن سے آگاہ کر دے جس دن آسمان سے دھواں آئے گا۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ کوفہ کی مسجد میں گئے جو کندہ کے دروازوں کے پاس ہے تو دیکھا کہ ایک حضرت اپنے ساتھیوں میں قصہ گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دھوئیں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن منافقوں کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنوں کو مثل زکام کے ہو جائے گا ہم وہاں سے جب واپس لوٹے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ لیٹے لیٹے بے تابی کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ یہ بھی علم ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو کہہ دے کہ اللہ جانے۔ سنو! میں تمہیں اس آیت کا صحیح مطلب سناؤں۔ قریشیوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے لگے۔ تو آپ نے ان کے حق میں بدعا کی۔ یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ان پر آئے۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسی خشک سالی آئی کہ انہوں نے ہڈیاں اور مردار چبانا شروع کیا اور آسمان کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے۔ تو دھوئیں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ بوجہ بھوک کے ان کی آنکھوں میں چکر آنے لگا۔ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو درمیان میں ایک دھواں نظر آتا۔ اسی کا بیان ان دو آیتوں میں ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہلاکت کی شکایت کی۔ آپ کو رحم آ گیا اور آپ نے جناب باری میں التجا کی۔ چنانچہ بارش برسی۔ اسی کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ عذاب کے ہٹتے ہی یہ پھر کفر کرنے لگیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب تو ہٹتے کھلتے اور دور ہوتے نہیں۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکیں۔ دخان' روم' قمر' بطشہ' اور لزام (صحیحین) یعنی آسمان سے دھوئیں کا آنا۔ رومیوں کا اپنی شکست کے بعد غلبہ پانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا بدر کی لڑائی میں کفار کا پکڑا جانا اور ہارنا اور چھٹ جانے والا عذاب۔ بڑی سخت پکڑ سے مراد بدر کے دن کی لڑائی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جو مراد دھوئیں سے لیتے ہیں۔ یہی قول مجاہد' ابوالعالیہ' ابراہیم نخعی' ضحاک' عطیہ' عوفی وغیرہ کا ہے اور اسی کو ابن جریر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ عبدالرحمن اعرج سے منقول ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ یہ قول بالکل غریب بلکہ منکر ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں: یہ گزر نہیں گیا۔ بلکہ قریب قیامت کے آئے گا۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ

صحابہ جب قیامت کا ذکر کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو آپ نے فرمایا: جب تک دس نشانات تم نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دھواں' یاجوج ماجوج' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا' دجال کا آنا' مشرق اور جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسایا جانا۔ آگ کا عدن سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر یکجا کرنا۔ جہاں یہ رات گزاریں گے' آگ بھی گزارے گی' اور جہاں یہ دوپہر کو سوئیں گے آگ بھی قیلولہ کرے گی۔ (مسلم)

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے لئے دل میں ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا: دخ' آپ نے فرمایا: بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلے گی۔ اس میں بھی ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کے زبان سے بتانے کا مدعی تھا۔ اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ کلام صرف چرا لیتا ہے اور یہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں پانے کا ابن جریر میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قیامت کی اولین نشانیاں یہ ہیں' دجال کا آنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور آگ کا بیچ عدن سے نکلنا۔ جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ قیلولے کے وقت اور رات کی نیند کے وقت بھی ان کے ساتھ رہے گی اور دھوئیں کا آنا۔ حضرت حذیفہؓ نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دھواں کیسا ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: یہ دھواں چالیس دن تک گھٹا رہے گا۔ جس سے مسلمانوں کو مثل نزلے کے ہو جائے گا اور کافر بے ہوش بدمست ہو جائے گا' اس کے نتھنوں سے کانوں سے اور دوسری جگہ سے دھواں نکلتا رہے گا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی' پھر تو دخان کے معنی مقرر ہو جاتے ہیں۔ کوئی بات باقی نہ رہتی۔ لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جا سکتی۔ اس کے راوی رواد سے محمد بن خلف عسقلانی نے سوال کیا کہ کیا سفیان ثوریؒ سے تو نے خود یہ حدیث سنی ہے؟ اس نے انکار کیا۔ پوچھا: کیا تو نے پڑھی اور اس نے سنی ہے؟ کہا: نہیں۔ پوچھا: اچھا' تمہاری موجودگی میں ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی؟ کہا: نہیں' کہا کہ پھر اس حدیث کو کیسے بیان کرتے ہو؟ کہا: میں نے تو بیان نہیں کی۔ میرے پاس کچھ لوگ آئے اس روایت کو پیش کیا۔ پھر جا کر میرے نام سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ بات بھی یہی ہے۔

یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ ابن جریر اسے جگہ لائے ہیں اور اس میں بہت سے منکرات ہیں۔ خصوصاً مسجد اقصیٰ کے بیان میں جو سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے۔ دھواں جو مؤمن کو زکام کر دے اور کافر کا تو سارا جسم پھلا دے گا۔ روئیں روئیں سے دھواں اٹھے گا۔ دابۃ الارض اور دجال اس کی بہت عمدہ سند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دھواں پھیل جائے گا۔ مؤمن کو تو مثل زکام کے لگے گا اور کافر کے جوڑ جوڑ سے نکلے گا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کے قول سے بھی مروی ہے اور حضرت حسنؒ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: دخان گزر نہیں گیا' بلکہ اب آئے گا۔ حضرت ابن عمرؓ سے دھوئیں کی بابت اوپر کی حدیث کی طرح روایت ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں صبح کے وقت حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے: رات کو میں بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دخان نہ ہو۔ پس صبح تک میں نے آنکھ سے آنکھ نہیں ملائی۔ اس کی سند صحیح ہے اور حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ صحابہؓ اور تابعینؒ بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی

ہیں۔ جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک علامت قیامت ہے۔ جو آنے والی ہے۔ ظاہری الفاظ قرآن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن نے اسے ظاہر اور واضح دھوآں کہا ہے۔ جسے ہر شخص دیکھ سکے اور بھوک کے دھوئیں سے اسے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک خیالی چیز ہے۔ بھوک پیاس کی سختی کی وجہ سے دھواں سا آنکھوں کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے۔ جو دراصل دھواں نہیں اور قرآن کے الفاظ ہیں: دُخَانٍ مُّبِيْنٍ کے پھر یہ فرمان کہ وہ لوگوں کو ڈھانک لے گا۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتا ہے کیونکہ بھوک کے اس دھوئیں نے صرف اہل مکہ کو ڈھانکا تھا۔ نہ کہ تمام لوگوں کو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ ہے المناک عذاب یعنی اُن سے یوں کہا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے: ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ (طور:۱۳) جس دن انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا کہ یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلا رہے تھے یا یہ مطلب کہ وہ خود ایک دوسرے سے یوں کہیں گے۔ کافر جب اس عذاب کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے دور ہونے کی دعا کریں گے جیسے کہ اس آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ (انعام:۲۷) یعنی کاش کہ تو انہیں دیکھتا جب یہ آگ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے: کاش! کہ ہم لوٹائے جاتے۔ تو ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان بن کر رہتے اور آیت میں ہے اس دن گنہگار کہیں گے۔ پروردگار ہمیں تھوڑے سے وقت تک اور ڈھیل دے دے تو تیری پکار پر لبیک کہہ لیں اور تیرے رسولوں کی فرمانبرداری کر لیں۔ پس یہاں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کہاں؟ ان کے پاس میرے پیغامبر آ چکے۔ انہوں نے ان کے سامنے میرے احکام واضح طور پر رکھ دیئے۔ لیکن ماننا تو کہا انہوں نے پرواتک نہ کی۔ بلکہ انہیں جھوٹا کہا۔ ان کی تعلیم کو غلط کہا اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو سکھائے پڑھائے ہیں۔ انہیں جنون ہو گیا ہے جیسے اور آیت میں ہے اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا۔ لیکن اب اس کیلئے نصیحت کہاں ہے؟ (فجر:۲۳) اور جگہ فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ (سباء:۵۲) یعنی اس دن عذابوں کو دیکھ کر ایمان لانا سراسر بے سود ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر بالفرض ہم عذاب ہٹالیں اور تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں تو بھی تم وہاں جا کر یہی کرو گے جو اس سے پہلے کر کے آئے ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ﴾ (مؤمنون:۷۵) یعنی اگر ہم ان پر رحم کریں اور برائی ان سے ہٹالیں تو پھر یہ اپنی سرکشی میں آنکھیں بند کر کے منہمک ہو جائیں گے اور محض جھوٹے ثابت ہوں گے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر عذاب کے اسباب قائم ہو چکنے اور عذاب آ جانے کے بعد بھی ہم انہیں تھوڑی دیر ٹھہرا لیں۔ تاہم یہ اپنی بدباطنی اور خباثت سے باز نہیں آئیں گے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عذاب انہیں الگ لیا گیا اور پھر ہٹ گیا۔ جیسے قوم یونسؑ سے۔ حضرت حق تعالیٰ ومبارک کا فرمان ہے کہ قوم یونس جب ایمان لائی، ہم ان سے عذاب ہٹالیا پس عذاب انہیں ہونا شروع نہیں ہوا تھا۔ ہاں اس کے اسباب موجود فراہم ہو چکے تھے۔ ان تک عذاب اللہ پہنچ چکا تھا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے کفر سے ہٹ گئے۔ پھر اس کی طرف لوگ گئے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں سے جب قوم نے کہا کہ یا تو تم ہماری بستی چھوڑ دو یا ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ گو ہم اسے برا جانتے ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے رکھی ہے۔ پھر بھی اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں تو ہم سے بڑھ کر جھوٹا اور اللہ کے ذمے بہتان باندھنے والا اور کون ہوگا؟ ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی کبھی کفر میں قدم نہ رکھا تھا اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تم لوٹنے والے ہو۔ اس سے مطلب عذاب اللہ کی طرف لوٹنا ہے بڑی اور سخت پکڑ سے مراد جنگ بدر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے ساتھ کی وہ جماعت جو دخان کو ہو چکا ہو مانتی ہے وہ تو بطشہ کے معنی یہی

کرتی ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ایک جماعت سے یہی منقول ہے گو یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی پکڑ ہے۔ گو بدر کا دن بھی پکڑ کا اور کفار پر سخت دن تھا۔ ابن جریر میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گو حضرت ابن مسعودؓ اسے بدر کا دن بتلاتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے بھی دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ واللہ اعلم

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور (وہ آزمائش یہ تھی کہ) ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے کہ ان اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کردو۔ میں تمہاری طرف (اللہ کا) فرشتہ (ہوکر آیا) ہوں دیانت دار ہوں اور یہ (بھی فرمایا) کہ تم اللہ سے سرکشی مت کرو میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل (اپنی نبوت کی) پیش کرتا ہوں اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر (یا غیر پتھر) سے قتل کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں تو اب میرے بندوں کو تم رات ہی رات میں لے کر چلے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب ہوگا اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا سارا لشکر ڈبو یا جائے گا۔ وہ لوگ کتنے ہی باغ

اور چشمے (یعنی نہریں) اور کھیتوں اور عمدہ عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جس میں خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے (یہ قصہ) اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسرے قوم کو ان کا مالک بنا دیا نہ تو ان پر آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم وستم) سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش (اور) حد (عبودیت) سے نکل جانے والوں میں سے تھا اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے (بعض امور میں) تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا○

قوم فرعون اور آزمائش:

ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے پہلے مصر کے قبطیوں کو ہم نے جانچا۔ ان کی طرف اپنے معزز رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے میرا پیغام پہنچایا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو اور نہیں دُکھ نہ دو۔ میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے اپنے ساتھ لایا ہوں اور ہدایت کے ماننے والے سلامتی سے رہیں گے مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ تمہیں رب کی باتوں کے ماننے سے سرکشی نہ کرنی چاہئے۔ اس کے بیان کردہ دلائل واحکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کی عبادتوں سے جی چرانے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم واصل ہوتے ہیں۔ میں تو تمہارے سامنے کھلی دلیل اور واضح آیت رکھتا ہوں۔ میں تمہاری بدگوئی اور اتہام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔

ابن عباسؓ اور ابو صالح تو یہی کہتے ہیں اور قتادہ کہتے ہیں: مراد پتھراؤ کرنا پتھروں سے مار ڈالنا ہے۔ یعنی زبانی ایذا سے اور دستی ایذا سے میں اپنے رب کی جو تمہارا بھی مالک ہے پناہ چاہتا ہوں۔ اچھا اگر تم میری نہیں مانتے، مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم میری ایذا رسانی اور تکلیف دہی سے باز رہو اور اس وقت کے منتظر رہو جب کہ خود اللہ تعالیٰ ہم میں تم میں فیصلہ کر دے۔ پھر اللہ کے نبی کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لمبی مدت ان میں گزاری اور خوب تبلیغ کر لی ہر طرح خیر خواہی کی۔ ان کی ہدایت کے لئے ہر چند جتن کر لئے اور دیکھا کہ وہ روز بروز اپنے کفر میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے ہمارے! رب تو نے فرعون اور اس کے امراء کو دنیوی نمائش اور مال ومتاع دے رکھا ہے۔ خدایا! یہ اس سے دوسروں کو بھی تیری راہ سے بھٹکا رہے ہیں۔ تو ان کا مال غارت کر اور ان کے دل اور سخت کر دے تا کہ دردناک عذاب کے معائنہ تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام! میں نے تمہاری دعا قبول کر لی۔ اب تم استقامت پر تل جاؤ۔ یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات فرعون اور فرعونیوں کی بے خبری میں یہاں سے لے کر چلے جاؤ۔ یہ کفار تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن تم بے خوف وخطر چلے جاؤ۔ میں تمہارے لئے دریا کو خشک کر دوں گا۔ اس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے۔ فرعونی لشکر مع فرعون کے ان کے پکڑنے کو چلا۔ بیچ میں دریا حائل ہوا۔ آپ بنی اسرائیل کو لے کر اس میں اتر گئے۔ دریا کا پانی سوکھ گیا اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے۔ تو چاہا کہ دریا پر لکڑی مار کر اس سے کہہ دیں کہ اب تو اپنی روانی پر آ جا۔ تا کہ فرعون اس پار نہ آ سکے۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اسے اسی حال میں سکون کے ساتھ ہی رہنے دے۔ ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بتا دی کہ یہ سب اسی میں ڈوب مریں گے۔ پھر تم بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو جاؤ گے۔ غرض حکم ہوا کہ دریا کو خشک چھوڑ کر چل دیں رَهْوًا کے معنی سوکھا راستہ جو اپنی اصلی حالت پر

ہو۔ مقصد یہ ہے کہ پار ہو کر دریا کو روانی کا حکم نہ دینا۔ یہاں تک کہ دشمنوں میں سے ایک ایک اس میں نہ آ جائے۔ اب اسے جاری ہونے کا حکم ملتے ہی سب کو غرق کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو کیسے غارت ہوئے باغات کھیتیاں نہریں مکانات اور بیٹھکیں سب چھوڑ کر فنا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: مصر کا دریائے نیل مشرق مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں۔ جب اس کی روانی اللہ کو منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ جہاں تک رب کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اب اپنی جگہ چلی جاؤ۔ ان فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے سوان سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں: خلیج اسکندریہ، خلیج دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منف، خلیج بنوم خلیج منتہی اور ان سب میں اتصال تھا۔ ایک دوسری سے متصل تھیں اور پہاڑوں کے دامن میں ان کی کھیتیاں تھیں، جو مصر سے لے کر دریا تک برابر چلی آتی تھیں۔ ان تمام کو بھی دریا سیراب کرتا تھا۔ بڑے امن چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن مغرور ہو گئے اور آخر ساری نعمتیں یونہی چھوڑ کر تباہ کر دیئے گئے۔ مال اولاد جاہ وعنال سلطنت وعزت ایک ہی رات میں چھوٹ گئے اور بھس کی طرح اڑا دیئے گئے۔ اور گزشتہ کل کی طرح بے نشان کر دیئے گئے۔ ایسے ڈبوئے گئے کہ ابھر نہ سکے، جہنم واصل ہو گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے۔ ان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کمزوروں کو ان کے صبر کے بدلے اس سرکش قوم کی کل نعمتیں عطا فرما دیں اور بے ایمانوں کو تباہ کر ڈالا۔

یہاں بھی دوسری قوم جسے وارث بنایا اس سے مراد بھی بنی اسرائیل ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زمین و آسمان نہ روئے۔ کیونکہ ان ظالموں کے نیک اعمال تھے ہی نہیں جو آسمانوں پر چڑھتے ہوں اور اب ان کے نہ چڑھنے پر وہ افسوس کریں۔ نہ زمین میں ان کی ایسی جگہیں تھیں کہ جہاں بیٹھ کر یہ اللہ کی عبادت کرتے ہوں اور آج انہیں نہ پا کر زمین کی وہ جگہ ان کا ماتم کرے۔ انہیں مہلت ہی نہ دی گئی۔ مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک سے اس کی روزی اترتی ہے۔ دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں۔ جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل ورزق کو گم شدہ پاتے ہیں تو روتے ہیں پھر اسی آیت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی۔ ابن ابی حاتم میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا اور غربت پر آ جائے گا۔ یاد رکھو مؤمن کہیں انجان مسافر کی طرح نہیں۔ مؤمن جہاں کہیں سفر میں مرتا ہے جہاں اس کا کوئی رونے والا نہیں ہو۔ وہاں بھی اس کے رونے والے آسمان وزمین موجود ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: یہ دونوں پر روتے نہیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان وزمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: آج تو نے وہ بات دریافت کی ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔ سنو! ہر بندے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں ہے اس کے عمل کے چڑھنے کے وقت ہوتی ہے اور آل فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے۔ اس وجہ سے نہ زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بجا لا سکیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال ہوا تو آپ نے قریب قریب یہی جواب دیا بلکہ آپ سے مروی ہے کہ چالیس دن تک زمین مؤمن پر روتی رہتی ہے جب حضرت مجاہد نے یہ فرمایا: تو کسی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ جو بندہ زمین کو اپنے رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا۔ جس بندے کی تکبیر وتسبیح کی

آوازیں آسمان برابر سنتا رہتا تھا۔ بھلا یہ دونوں اس عابد اللہ پر روئیں گے نہیں؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: فرعونیوں جیسے ذلیل وخوار لوگوں پر یہ کیوں روتے؟ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں: دنیا جب سے رچائی گئی ہے۔ تب سے آسمان صرف دو شخصوں پر رویا ہے۔ ان کے شاگرد سے سوال ہوا کہ کیا آسمان و زمین ہر ایماندار پر روتے نہیں؟ فرمایا: صرف اتنا حصہ جس حصے سے اس کا عمل چڑھتا تھا۔ سن آسمان کا رونا اس کا سرخ ہونا اور مثل نری کے گلابی رنگ ہو جاتا ہے۔ سو یہ حال صرف دو شخصوں کی شہادت پر ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے موقع پر تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون برسانے لگا اور دوسرے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے موقع پر آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ (ابن ابی حاتم)

یزید بن ابی زیاد کا قول ہے کہ قتل حسین کی وجہ سے چار ماہ تک کنارے سرخ رہے اور یہی سرخی اس کا رونا ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں: اس کے کناروں کا سرخ ہو جانا اس کا رونا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قتل حسینؓ کے دن جس پتھر کو الٹا جاتا تھا' اس کے نیچے منجمد خون نکلتا تھا۔ اس دن سورج کو بھی گہن لگا ہوا تھا۔ آسمان کے کنارے بھی سرخ تھے اور پتھر گرے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں اور شیعوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا واقعہ درد انگیز اور حسرت و افسوس والا ہے۔ لیکن اس پر شیعوں نے جو حاشیہ چڑھایا ہے اور گھڑ گھڑا کر جو باتیں پھیلا دی ہیں وہ محض جھوٹ اور بالکل غلط ہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ اس سے بہت زیادہ اہم واقعات ہوئے اور قتل حسین سے بہت بڑی بڑی واردا تیں ہوئیں۔ لیکن ان کے ہونے پر بھی آسمان و زمین وغیرہ میں یہ انقلاب نہ ہوا۔ آپ ہی کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قتل کئے گئے' جو بالا جماع آپ سے افضل تھے لیکن نہ تو پتھر تلے سے خون نکلا نہ اور کچھ ہوا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا جاتا ہے اور نہایت بے دردی سے بلاوجہ ظلم و ستم کے ساتھ انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ فاروق اعظم حضرت عمرؓ کو صبح کی نماز پڑھتے قتل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ زبردست مصیبت تھی کہ اس سے پہلے مسلمان کبھی ایسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان واقعات میں سے کسی واقعہ کے وقت ان میں سے ایک بھی بات نہیں ہوئی' جو شیعوں نے مقتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت مشہور کر رکھی ہیں۔ اب سب کو بھی جانے دیجئے' تمام انسانوں کے دینی اور دنیوی سردار سید البشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوتا ہے۔ اتفاقاً اسی روز سورج گہن ہوتا ہے اور کوئی کہہ دیتا ہے کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج گہن لگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گہن کی نماز ادا کر کے فوراً خطبے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں: سورج چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت زندگی کی وجہ سے انہیں گہن نہیں لگتا۔

اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون جیسے متکبر مسرف کے ذلیل عذاب سے نجات دی۔ اس نے بنی اسرائیل کو پست و خوار کر رکھا تھا۔ ذلیل خدمتیں ان سے لیتا تھا۔ اور سخت بیگار کے کام بغیر معاوضہ کے ان سے کرتا تھا اپنے نفس کو تولتا رہتا تھا۔ خودی اور خود بینی میں لگا رہتا تھا۔ بیوقوفی سے کسی چیز کی حد بندی کا خیال کرتا تھا۔ اللہ کی زمین پر سرکشی کئے ہوئے تھا اور ان بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ پھر بنی اسرائیل پر ایک مہربانی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس زمانے کے تمام لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ ہر زمانے کو عالم کہا جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ تمام اگلوں پچھلوں پر انہیں گزرگی دی۔ یہ آیت بھی اس آیت کی طرح جس میں فرمان ہے: ﴿يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ (اعراف: ۱۴۴) اے موسیٰ! میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی

عطا فرمائی ۔یعنی اس زمانے کے لوگوں پر جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے فرمایا:﴿وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران:۴۲)اس سے بھی یہی مطلب ہے کہ اس زمانے کی تمام تر عورتوں پر آپ کو فضیلت ہے۔اس لئے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یقیناً افضل ہیں یا کم از کم برابر۔اسی حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا' جو فرعون کی بیوی تھی اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے۔جیسے فضیلت شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی (ثرید) کی اور کھانوں پر۔پھر بنی اسرائیل پر ایک اور احسان بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں وہ حجت و برہان' دلیل و نشان و معجزات کرامات عطا فرمائے جن میں ہدایت کی تلاش کرنے والوں کیلئے صاف صاف امتحان تھا۔

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی ہمارا دنیا کا مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔سوائے مسلمانو! اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کرا کے) لا موجود کرو۔یہ لوگ (قوت و شوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (شاہ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو (بھی) ہلاک کر ڈالا وہ نافرمان تھے ○

ایک احمقانہ قول:

اس مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے۔ان کا خیال تھا کہ قیامت نہیں آئے گی اور مرنے کے بعد پر زندہ ہونا نہیں ہے اور حشر نشر پھر سب غلط ہے۔دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا جو مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے کہ یہ کس قدر بوری اور بے ہودہ دلیل ہے۔دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا مرنے کے بعد جینا قیامت کو ہوگا۔نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے۔اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے۔اس وقت یہ امت اگلی امتوں پر گواہی دے گی اور ان پر ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم میں اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آ جائیں اور ان کی طرح بے نام و نشان کر دیئے جاؤ۔ان کے واقعات سورہ سبا میں گزر چکے ہیں۔وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے۔جیسے یہ عدنان کے عرب ہیں۔حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔جیسے فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے۔ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور مین میں پھرتا رہا' سمرقند پہنچ گیا۔ہر جگہ کے بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور اپنا ملک وسیع کر لیا زبردست لشکر اور بے شمار رعایا اس کے ماتحت تھی۔اس نے حیرہ نامی بستی بسائی۔یہ اپنے زمانے میں مدینہ میں آیا تھا اور یہاں کے باشندوں سے بھی لڑا لیکن اسے لوگوں نے اس سے روکا۔خود اہل مدینہ کا بھی اس سے یہ سلوک رہا کہ دن کو تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمان داری کرتے تھے۔آخر اس کو بھی لحاظ آ گیا اور لڑائی بند کر دی۔اس کے ساتھ یہاں کہ دو یہودی عالم ہو گئے تھے۔جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچے دین عالم بھی تھے۔وہ اسے ہر وقت بھلائی

برائی سمجھاتے رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ مدینہ کو تاخت وتاراج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ آخر زمانہ کے پیغمبر کی ہجرت گاہ ہے۔ پس یہاں سے لوٹ گیا اور ان دونوں عالموں کو ساتھ لے گیا۔ جب یہ مکہ پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا۔ لیکن ان دونوں نے اسے روکا اور اس پاک گھر کی عظمت وحرمت اس کے سامنے بیان کی اور کہا کہ اس کے بانی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پھر اس کی اصلی عظمت آشکارا ہو جائے گی چنانچہ یہ اپنے ارادے سے باز آیا۔ بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم تکریم کی' طواف کیا' غلاف چڑھایا اور یہاں سے واپس یمن چلا گیا۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں داخل ہوا اور تمام یمن میں یہی دین پھیلایا۔ اس وقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ظہور نہیں ہوا تھا اور اس زمانے والوں کے لئے یہی سچا دین تھا۔ اس تبع کے واقعات بہت تفصیل سے سیرۃ ابن اسحٰق میں بھی موجود ہیں اور حافظ ابن عساکر نے بھی اپنی کتاب میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ اس میں ہے کہ اس کا پایہ تخت دمشق میں تھا۔ اس کے لشکروں کی صفیں دمشق سے لے کر یمن تک پہنچتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نہیں جان سکا کہ حد لگنے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تبع ملعون تھا یا نہیں؟ اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ؟ اور روایت میں کہ یہ بھی فرمایا کہ حضرت عزیر پیغمبر تھے یا نہیں۔

(ابن ابی حاتم)

دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت صرف عبدالرزاق سے ہی ہے اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عزیر کا نبی ہونا نہ ہونا معلوم نہیں۔ نہ میں جانتا ہوں کہ تبع پر لعنت کروں یا نہیں؟ اسے ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن عساکرؒ نے دو روایتیں درج کی ہیں۔ جن میں تبع کو گالی دینے لعنت کرنے سے ممانعت آئی ہے۔ جیسا کہ ہم بھی ابھی ذکر کریں گے انشاء اللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے دین میں داخل ہو گئے اور اس زمانہ کے علما کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا۔ بعثت مسیح سے پہلے کا یہ واقعہ ہے۔ برہم کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج بھی کیا۔ غلاف بھی چڑھایا اور بڑی تعظیم وتکریم کی چھ ہزار اونٹ نام اللہ قربان کئے اور بھی بہت بڑا طویل واقعہ ہے۔ جو حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دارومدار کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام پر ہے۔ وہب بن منبہ نے بھی اس قصہ کو ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس تبع کے قصہ کے ساتھ دوسرے تبع کے قصہ کو بھی ملا دیا ہے جو ان کے بہت بعد تھا۔ اس کی قوم تو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی۔ پھر ان کے انتقال کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ گئی اور دوبارہ آگ کی اور بتوں کی پرستش شروع کر دی جیسے کہ سورہ سبا میں مذکور ہے۔ اسی کی تفسیر میں ہم نے بھی وہاں اس کی پوری تفصیل کر دی۔ فالحمد للہ۔

حضرت سعد بن جبیرؒ فرماتے ہیں: اس تبع نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ آپ منع کرتے تھے کہ اس تبع کو برا نہ کہو۔ یہ درمیان کا تبع ہے۔ اس کا نام اسعد ابوکرب بن ملکیکرب یمانی ہے۔ اس کی سلطنت تین سو چھبیس سال تک رہی۔ اس سے زیادہ لمبی مدت ان بادشاہوں میں سے کسی نے نہیں پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا انتقال ہوا۔ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ دونوں موسوی عالموں نے جو مدینہ کے تھے' انہوں نے تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزماں حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا۔ جو بطور میراث کے ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت اس کے حافظ ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ

عنہ تھے اور اتفاق سے بلکہ بحکم اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نزولِ اجلال بھی یہی ہوا تھا۔
اِس قصیدے کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

شَهِدْتُ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهٗ ☆ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ بَكْرِي اللنسم
فَلَوْمُدَّ عُمْرِيَ اِلٰى عُمْرِهٖ ☆ لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمٍّ
وَجَاهَدْتُ بِالسَّيْفِ اَعْدَآءَهٗ ☆ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهٖ كُلَّ غَمٍّ

یعنی میری دل سے گواہی ہے کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میں آپ کے زمانہ تک زندہ رہا تو قسم اللہ کی آپ کا ساتھی بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دوں گا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور السلام میں صنعا شہر میں اتفاق سے قبر کھد گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفون ہیں۔ جن کے جسم بالکل صحیح سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے۔ جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہے کہ یہ قبرحی اور ملیس کی ہے اور ایک روایت میں ان کے نام حبی اور تقاخر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں۔ یہ دونوں مرتے وقت اس بات کی شہادت پر رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ دونوں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرمارہے ہیں۔ سورہ سبا میں ہم نے اس واقعہ کے متعلق سبا کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں۔ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ تبع کی تعریف قرآن سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی اُن کی نہیں کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تبع کو برا نہ کہو۔ وہ صالح شخص تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تبع کو گالی نہ دو۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہی روایت ہے۔ عبدالرزاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ تبع نبی تھا یا نہ تھا اور روایت اس سے پہلے گزر چکی کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں؟ فاللہ اعلم۔ یہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ حضرت عطا بن ابو رباح فرماتے ہیں۔ تبع کو گالی نہ دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا کہنا منع فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں (بلکہ ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بے شک فیصلہ کا دن (یعنی قیامت کا دن) ان سب کا وقت

مقرر ہے۔جس دن کسی علاقہ والا کسی علاقے والے کے ذرا کام نہ آئے گا اور ان کی کچھ حمایت کی جائے گی ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرما دے وہ (اللہ) زبردست ہے مہربان ہے ○

ایک ایسا دن:

یہاں عزوجل اپنے عدل کا بیان فرما رہا ہے اور بے فائدہ کاموں سے اپنی پاکی کا اظہار فرماتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہم نے اپنی مخلوق کو باطل پیدا نہیں کیا۔ ایسا گمان ہماری نسبت صرف ان کا ہے۔ جو کفار ہیں اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور ارشاد ہے: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (مومنون: ۱۱۵) یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار وعبث پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہماری طرف آنے کے ہی نہیں؟ اللہ تعالیٰ حق مالک اور بلندیوں اور بزرگی والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے۔ فیصلوں کا دن یعنی قیامت کا دن۔ جس دن باری تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان حق فیصلے کرے گا کافروں کو سزا اور مؤمنوں کو جزا ملے گی۔ اس دن تمام اگلے پچھلے اللہ کے سامنے جمع ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائے گا۔ رشتہ دار کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (مومنون: ۱۰۱) یعنی صور پھونکا جائے گا، تو نہ کوئی نسبت باقی رہے گا نہ پوچھ گچھ اور آیت میں ہے کوئی دوست کو پریشان حالی میں دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھے گا اور نہ کوئی اس دن کسی کی کسی طرح مدد کرے گا نہ اور کوئی بیرونی مدد آئے گی۔ مگر ہاں رحمت اللہ تعالیٰ جو مخلوق پر شامل ہے۔ وہ بڑا غالب اور وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا۔ جو (کریہہ صورت ہونے میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور وہ پیٹ میں ایسا گھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے اور (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر سمیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اسکے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو۔ لے چکھ تو بڑا اکرم ومعزز ہے یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے ○

شجر زقوم:

منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجروں کو جو اپنے قول اور فعل کو گناہ گاری میں ملوث کئے ہوئے تھے، آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابوجہل ہے۔ گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ اَثِيْمِ ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا۔ تو آپ نے اسے ﴿طَعَامُ الْفَاجِرِ﴾ پڑھوایا۔ یعنی اس کو اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین پر ٹپک جائے تو

تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے۔اس مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ یہ مثل تلچھٹ کے ہوگا۔اپنی حرارت بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑلو۔وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے۔اسے اوندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔جیسے فرمایا: ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ﴾ یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا۔جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں جل جائیں گی اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کے دماغ پاش پاش ہو جائیں گے۔پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا۔یہ جہاں جہاں پہنچے گا۔ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا۔یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔پھر انہیں شرمسار کرنے کے لئے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لئے کہا جائے گا: لو مزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔مغازی امویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل ملعون سے کہا کہ مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لئے ویل ہے۔تجھ پر افسوس ہے۔پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لئے افسوس اور خرابی ہے۔اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا: جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت تکریم والا میں ہوں۔پس اللہ تعالیٰ نے اسے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ اب اپنی عزت کا اور اپنی تکریم کا اور اپنی گزرگی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں تم ہمیشہ شک وشبہ کرتے رہے۔جیسے اور آیتوں میں ہے کہ جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے۔باغوں اور نہروں اور وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا۔آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے (اور) وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے کھاتے ہوں گے (اور) وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی

نہ چکھیں گے (یعنی مرنے کے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچائے گا۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا بڑی کامیابی یہی ہے۔ سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔ تو (اگر یہ لوگ نہ مانیں تو) آپ منتظر رہئے یہ لوگ بھی منتظر ہیں ○

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد:

بدبختوں کا ذکر کر کے اب نیک بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کو مثال کہا گیا ہے۔ دار دنیا میں جو اللہ تعالیٰ مالک وخالق وقادر سے ڈرتے رہے وہ قیامت کے دن جنت میں نہایت امن وامان سے ہوں گے۔ موت سے وہاں سے نکلنے سے غم ورنج سے' گھبراہٹ سے' اور مشکلوں سے دکھ درد سے تکلف اور مشقت سے شیطان اور اس کے مکر سے رب کی ناراضگی سے غرض تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نڈر بےفکر مطمئن اور بےاندیشہ ہوں گے۔ انہیں تو زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پانی ملے گا اور انہیں جنتیں اور نہریں ملیں گی۔ مختلف قسم کے ریشمی پارچہ جات انہیں پہننے کو ملیں گے۔ جن میں نرم باریک بھی ہوگا اور دبیز چمکیلا بھی ہوگا۔ یہ تختوں پر بڑے طمطراق سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور کسی کی کسی کی طرف پیٹھ نہ ہوگی۔ بلکہ سب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس عطا کے ساتھ ہی انہیں حوریں دی جائیں گی۔ جو گورے چٹے بدن کی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی ہوں گی۔ جن کے پاک جسم کو ان سے پہلے کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔ وہ یاقوت ومرجان کی طرح کی ہوں گی اور کیوں نہ ہو' جب انہوں نے اللہ کا ڈر دل میں رکھا اور دنیا کی خواہشوں کی چیزوں سے محض فرمان خداوندی کی مدنظر رکھ کر بچے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ بہترین سلوک کیوں نہ کرتا؟ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے۔ پھر وہاں یہ جس میوے کی طلب کریں گے' موجود ہوگا۔ جو مانگیں گے' ملے گا ادھر ارادہ کیا ادھر موجود ہوا' خواہش ہوئی اور حاضر ہوا۔ پھر نہایت بےفکری سے کمی کا خوف نہیں۔ ختم ہو جانے کا کھٹکا نہیں پھر فرمایا: وہاں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر استثنا منقطع لا کر اس کی تاکید کر دی۔

صحیحین میں ہے کہ موت کو بھیڑیئے کی صورت میں لا کر جنت دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور ندا کر دی جائے گی کہ جنتیو! اب ہمیشگی ہے کبھی موت نہیں اور اے جہنمیو! تمہارے لئے بھی ہمیشگی ہے کبھی موت نہ آئے گی۔ سورہ مریم کی تفسیر میں بھی یہ حدیث گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔ کبھی مرو گے نہیں اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔ کبھی کمی نہ ہوگی اور ہمیشہ نوجوان بنے رہو گے۔ کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا جنت میں جائے گا۔ جہاں نعمتیں پائے گا۔ کبھی محتاج نہ ہوگا۔ جہاں جئے گا' کبھی مرے گا نہیں۔ جہاں کپڑے میلے نہ ہوں گے اور جوانی فنا نہ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ جنتی سوئیں گے نہیں۔ ہر وقت راحت ولذت میں مشغول رہیں گے یہ حدیث میں سندوں سے بھی روایت ہے اور اس سے پہلے سندوں کا خلاف گزر چکا ہے واللہ اعلم۔ اس راحت ونعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ انہیں پروردگار عالم نے عذاب جہنم سے نجات دے دی تو مطلوب حاصل ہے اور خوف زائل ہے۔ اسی لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا احسان وفضل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے کہا: کیا آپ کے اعمال بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی

رحمت میرے شامل حال ہو۔ ہم نے اپنے نازل کردہ اس قرآن کریم کو بہت سہل و آسان صاف ظاہر بہت واضح مدلل اور روشن کر کے تجھ پر تیری زبان میں نازل فرمایا ہے۔ جو بہت فصیح و بلیغ بڑی بڑی شیریں بڑی پختہ ہے۔ تاکہ لوگ بآسانی سمجھ لیں اور بخوشی عمل کریں۔ باوجود اس کے بھی جو لوگ اسے جھٹلائیں نہ مانیں تو انہیں ہوشیار کر دے اور کہہ دے کہ اچھا اب تم بھی انتظار کرو میں بھی منتظر ہیں۔ تم دیکھ لو گے کہ اللہ کی طرف سے کس کی تائید ہوتی ہے؟ کس کا کلمہ بلند ہوتا ہے؟ کسے دنیا اور آخرت ملتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم تسلی رکھو فتح وظفر تمہیں ہوگی۔ میری عادت ہے کہ اپنے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کو اونچا کروں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ﴾ (مجادلہ:۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے اور آیت میں ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ (غافر:۵۱) یعنی یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیا میں بھی مدد کریں گے اور قیامت میں بھی جس دن گواہ قائم ہوں گے اور ظالموں کو ان کے عذر نفع نہ دیں گے ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَة

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۴ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۳۷

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

حٰم ۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال کے) لئے بہت سے دلائل ہیں اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں بھی رکھا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں اور (اسی طرح) یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں اور اس (مادہ) رزق میں جس اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس (بارش) سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور (اس طرح) ہواؤں کے بدلنے میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں ۝

دفتر دلائل:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور کریں۔ اللہ کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں پھر ان کا شکر بجا لائیں۔ دیکھیں کہ اللہ کتنی بڑی قدرتوں والا ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور مختلف اور مختلف قسم کی تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ فرشتے' جن' انسان' چوپائے' پرند' جنگلی جانور' درند' کیڑے' پتنگے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سمندر کی بے شمار مخلوق کا خالق بھی یہی ایک ہے۔ دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے پیچھے وہی لا رہا ہے۔ رات کا اندھیرا دن کا اجالا اسی کے قبضے کی چیزیں ہیں۔ ضرورت کے وقت اندازہ کے مطابق بادلوں سے پانی وہی برساتا ہے۔ رزق سے مراد بارش ہے۔ اس لئے کہ اسی سے کھانے کی چیزیں اُگتی ہیں۔ خشک بنجر زمین سبز و شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگاتی ہے۔ شمالی جنوبی' پروا پچھوا' تر و خشک' کم و بیش رات اور دن کی

ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بعض ہوائیں بارش کو لاتی ہیں۔ بعض بادلوں کو پانی والا کر دیتی ہیں۔ بعض روح کی غذا بنتی ہیں اور ان کے سوا اور کاموں کیلئے چلتی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ پھر یقین والوں کیلئے فرمایا۔ پھر عقل والوں کیلئے فرمایا: یہ ایک عزت والے حال سے دوسرے عزت والے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ اس کے مثل سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (بقرہ:۱۶۴) ہے۔ امام ابن حاتم نے یہاں پر ایک طویل اثر ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ غریب ہے۔ اس میں انسان کو چار قسم کے اخلاط سے بھی پیدا کرنا بھی ہے۔ واللہ اعلم

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر اس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ بڑی خرابی ہوگی ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا ہو نافرمان ہو۔ جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب کہ وہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں اور پھر بھی وہ تکبر کرتا ہوا (اپنے کفر پر) اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم (آ رہا) ہے اور (اس وقت) نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آئیں گی جو (دنیا میں) کی گئے تھے اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز اور معبود بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی (ان) آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۝

سرِ غرور پر ضربات مسلسل:

مطلب یہ ہے کہ قرآن جو حق کی طرف سے نہایت صفائی اور وضاحت سے نازل ہوا ہے۔ اس کی آیتیں تجھ پر تلاوت کی جارہی ہیں۔ جسے یہ سن رہے ہیں اور پھر بھی نہ ایمان لاتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں تو پھر آخر ایمان کس چیز پر لائیں گے۔ ان کے لئے ویل ہے اور ان پر افسوس ہے۔ جو زبان کے جھوٹے کام کے گنہگار اور دل کے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتے ہوئے اپنے کفر کا انکار اور بدباطنی پر اڑے ہوئے ہیں۔ گویا سنا ہی نہیں۔ انہیں سنا دو کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سخت عذاب ہے۔ قرآن کی آیتیں ان کے مذاق کی چیزیں رہ گئی ہیں۔ تو جس طرح یہ میرے کلام کی آج اہانت کرتے ہیں۔ کل میں انہیں ذلت کی سزا دوں گا۔ حدیث شریف میں ہے

کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بے قدری کریں۔[1] پھر اس ذلیل کرنے والے عذاب کا بیان فرمایا کہ ان خصلتوں والے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان کے مال اولاد اور ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں یہ زندگی بھر پوجتے رہے۔ انہیں کچھ کام نہ آئے انہیں زبردست اور بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور اس کی آیتوں سے جو منکر ہیں ان کے لئے سخت المناک عذاب ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور کہ تم شکر کرو اور (اسی طرح) یقینی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف مسخر بنایا۔ بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں۔ آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے عمل کا صلہ دے جو شخص نیک کام کرتا ہے سوا اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے ○

یہ اُمنڈتے دریا:

اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرما رہا ہے کہ اسی کے حکم سے سمندر میں اپنی مرضی کے مطابق سفر طے کرتے ہو۔ بڑی بڑی کشتیاں مال سے اور سواری سے لدی ہوئی ادھر سے اُدھر لے جاتے ہو۔ تجارتیں اور کمائی کرتے ہو۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ تم شکر اللہ بجالاؤ۔ نفع حاصل کر کے۔ رب کا احسان مانو۔ پھر اس لئے آسمان کی چیز جیسے سورج چاند ستارے اور زمین کی چیز جیسے پہاڑ نہریں اور تمہارے فائدے کی بے شمار چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دیں۔ یہ سب اس کا فضل و احسان انعام و اکرام ہے اور اسی ایک کی طرف سے ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا بِكُمْ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ یعنی تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں اور اب بھی تم سختی کے وقت اس کی طرف گڑگڑاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہ نام ہے اس کے ناموں میں سے پس یہ سب اسی کی جانب سے ہے۔ کوئی نہیں جو اُس سے چھینا جھپٹی یا جھگڑا کر سکے۔ ہر ایک اس یقین پر ہے کہ وہ اسی طرح ہے۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ مخلوق کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نور سے اور آگ سے اور اندھیرے سے اور مٹی سے اور کہا: جاؤ! ابن عباس کو اگر دیکھو تو ان سے بھی دریافت کر لو۔ اس نے آپ سے بھی پوچھا' یہی جواب پایا۔ پھر فرمایا: واپس ان کے پاس

[1] جہاد کے موقع پر جب شکست کے خطرات زیادہ ہوں' قرآن مجید اور عورتوں کو ساتھ لے جانے کی خاص ممانعت ہے۔

جاؤ اور پوچھو کہ یہ سب کس چیز سے پیدا کئے گئے۔ وہ لوٹا اور سوال کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ یہ اثر غریب ہے اور ساتھ ہی منکر بھی ہے۔ غور وفکر رکھنے والوں کے لئے اس میں بہت نشانیاں ہیں۔ پھر فرماتا ہے: صبر وتحمل کی عادت ڈالو۔ منکرین قیامت کی کڑوی کسیلی سن لیا کرو۔ مشرک اور اہل کتاب کی ایذاؤں کو برداشت کرلیا کرو۔ یہ حکم شروع اسلام میں تھا۔ لیکن بعد میں جہاد اور جلاوطنی کے احکام نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ تم سب اسی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر نیکی بدی کی جزا سزا پاؤ گے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ ھٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (یعنی علم کا احکام) اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کے دی تھیں اور ہم نے ان کو جہان والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دیں سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد امندی کے۔ آپ کا رب ان کے آپس میں قیامت کے روز ان امور میں (عمل) فیصلہ کرے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے پھر ہم آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا۔ سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور جہلا کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت کا سبب ہے ○

اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے انعامات:

بنی اسرائیل پر جو نعمتیں رحیم وکریم اللہ تعالیٰ نے انعام فرمائی تھیں' ان کا ذکر فرما رہا ہے کہ کتابیں ان پر اُتاریں' رسول ان میں بھیجے' حکومت انہیں دی' بہترین غذائیں اور ستھری صاف چیزیں انہیں عطا فرمائیں اور اس زمانے کے اور لوگوں پر انہیں برتری دی اور انہیں اَمر دین کی کھلی ہوئی اور عمدہ دلیلیں پہنچائیں اور ان پر حجت اللہ قائم ہوگئی۔ پھر ان لوگوں نے پھوٹ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے اور

اس کا باعث بجز نفسیات اور خودی کے اور کچھ نہ تھا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا۔ اس میں اس امت کو متنبہ کیا گیا ہے کہ خبردار! تم ان جیسے نہ ہونا۔ ان کی چال نہ چلنا۔ اسی لئے اللہ جل وعلا نے فرمایا کہ تو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ۔ مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ۔ جاہلوں کی ریس نہ کر۔ یہ تجھے اللہ کے ہاں کیا کام آئیں گے۔ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں۔ یہ اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا ولی و ناصر ورفیق و کارساز خود پروردگار عالم ہے۔ جو انہیں اندھیریوں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں۔ جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیروں میں جھونکتے ہیں۔ یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ ہی ہدایت و رحمت ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے یہ برا حکم لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا اللہ اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اسکی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسا شخص کو بعد اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ○

یہ غلط فہمیاں:

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومن و کافر برابر نہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ جنتی کامیاب ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان و اچھائی والے موت و زیست میں دنیا و آخرت میں برابر ہو جائیں۔ یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ بدگمانی ہے۔ مسند ابو یعلی میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ اللہ سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ چاروں کیا ہیں؟ فرمایا: یہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال حرام، حکم وممانعت یہ چاروں صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اس کے حلال کو حلال اس کے حرام بتائے ہوئے کو حرام ماننا۔ اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا۔ اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال حرام امر و نہی کا مالک صرف اسی کو جاننا۔ بس یہ دین کی اصل ہے۔ حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے

حدیث غریب ہے۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی بنیاد میں سے ایک پتھر نکلا تھا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو۔

طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داریؓ رات بھر تہجد میں بار بار اسی آیت کو پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا اور کسی پر اس کی طرف سے ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے کہ تم نے انہیں بھی دیکھا ہے جو اپنی خواہشوں کو اللہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس کام کی طرف طبیعت مائل ہوئی بس کر ڈالا۔ جس سے دل رُکا چھوڑ دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے اس اصول کو رد کرتی ہے کہ اچھائی برائی عقلی ہے۔ حضرت امام مالک اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کی عبادت اس کے جی میں خیال گزرتا ہے اسی کو پوجنے لگتا ہے۔ اس کے بعد کے جملے کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنا پر اسے مستحق گمراہی جان کو گمراہ کر دی۔ دوسرا معنی یہ کہ اس کے پاس علم و حجت دلیل و سند آ گئی۔ پھر اسے گمراہ کیا۔ یہ دوسری بات پہلی کو بھی مستلزم ہے اور پہلی دوسری کو مستلزم نہیں۔ اس کے کانوں پر مہر ہے۔ نفع دینے والی شرعی بات سنتا ہی نہیں اس کے دل پر مہر ہے ہدایت کی بات دل میں اترتی ہی نہیں۔ اس کی آنکھوں پر پردہ ہے کوئی دلیل اسے دکھتی ہی نہیں۔ بھلا اب اللہ تعالیٰ کے بعد اسے کون راہ دکھائے گا۔ کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ جیسے فرمایا: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہیں۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یہ (بعث کے منکر) لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے کہ مرتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آ جاتی ہے اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں اور جس وقت (اس بارہ میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا (اس پر) اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے سامنے لے آؤ کہ تم سچے ہو۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر جب چاہے گا تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن جس (کے وقوع) میں ذرا شک نہیں، تم کو جمع کرے گا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

کتنا لغو دعویٰ:

دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین عرب کا بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہی ابتدا اور انتہا ہے۔ کچھ جیتے ہیں کچھ مرتے ہیں، قیامت کوئی چیز نہیں۔ فلاسفر اور علم کلام کے قائل بھی یہی کہتے تھے۔ یہ لوگ ابتداء انتہا کے قائل نہ تھے

اور فلاسفر میں سے جو لوگ دہریہ اور دوریہ تھے۔ وہ خالق کے بھی منکر تھے ان کا خیال تھا کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد زمانہ کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور ایسے کئی دور کے وہ قائل تھے۔ دراصل یہ معقول سے بھی بے کار جھگڑتے تھے اور منقول سے بھی روگردانی کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ گردش زمانہ ہی ہلاک کرنے والی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور وہم و خیال کے کوئی وہ سند پیش نہیں کر سکتے۔ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے۔ وہ دہر کو (یعنی زمانہ کو) گالیاں دیتا ہے۔ دراصل دہر میں ہوں۔ تمام کام میرے تصرف میں ہیں۔ دن رات کا ہیر پھیر میں کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے۔ دہر کو گالی نہ دو اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ ابن جریرؒ نے اسے ایک بالکل غریب سند سے ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ہمیں دن رات ہی ہلاک کرتے ہیں وہی ہمیں مارتے جلاتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں نقل فرمایا: وہ زمانے کو برا کہتے تھے۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا: مجھے ابن آدم ایذا پہنچاتا ہے۔ وہ زمانے کو برا کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں میرے ہاتھوں میں سب کام ہیں۔ میں دن رات کو لانے اور لے جانے والا ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے ابن آدم زمانے کو گالیاں دیتا ہے۔ میں زمانہ ہوں۔ دن رات میرے ہاتھ میں ہیں اور حدیث میں ہے کہ میں نے بندے سے قرض طلب کیا اس نے مجھے نہ دیا۔ مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں۔ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے زمانہ میں ہوں۔ امام شافعیؒ اور ابو عبیدہ وغیرہ ائمہ لغت و تفسیر اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے عربوں کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ اسے زمانہ کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو برا کہتے۔ دراصل زمانہ خود تو کچھ کرتا نہیں۔ ہر کام کا کرتا دھرتا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے ان کا زمانے کو گالی دینا فی الواقع اسے برا کہنا تھا۔ جس کے ہاتھ میں اور جس کے بس میں زمانہ ہے۔ جو راحت و رنج کا مالک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے۔ پس وہ گالی حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ پر پڑتی ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور لوگوں کو اس سے روک دیا۔ یہی شرح بہت ٹھیک ہے اور بالکل درست ہے۔ امام ابن حزم وغیرہ نے اس حدیث سے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ واللہ اعلم

پھر ان بے علموں کی کٹ حجتی بیان ہو رہی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ جلائے جانے کی بالکل صاف دلیلیں جب انہیں دی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ جھٹ سے کہتے ہیں کہ اچھا پھر ہمارے مردہ باپ دادوں کو زندہ کر کے ہمیں دکھا تو ہم مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے تمہیں موجود کر دیا۔ پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے۔ تو جو ابتداً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہو گا؟ بلکہ عقلاً ہدایت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اسی کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت ہی آسان ہوتا ہے۔ پس یہاں فرمایا کہ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔ وہ دنیا میں تمہیں دوبارہ لانے کا نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ۔ یہ دار عمل ہے دار جزا قیامت کا دن ہے۔ یہاں تو ہر ایک کو تھوڑی بہت تاخیر مل جاتی ہے جس میں اگر وہ چاہے اس دوسرے گھر کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے۔ پس اپنی بے علمی کی بنا پر تمہیں اس کا انکار نہ کرنا چاہئے تم گو اس کو دور جان رہے ہو۔ لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے۔ تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو۔ لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے۔ مؤمن باعلم اور ذی عقل ہیں کہ وہ اس پر یقین کامل رکھ کر عمل میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور اللہ ہی کو سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور (اس روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے (ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کے حساب) کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا اور کہا جائے گا کہ یہ (نامۂ اعمال) ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے اور ہم دنیا میں تمہارے اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے ہیں ○

تمام امم واقوام عالم:

اب سے لے کر ہمیشہ تک اور آج سے پہلے بھی تمام آسمانوں کا کل زمینوں کا مالک بادشاہ سلطان اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اور اس کی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے منکر قیامت کے روز بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ حضرت سفیان ثوریؒ جب مدینہ شریف تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ معافری ایک ظریف شخص ہیں۔ لوگوں کو اپنے کلام سے ہنسایا کرتے تھے۔ تو آپ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا: کیوں جناب کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دن آئے گا جس میں باطل والے خسارے میں پڑیں گے اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور حضرت معافریؒ مرتے دم تک اس نصیحت کو نہ بھولے۔ (ابن ابی حاتم)

وہ دن ایسا ہولناک اور سخت ہوگا کہ ہر شخص گھٹنوں پر گرا ہوگا۔ یہ اس وقت جب کہ جہنم سامنے لائی جائے گی اور وہ ایک جھرجھری لے گی۔ جس سے ہر شخص کانپ اٹھے گا اور اپنے گھٹنوں پر جائے گا۔ یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ اور روح اللہ حضرت عیسیٰؑ بھی۔ انکی زبان سے بھی اس وقت نفسی نفسی نکلے گا۔ صاف کہہ دیں گے کہ خدایا! آج ہم تجھ سے نہیں مانگتے۔ صرف اپنے سلامتی چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے کہ آج میں اپنی والدہ کے لئے بھی تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا۔ بس مجھے بچالے۔ گو بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ الگ الگ ہوگا۔ لیکن اس سے بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے کی۔ یعنی ہر ایک اپنے زانو پر گرا ہوگا۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گویا میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور مرفوع حدیث میں جس میں صور وغیرہ کا بیان ہے۔ یہ بھی ہے کہ پھر لوگ جدا جدا کر دیئے جائیں گے اور تمام امتیں زانو پر جھک پڑیں گی یہی فرمان اللہ ہے: ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً﴾ اس دونوں حالتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ پس دراصل دونوں تفسیروں میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ﴾ (زمر: ۶۹) نامہ اعمال رکھا جائے گا اور نبیوں کو گواہوں کو لایا جائے گا آج تمہیں تمہارے ہر ہر عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ جیسے فرمان ہے: ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (قیامہ: ۱۳) انسان کو ہر اس چیز سے باخبر کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجی اور پیچھے چھوڑی۔ اسکے اگلے پچھلے تمام تر حیلے سامنے لا ڈالے۔ یہ اعمال نامہ جو ہمارے حکم سے ہمارے امین اور سچے فرشتوں نے لکھا ہے۔ وہ تمہارے اعمال سامنے پیش کر دینے کے لئے کافی وافی ہے۔ جیسے ارشاد

ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ﴾ یعنی نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ تو تو دیکھے گا کہ گنہگار اس سے خوف زدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اس عمل نامہ کی تو صفت یہ ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو قلم بند کئے بغیر چھوڑا ہی نہیں ہے۔ جو کچھ انہوں نے کیا تھا' سب سامنے حاضر پالیں گے۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے محافظ فرشتوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے رہا کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ پھر انہیں لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔ آسمان کے دیوان عمل کے فرشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہر رات اسکی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے۔ جسے اللہ نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا ہے تو ایک حرف کی کمی بیشی نہیں پاتے۔ پھر آپ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿٣٠﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں۔ سو تم نے (قبول کرنے سے) تکبر کیا تھا اور تم (اس وجہ سے) بڑے مجرم تھے اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں اور (اس وقت) ان کو اپنے

تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور آج تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دینوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ (کی خفگی) کا تدارک چاہا جائے گا سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کو اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار تمام عالم کا اور اسی کی بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے ○

فوزِ مبین ☆

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اس فیصلہ کی خبر دیتا ہے جو وہ آخرت کے دن اپنے بندوں کے درمیان کرے گا۔ جو لوگ اپنے دل سے ایمان لائے اور اپنے ہاتھ پاؤں سے مطابق شرع نیک نیتی کے ساتھ اچھے عمل کئے انہیں اپنے رحم وکرم سے جنت عطا فرمائے گا۔ رحمت سے مراد جنت ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے۔ جسے میں چاہوں تجھے عطا فرماؤں گا۔ کھلی کامیابی اور حقیقی مراد کو حاصل کر لینا یہی ہے اور جو لوگ ایمان سے رک گئے بلکہ کفر کیا۔ ان سے قیامت کے دن بطور ڈانٹ کے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں سنائی جاتی تھیں۔ پھر بھی تم نے غرور نخوت میں آ کر ان کی اتباع نہ کی۔ بلکہ ان سے منہ پھیرے رہے۔ اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب لئے ہوئے تم نے ظاہراً اپنے افعال میں بھی اس کی نافرمانی کی۔ گناہوں پر گناہ دلیری سے کرتے چلے گئے اور جب ایماندار تم سے کہتے کہ اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے اور قیامت ضرور قائم ہو گی۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم پلٹ کر جواب دے دیا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کسے کہتے ہیں؟ ہم کو کچھ یونہی سا وہم ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں ہرگز یقین نہیں کہ قیامت ضرور آئے گی ہی۔ اب ان کی بداعمالیوں کی سزا ان کے سامنے آ گئی۔ اپنی آنکھوں اپنے کرتوت کا بدلہ دیکھ چکے اور جس عذاب کے منکر تھے جسے مذاق میں اڑاتے تھے۔ جس کا ہونا ناممکن سمجھ رہے تھے۔ ان عذابوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور انہیں ہر قسم کی بھلائی سے مایوس کرنے کے لئے کہہ دیا گیا کہ ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے۔ جیسے کوئی کسی کو بھول جاتا ہے۔ یعنی جہنم میں جھونک کر پھر تمہیں کبھی اچھائی سے یاد بھی نہ کریں گے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔ اس کے لئے تم نے کوئی عمل نہ کیا۔ کیونکہ تم اس کے آنے کی صداقت کے قائل نہ تھے۔ اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی مدد کر سکے۔

صحیح حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قیامت کے دن فرمائے گا کیا میں نے تجھے بال بچے نہیں دیئے تھے۔ کیا میں نے تجھ پر دنیا میں انعام واکرام نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تیرے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کو مطیع اور فرمانبردار نہیں کیا تھا؟ اور تجھے چھوڑ دیا تھا کہ سرور وخوشی کے ساتھ اپنے مکانات اور حویلیوں میں آزادی کی زندگی بسر کرے؟ یہ جواب دے گا کہ میرے پروردگار! یہ سب سچ ہے۔ بیشک تیرے یہ تمام احسانات مجھ پر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پس آج میں تجھے اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے: یہ سزائیں تمہیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا خوب مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تم اسی پر مطمئن تھے اور اس قدر تم نے بے فکری برتی کہ آخر آج نقصان

اور خسارے میں پڑ گئے۔ اب تم دوزخ سے نکالے نہ جاؤ گے اور تم سے ہماری خفگی کے دور کرنے کی کوئی وجہ طلب نہ کی جائے گی یعنی اس عذاب سے تمہارا چھٹکارا بھی محال اور اب میری رضا مندی کی تمہیں حاصل ہونا بھی ناممکن۔ جیسے مؤمن بغیر حساب کتاب و عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ ایسے ہی تم بے حساب عذاب کئے جاؤ گے اور تمہاری توبہ بے سود رہے گی۔ اپنے اس فیصلہ کو جو مؤمنوں اور کافروں میں ہوگا' بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ تمام زمین و آسمان کا مالک اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کل جہان کا پالنہار ہے۔ اسی کی کبریائی یعنی سلطنت اور بڑائی آسمانوں اور زمینوں پر ہے۔ وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے۔ ہر ایک اس کے سامنے پست ہے۔ ہر ایک اس کا محتاج ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے' اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے: عظمت میرا تہمد ہے اور کبریائی میری چادر ہے' جو شخص ان میں سے کسی کو بھی مجھ سے لینا چاہے' میں اسے جہنم رسید کر دونگا۔ یعنی غرور تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ وہ عزیز ہے یعنی غالب ہے۔ جو کبھی کسی سے مغلوب نہیں ہونے کا۔ کوئی نہیں جو اس پر روک ٹوک کر سکے۔ اسکے سامنے پڑ سکے۔ وہ حکیم ہے اسکا کوئی قول کوئی فعل' اس کی شریعت کا کوئی مسئلہ' اسکی لکھی ہوئی تقدیر کا کوئی حرف حکمت سے خالی نہیں۔ وہ بلندی اور برتری والا ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں نہ اسکے سوا کوئی مسجود ہے۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَاف

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۳۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾

حٰم۔ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے ہم نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں۔ آپ کہئے کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں ○

یہ سب کچھ بے کار کھیل نہیں:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کو اس نے اپنے بندے اور اپنے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوگی اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں[1]۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اور ان سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔ اس رسول سے اس کتاب سے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی اور نشانیوں سے جو بد باطن لوگ بے پروائی کرتے ہیں' انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔ پھر فرماتا ہے ذرا ان مشرکین سے پوچھو[2] کہ اللہ کے سوا جن کے نام تم جپتے ہو' جنہیں پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو' ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ۔ بتلاؤ کہ زمین کے کس ٹکڑے خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں' ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے کسی کو ایک ذرّے کا بھی اختیار نہیں۔ تمام ملک کا مالک وہی ہے۔ ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا وہی ہے۔ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے تمہیں یہ شرک سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہوسکتی۔ نہ خدا تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے۔ اگر تم خدا کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا[3] اس کتاب کو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کردو۔ اچھا نہ سہی اپنے اس مسلک پر کوئی اور دلیل علم ہی قائم کرو۔ لیکن یہ تو جب ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو اس باطل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی۔ ایک قراءت میں ﴿اَوْ اَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم نقل کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس امر کی کوئی دلیل پیش کرو۔ مسند احمد میں ہے' اس سے مراد علمی تحریر ہے۔ راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ حدیث نوع ہے۔ حضرت ابوبکر ابن عیاش رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' مراد بقیہ علم ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کردو اور ان بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی خاص علم اور سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں مراد وہی ہے جو ہم نے

---

[1] ان آیات میں چند اہم امور وعقائد کی جانب توجہ دلائی گئی اول تو یہ کہ عقائد وتعلیمات کا مجموعہ ہے اس کو نازل کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر اس کی یہ حیثیت باور کرلی جائے تو پھر قرآن حکیم کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں ذرا تامل نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ ساری دنیا کو ہم ہی نے پیدا کیا دہریت پر ایک ضرب کاری ہے۔ تیسری بات یہ بتائی گئی کہ ہر چیز سے مقصود کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔ تخلیق عالم بلاوجہ نہیں ہے۔ چوتھی حقیقت یہ پیش کی گئی کہ دنیا کی ہر چیز کا وقت متعین ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے تو اشیا ختم ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت مقررہ پر یہ عالم بھی باقی نہ رہے گا۔ گویا کہ ہر چیز فانی ہے۔

[2] بالعموم قرآن مجید توحید کے ثبوت میں دلائل قائم کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی خود مشرکین کے جواز پر بھی دلائل طلب کر لئے جاتے ہیں۔ یہ آیات انہیں آیات میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے دلائل کا مطالبہ فرمایا ہے۔

[3] عارفین نے آیت سے نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل کے مسموع نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ کسی کا دعویٰ کشف والہام بھی ہرگز نہ سنا جائے گا۔

شروع میں بیان کردی۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی راہ گم کردہ نہیں۔ جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پکارے اور ان سے حاجتیں طلب کرے جن حاجتوں کے برلانے کی ان میں طاقت ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے۔ قیامت تک وہ پکارتے ہیں۔ لیکن وہ غافل ہی ہیں نہ وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں محض بے خبر ہیں۔ نہ کسی چیز کو لے دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں جمادات میں سے ہیں قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو یہ معبودانِ باطل اپنے اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ صاف انکار کر جائیں گے۔ جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ (مریم: ۸۱) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ تاکہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے۔ یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہوں گے اس وقت وہ ان سے منہ پھیر لیں گے اور حضرت خلیلؑ نے اپنی امت سے فرمایا تھا: ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ (عنکبوت: ۲۵) یعنی تم نے اللہ تعالیٰ سے سوا بتوں سے جو تعلقات دنیا میں قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھ لو گے۔ جب کہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور تمہاری جگہ جہنم مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنے طرف سے بنالیا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے۔ وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے اور وہ بڑی مغفرت والا ہے۔ آپ کہہ دیجیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے آتا ہے اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں ○

بے ہودہ گوئی کی ایک عجیب وغریب مثال:

مشرکوں کی سرکشی اور ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جب انہیں خدا کی ظاہر و باہر واضح اور صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ تکذیب وافتراء ضلالت وکفر گویا ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ جادو کہہ کر ہی بس نہیں کرتے' بلکہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اسے تو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ لیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زبانی خدا خوب جواب دلواتا ہے کہ اگر میں نے ہی اس قرآن کو بنالیا ہے اور اس کا سچا نبی تو یقیناً وہ مجھے میرے اس جھوٹ اور بہتان پر سخت تر عذاب کرے گا اور پھر تم تو کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذاب سے چھڑا سکے۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿قُلْ اِنِّي لَنْ يُّجِيْرَنِي مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ...... ﴾ (جن ۲۲) یعنی تو کہہ دے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں اور مجھے پناہ کی جگہ مل سکے گی۔ لیکن خدا کی تبلیغ اور اس کی رسالت کو بجالاتا ہوں اور جگہ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا ﴾ (حاقہ: ۴۴) یعنی اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا۔ پھر کفار کو دھمکایا جارہا ہے کہ تمہاری گفتگو کا پورا علم اس علیم خدا کو ہے۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اس دھمکی کے بعد انہیں توبہ اور انابت کی رغبت دلائی جارہی ہے اور فرماتا ہے وہ غفور رحیم ہے۔ اگر تم اس کی طرف رجوع کرو' اپنے کرتوت سے باز آجاؤ تو وہ بھی تمہیں بخش دے گا اور تم پر رحم کرے گا۔ سورہ فرقان میں بھی اس مضمون کی آیت ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا ﴾ (فرقان: ۵) یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ جنہیں اس نے لکھ لیا ہے اور صبح وشام لکھائی جارہی ہیں۔ تو کہہ دے کہ اس خدا نے اتارا ہے جو ہر پوشیدگی کو جانتا ہے' خواہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں اور غفور رحیم ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا میں میں کوئی پہلا نبی تو نہیں؟ مجھ سے پہلے بھی تو دنیا میں لوگوں کی طرف رسول آتے رہے۔ پھر میرے آنے سے تمہیں اس قدر اچنبھا کیوں ہوا؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا[1]۔ بقول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کے بعد آیت: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ﴾ (فتح: ۲) اتری ہے اسی طرح حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ' حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ' حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسے منسوخ بتلاتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ جب آیت بخشش اتری' جس میں فرمایا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے گناہ بخشے تو ایک صحابی نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ وہ آپ سے کیا کرنے والا ہے بس وہ ہمارے تیرے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ اس پر آیت: ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ (فتح: ۶) اتری یعنی تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ صحیح حدیث میں بھی یہ تو آیت ہے کہ مومنوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کو مبارک ہو' فرمائیے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے بارے میں خدا تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور اس چیز سے روک دیا جاؤں؟ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آخر کا انجام تو مجھے قطعاً معلوم ہے کہ میں جنت میں جاؤں گا۔ ہاں دینوی حال معلوم نہیں کہ اگلے بعض انبیاء کی طرح قتل کیا جاؤں یا اپنی

[1] گویا مجھ کو علم غیب کا نہیں' میں تو تمہاری طرح انسان ہوں ہاں میرے اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ میرا رشتہ وحی سے جڑا ہوا ہے اور تم وحی سے مربوط نہیں ہو۔

زندگی کے دن پورے کر کے اللہ کے ہاں جاؤں؟ اور اسی طرح میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھر برسائے جائیں امام ابن جریر اسی کو معتبر کہتے ہیں اور فی الواقع ہے بھی یہ ٹھیک۔ آپ بالیقین جانتے تھے کہ آپ اور آپ کے پیرو جنت میں ہی جائیں گے اور دنیا کی حالت کے انجام سے آپ بے خبر تھے کہ انجام کار آپ کا اور آپ کے مخالفین قریش کا کیا حال ہوگا؟ آیا وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر ہی رہیں گے اور عذاب کئے جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ لیکن جو حدیث مسند احمد میں ہے۔

حضرت ام العلاءؓ فرماتی ہیں' جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ جس وقت مہاجرین بذریعہ قرعہ اندازی انصاریوں میں تقسیم ہو رہے تھے اس وقت ہمارے حصے میں حضرت عثمان بن مظعون آئے۔ آپ ہمارے ہاں بیمار ہوئے اور فوت بھی ہو گئے۔ جب ہم آپ کو کفن پہنا چکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لا چکے تو میرے منہ سے نکل گیا اے ابوالسائب اللہ تجھ پر رحم کرے۔ میری تو تجھ پر گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیرا اکرام ہی کرے گا۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیسے[1] معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو اکرام کرے گا۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پس آپ نے فرمایا سنو ان کے پاس تو ان کے رب کی طرف سے یقین آ پہنچا اور مجھے ان کے لئے بھلائی اور خیر کی امید ہے۔ قسم ہے اللہ کی باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس پر میں نے کہا اللہ کی قسم اس کے بعد میں کسی کی برات نہیں کروں گی اور مجھے اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعون کی ایک نہر بہہ رہی ہے۔ میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اعمال ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے مسلم میں نہیں اور اس کی ایک سند میں ہے میں نہیں جانتا باوجودیکہ میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ دل کو تو کچھ ایسی لگتی ہے کہ یہی الفاظ موقعہ کے لحاظ سے ٹھیک ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہی یہ جملہ ہے کہ مجھے اس بات سے بڑا صدمہ ہوا۔ الغرض یہ حدیث اور اسی کی ہم معنی اور حدیثیں دلالت ہیں اس امر پر کہ کسی متعین شخص کے جنتی ہونے کا قطعی علم کسی کو نہیں' نہ کسی کو ایسی بات زبان سے کہنی چاہئے۔ بجز ان بزرگوں کے' جن کے نام لے کر شارع علیہ السلام نے انہیں جنتی کہا ہے۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور حضرت ابن سلام اور عمیصا اور بلال' سراقہ اور عبداللہ بن عمر بن حرام جو حضرت جابر کے والد ہیں اور وہ ستر قاری جو بیر معونہ کی جنگ میں شہید کئے گئے اور زید بن حارثہ اور جعفر اور ابن رواحہ اور ان جیسے اور بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ پھر فرماتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہہ دو' میں صرف اس وحی کا مطیع ہوں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے میری طرف آئے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کہ کھول کھول کر ہر شخص کو آگاہ کر رہا ہوں۔ ہر عقل مند میرے منصب سے باخبر ہے واللہ اعلم۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ

[1] گویا کہ حسن ظن کی بنا پر مسلمان نیک ہو تو اس کو بہر حال جنتی کہہ سکتے ہیں۔ ہاں اپنے خیال پر جزم نہ ہونا چاہئے اور نہ اصرار۔ گویا کہ جنتی کہنے کا حکم قطعی نہ ہونا چاہئے۔ محض حسن ظن کی بنا پر کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام العلا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روکنا تو وہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ انہوں نے قسم کھا کر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنتی کہا تھا اور وہ ان کے بہشتی ہونے کا قطعی حکم لگا رہی تھیں جس کی شریعت کی طرف سے اجازت نہیں۔

عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھ کو یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کہ ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی اور یہ ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں ظالموں کے ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر صراط مستقیم رہے ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور وہ نہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان کاموں کے جو وہ کرتے تھے ○

خرافات کا پلندہ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کافرین سے کہو کہ اگر یہ قرآن واقعتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پھر بھی تم اس کا انکار کر رہے ہو تو بتلاؤ تمہارا کیا حال ہوگا[1]۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے مجھے حق کے ساتھ تمہاری طرف یہ پاک کتاب دے کر بھیجا ہے وہ تمہیں کچھ سزا کرے گا؟ تم اس کا انکار کرتے ہوا۔ اسے جھوٹا بتلاتے ہو۔ حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اگلے انبیاء پر نازل ہوتی رہیں اور بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی گواہی دی اس نے حقیقت کو پہچان کر اسے مانا اور اس پر ایمان لایا۔ لیکن تم نے اس کی اتباع سے جی چرایا اور تکبر کیا۔ یہ

[1] یعنی یقین کے درجہ میں نہیں کم از کم احتمال ہی کے درجہ میں مان لو کہ یہ قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو تو تمہارے اس انکار سے تم پر کیا آفت آئے گی۔ ان آیات سے یہ سمجھنا کہ ہر بات کا انکار محض اس خوف سے نہ کرنا چاہئے کہ یہ کہیں حق نہ ہو غلط ہوگا۔ مثلاً قادیانیت انکار حدیث اور اسی طرح کے دوسرے فتنے شریعت حدیث قرآن اور اجماع امت کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لئے ان کی تردید بلا تامل کرنی چاہئے اور ایک سیکنڈ کا سکوت ان میں نہ ہونا چاہئے۔

بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس شاہد نے اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر یقین کر لیا۔ لیکن تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ظالم گروہ کو ہدایت نہیں کرتا شاہد کا لفظ اسم جنس ہے اور یہ اپنے عام معنی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہ یاد رہے کہ آیت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام سے پہلے کی ہے۔ ایسی آیت یہ بھی ہے ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ﴾ (قصص: ۵۳) یعنی جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں اور فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷) یعنی جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا فرمایا گیا ہے ان پر جب تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا پس و پیش سجدے میں گر جاتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ اسکے وعدے سچے اور ہو کر رہنے والے ہیں۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہاں اس آیت سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں' اسلئے کہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آپ مدینہ میں ہجرت کے بعد اسلام قبول کر چکے ہیں حضرت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو' میں نے حضور ﷺ کی زبانی اسکا جنتی ہونا نہیں سنا[1] بجز حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے۔ انہی کے بارے میں آیت ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾[2] نازل ہوئی ہے۔ (صحیحین وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد' ضحاک' قتادہ' عکرمہ' یوسف' عبداللہ بن بلال بن بشار' سدی' ثوری' مالک بن انس' ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ کفار کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن بہتری کی چیز ہوتی تو ہم جیسے شریف انسان جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں ان پر بھلا یہ نیچے درجے کے لوگ جیسے بلال رضی اللہ تعالیٰ' عمار رضی اللہ تعالیٰ' صہیب رضی اللہ تعالیٰ' جناب رضی اللہ تعالیٰ اور انہی جیسے گرے پڑے لونڈی غلام کیسے سبقت کر جاتے۔ پھر تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ہمیں ہی نوازتا حالانکہ یہ قول سخت باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ (انعام: ۵۳) یعنی ہم نے اسی طرح بعض کو بعض کے ساتھ فتنے میں ڈالا۔ تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے انہی پر خدا نے اپنا احسان کیا؟ یعنی انہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے؟ اگر یہ چیز بھلی ہوتی تو ہم اس کی طرف لپک کر جاتے۔ پس یہ خیال ان کا تو خام تھا۔ لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ نیک سمجھ والے سلامت روی والے ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اسی لئے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو قول و فعل صحابہ رسول سے ثابت نہ ہو' وہ بدعت ہے اس لئے کہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو وہ پاک جماعت جو کسی چیز میں پیچھے رہنے والی نہ تھی وہ اسے ترک نہ کرتی چونکہ اپنی بدنصیبی کے باعث یہ گروہ قرآن پر ایمان نہیں لایا اس لئے یہ اپنی خجالت دفع کرنے کو قرآن ہی پر نام دھرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی پرانی غلط باتیں ہیں۔ یہ کہہ کر وہ قرآن اور

[1] یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی معلومات بیان فرما رہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عشرہ مبشرہ اور دیگر ارباب سعادت اصحاب رضی اللہ عنہم کے متعلق آپ ﷺ کی ایسی بشارتیں موجود ہیں۔

[2] زیادہ صحیح یہ ہے کہ شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مثلہ سے تورات مراد ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ عن مسروق قال التورۃ القرآن و موسی مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن والوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ یہی وہ تکبر ہے جس کی بابت حدیث میں ہے کہ نام ہے حق کے ہٹا دینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات امام و رحمت تھی اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کو منزل من اللہ اور سچی کتابیں مانتا ہے۔ عربی فصیح اور بلیغ زبان میں نہایت واضح کتاب ہے۔ اس میں کفار کے لئے وعید ہے اور ایمانداروں کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد کی پوری تفسیر سورہ حم السجدہ میں گزر چکی ہے۔ ان پر خوف نہ ہوگا۔ یعنی آئندہ اور یہ غم نہ کھائیں گے یعنی چھوڑی ہوئی چیزوں کا۔ یہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے جنتی ہیں۔ ان کے پاکیزہ اعمال تھے ایسے کہ رحمت رحیم کرم کریم کی بدلیاں ان پر جھوم جھوم کر موسلا دھار بارش برسائیں۔ واللہ اعلم

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھ پر مداومت دیجیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں۔ جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجیے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کرلیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے اس وعدۂ صادق کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ○

مکارم اخلاق کے زرّیں اصول:

اس سے پہلے چونکہ خدائے تعالیٰ کی توحید کا اور اس کی عبادت کا اور اس پر استقامت کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اسلئے یہاں ماں باپ کے حقوق کی بجا آوری کا حکم ہو رہا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) یعنی تیرا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تو اس کے سوا کسی اور عبادت نہ کر اور ماں باپ کے ساتھ احسان کر اور آیت میں ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (لقمان: ۱۴) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا۔ لوٹنا تو میری طرف ہی ہے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اُن سے بہ تواضع پیش آ ؤ۔

ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم، حکم خدا نہیں؟ سن میں نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی' جب تک کہ تو اللہ تعالیٰ سے کفر نہ کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار پر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوا دیتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری[1]۔ یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے۔ ماں نے حالت حمل میں کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت ﴿وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ (لقمان: ۱۴) اور اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (بقرہ: ۲۳۳) یعنی اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں' ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی ہے اور بالکل صحیح ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اس کی تائید کی ہے حضرت معمر بن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہینہ کی عورت سے نکاح کیا۔ چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا۔ اسکے خاوند نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا۔ آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا۔ وہ تیار ہو کر آنے لگی تو انکی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو۔ خدا کی قسم مخلوق اللہ میں سے کسی سے میں نہیں ملی۔ میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ ہوا ہونا' ناممکن ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا! پڑھا ہے۔ فرمایا! کیا یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ اور ساتھ ہی آیت بھی ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کامل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' واللہ! یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال اس طرف نہیں گیا۔ جاؤ اس عورت کو لے آ ؤ۔ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال میں پایا کہ اس سے فراغت

---

[1] لیکن اس کی باوجود حضرت سعد نے اسلام کو نہیں چھوڑا یہ قانون زبان نبوت سے وضع ہوا کہ مخلوق کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ہرگز جائز نہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسلام' ہجرت' دینی تعلیم کے حصول کے بارے میں ماں باپ کی نافرمانی جائز ہے اور بس۔

حاصل کر چکی تھی[1]۔

حضرت معمر فرماتے ہیں' واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا۔ جتنا اس عورت کا بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا۔ خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا' اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا۔ وہی اسے گھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا ابن ابی حاتم یہ روایت دوسری سند سے ﴿فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ (زخرف:۸۱) کی تفسیر میں ہم نے ذکر کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' جب کسی عورت کو نو مہینے میں بچہ پیدا ہوا ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہے اور جب سات مہینے میں ہو تو مدت رضاعت تیس ماہ اور جب چھ ماہ میں بچہ ہو جائے تو مدت رضاعت دو سال کامل ہے اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے جب وہ اپنی پوری مدت کے زمانے کو پہنچا یعنی قوی ہو گیا۔ جوانی کی عمر میں پہنچ گیا اور پورا مرد شمار ہونے لگا اور چالیس سال کا ہوا۔ عقل پوری آ گئی فہم کمال کو پہنچا۔ حلم اور بردباری آ گئی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں جو حالت اس کی ہوتی ہے عموماً پھر باقی عمر وہی حالت رہتی ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ انسان کب اپنے گناہوں پر پکڑا جاتا ہے؟ فرمایا جب تو چالیس برس کا ہو جائے تو اپنے بچاؤ مہیا کرے[2]۔

ابو یعلیٰ موصلی میں ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس کا ہو جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہو جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں اس کا قیدی ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے بنو امیہ کے دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم وحیا سے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات خداوندی سے حیا تھا۔ عرب شاعر کہتا ہے' بچپنے میں ناسمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ پھر اس کی دعا کا بیان ہو رہا ہے کہ میرے پروردگار میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور میں وہ اعمال کروں' جن سے تو مستقبل میں خوش ہو جائے اور میری اولاد میں میرے لئے اصلاح کر دے یعنی میری نسل اور میرے پیچھے والوں میں۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میرے اقرار ہے کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ اس میں ارشاد ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انسان کو سچے دل سے اللہ کی طرف توبہ کرنی چاہئے اور نئے سرے سے اللہ کی طرف رجوع و رغبت کر کے اس پر جم جانا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم التحیات میں پڑھنے کے لئے اس

---

[1] گویا کہ وہ بدقسمت عورت رجم کر دی گئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جس میں بھول چوک ہو سکتی ہے۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی مواخذہ نہیں۔

[2] اس حدیث میں ایمان اور عمل صالح معتبر ہے۔ یعنی وہ بوڑھا مومن ہو اور ساتھ پاکیزہ عمل۔

دعا کی تعلیم کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاھْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَاجْعَلْنَا شَاکِرِیْنَ لِنِعْمَتِکَ مُثْنِیْنَ بِھَا عَلَیْکَ وَاَتِمَّھَا عَلَیْنَا یعنی اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دے اور ہمارے آپس میں اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہیں دکھا اور ہمیں اندھیروں سے بچا کر نور کی طرف نجات دے اور ہمیں ہر برائی سے بچا لے۔ خواہ وہ ظاہر ہو خواہ چھپی ہو اور ہیں ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور بیوی بچوں میں برکت دے اور ہم پر رجوع فرما۔ یقیناً تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کے باعث اپنا ثنا خواں اور نعمتوں کا اقراری بنا بھرپور نعمتیں ہمیں عطا فرما۔ پھر فرماتا ہے' یہ جن کا بیان گزرا جو اللہ کی طرف توبہ کرنے والے ہیں اور جو نیکیاں چھوٹ جائیں' انہیں کثرت استغفار سے پالینے والے ہی وہ ہیں۔ جن کی اکثر لغزش ہم معاف فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے اعمال کے بدلے ہم انہیں جنتی بنا دیتے ہیں ان کا یہی حکم ہے جیسے کہ وعدہ کیا اور فرمایا یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بروایت روح الامین علیہ الصلوۃ فرماتے ہیں' انسان کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی اور ایک کو ایک کے بدلے میں کیا جائے پس اگر ایک نیکی بھی بچ رہی تو اللہ تعالیٰ اسی کے عوض اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ راوی حدیث نے اپنے استاد سے پوچھا اگر تمام نیکیاں ہی برائیوں کے بدلے میں چلی جائیں تو؟ آپ نے فرمایا ان کی برائیوں سے اللہ رب العزت تجاوز فرمالیتا ہے۔ دوسری سند میں یہ بفرمان اللہ عزوجل مروی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند پختہ ہے۔ حضرت یوسف بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی بصرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غالب آ گئے' اس وقت میرے پاس حضرت محمد بن حاطب رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے پاس تھا اور اس وقت وہاں حضرت عمار' حضرت اشتر حضرت محمد بن ابوبکر بھی تھے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ سے عثمانؓ کا ذکر کیا اور کچھ گستاخی کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں سے تھے' جن کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ ......﴾ قسم اللہ کی جن کا ذکر اس آیت میں ہے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے ساتھی۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا' سچ کہو تمہیں اللہ کی قسم تم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ سنا ہے۔ فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سنا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَھُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ

مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۸ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝۲۰ ع

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم مجھ کو یہ وعدہ (یعنی خبر) دیتے ہو کہ میں قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کہ قبر سے نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہوا یمان لا بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا۔ جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بے شک یہ خسارے میں رہے اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تا کہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دینوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اسی وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیوں کیا کرتے تھے ۝

ناخلف اولاد:

چونکہ اُوپر ان لوگوں کا حال بیان ہوا تھا۔ جو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرتے ہیں اور ان کی خدمتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اخروی درجات کا وروہاں نجات پانے کا اور اپنے رب کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بعد ان بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں۔ انہیں باتیں سناتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد الرحمٰن کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسے کہ عوفی بہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں' جس کی صحت میں کلام ہے اور جو قول نہایت کمزور ہے۔ اسلئے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے اسلام والوں میں سے تھے[1]۔ بلکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ بعض مفسرین کا بھی یہ قول ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مروان نے اپنے خطبے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں ایک اچھی رائے سمجھائی ہے اگر انہیں اپنے بعد خلیفہ کے طور پر نامزد کر جائیں تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہی ہے۔ اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر

[1] زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہدایت کافر اولاد کے بارے میں ہے جو اپنے مسلمان ماں باپ کی دعوت اسلام پر بجائے لبیک کہنے کے نافرمانی اور کفر کا مظاہرہ مروان نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا نام لے کر اپنے خبث باطنی کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان کفر و شریک سے قطعاً محفوظ رہا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ کیا ہرقل کے دستور پر اور نصرانیوں کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟ قسم ہے اللہ کی نہ تو خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلافت کے لئے منتخب کیا نہ اپنے کنبے قبیلے والوں میں سے کسی کو نامزد کیا اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اسے کیا وہ صرف ان کی عزت افزائی اور ان کے بچوں پر رحم کھا کر۔ یہ سن کر مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں' جس نے اپنے والدین کو اف کہا تھا؟ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' کیا تو ایک ملعون شخص کی اولاد میں سے نہیں؟ کیا تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سن کر مروان سے کہا تو نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے جو کہا وہ بالکل جھوٹ ہے۔ وہ آیت ان کے بارے میں نہیں بلکہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مروان جلدی ہی منبر سے اُتر کر آپ کے حجرے کے دروازے پر آیا اور کچھ باتیں کر کے لوٹ گیا۔

بخاری میں یہ ہے حدیث دوسری سند سے اور الفاظ کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مروان حجاز کا امیر بنایا گیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مروان نے حضرت عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لینے کا حکم اپنے سپاہیوں کو دیا[1] لیکن یہ دوڑ کر اپنی ہمشیرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ اس وجہ سے انہیں کوئی پکڑ نہ سکا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ میں سے ہی فرمایا کہ ہمارے بارے میں بجز میری پاکدامنی کی آیتوں کے اور کوئی آیت نہیں اتری۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ اس خطبہ سے مقصود یزید کی طرف سے بیعت حاصل کرنا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ مروان اپنے اس قول میں جھوٹا ہے' جس کے بارے میں یہ آیت اتری ہے مجھے بخوبی اس کا نام معلوم ہے لیکن میں اس وقت اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی لیکن ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ کو ملعون کہا ہے اور مروان اس کی پشت میں تھا۔ پس یہ اس خدائی لعنت کا بقیہ ہے۔ یہ جہاں اپنے ماں باپ کی بے ادبی کرتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی سے بھی نہیں چوکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس زندگی سے کیا ڈراتے ہو' مجھ سے پہلے سینکڑوں زمانے گزر گئے۔ لاکھوں کروڑوں انسان مرے میں نے تو کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ان میں سے ایک بھی تو لوٹ کر خبر دینے نہیں آیا۔ ماں باپ بیچارے اس سے تنگ آ کر جناب باری سے اس کی ہدایت چاہتے ہیں۔ اس کی بارگاہ میں اپنی فریاد پہنچاتے ہیں اور پھر اس سے کہتے ہیں کہ بدنصیب ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ اب بھی مسلمان ہو جا۔ لیکن یہ مغرور پھر جواب دیتا ہے کہ جسے تم ماننے کو کہتے ہو' میں تو اسے ایک دیرینہ قصہ سے زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جیسے گزشتہ جنات اور انسانوں کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ جنہوں نے اپنا نقصان بھی کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں' یہاں لفظ اولٰئِک ہے حالانکہ اس سے پہلے والذی ہے۔ اس سے بھی ہماری تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے عام ہے۔ جو بھی ایسا ہو۔ یعنی ماں باپ کا بے ادب اور قیامت کا منکر' اس کے لئے یہی حکم ہے چنانچہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا

[1] یہ تمام واقعات اس تاریک عہد کے ہیں۔ جب بدقسمتی سے مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا تھے اور عجمی سازشوں کے تحت ان کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ آج ان واقعات پر غور وفکر اور تاریخی اعتبار سے ان حقائق کا کھوج لگانا قطعی مفید نہیں بلکہ بے اطمینانی کی لہر دوڑا کر بعض اوقات ذہنی تشویش کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ان مسائل پر غور نہ کریں۔

نافرمان اور مرکر جی اٹھنے کا منکر ہے۔ ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے۔ جو کسی مسکین کو بہکائے کہے کہ آئیں تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہہ دے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعون (سے کہے سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو) اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں کا مکان کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے۔ یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائیں اور چیخ و پکار کرنے لگیں۔ پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں! جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں پھر فرماتا ہے کہ جب جہنمی جہنم پر لا کھڑے کئے جائیں گے۔ انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ تم اپنی نیکیاں دنیا ہی میں وصول کر چکے ان سے فائدہ وہیں اٹھا لیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت زیادہ مرغوب اور لطیف غذا سے اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اجتناب کر لیا تھا اور فرماتے تھے' مجھے خوف ہے کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں' جنہیں اللہ تعالیٰ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ یہ فرمائے گا۔ حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی۔ ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے جیسا عمل تھا ویسا ہی بدلہ ملا۔ دنیا میں یہ ناز و نعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے۔ تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس و حسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا

[1] ابن عساکر سے لی ہوئی یہ حدیث نقل کرنے میں ابن کثیر سے کوئی عبارت چھوٹ گئی ہے جو اس کے کسی بھی عربی نسخے میں نسخہ میں نہیں ملتی۔

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور آپ قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے ہیں کہ وہاں ریگ کے مستطیل خم ار تودے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ان سے پہلے اور ان پیچھے بہت ڈرانے والے پیغمبر اب تک گزر چکے ہیں۔ مجھ کو تم پر ایک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادے سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ سو اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ انہوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے اور ان کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا' نہیں نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے تھے ○

احقاف کی وادیوں میں دعوتِ حق:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو اگلے انبیا کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی۔ عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عادِ اولیٰ کی طرف بھیجا تھا۔ جو احقاف میں رہتے تھے[1]۔ احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضر موت کی وادی' جس کا نام برہوت ہے۔ جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا قتادہ کا قول ہے یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شحر تھا۔ یہاں یہ لوگ آباد تھے۔ امام ابن ماجہؒ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے۔ اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے انکے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور روایت میں ہے: ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾ (بقرہ: ۶۶) اور جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً﴾ (حم سجدۃ: ۱۳) پھر فرماتا ہے کہ ہود نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحدین بن جاؤ ورنہ تمہیں اس

[1] جیسا کہ مفسر مرحوم نے لکھا ہے کہ احقاف کے معنی ریت کے لمبے اور مستطیل تودوں کے ہیں۔ عرب کی آبادی ایسے مقامات پر آبادیوں سے ناآشنا تھی۔ دہنہ عرب اس طویل خطہ کا نام ہے۔ جو شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمال اور جنوب میں نجد سے حضر موت تک ۳ لاکھ مربع میل کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع خطہ کے مغربی حلقہ کی زمین سرخ رنگ کی ریت کی ہے۔

بھاری دن کا عذاب ہوگا اس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے۔ تو جرأت کر کے جلد طلب کیا جیسے ایک اور آیت میں ہے: ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ (شوریٰ: ۱۸) یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذاب کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں اس کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ کو بہتر علم ہے۔ اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بے وقوف لوگ ہو۔ اب عذاب اللہ آ گیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ چونکہ خشک سالی تھی' گرمی سخت تھی۔ یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے۔ اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ قہر الٰہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے۔ اس میں وہ عذاب تھا' جسے حضرت ہود علیہ السلام سے یہ طلب کر رہے تھے۔ وہ عذاب ان بستیوں کی تمام ان چیزوں کو جن کی بربادی ہونے والی تھی۔ تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے حکم تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ یعنی جس چیز پر وہ گزر جاتی اسے چورا چورا کر دیتی تھی پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے۔ ایک بھی نہ بچ سکا پھر فرماتا ہے' ہم اسی طرح ان کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو ہمارے رسولوں کو جھٹلائیں اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کریں۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ان کا جو قصہ آیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔

حضرت حارث بکری کہتے ہیں' میں علا بن حضرمی کی شکایت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا۔ ربذہ میں مجھے بنی تمیم کی ایک بڑھیا ملی۔ جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی۔ مجھ سے کہنے لگی' اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے ہے۔ کیا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینے شریف پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عاصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف بیٹھ گیا' جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی گیا۔ اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ سلام علیک کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا! کیا تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا ملی اور یہ خواہش ظاہر کی میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں۔ چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازے پر منتظر ہے۔ آپ نے فرمایا' اسے بھی اندر بلا لو۔ چنانچہ وہ آ گئیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے۔ اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا مضطر کہاں اقرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ پناہ بخدا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ قریب تھے۔ لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستی میں

جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک نیا قاصد قیل نامی روانہ کیا۔ یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے اور اس کی کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جزادہ تھا' اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا۔ پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا ہی نہیں۔ الٰہی عادیوں کو وہ پلا' جو تو انہیں پلانے والا ہے چنانچہ چند سیاہ رنگ کے بادل اٹھے اور ان میں آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر۔ تاکہ عادیوں میں کے کوئی باقی نہ رہے کہا اور جہاں تک علم ہوا ہے' یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف اتنے ہی سوراخ سے ہوا' چھوڑ دی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ۔ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔ ابووائل کہتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک نقل ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے جیسے کہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں گزرا۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپؐ کے مسوڑھے نظر آئیں۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ تو ابر بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی۔ لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو' کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی کی وجہ سے ہلاک کی گئی۔ ایک قوم نے عذاب کے بادل دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ صحیح بخاری مسلم میں بھی یہ روایت دوسری سند سے موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی آسمان کے کسی کنارے سے ابر اٹھتا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے' اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْهِ خدایا! میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ ھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ۔ یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اسکی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔ اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور جب ابر اٹھتا ہے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس طرح نہ ہو' جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا ہوا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کرے گا۔ سورہ اعراف میں عادیوں کی ہلاکت کا پورا اور حضرت ہود علیہ السلام کا پورا واقعہ گزر چکا ہے اس لئے ہم اسے یہاں پر نہیں دہراتے۔ فللّٰہ الحمد والمنّہ۔

طبرانی کی مرفوع حدیث ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی' جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی۔ جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا۔ وہاں سے شہری لوگوں پر آئی۔ لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے' جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے اور سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سر

کشتی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخ سے وہ نکلی جا رہی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے۔ سو چونکہ وہ لوگ آیات الٰہی سے انکار کرتے تھے۔ اس لئے ان کے کان ان کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھ اور نہ ان کے دل اور جس کی وہ ہنسی کرتے تھے اسی نے ان کو آ گھیرا اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی غارت کی ہیں اور ہم نے بار بار نشانیاں بتلا دی تھیں۔ تاکہ وہ باز آئیں سو اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن چیزوں کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی۔ بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے ○

ذہنی تصرفات اور اس کی طاقت:

ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دینوی مال و اولاد وغیرہ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے' ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں۔ ان کے بھی کان آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذاب کا مذاق اڑایا تو بالآخر ان کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں' جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے۔ پس تمہیں ان کی طرح نہ ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان جیسے عذاب تم پر آ جائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست و نابود کر دی گئیں ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنی بد عملیوں کے بدلے پائے ہیں۔ احقاف جو یمن کے پاس ہی حضر موت کے علاقہ میں ہے۔ یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو۔ تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا' اسے دیکھو۔ اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو۔ تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو۔ بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو۔ وہ بھی تمہارے راستے ہی میں پڑتا ہے پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں کو خوب واضح اور ظاہر کر دیا ہے تاکہ لوگ برائیوں سے بھلائی کی طرف

لوٹ آئیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے سوا جن جن معبودانِ باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ گو اس میں اُن کا اپنا خیال یہ تھا کہ ان کی وجہ سے ہم قربِ خدا حاصل کر لیں گے۔ لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جب کہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں' بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ تو گم ہو گئے۔ ان سے بھاگ گئے۔ ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی۔ محض جھوٹ تھا اور صاف افترا اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے۔ پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکہ میں اور نقصان میں ہی رہے واللہ اعلم۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے۔ جب وہ لوگ قرآن کے پاس پہنچ گئے کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے کہنے لگے اے بھائیوں ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں۔ جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آ وَ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور تم کو عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں ○

جنات میں دعوتِ اسلام:

مسند احمد میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے اردگرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جنات نصیبین کے تھے۔ تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو سنانے کے لئے قرآن پڑھا تھا۔ نہ آپ نے انہیں دیکھا۔ آپ تو اپنے صحابہ کے

ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا کہ شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان خبروں کی رکاوٹ ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو خبر دی۔ تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ جاؤ تلاش کرو۔ پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ جب یہاں پہنچی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا۔ جو نیکی کا رہبر ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ خدا کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

مسند میں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنات وحی الٰہی سنا کرتے تھے۔ ایک کلمہ جب ان کے کان میں پڑ جاتا تو وہ اس میں دس اور ملا لیا کرتے۔ پس وہ ایک تو حق نکلتا' باقی سب باطل نکلتے اور اس سے پہلے ان پر تارے پھینکے نہیں جاتے تھے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان پر شعلہ باری ہونے لگی۔ یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پہنچتے اور ان پر شعلہ گرتا اور یہ ٹھہر نہ سکتے۔ انہوں نے آ کر ابلیس سے یہ شکایت کی' تو اس نے کہا کہ کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکروں کو اس کی تحقیقات کے لئے ہر طرف پھیلا دیا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جا کر اسے خبر دی۔ اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو آسمان محفوظ کر دیا گیا اور تمہارا جانا بند ہوا۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی ہے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کی خبر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھی۔ جب آپ پر وحی آئی۔ تب آپ کو یہ معلوم ہوا۔ سیرت ابن اسحاق میں محمد بن کعب کا ایک لمبا بیان منقول ہے۔ جس میں طائف جانا' انہیں اسلام کی دعوت دینا' ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسن اس دعا کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی۔ جو یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھُوَ اِفِیْ علی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ وَبَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یُّنْزِلَ رَبِّیْ غَضَبُکَ اَوْتَحِلَّ سَخَطُکَ وَلَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کسمپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں اے ارحم الراحمین! تو دراصل سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے میرا پالنہار بھی تو ہے۔ مجھے کس کو سونپ رہا ہے۔ کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا قریب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو۔ اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس سے دور رکھ لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھے تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین و دنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو۔ تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت

تیری ہی مدد سے ہے۔ اسی سفر کی واپسی میں آپ نے نخلہ میں رات گزاری اور اسی رات قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نصیبین کے جنات نے آپ کو سنا۔ یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں یہ قول تامل طلب ہے۔ اس لئے کہ جنات کا کلام شریف سننے کا واقعہ وحی شروع ہونے کے زمانہ کا ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اوپر بیان کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اور آپ کا طائف جانا اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کے بعد ہوا ہے۔ جو ہجرت کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے۔

جیسا کہ سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی شیبہ میں ان جنات کی گنتی نو کی ہے۔ جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ انہی کے بارے میں آیتیں نازل ہوئی وہیں۔ پس یہ روایت اور اس سے پہلے کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا اقتضایہ ہے کہ اس مرتبہ جو جن آئے تھے ان کی موجودگی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ تھا۔ یہ تو آپ کی بے خبری میں ہی آپ کی زبانی قرآن سن کر واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد بطور وفد فوجیں کی فوجیں اور جتھے کے جتھے ان کے حضور خدمت میں حاضر ہوئے۔ جیسے کہ اس ذکر کے احادیث و آثار اپنی جگہ آ رہے ہیں انشاء اللہ۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا اس رات کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا تھا؟ تو فرمایا مجھے تیرے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے۔ ان کی آگاہی حضور کو ایک درخت نے دی تھی۔ تو ممکن ہے کہ یہ خبر پہلی دفعہ کی ہو اور اثبات کو ہم نفی پر مقدم مان لیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ سن رہے تھے آپ کو تو کوئی خبر نہ تھی۔ یہاں تک کہ اس درخت نے آپ کو ان کے اجتماع کی خبر دی۔ واللہ اعلم اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے بعد والے کئی واقعات میں سے ایک ہو واللہ اعلم۔

امام حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا نہ خاص ان کے سنانے کے لئے قرآن پڑھا۔ ہاں البتہ اس کے بعد جن آپ کے پاس آئے اور آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ عزوجل کی طرف بلایا۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اس کی روایتیں سنیے۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا۔ آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر یہی خیال گزرتا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا[1]۔ خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں۔ پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی۔ تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا۔ جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا۔ چنانچہ آپ ہمیں لے کر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ شعبی کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا تھا۔ عامر کہتے ہیں یعنی مکے میں اور یہ جن جزیرے کے تھے۔ تو آپ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو کر پڑے گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو۔ یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں

---

[1] وہ وقت تھا کہ مکہ میں کفار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح مغلوب کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے۔

تلاش کر آئے تھے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اس شغل میں رات گزار دی۔

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج رات جنات کے اُمر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا آپ مجھے لے کر چلے۔ جب مکہ شریف کے اونچے حصے میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ کر دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہی بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی۔ پھر تو اس قدر جماعت آپ کے اردگرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہوگئی کہ میں تو آپ کی قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں' اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے باقی رہ گئے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے۔ وہ باقی کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں۔ پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

اس روایت کی دوسری سند میں ہے' کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عبداللہ بن مسعود کو بٹھایا تھا وہاں بٹھا کر فرما دیا تھا کہ خبردار! یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا' نہیں نہیں خدا کی قسم' میں نے تو کئی مرتبہ چاہا کہ لوگوں سے فریاد کروں۔ لیکن میں نے سن لیا کہ آپ انہیں اپنی لکڑی سے دھمکا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہاں سے باہر نکلتے تو مجھے خوف تھا کہ ان میں کے بعض تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا تم نے کچھ دیکھا بھی؟ میں نے کہا ہاں لوگ تھے سیاہ انجان خوفناک' سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جن تھے۔ انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا۔ میں نے ہڈی اور لید گوبر دیا میں نے پوچھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم' اس کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا ہر ہڈی ان کے ہاتھ لگتے ہی ایسی ہو جائے گی جیسے اس وقت تھی' جب کھائی گئی تھی۔ یعنی گوشت والی ہو کر انہیں ملے گی اور لید میں وہی دانے پائیں گے جو اس روز تھے۔ جب وہ دانے کھائے گئے تھے۔ پس ہم میں سے کوئی شخص بیت الخلا میں سے نکل کے ہڈی اور لید سے استنجا نہ کرے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پندرہ جنات جو آپس میں چچازاد' پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ آج رات مجھ سے قرآن سننے کے آنے والے ہیں۔ اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلے کا لفظ بھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دن نکلے میں اس جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدہام ہو گیا تو ان کے سردار ان نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں اِدھر اُدھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں آپ فرماتے ہیں جنات والی رات میں مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو نہیں البتہ ایک ڈولچی میں نبیذ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمدہ کھجوریں اور پاکیزہ پانی۔ (ابوداؤد اور ابن ماجہ)

مسند احمد کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس سے وضو کراؤ۔ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور فرمایا یہ پینے کی اور پاک چیز

ہے مسند احمد میں ہے کہ جب آپ لوٹ کر آئے تو سانس چڑھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس میرے انتقال کی خبر آئی ہے۔ یہی حدیث قدرے زیادتی کے ساتھ حافظ ابو نعیم کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے۔ اس میں ہے کہ میں نے یہ سن کر کہا' پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر جایئے۔ آپ نے کہا کس کو؟ میں نے کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ اس پر آپ خاموش رہے۔ چلتے چلتے پھر کچھ دیر بعد یہی حالت طاری ہوئی۔ میں نے وہی سوال کیا۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ میں نے خلیفہ مقرر کرنے کو کہا۔ آپ نے پوچھا' کسے؟ میں نے کہا' عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ اس آپ خاموش ہو گئے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر یہی حالت اور یہی سوال و جواب ہوئے۔ اب کی مرتبہ میں نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پیش کر دیا۔ تو آپ فرمانے لگے۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر لوگ ان کی اطاعت کریں تو سب جنت میں چلے جائیں۔ لیکن یہ حدیث بالکل ہی غریب[1] ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ محفوظ نہ ہو اور اگر جحت تسلیم کر لی جائے تو اس واقعہ کو مدینہ کا واقعہ ماننا پڑے گا۔ وہاں بھی آپ کے پاس جنوں کے وفود آئے تھے جیسے کہ ہم عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ اس لئے کہ آپ آخری وقت فتح مکہ کے بعد تھا۔ جبکہ دین خدا میں انسانوں اور جنوں کی فوجیں کی فوجیں داخل ہو گئیں اور سورہ اِذَا جَاءَ اتر چکی۔ جس میں آپ کو خبر انتقال دی گئی تھی۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر موافقت ہے جو حدیثیں ہم اس سورہ کی تفسیر میں لائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم۔ مندرجہ بالا حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن اس کی اسناد بھی غریب ہے اور سیاق بھی غریب ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ جنات جزیرہ موصل تھے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار کی تھی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خط کشیدہ جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن جنات کے کھجوروں کے درختوں کے برابر قد و قامت وغیرہ دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن فرمانِ رسول یاد آ گیا کہ اس حد سے باہر نہ نکلنا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس حد سے باہر آ جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکتی اور روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت جن کا ذکر آیت: وَاِذْ صَرَفْنَآ میں ہے نینوئی کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ انہیں قرآن سناؤں۔ تم میں سے میرے ساتھ کون چلے گا۔ اس پر سب خاموش ہو گئے۔ دوبارہ پوچھا پھر خاموشی رہی تیسری مرتبہ دریافت کیا تو قبیلہ ہذیل کے ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ساتھ لے کر حجون کی گھاٹی میں گئے۔ ایک لکیر کھینچ کر انہیں بٹھا دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ یہ دیکھنے لگے کہ گدھوں کی طرح کے زمین سے بالکل قریب اڑتے ہوئے کچھ جانور سے آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بڑا غل غپاڑہ سنائی دینے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ڈر لگنے لگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ غل شور کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ان کے ایک مقتول کا قصہ تھا۔ جس میں ان کا اختلاف تھا۔ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ واقعات صاف ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً جا کر جنات

---

[1] جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے خود ہی اس حدیث کی طرف سے شبہ کا اظہار کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بالکل موضوع روایت ہے خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بارے میں کوئی اتنا صریح حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تو امت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز ہرگز منتخب نہ کرتی۔

کو قرآن سنایا۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور جن مسائل کی انہیں ضرورت تھی' وہ سب بتا دیئے۔ ہاں پہلی مرتبہ جب جنات نے آپ کی زبانی قرآن سنا اس وقت آپ کو معلوم نہ تھا نہ آپ نے انہیں سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ اس کے بعد وہ وفود کی صورت میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمداً تشریف لے گئے اور انہیں سنایا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت نہ تھے۔ جبکہ آپ نے ان سے بات چیت کی۔ انہیں اسلام کی دعوت دی۔ البتہ کچھ فاصلے پر دور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ اس واقعہ میں سوائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کوئی نہ تھا اور دوسری تطبیق ان روایات میں جن میں ہے آپ کے ساتھ ابن مسعودؓ تھے۔ اور جن میں ہے کہ نہ تھے' یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلی دفعہ نہ تھے۔ دوسری مرتبہ تھے واللہ اعلم۔ یہ بھی منقول ہے کہ نخلہ میں جن جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی ۔ وہ نینویٰ کے تھے اور مکہ شریف میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہ نصیبین کے تھے اور یہ جو روایتوں میں آیا کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح بسر کی۔ اس سے مراد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور صحابہؓ ہیں۔ جنہیں اس کا علم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو قرآن سنانے گئے ہیں لیکن اس تاویل کو دل قبول نہیں کرتا واللہ اعلم۔ بیہقی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت اور وضو کے لئے آپ کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کی ڈولچی لئے ہوئے جایا کرتے تھے ایک دن یہ پیچھے پیچھے پہنچے۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ میں ابو ہریرہؓ ہوں فرمایا میرے استنجے کے پتھر لاؤ۔ لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ میں اپنی جھولی میں پتھر بھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے۔ جب آپ فارغ ہو چکے اور چلنے لگے میں بھی آپ کے پیچھے چلا اور پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا وجہ ہے جو آپ نے ہڈی اور لید سے منع فرمایا دیا؟ آپ نے جواب دیا میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھ سے توشہ طلب کیا تھا۔ تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس لید اور ہڈی پر گزریں اسے طعام پائیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کے قریب قریب روایت ہے۔ پس یہ حدیث اور اس سے پہلے کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جنات کا وفد آپ کے پاس اس کے بعد بھی آیا تھا۔ اب ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں' جو دلالت کرتی ہیں کہ جنات آپ کے پاس کئی دفعہ حاضر ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اس کے سوا بھی آپ سے دوسری سند سے منقول ہے۔ ابن جریر میں ہے آپ فرماتے ہیں یہ سات جن تھے نصیبین کے رہنے والے انہیں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی طرف سے قاصد بنا کر جنات کی طرف بھیجا گیا تھا۔

مجاہد کہتے ہیں' یہ جنات تعداد میں سات تھے نصیبین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار کو اہل نصیبین سے۔ ان کے نام یہ ہیں' حسی۔ منسی۔ حسا۔ ساحر۔ الاردو بیان۔ احتم۔

ابوحمزہ ثمالیؒ فرماتے ہیں' انہیں بنوشعبان کہتے ہیں۔ یہ قبیلہ جنات کے قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ نو تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ردیعہ تھا۔ اصل نخلہ سے آئے تھے۔ بعض حضرات سے مروی ہے کہ یہ پندرہ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ ونٹوں پر آئے تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا اور کہا گیا ہے کہ تین سو تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ بارہ ہزار تھے ان سب میں

تطبیق یہ ہے کہ چونکہ وفود کئی ایک آئے تھے ممکن ہے کسی میں چھ۔ سات۔ نو ہی ہوں۔ کسی میں زیادہ کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ اس پر دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہوگی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے' ایک حسین شخص گزرا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانے میں ان لوگوں کا کاہن تھا جانا ذرا اسے لے آنا۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا۔ وہ کہنے لگا۔ مسلمانوں میں اس ذہانت وفطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اب میں تجھے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا۔ اس نے کہا' بہت اچھا سنیے۔ میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کا کاہن تھا۔ میرے پاس میرا جو جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا' وہ سنیئے میں ایک مرتبہ بازار جا رہا تھا کہ وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا' کیا تو نے جنوں کی بربادی مایوسی اور ان کا پھیلنے کے بعد سمٹ جایا اور ان کی درگت نہیں دیکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے یہ سچا ہے میں ایک مرتبہ ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا۔ ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی اس نے کہا: اے جلیح! نجات دینے والا امر آ چکا۔ ایک شخص ہے جو فصیح زبان لا الٰہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے۔ لیکن میں وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا؟ کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا۔ پس کچھ دن ہی گزرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آوازیں ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر آ بھی گیا ہے لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم امام بیہقی نے یہی کہا ہے اور یہی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو۔ وہ میری کتاب سیرت فاروقؓ دیکھ لے۔ وللہ الحمد والمنتہ۔

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر نبوی پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا' کیا سواد بن قارب یہاں موجود ہیں۔ لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کی۔ اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براء نے کہا سوار بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب وغریب ہے۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں' جو حضرت سواد بن قارب آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا' سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ کہہ سناؤ آپ نے فرمایا ہاں سنیے۔ میں ہند گیا ہوا تھا' میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا۔ مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا آٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہے تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے قبیلہ لوی بن غالب میں سے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں جنات کی جس اور ان کے بوریہ بسترہ باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں۔ اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں۔ جا جلدی جا' اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے پر نظریں تو ڈال لے مجھے پھر غنودگی سی آ گئی۔ تو اس نے دوبارہ جگایا اور

کہنے لگا' اے سواد ابن قارب عزوجل نے اپنا رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔ تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو۔ دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا نے کر کہنے لگا۔ مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے ۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر سمجھ لے کہ اس کے دونوں قدم اس کی دموں کی طرح نہیں ۔ تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا' مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب آ رہا ہے۔ وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں ان میں برے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے ۔ تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو۔ مؤمن جنات کافروں کی طرح نہیں تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعتہً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و محبت سے دل پر ہو گیا۔ میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی جگہ قیام کئے سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال ۔ مجھے دیکھتے ہی یکبارگی اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؐ نے فرمایا' سواد بن قارب کو مرحبا ہو۔ آؤ' ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کچھ اشعار کہے ہیں' اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے کہا سواد شوق سے کہو۔ تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے ۔ جن کا مضمون یہ ہے میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی ۔ تین راتیں وہ میرے پاس برابر آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوی بن غالب میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔

اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی رب نہیں اور آپ اللہ کے امانتدار رسول ہیں ۔ آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے ۔ اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد' اے تمام رسولوں سے بہتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم' جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے' وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہوں ۔ ناممکن ہے کہ ہم اسے ٹال دیں ۔ آپ قیامت کے دن ضرور ہمارے سفارشی بننا ۔ کیونکہ وہاں آپ کے بجز سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہو گا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے اور فرمانے لگے' سواد تم نے فلاح پالی ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا' کیا وہ جن اب بھی تیرے پاس آتا ہے؟ اس نے کہا جب سے قرآن پڑھا ہے وہ نہیں آتا ہے ۔ دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں ۔ اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوا تھا ۔ حضرت عمرو بن غلیان ثقفی' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس رات جنات کا وفد حاضر ہوا تھا ۔ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے ساتھ تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنایئے ۔ فرمایا صفہ والے مساکین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کا کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا ۔ میرے پاس حضور کا گزر ہوا' پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود ۔ فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا؟ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا' میں ساتھ ہو لیا ۔ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرے میں گئے میں باہر ہی ٹھہر گیا ۔ تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی ۔ تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ ۔ میں مسجد میں آ گیا

اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ کر سو گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری ہوگی۔ جو وہی لونڈی پھر آئی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ ساتھ ہو لیا اور مجھے امید پیدا ہوگئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلے چلو گے؟ میں نے کہا انشاء اللہ ضرور چلوں گا تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوئے۔ پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا تھوڑی دیر بعد بقیع غرقد جا پہنچے۔ پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایتوں میں گزر چکا۔ اس کی اسناد غریب ہیں اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل بنوۃ میں حافظ ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ لائے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کی اور لوٹ کر لوگوں سے کہا آج رات کو جنات کے وفد کی طرف تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ کے فرمان پر بھی کوئی نہ بولا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے چلے۔ مدینہ کے پہاڑوں سے بہت آگے نکل صاف چٹیل میدان میں پہنچ گئے۔ اب نیزوں کے برابر لمبے لمبے قد کے آدمی نیچے نیچے کپڑے پہنے ہوئے آنے شروع ہوئے۔ میں تو انہیں دیکھ کر مارے ڈر کے کانپنے لگا پھر اور واقعہ مثل حدیث ابن مسعودؓ کے بیان کیا۔ حدیث بھی غریب ہے۔ واللہ اعلم

اسی کتاب میں ایک غریب حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی حج کرنے جا رہے تھے۔ راستے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ کا سانپ راستے میں لوٹ رہا ہے اور اس سے مشک کی خوشبو اڑ رہی ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم تو سب جاؤ' میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں۔ دیکھوں کہ اس سانپ کا کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ چل دیئے اور میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی۔ جو وہ سانپ مر گیا۔ میں نے ایک سفید کپڑا لے کر اس میں لپیٹ کر راستے کے ایک طرف دفن کر دیا اور رات کے کھانے کے وقت اپنے قافلے میں پہنچ گیا۔ اللہ کی قسم میں بیٹھا ہوا تھا' جو چار عورتیں مغرب کی طرف سے آئیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا عمرو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا کون عمرو؟ اس نے کہا تم میں سے کسی نے ایک سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا' ہاں میں نے کیا ہے اور وہ یہ کہنے لگی قسم ہے اللہ کی تم نے بڑے روزے والا بڑے پختہ نمازی کو دفن کیا ہے جو تمہارے نبی کو مانتا تھا اور جس نے آپ کے نبیؐ ہونے کے چار سو سال پہلے آسمان سے آپ کی صفت سنی تھی۔

ابراہیم کہتے ہیں' اس پر ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی۔ پھر حج سے فارغ ہو کر جب ہم فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچے اور میں نے آپ کو یہ سارا قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا' اس عورت نے سچ کہا۔ میں نے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھ پر ایمان لایا تھا' میری نبوت کے چار سو سال پہلے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ دفن کفن کرنے والے حضرت صفوان بن معطل تھے۔ کہتے ہیں کہ صاحب جو یہاں دفن کئے گئے۔ یہ ان نو جنات میں سے ایک ہیں' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن سننے کے لئے وفد بن کر آئے تھے۔ ان کا انتقال ان سب سے اخیر میں ہوا۔ ابونعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المومنین میں ایک جنگل میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا' وہاں گیا' دیکھا تو بہت

سے سانپ قتل کیے ہوئے پڑے ہیں اور البتہ بعض سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کے دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا۔ اب چلا جا رہا تھا۔ جو میں نے ایک آواز سنی کہ اللہ کے بندے تجھے اللہ کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ شعبان اور بنو قیس میں سے تھے۔ ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہی میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنئے۔ ارشاد ہے کہ جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لے کر آئے جو قرآن سب رہے تھے۔ جب وہ حاضر ہو گئے اور تلاوت شروع ہونے کو تھی۔ تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ ادب سکھایا کہ خاموشی سے سنو۔ ان کا ایک اور ادب بھی حدیث میں آیا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے سورہ رحمٰن کی تلاوت کی۔ پھر کیا بات ہے؟ جو تم سب خاموش ہی رہے۔ تم سے تو بہت اچھے جواب دینے والے جنات ثابت ہوئے۔ جب بھی میرے منہ سے انہوں نے یہ آیت: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ (رحمٰن: ۱۳) سنی تو انہوں نے جواب میں کہا: وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآءِكَ اَوْنِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ پھر فرماتا ہے جب فراغت حاصل کی گئی۔ قضی کے معنی ان آیتوں میں بھی یہی ہیں ﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ﴾ (جمعہ: ۱۰) اور ﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ (فصلت: ۱۲) اور ﴿فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ﴾ (بقرہ: ۲۲۰) اور وہ اپنی قوم کو دھمکانے اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے واپس ان کی طرف چلے۔ جیسے اللہ عزوجل وعلا کا فرمان ہے: ﴿لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ﴾ (توبہ: ۱۲۲) یعنی وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو انہیں بھی ہوشیار کر دیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ بچاؤ اختیار کر لیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں خدا کی باتوں کے پہنچانے والے اور ڈرسنانے والے ہیں لیکن ان میں سے رسول نہیں بنائے گئے۔ یہ بات بلا شک ثابت ہے کہ جنوں میں پیغمبر نہیں۔ فرمان باری ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ (یوسف: ۱۰۹) یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے۔ وہ سب بستیوں کے رہنے والے انسان ہی تھے۔ جن کی طرف ہم اپنی وحی بھیجا کرتے تھے اور آیت میں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ (فرقان ۲۰) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت قرآن میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (عنکبوت ۲۷) یعنی ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ پس آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے۔ وہ آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے ہیں لیکن سورہ انعام کی آیت: ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ (انعام: ۱۳۰) یعنی اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ اس کا مطلب اور اس سے مراد یہ دونوں جنس ہیں۔ پس اس کا مصداق صرف ایک جنس ہی ہو سکتی ہے: جیسے فرمان ہے: ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (رحمٰن: ۲۲) یعنی ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔ حالانکہ دراصل ایک میں سے ہی نکلتا ہے اب بیان ہو رہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوتی ہے حضرت عیسیٰ کی کتاب کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ کا

تکیہ تھا۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کے نرم کرنے کے بیانات تھے۔ حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے۔ پس اصل چیز تورات ہی رہی۔ اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت جبریلؑ کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ یہی تو وہ مبارک وجود اللہ کے بھیدی کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ کاش کہ میں کچھ زمانہ اور زندہ رہتا...... پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ پہلے اپنے سے کی تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے۔ وہ اعتقادی مسائل اور قصص جو واقعات میں حق کی جانب رہبری کرتا ہے اور اعمال میں راہ راست دکھاتا ہے۔ قرآن میں دو چیزیں ہیں یا خبر یا طلب' پس اس کی خبر سچی اور اس کی طلب عدل والی۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (انعام: ۱۱۵) یعنی تیرے رب کا کلمہ سچا اور عدل کے لحاظ سے پورا ہی ہے اور آیت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ (توبہ: ۳۳) وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ پس ہدایت' نفع دینے والا علم ہے اور دین نیک عمل ہے یہی مقصد جنات کا تھا۔ پھر کہتے ہیں' اے ہماری قوم اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو۔ اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جنات کو آپ نے اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ صورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے یعنی سورہ الرحمٰن۔

پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا۔ لیکن اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لفظ من کو زائدہ نہ مانیں۔ چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقعہ پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذابوں سے رہائی دے گا۔ اس آیت سے بعض علما نے استدلال کیا ہے کہ ایماندار جنوں کو بھی جنت نہیں ملے گی۔ ہاں عذاب سے چھٹکارا پالیں گے۔ یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا۔ تو اس مقام پر مؤمن جن اسے ضرور بیان کر دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مؤمن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائیں گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ مؤمن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے۔ جیسا کہ ایک سلف کی جماعت کا مذہب ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ (رحمٰن: ۵۶) یعنی حوران بہشتی کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان کا ہاتھ لگا نہ کسی جن کا لیکن اس استدلال میں تامل ہے۔ اس سے بہت بہتر استدلال تو اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ (رحمٰن: ۴۶) یعنی جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ اس کے لئے دو دو جنتیں ہیں۔ پھر اے جنو اور انسانو! تم اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ ان کا نیک کام کے بدلہ جنت ہے اور اس آیت کو سن کر مسلمان انسانوں سے بہت زیادہ شکریہ مسلمان جنوں نے کیا اور اسے سنتے ہی کہا کہ خدایا ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کے منکر نہیں۔ ہم تیرے بہت بہت شکر گزار ہیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے ان پر وہ احسان جتایا جائے جو دراصل انہیں ملنے کا نہیں اور بھی ہماری ایک دلیل سنئے جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مؤمن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے؟ جو

مقام فضل ہے۔ بلکہ یہ بہت زیادہ لائق ہے اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں۔ جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے مثلاً ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ (کہف ۱۰۷) وغیرہ وغیرہ یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت الفردوس ہے۔

الحمدللہ میں نے اس مسئلہ کو بہت کچھ وضاحت کے ساتھ ایک مستقل تصیف میں بیان کر دیا ہے اور سنیے جنت کا تو یہ حال ہے کہ ایمانداروں کے کل کے داخل ہو جانے کے بعد بھی اس بے حد و حساب جگہ بچ رہے گی اور ایک نئی مخلوق پیدا کر کے انہیں اس میں آباد کیا جائے گا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ نیک عمل والے جنات جنت میں نہ بھیجے جائیں اور سنئے یہاں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ گناہوں کی بخشش اور عذابوں سے رہائی اور جب یہ دونوں چیزیں ہیں تو یقیناً یہ مستلزم ہیں دخول جنت کو۔ اس لئے کہ آخرت میں یا جنت ہے یا جہنم۔ پس جو شخص جہنم سے بچالیا گیا۔ وہ قطعاً جنت میں جانا چاہئے اور کوئی نقص صریح یا ظاہر اس بات کے بیان میں وارد نہیں ہوئی کہ مؤمن باوجود دوزخ سے بچ جانے کے جنت میں نہیں جائیں گے۔ اگر تم اس قسم کی صاف دلیل ہو تو بے شک ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں واللہ اعلم۔ نوح علیہ السلام کو دیکھئے اپنی قوم سے فرماتے ہیں اللہ تمہارے گناہوں کو بوجہ ایمان لانے کے بخش دے گا اور ایک وقت مقرر تک تمہیں مہلت دے گا۔ تو یہاں بھی دخول جنت کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے۔ بلکہ بالاتفاق وہ سب جنتی ہیں۔ پس اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے۔ اب چند اور اقوال بھی اس مسئلہ میں سن لیجئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ بیچ جنت میں تو پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں پئیں گے نہیں صرف تسبیح و تحمید و تقدیس ان کا طعام ہوگا۔ جیسے فرشتے۔ اس لئے کہ یہ بھی انہی کی جنس سے ہیں لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے اور سب بے دلیل ہیں پھر مؤمن واعظ فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے گا وہ زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتا۔ بلکہ قدرت اللہ اس پر شامل اور اسے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے عذاب سے انہیں کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ یہ کھلے بہکاوے میں ہیں۔ خیال فرمایئے کہ تبلیغ کا یہ طریقہ کتنا پیارا اور کس قدر مؤثر ہے۔ رغبت بھی دلائی گئی ہے اور دھمکایا بھی۔ اسی لئے ان میں کے اکثر ٹھیک ہو گئے اور قافلے کے قافلے اور فوجیں کی فوجیں بن کر کئی کئی بار اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے مفصلاً ہم نے بیان کر دیا ہے۔ جس پر ہم جناب باری کے احسان کے شکر گزار ہیں واللہ اعلم۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۳ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۴

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا تھکا نہیں وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے گا۔ کیوں نہ ہو بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس روز وہ کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم یہ ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کے بدلہ میں اس کا عذاب چکھو۔ تو آپ صبر کیجئے جیسے اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے انتقام الٰہی کی جلدی نہ کیجئے اور جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں یہ پہنچا دینا ہے سو وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے ○

فاسقین پر اللہ کی لعنت:

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کل آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے انہیں تھکایا نہیں[1]۔ بلکہ صرف کلمہ کن کہنے سے ہی ہو گیا۔ کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرتے دبتے سب موجود ہو گئے۔ کیا اتنی کامل قدرت وقوت والا مردوں کو زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (غافر: ۵۷) یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو مشکل اور اہم پیدائش آسمان و زمین کی ہے۔ لیکن اکثر لوگ بے سمجھ ہیں جب زمین و آسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا خواہ ابتداء ہو خواہ دوبارہ ہو اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ اس لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرنا ہے کہ اس پر وہ قطعی طور پر قادر ہے پھر خداوند جل وعلا کافروں کو دھمکاتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں گے اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ اور لاجواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب تو صحیح نکلے۔ یا اب بھی کوئی شک و شبہ اور انکار و تکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں' تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں۔ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے۔ جو کہا گیا تھا وہی نکلا۔ قسم خدا کی اب ہمیں رتی بھر شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب دو گھڑی پہلے کے کفر کا مزہ چکھو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کی قوم نے اگر آپ کو جھٹلایا آپ کی قدر نہ کی'

[1] یہ تردید ہے یہود اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کو اللہ تعالیٰ نے چھ روز میں کائنات کو پیدا کیا اور پھر وہ تھک گیا اور ساتویں روز اس کو آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

آپ کی مخالفت کی ایذا رسانی کے در پے ہوئے تو یہ کوئی نئی بات نہیں اگلے اولوالعزم پیغمبروں کو یاد کرو کہ کیسی ایذائیں مصیبتیں اور تکلیفیں سہیں[1] اور کن کن زبردست مخالفوں کی مخالفت کو صبر سے برداشت کیا۔ان رسولوں کے نام یہ ہیں: نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہم اجمعین ۔انبیا کے بیان میں ان کے نام خصوصیت سے سورہ احزاب اور شوریٰ میں مذکور ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو من الرسل کا من بیان جنس کے لئے ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا۔پھر بھوکے ہی رہے۔پھر روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا۔پھر فرمانے لگے عائشہؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں ۔عائشہؓ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے خود کو بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم پیغمبروں کو دیا گیا ہے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جو ان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی ۔قسم اللہ کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر وتحمل سے ہی کام لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں ۔پھر فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے ۔اس کی جلدی نہ کر۔جیسے آیت میں ہے: ﴿وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ﴾ (مزمل:۱۱) مجھے اور ان جھٹلانے والوں پیٹ بھروں' مالداروں کو چھوڑ دے اور انہیں کچھ مہلت دے اور فرمایا ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِينَ﴾ (طارق:۱۷) یعنی کافروں کو مہلت دو انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دے پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرلیں گے ۔جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں اس دن یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گزارا ہے اور آیت میں ہے ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا﴾ (نازعات:۴۶) یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک ہی شام گزاری تھی ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ﴾ (یونس:۴۵) یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو ..... یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے ۔پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھہرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا۔دوسرے یہ کہ قرآن پہنچا دینے کے لئے ہے۔ یہ کھلی تبلیغ ہے۔ پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں[2] کے اور کوئی تباہ ہونے والا نہیں ۔یہ اللہ جل وعلا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا سے ہی وہ ہلاک کرتا ہے۔عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور خود کو مستحق عذاب کردے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] فائدہ: یہ ہے کہ صبر بدرجہ کمال صرف انبیا علیہم السلام کی خصوصیات ہیں۔دیگر افراد امت نہ اس درجہ کا صبر کرسکتے ہیں نہ وہ اس کے مکلف۔

[2] لکلاہ کافر بھی مراد ہیں۔جن کے نے تبلیغ اسلام بے کار رہی مدارک میں ہے کہ ای المشرکون الخارجون من الاتعاظ بہ والعمل

حم ۲۶